

## عرضِ مُرتَّب

بیانُ القرآن کے حصّہ چہارم کی اشاعت پر ہم اللہ ربّ العزّت کے حضور سجدہ شکر بجالاتے ہیں۔ اس کام کی رفتار کے سلسلے میں مرتبین و مولفین و طرفہ و باؤ میں ہیں۔ ایک طرف ”جلالِ اسراری“ کے فلک بوس گنبد سے گونجتی ہوئی ”حدی راہِ ترمی خواں“ کی صدائے پیہم ہے تو دوسری طرف ہزار ہا شائقین کے انتظار کا ہنگامہ آفریں مدو جزر! چنانچہ تمام متعلقین کے درمیان ایک خاموش سمجھوتہ آپ سے آپ طے پا گیا کہ ہرچہ با و باؤ ہر سال رمضان المبارک میں بیان القرآن کی نئی جلد کی رونمائی کا التزام کرنا ہی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مرتبین کی ٹیم کو توفیق، ہمت اور مہلت عطا فرمائے کہ وہ اس کام کو جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچا سکیں۔ آمین!

ڈاکٹر صاحب کے اپنے فرمان کے مطابق، قرآن کی تفسیر لکھنے کا کوئی منصوبہ کبھی بھی آپ کے حاشیہ خیال میں نہیں تھا۔ لیکن جب مشیتِ ایزدی سے بیان القرآن کی پہلی جلد شائع ہوئی تو اُس کی غیر معمولی مقبولیت اور پذیرائی نے ڈاکٹر صاحب کو اس کے بقیہ کام کے بارے میں ایک خوشگوار اضطراب کی کیفیت سے دوچار کر دیا۔ دراصل ڈاکٹر صاحب کے مشن اور اُس کی ترویج میں جو مرکزیت قرآن کریم کو حاصل ہے بعینہ وہی مرکزی اور امتیازی حیثیت انجمن اور تنظیم کی دیگر مطبوعات میں بیان القرآن رکھتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ انذار و تبشیر اور تشویق و ترغیب کے اس قرآنی منبع کو جلد از جلد اُس کے شائقین کی پہنچ میں دیکھنا چاہتے تھے۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب کی یہ خواہش آپ کی دنیوی زندگی میں مطلوبہ درجے میں اپنی تسکین حاصل نہ کر سکی!

ڈاکٹر صاحب کے بقول جو ”پہاڑ ایسا بھاری کام“ باقی تھا اب اس کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ہم اپنی سی کوشش میں لگے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے اس میں کامیابی کے خواہاں بھی ہیں اور اُس کی رحمت سے ”اجر“ کے امیدوار بھی! اس بارے میں ہم اپنے اللہ سے مثبت گمان رکھتے ہیں۔ یہ سب کچھ تو ان شاء اللہ ہمارے گمان کے مطابق ہو ہی جائے گا! — مگر ایک ”خلا“ ہے کہ جس کا تصور مسلسل غمناک کیے جاتا ہے! اس ”ہوم ورک“ کے مکمل کرنے پر آخر ہمیں ایک خصوصی ”شباباش“ کا لالچ بھی تو تھا! — اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے کیا بعید ہے کہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کا ارمان بھی پورا ہو اور ہمارا یہ لالچ بھی !!!

لیفٹیننٹ کرنل (ع) عاشق حسین

جُمُعۃ النبـارک

۲۲ شعبان المعظم ۱۴۳۳ھ

# ترتيب

4	عرض مرتب
5	سورة يونس
49	سورة هود
101	سورة يوسف
147	سورة الرعد
169	سورة ابراهيم
195	سورة الحجر
223	سورة النحل
279	سورة بني اسرائيل
339	سورة الكهف



# سُورَةُ يُونُسَ

## تمہیدی کلمات

سورۃ یونس کے آغاز کے ساتھ ہی قرآن حکیم کی تیسری منزل بھی شروع ہو رہی ہے اور یہیں سے کئی مدنی سورتوں کے تیسرے گروپ کا آغاز بھی ہو رہا ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کا یہ مقام گویا ”قرآن السعدین“ ہے۔ کئی سورتوں کا یہ سلسلہ جو سورۃ یونس سے شروع ہو کر سورۃ المؤمنون (اٹھارہویں پارہ) تک پھیلا ہوا ہے، حجم کے اعتبار سے طویل ترین ہے۔ (البتہ تیسویں پارے کی سورتیں چونکہ چھوٹی چھوٹی ہیں اس لیے تعداد کے لحاظ سے سب سے زیادہ مکی سورتیں آخری گروپ میں ہیں۔) اس گروپ میں شامل سورۃ الحجر اور سورۃ الحج کے بارے میں بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ دونوں مدنیات ہیں، مگر اس سلسلے میں مجھے اُن مفسرین سے اتفاق ہے جو ان دونوں کو مکیات مانتے ہیں۔

ان پہلے تین گروپس میں شامل سورتوں کی مکی اور مدنی تقسیم کے حوالے سے بات کی جائے تو جس طرح پہلے گروپ میں سورۃ البقرۃ سے لے کر سورۃ المائدۃ تک سواچھ پاروں پر مشتمل چھ سورتیں مدنی تھیں اسی طرح اب اس گروپ میں آئندہ سات پاروں پر مشتمل مسلسل چودہ سورتیں مکی ہیں، جب کہ درمیانی گروپ دو مکی (الانعام اور الاعراف) اور دو مدنی (الانفال اور التوبہ) سورتوں پر مشتمل تھا۔

اس گروپ کی ان چودہ سورتوں میں اکثر و بیشتر تین تین سورتوں کے ذیلی گروپ بھی بنتے ہیں، جن میں سے ہر گروپ کی پہلی دو سورتوں کے مابین نسبت زوجیت پائی جاتی ہے، جبکہ تیسری سورت منفرد ہے۔ پہلے ذیلی گروپ میں شامل تین سورتیں نسبتاً طویل ہیں، ان کے بعد تین نسبتاً چھوٹی سورتوں کا ایک ذیلی گروپ ہے اور اس کے بعد پھر تین سورتوں کا ایک ذیلی گروپ ہے جو قدرے طویل ہیں۔ پہلا ذیلی گروپ سورۃ یونس، سورۃ ہود اور سورۃ یوسف پر مشتمل ہے۔ ان میں سورۃ یونس اور سورۃ ہود کا آپس میں زوجیت کا بالکل ویسا ہی تعلق ہے جیسا کہ سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف میں ہے۔ چنانچہ سورۃ یونس کے گیارہ رکوعوں میں سے صرف دو رکوع انباء الرسل سے متعلق ہیں اور باقی نور کوک التذکیر بآلاء اللہ پر مشتمل ہیں، جبکہ دوسری طرف سورۃ ہود کے دس رکوعوں میں سے ساڑھے چھ رکوع انباء الرسل (التذکیر بآیام اللہ) سے متعلق ہیں اور صرف ساڑھے تین رکوعوں میں دوسرے مضامین ہیں، جن میں کفار کے ساتھ رد و قدح بھی ہے اور التذکیر بآلاء اللہ کا مضمون بھی ہے۔ اس ذیلی گروپ میں سورۃ یوسف کی حیثیت گویا ایک ضمیمے کی ہے جو ان سے الگ اور بالکل منفرد ہے۔ سورۃ یونس اور سورۃ ہود میں زوجیت کے تعلق میں ایک عجیب متلازم (reciprocal) نسبت بھی ہے کہ

سورہ یونس میں انباء الرسل کے دو رکوعوں میں سے صرف آدھے رکوع (چند آیات) میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے اور باقی ڈیڑھ رکوع حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ہے، جبکہ درمیان کے کسی رسول کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کے بالکل برعکس سورہ ہود میں پورے دو رکوع حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر پر مشتمل ہیں۔ یہ مقام حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے اعتبار سے پورے قرآن میں جامع ترین بھی ہے اور افضل بھی۔ (اگرچہ اتنی سوں پارے میں سورہ نوح مکمل آپ ہی کے ذکر پر مشتمل ہے، مگر وہاں وہ تفصیل نہیں ہیں جو یہاں پر ہیں۔) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر اس سورت میں چند آیات میں صرف حوالے کے لیے ہی آیا ہے، جبکہ درمیان میں انباء الرسل کے سلسلے میں ایک ایک رکوع میں ایک ایک رسول کا ذکر ہے۔

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ

## آیات ۱ تا ۱۰

الرَّسُولُ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ ۝ أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنْ أَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ قَالَ الْكَافِرُونَ إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ إِنَّ رَبَّكُمْ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ ۖ مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ إِذْنِهِ ۖ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ ۖ فَاعْبُدُوهُ ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا ۖ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا ۖ إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۖ هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۖ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ۖ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَّقُونَ ۖ إِنَّ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آيَاتِنَا غَافِلُونَ ۖ أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ مِنَ النَّارِ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۖ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِآيَاتِهِمْ ۖ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۖ فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۖ دَعْوُهُمْ فِيهَا سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَحَمْدُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ ۖ وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنْ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝



## آیت ۱ ﴿الرَّامِ﴾ ”اَلْ ر“

یہ حروف مقطعات ہیں۔ یہاں پر ایک قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ اس سے پہلے سورۃ البقرۃ، سورۃ آل عمران اور سورۃ الاعراف تین سورتوں کا آغاز حروف مقطعات (الْم، الْقَص) سے ہوتا ہے اور ان تینوں مقامات پر حروف مقطعات پر آیت مکمل ہو جاتی ہے، مگر یہاں ان حروف پر آیت مکمل نہیں ہو رہی ہے، بلکہ یہ پہلی آیت کا حصہ ہیں۔ بہر حال یہ توقیفی امور (حضور ﷺ کے بتانے پر موقوف) ہیں۔ گرامر، منطق، نحو، بیان وغیرہ کے کسی اصول یا قاعدے کو یہاں دخل نہیں ہے۔

﴿تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْحَكِيمِ﴾ ① ”یہ بڑی حکمت بھری کتاب کی آیات ہیں۔“

آیت ۲ ﴿اَتَاكَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ ”کیا لوگوں کو بہت تعجب ہوا ہے کہ ہم نے وحی بھیج دی ایک شخص پر انہی میں سے“

﴿اَنْ اَنْذِرَ النَّاسَ وَبَشِّرَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَهُمْ قَدَمٌ صَدَقَ عَنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ”کہ آپ لوگوں کو خبردار کر دیجیے اور اہل ایمان کو بشارت دے دیجیے کہ ان کے لیے ان کے رب کے پاس بہت اونچا مرتبہ ہے۔“

﴿قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنْ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ ② ”(اس پر) کافروں نے کہا کہ یہ تو ایک کھلا جادوگر ہے۔“

یعنی یہ تو اللہ کی مرضی پر منحصر ہے۔ اس کا فیصلہ ہے کہ وہ اس منصب کے لیے انسانوں میں سے جس کو چاہے پسند فرما کر منتخب کر لے۔ اگر اس نے محمد ﷺ کا انتخاب کر کے آپ ﷺ کو بذریعہ وحی انداز اور تبشیر کی خدمت پر مامور کیا ہے تو اس میں تعجب کی کون سی بات ہے!

آیت ۳ ﴿اِنَّ رَبَّكُمْ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ﴾ ”یقیناً تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمائی چھ دنوں میں“

﴿ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یَدْبُرُ الْاَمْرَ﴾ ”پھر وہ عرش پر متمکن ہو گیا“ (اور) وہ تدبیر کرتا ہے ہر معاملہ کی۔“

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور منصوبہ بندی کے مطابق پوری کائنات کا انتظام سنبھالے ہوئے ہے۔ قبل ازیں بھی ذکر ہو چکا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ”حجۃ اللہ البالغہ“ کے باب اول میں اللہ تعالیٰ کے تین افعال کے بارے میں بڑی تفصیل سے بحث کی ہے: (۱) ابداع (creation ex nihilo) یعنی کسی چیز کو عدم محض سے وجود بخشنا، (۲) خلق، یعنی کسی چیز سے کوئی دوسری چیز بنانا، اور (۳) تدبیر، یعنی اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق کائناتی نظام کی منصوبہ بندی (planning) فرمانا۔

﴿مَا مِنْ شَیْءٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ﴾ ”نہیں ہے کوئی بھی شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت

کے بعد۔“

کوئی اُس کا اذن حاصل کیے بغیر اُس کے پاس کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ اس سے پہلے آیت الکرسی (سورۃ البقرۃ) میں بھی شفاعت کے بارے میں اسی نوعیت کا استثناء آچکا ہے۔

﴿ذَلِكُمْ اللَّهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ ”وہ ہے اللہ تمہارا رب پس تم اسی کی بندگی کرو۔ تو کیا تم نصیحت اخذ نہیں کرتے!“

آیت ۴ ﴿إِلَهِهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا﴾ ”تم سب کا لوٹنا اُسی کی جانب ہے۔ یہ وعدہ ہے اللہ کا سچا۔“

﴿إِنَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ﴾ ”وہی ہے جو خلق کا آغاز کرتا ہے پھر وہی اس کا اعادہ کر دے گا“ پہلے پہل کسی کام کا کرنا یا ابتدائی طور پر کسی چیز کو تخلیق کرنا مشکل ہوتا ہے جبکہ اس کا اعادہ کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ یہ ایک معقول اور منطقی بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہی نے یہ سب کچھ پیدا فرمایا ہے اور پہلی بار اسے اس تخلیق میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی تو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہو جائے گا! بہر حال وہ تمام انسانوں کو دوبارہ پیدا کرے گا:

﴿لِيَجْزِيَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ بِالْقِسْطِ﴾ ”تا کہ وہ ان لوگوں کو جزا دے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کیے انصاف کے ساتھ۔“

وہ اہل ایمان جنہوں نے اللہ اور اُس کے دین کے لیے ایثار کیا ہے ان کی قربانیوں اور مشقتوں کے بدلے میں انہیں انعامات سے نوازا جائے گا اور ان کے ان اعمال کی پوری پوری قدر کی جائے گی۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ ”اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے پینے کے لیے ہوگا کھولتا ہوا پانی اور دردناک عذاب اس کفر کی پاداش میں جو وہ کرتے رہے۔“

آیت ۵ ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا﴾ ”وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمکدار اور چاند کو نور“

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ سورج کے اندر جاری احتراق یعنی جلنے (combustion) کے عمل کی وجہ سے جو روشنی پیدا (generate) ہو رہی ہے اس کے لیے ”ضیاء“ جبکہ منعکس (reflect) ہو کر آنے والی روشنی کے لیے ”نور“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ سورج اور چاند کی روشنی کے لیے قرآن حکیم نے دو مختلف الفاظ استعمال کیے ہیں اس لیے کہ سورج کی اپنی چمک ہے اور چاند کی روشنی ایک انعکاس ہے۔

﴿وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدْدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ﴾ ”اور اُس نے اس (چاند) کی منزلیں مقرر کر دیں تا کہ تمہیں معلوم ہو گئی برسوں کی اور تم (معاملات زندگی میں) حساب کر سکو۔“

﴿مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ٥﴾ ”اللہ نے یہ سب کچھ پیدا نہیں کیا مگر حق کے ساتھ اور وہ تفصیل بیان کرتا ہے اپنی آیات کی ان لوگوں کے لیے جو علم حاصل کرنا چاہیں۔“  
یعنی یہ کائنات ایک بے مقصد تخلیق نہیں بلکہ ایک سنجیدہ، بامقصد اور نتیجہ خیز تخلیق ہے۔

**آیت ۶** ﴿إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْتَقُونَ ٦﴾ ”یقیناً رات اور دن کے بدلنے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ نے بنایا ہے آسمانوں میں اور زمین میں یقیناً نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جن کے اندر تقویٰ ہے۔“

ان نشانیوں سے وہی لوگ سبق حاصل کر کے مستفیض ہو سکتے ہیں جن کے اندر خوفِ خدا ہے اور ان کی اخلاقی حس بیدار ہوتی ہے۔

**آیت ۷** ﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يُزِجُونَ لِقَاءَنَا﴾ ”بے شک وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کے امیدوار نہیں ہیں“  
یہاں پر یہ نکتہ نوٹ کریں کہ یہ الفاظ اس سورت میں بار بار دہرائے جائیں گے۔ اصل میں یہ ایسی انسانی سوچ اور نفسیاتی کیفیت کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق انسانی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔ انسان کو غور کرنا چاہیے کہ یہ انسانی زندگی جو ہم اس دنیا میں گزار رہے ہیں اس کی اصل حقیقت کیا ہے! اسے محاورہ ”چار دن کی زندگی“ قرار دیا جاتا ہے۔ بہادر شاہ ظفر نے بھی کہا ہے۔

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں!  
اگر انسان اس دنیا میں طویل طبعی عمر بھی پائے تو اس کا ایک حصہ بچپن کی ناسمجھی اور کھیل کود میں ضائع ہو جاتا ہے۔ شعور اور جوانی کی عمر کا تھوڑا سا وقفہ اس کے لیے کارآمد ہوتا ہے۔ اس کے بعد جلد ہی بڑھاپا اسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور وہ دیکھتے ہی دیکھتے ﴿لَٰكِنِّي لَا يَعْلَمُ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا﴾ (النحل: ۷۰) کی جیتی جاگتی تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ تو کیا انسانی زندگی کی حقیقت بس یہی ہے؟ اور کیا اتنی سی زندگی کے لیے ہی انسان کو اشرف المخلوقات کا لقب دیا جاتا ہے؟ انسان غور کرے تو اس پر یہ حقیقت واضح ہوگی کہ انسانی زندگی محض ہمارے سامنے کے چند ماہ و سال کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک کبھی نہ ختم ہونے والے سلسلے کا نام ہے۔ علامہ اقبال کے بقول:۔

تُو اسے پیانہ امروز و فردا سے نہ ناپ جاوداں، پیہم دواں ہر دم جواں ہے زندگی  
اور اقبال ہی نے اس سلسلے میں انسانی ناسمجھی اور کم ظرفی کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی ہے:۔  
تُو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی ہے!

اس لامتناہی سلسلہ زندگی میں سے ایک انتہائی مختصر اور عارضی وقفہ یہ دنیوی زندگی ہے جو اللہ نے انسان کو آزمانے اور جانچنے کے لیے عطا کی ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (المک: ۲)۔ جبکہ اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے اور وہ بہت طویل ہے۔ جیسے سورۃ العنکبوت میں فرمایا: ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَہِیْہِ الْحَیٰوٰنُ مَلُوْا کَاَنُوْا یَعْلَمُوْنَ ۝۳۶﴾ ”اور یقیناً آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے“  
کاش کہ انہیں معلوم ہوتا! ”مگر وہ لوگ جن کا ذہنی افق تنگ اور سوچ محدود ہے وہ اسی عارضی اور مختصر وقفہ زندگی کو

اصل زندگی سمجھ کر اس کی رعنائیوں پر فریفتہ اور اس کی رنگینیوں میں غم رہتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال:  
 کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے      مؤمن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!  
 اصل اور دائمی زندگی کی عظمت اور حقیقت ایسے لوگوں کی نظروں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہے۔  
 ﴿وَرَضُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاطْمَأَنَّنُوا بِهَا وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ آلَتِنَا غٰفِلُونَ ۝۷﴾ ”اور وہ دنیا کی  
 زندگی پر ہی راضی اور اسی پر مطمئن ہیں اور جو ہماری آیات سے غافل ہیں۔“

انسانوں کے اندر اور باہر اللہ کی بے شمار نشانیاں موجود ہیں اور ان کی فطرت انہیں بار بار دعوتِ فکر بھی  
 دیتی ہے:-

کھول آنکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ! مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!  
 مگر وہ لوگ شہواتِ نفسانی کے چکروں میں اس حد تک غلطاں و پہچاں ہیں کہ انہیں آنکھ کھول کر انفس و آفاق میں  
 بکھری ہوئی ان لاتعداد آیاتِ الہی کو ایک نظر دیکھنے کی فرصت ہے نہ تو مفتی۔  
**آیت ۸** ﴿أَوَلَيْكَ مَا لَهُمْ النَّارُ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝۸﴾ ”یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ آگ  
 ہے، اپنی اس کمائی کے سبب جو وہ کر رہے ہیں۔“

جس شخص نے اپنی پوری دنیوی زندگی میں نہ اللہ کی طرف رجوع کیا اور نہ آخرت ہی کی کچھ فکر کی، ساری عمر  
 ’بابر بہ عیش کوش‘ کہ عالم دوبارہ نیست، جیسے نعرے کو اپنا ماٹو بنائے رکھا، حلال و حرام اور جائز و ناجائز کی قیود سے  
 بے نیاز ہو کر جھوٹی مسرتیں اور عارضی خوشیاں جہاں سے ملیں، جس قیمت پر ملیں حاصل کر لیں، تو ایسے شخص کا  
 آخری ٹھکانہ آگ کے سوا بھلا اور کہاں ہو سکتا ہے!

**آیت ۹** ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ  
 فِي جَنَّاتِ النَّعِيمِ ۝۹﴾ ”یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے، ان کا رب ان کے  
 ایمان کے باعث ان کو پہنچا دے گا نعمتوں والے باغات میں، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔“

**آیت ۱۰** ﴿دَعُوهُمْ فِيهَا سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ﴾ ”اس میں ان کا ترانہ ہوگا: اے اللہ تو پاک ہے“  
 وہ لوگ جنت کے اندر بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح و مناجات کریں گے کہ اے ہمارے پروردگار، تو ہر ضعف سے  
 پاک ہے، ہر عیب اور ہر نقص سے مبرا ہے اور احتیاج کے ہر تصور سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

﴿وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ﴾ ”اور اس میں ان کی (آپس کی) دعا ’سلام‘ ہوگی۔“  
 اہل جنت آپس میں ایک دوسرے کو ملتے ہوئے السلام علیکم کے الفاظ کہیں گے، اس طرح وہاں ہر طرف  
 سے سلام، سلام کی آوازیں آرہیں ہوں گی۔ جیسے سورۃ الواقعة میں فرمایا: ﴿لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَلَا تَأْثِيمًا ۝۳۵  
 إِلَّا قِيلًا سَلَامًا سَلَامًا ۝۳۶﴾ ”وہاں نہ بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ گالی گلوچ۔ وہاں ان کا کلام سلام، سلام ہوگا۔“  
 ﴿وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۰﴾ ”اور ان کی دعا اور مناجات کا اختتام  
 (ہمیشہ ان کلمات پر) ہوگا کہ کل حمد اور گلِ تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔“

## آیات ۲۰ تا ۳۱

وَلَوْ يَعْجَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَفُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجْلُهُمْ فَبَدَّرَ الَّذِينَ لَا  
يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝ وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْبِهِ أَوْ قَاعِدًا  
أَوْ قَائِمًا فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَى ضُرِّ مَسَّهُ ۚ كَذَلِكَ زُيِّنَ  
لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونُ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوا ۖ وَجَاءَهُمْ  
رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا ۚ كَذَلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْجَرِيمِينَ ۖ ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ  
خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝ وَإِذَا تَنَادَىٰ إِلَيْنَا بَيْنَتِ  
قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا إِنَّكَ بَقْرَانِ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ ۚ قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ  
أَبْدِلَهُ مِنْ تِلْكَ نَفْسِي ۚ إِنَّ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ۚ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ  
يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝ قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرِكُمْ بِهِ ۚ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا  
مِنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ ۚ إِنَّهُ  
لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ ۝ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ  
هَؤُلَاءِ شَفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتَتَّبِعُونَ اللَّهَ يَمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ  
سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا ۚ وَلَوْ لَا كَلِمَةٌ  
سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ  
رَبِّهِ ۚ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۚ

ع

**آیت ۱۱** ﴿وَلَوْ يَعْجَلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ﴾ ”اور اگر اللہ جلدی کر دیتا لوگوں کے  
لیے شر جیسے کہ وہ جلدی چاہتے ہیں خیر“

انسان جلد باز ہے وہ چاہتا ہے کہ اس کی کوششوں کے نتائج جلد از جلد اس کے سامنے آجائیں۔ مگر اللہ تو  
بڑا حکیم ہے اس نے ہر کام اور ہر واقعہ کے لیے اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق وقت مقرر کر رکھا ہے۔ وہ خوب  
جانتا ہے کہ کس کام میں خیر ہے اور کس میں خیر نہیں ہے۔ اگر اللہ انسان کی غلطیوں اور برائیوں کے بدلے  
اور نتائج بھی فوراً ہی ان کے سامنے رکھ دیا کرتا اور ان کے جرائم کی سزائیں بھی فوراً ہی ان کو دے دیا کرتا تو:

﴿لَفُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجْلُهُمْ﴾ ”ان کی اجل پوری ہو چکی ہوتی“

یعنی ان کی مہلت عمر کبھی کی ختم ہو چکی ہوتی۔

﴿فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝﴾ ”پھر ہم ان لوگوں کو چھوڑ دیں گے جو ہم سے ملاقات کے امیدوار نہیں، کہ وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو کر بڑھتے چلے جائیں۔“

پھر یہی بات دہرائی گئی ہے۔ اس انداز میں ایک شانِ استغناء ہے کہ اگر وہ ہمیں ملنے کے امیدوار نہیں تو ہماری نظر التفات کو بھی اُن سے کوئی دلچسپی نہیں۔

**آیت ۱۲** ﴿وَإِذَا مَسَّ الْإِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنبَةٍ أَوْ قَائِمَةٍ﴾ ”اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ ہمیں پکارتا ہے پہلو کے بل (لیٹے ہوئے) یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے۔“

﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ صُورَهُ مَرَّ كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ صُرٍّ مَّشَّةٍ﴾ ”پھر جب ہم اس سے اس کی تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو وہ ایسے چل دیتا ہے جیسے اس نے ہمیں کبھی پکارا ہی نہ تھا کوئی تکلیف پہنچنے پر۔“

﴿كَذَٰلِكَ زَيْنٌ لِّلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝﴾ ”ایسے ہی مزین کر دیا گیا ہے ان حد سے بڑھنے والوں کے لیے ان کے اعمال کو۔“

ان کے اندر اتنی ڈھٹائی پیدا ہو گئی ہے کہ ذرا تکلیف آجائے تو گڑگڑا کر دعائیں مانگیں گے، ہر حال میں ہمیں پکاریں گے اور گریہ و زاری میں راتیں گزار دیں گے۔ لیکن جب وہ تکلیف رفع ہو جائے گی تو ایسے بھول جائیں گے گویا ہمیں جانتے ہی نہیں۔

**آیت ۱۳** ﴿وَلَقَدْ أَهَلَكْنَا الْقُرُونُ مِن قَبْلِكَ لَمَّا ظَلَمُوا﴾ ”اور ہم تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سی نسلوں اور قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں، جب انہوں نے ظلم کی روش اختیار کی“

﴿وَجَاءَهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا﴾ ”اور ان کے پاس (بھی) آئے تھے ان کے رسول واضح تعلیمات لے کر، لیکن وہ نہیں تھے ایمان لانے والے۔“

﴿كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ۝﴾ ”اسی طرح ہم بدلہ دیا کرتے ہیں مجرم لوگوں کو۔“

**آیت ۱۴** ﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ خَلِيفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ۝﴾ ”پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں جانشین بنادیا، تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیا کرتے ہو!“

یہاں ہر شخص انفرادی طور پر بھی اپنی محدود عمر میں امتحان دے رہا ہے اور قومیں اور امتیں بھی اپنے اپنے وقفہ مہلت میں اس امتحان گاہ سے گزر رہی ہیں۔ علامہ اقبال کے بقول :-

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی!

**آیت ۱۵** ﴿وَإِذَا تَنَالَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا بَيِّنَاتٍ ۚ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَ نَا إِنَّا بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَٰذَا أَوْ بَدِّلْنَاهُ﴾ ”اور جب ان کو پڑھ کر سنائی جاتیں ہیں ہماری روشن آیات تو کہتے ہیں وہ لوگ جو ہم سے ملاقات کے امیدوار نہیں ہیں کہ (اے محمد ﷺ) اس کے علاوہ آپ کوئی اور قرآن پیش کریں یا اس میں کوئی ترمیم کریں۔“

یہاں وہی الفاظ پھر دہرائے جا رہے ہیں، یعنی جو لوگ ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے وہ ہمارے کلام کو سنجیدگی سے سنتے ہی نہیں اور کبھی سن بھی لیتے ہیں تو استہزائیہ انداز میں جواب دیتے ہیں کہ یہ قرآن بہت سخت (rigid) ہے، اس کے احکام ہمارے لیے قابل قبول نہیں۔ اس میں کچھ مداخلت (compromise) کا انداز ہونا چاہیے، کچھ دواور کچھ لو (give and take) کے اصول پر بات ہونی چاہیے۔ چنانچہ آپ (ﷺ) اس کتاب میں کچھ کمی بیشی کریں تو پھر اس کی کچھ باتیں ہم بھی مان لیں گے۔

﴿قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَائِي نَفْسِي ۚ إِنَّهُ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ﴾ (اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ میرے لیے ہرگز یہ ممکن نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کر لوں، میں تو پیروی کرتا ہوں اُسی کی جو میری طرف وحی کیا جا رہا ہے۔“

میں تو خود وحی الہی کا پابند ہوں۔ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی کمی بیشی، کوئی ترمیم و تنسیخ کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔

﴿إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ (میں ڈرتا ہوں بڑے دن کے عذاب سے، اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں۔“

آیت ۱۶ ﴿قُلْ لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُهُ عَلَيْكُمْ وَلَا أَدْرَاكُمْ بِهِ﴾ ”آپ (ان سے) کہیے کہ اگر اللہ چاہتا تو نہ میں یہ قرآن تمہیں پڑھ کر سنا دیتا اور نہ وہ تمہیں اس سے واقف کرتا“

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ (میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں اس سے پہلے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے!“

میں پچھلے چالیس برس سے تمہارے درمیان زندگی بسر کر رہا ہوں۔ تم مجھے اچھی طرح سے جانتے ہو۔ تم جانتے ہو کہ میں شاعر نہیں ہوں، تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ میں کاہن یا جادوگر بھی نہیں ہوں، تمہیں یہ بھی علم ہے کہ مجھے ان چیزوں سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی اور میں نے ان چیزوں کو سیکھنے کے لیے کبھی مشق یا ریاضت بھی نہیں کی۔ تم اس حقیقت کو بھی خوب سمجھتے ہو کہ کوئی شخص ایک دن میں کبھی شاعر یا کاہن نہیں بن جاتا۔ ان تمام حقائق کا علم رکھنے کے باوجود بھی تم مجھے ایسے الزامات دیتے ہو، تو کیا تم لوگ تعصب کی بنا پر عقل سے بالکل ہی عاری ہو گئے ہو؟

آیت ۱۷ ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ﴾ ”تو اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کی یا جھٹلایا اُس کی آیات کو!“

یعنی یہ قرآن جو میں تم لوگوں کو سنارہا ہوں، اگر یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے اور میں اسے اپنی طرف سے گھڑ کر پیش کر رہا ہوں تو مجھ سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں، اور اگر یہ واقعاً اللہ کی آیات ہیں تو تم لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص اللہ کی آیات کو جھٹلا دے، اُس سے بڑھ کر ظالم اور گنہگار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اب اس معیار حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی سوچ اور اپنے عمل کا جائزہ لے اور دیکھے کہ وہ کون سی

روش اختیار کر رہا ہے۔

﴿اللَّهُ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُونَ﴾ (۱۷) ”یقیناً مجرم لوگ فلاح نہیں پایا کرتے۔“

**آیت ۱۸** ﴿وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَنْصُرُهُمْ وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”اور یہ لوگ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی جو نہ انہیں کوئی نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ نفع دے سکتی ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارے سفارشی ہیں اللہ کے ہاں۔“

اس سے مشرکین مکہ کا بنیادی عقیدہ ظاہر ہو رہا ہے۔ وہ لوگ مانتے تھے کہ اس کائنات کا خالق اور مالک اللہ ہے۔ وہ اپنے بتوں کو کائنات کا خالق و مالک نہیں بلکہ اللہ کے قرب کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ جن ہستیوں کے نام پر یہ بت بنائے گئے ہیں وہ ہستیاں اللہ کے ہاں بہت مقرب اور محبوب ہونے کے باعث اس کے ہاں ہماری سفارش کریں گی۔

﴿قُلْ أَنتِئْسُونَ اللَّهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمُوتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ﴾ ”آپ کہیے کہ کیا تم اللہ کو بتانا چاہتے ہو وہ شے جو وہ نہیں جانتا نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں؟“

کیا تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دینا چاہتے ہو جس کا اُس کو خود پتا نہیں؟ یہ وہی بات ہے جو آیہ الکرسی کی تشریح کے ضمن میں بیان ہو چکی ہے کہ ایسی کسی شفاعت کا آخر جواز کیا ہوگا؟ اللہ تو غائب اور حاضر سب کچھ جاننے والا ہے: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾۔ تو پھر آخر کوئی سفارشی اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر کیا کہے گا؟ کس بنیاد پر وہ کسی کی سفارش کرے گا؟ کیا وہ یہ کہے گا کہ اے اللہ! تو اس آدمی کو ٹھیک سے نہیں جانتا، میں اسے بہت اچھی طرح جانتا ہوں یہ بہت اچھا اور نیک آدمی ہے! تو کیا وہ اللہ کو وہ کچھ بتانا چاہے گا (معاذ اللہ) جس کو وہ خود نہیں جانتا؟

﴿سُبْحَنَهُ وَتَعَالَى عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (۱۸) ”وہ بہت پاک اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔“

**آیت ۱۹** ﴿وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا﴾ ”اور نہیں تھے لوگ مگر ایک ہی اُمت، پھر (بعد میں) انہوں نے اختلاف کیا۔“

یہ مضمون سورۃ البقرۃ میں بھی گزر چکا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے انسانوں کی نسل چلی ہے چنانچہ جس طرح تمام انسان نسل ایک تھے اسی طرح نظریاتی طور پر بھی وہ سب ایک ہی اُمت تھے۔ بنی نوع انسان کے مابین تمام نظریاتی اختلافات بعد کی پیداوار ہیں۔

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ﴾ ”اور اگر ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے سے طے نہ پا چکی ہوتی“

اللہ تعالیٰ نے ہر فرد اور ہر قوم کے لیے ایک اجل مقرر فرمادی ہے۔ اسی طرح پوری کائنات کی اجل بھی طے شدہ ہے۔ اگر یہ سب کچھ طے نہ ہو چکا ہوتا:



﴿لَقَدْ ضَلَّ بِسِتْهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝۱۹﴾ ”تو فیصلہ کر دیا جاتا ان کے مابین ان تمام چیزوں میں جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔“

**آیت ۲۰** ﴿وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ ۚ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کیوں نہ اتاری گئی کوئی نشانی (معجزہ) اس (رسول) پر اس کے رب کی طرف سے؟“

﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا ۚ إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِينَ ۝۲۰﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ غیب کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں۔“

اپنی اس ضد اور ہٹ دھرمی کے بعد انتظار کرو کہ مشیت ایزدی سے کب کیا شے ظہور میں آتی ہے۔

## آیات ۲۱ تا ۲۴

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَكْرٌ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا ۚ إِنَّا رُسُلُنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۚ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَئِنْ أَجَبْنَاهُمْ مِنْ هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَجَبْنَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۚ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَعَيْتُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ ثُمَّ أَلَيْنَا مَرْجِعَكُمْ فَتَنْبِئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أُنْزِلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ وَمِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ ۚ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَدِرُونَ عَلَيْهَا ۚ أَنهَآ أَمْرًا نَكِيلًا ۚ أَوْنَهَارًا ۚ فَجَعَلْنَاهَا حَصِيدًا ۚ كَأَن لَّمْ تَغْنَبِ بِالْأَمْسِ ۚ كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝

**آیت ۲۱** ﴿وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِنْ بَعْدِ ضَرَاءٍ مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُمْ مَكْرٌ فِي آيَاتِنَا﴾ ”اور جب ہم لوگوں کو رحمت کا مزا چکھاتے ہیں اُس تکلیف کے بعد جو ان پر آگئی تھی تو فوراً ہی وہ ہماری آیات کے بارے میں سازشیں کرنے لگتے ہیں۔“

پہلی اُمتوں میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے اور حضور ﷺ کی بعثت کے بعد اہل مکہ پر بھی چھوٹی چھوٹی تکالیف آتی رہی ہیں جیسے روایات میں ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت کے بعد مکہ میں شدید نوعیت کا قحط پڑ گیا تھا۔ ایسے حالات میں مشرکین مکہ کچھ نرم پڑ جاتے تھے۔ حضور ﷺ کے پاس آ کر بیٹھتے بھی تھے اور آپ ﷺ کی باتیں بھی سنتے

تھے۔ مگر جو نبی تکلیف رفع ہو جاتی تو وہ پھر سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف سازشیں شروع کر دیتے۔  
 ﴿قُلِ اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ۝۳۱﴾ ”آپ کہیے کہ اللہ اپنی تدبیروں میں کہیں زیادہ تیز ہے۔ یقیناً ہمارے فرشتے لکھ رہے ہیں جو کچھ بھی سازشیں تم لوگ کر رہے ہو۔“  
**آیت ۲۲** ﴿هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۝﴾ ”وہی ہے جو تمہیں سیر کراتا ہے خشکی اور سمندر میں۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے مختلف قوانین طبعی کے تحت مختلف چیزوں کو سوار یوں کے طور پر انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلِكِ وَجَرْنَ بِهَمْ بِرِيحٍ طَلِيَّةٍ وَقِرْحُوا بِهَآ﴾ ”یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ چل رہی ہوتی ہیں انہیں (سواروں کو) لے کر خوشگوار (موافق) ہوا کے ساتھ اور وہ بہت خوش ہوتے ہیں“

﴿جَاءَ تَهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَ هُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ ۝﴾ ”کہ اچانک تیز ہوا کا جھکڑ چل پڑتا ہے اور ہر طرف سے موجیں اُن کی طرف بڑھنے لگتی ہیں اور وہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ ان (لہروں) میں گھیر لیے گئے ہیں“

ہر طرف سے پہاڑ جیسی لہروں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ بس اب وہ لہروں میں گھر گئے ہیں اور اُن کا آخری وقت آن پہنچا ہے۔

﴿دَعَا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ لَكِنَ أَنْجَيْنَا مِنْ هَذِهِ لَنُكَوِّنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝۳۲﴾ ”(اُس وقت) وہ پکارتے ہیں اللہ کو اُس کے لیے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے کہ (اے اللہ!) اگر تُو نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم لازماً ہو جائیں گے بہت شکر کرنے والوں میں سے۔“

ایسے مشکل وقت میں انہیں صرف اللہ ہی یاد آتا ہے کسی دیوی یا دیوتا کا خیال نہیں آتا۔ اس سلسلے میں ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کے بارے میں بہت اہم واقعہ تاریخ میں ملتا ہے کہ فتح مکہ کے بعد وہ حجاز سے فرار ہو کر حبشہ جانے کے لیے بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ کشتی میں سوار تھے کہ کشتی اچانک طوفان میں گھر گئی۔ کشتی میں تمام لوگ مشرکین تھے، لیکن اس مصیبت کی گھڑی میں کسی کو بھی لات، منات، غزّٰی اور ہبل یاد نہ آئے اور انہوں نے مدد کے لیے پکارا تو اللہ کو پکارا۔ اسی لمحے عکرمہ کو اس حقیقت کے انکشاف نے چونکا دیا کہ یہی تو وہ پیغام ہے جو محمد (ﷺ) ہمیں دے رہے ہیں۔ چنانچہ وہ واپس لوٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر حلقہ گوشِ اسلام ہو گئے اور شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔ اس کے بعد یہی عکرمہ رضی اللہ عنہ اسلام کے زبردست مجاہد ثابت ہوئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں منکرینِ زکوٰۃ اور مرتدین کے خلاف جہاد میں انہوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

در اصل اللہ کی معرفت انسان کی فطرت کے اندر سمودی گئی ہے۔ بعض اوقات باطل خیالات و نظریات کا ملمع اس معرفت کی قبولیت میں آڑے آ جاتا ہے، لیکن جب یہ ملمع اترنے کا کوئی سبب پیدا ہوتا ہے تو اندر سے انسانی فطرت اپنی اصلی حالت میں نمایاں ہو جاتی ہے جو حق کو پہچاننے میں لمحہ بھر کو دیر نہیں کرتی۔

**آیت ۲۳** ﴿فَلَمَّا أَنْجَلَهُمْ إِذَا هُمْ يَنْغُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ”پھر جب وہ انہیں نجات دے دیتا ہے تو فوراً ہی بغاوت کرنے لگتے ہیں زمین میں ناحق۔“

جو نبی خطرے کی گھڑی ٹل جاتی ہے تو پھر انہیں دیویاں دیوتا یاد آ جاتے ہیں اور پھر سے اللہ سے سرکشی شروع ہو جاتی ہے۔

﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلَى أَنْفُسِكُمْ مَتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ فَأُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”اے لوگو! تمہاری اس بغاوت کا وبال تمہاری اپنی ہی جانوں پر آئے گا، یہ دنیا کی زندگی کا ساز و سامان ہے (اسے برت لو) پھر ہماری ہی طرف تم سب کو لوٹنا ہے، پھر ہم تم کو بتلا دیں گے جو کچھ تم کرتے رہے تھے۔“

**آیت ۲۴** ﴿إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ أَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ وَالْأَنْعَامُ﴾ ”اس دنیا کی زندگی کی مثال تو ایسے ہے جیسے پانی، جو ہم برساتے ہیں آسمان سے، پھر اس کے ساتھ نکل آتا ہے زمین کا سبزہ، جس میں سے کھاتے ہیں انسان بھی اور چوپائے بھی۔“

پانی کے بغیر زمین بخر اور مردہ ہوتی ہے، اس میں گھاس ہریالی وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ جو نبی بارش ہوتی ہے اس میں سے طرح طرح کا سبزہ نکل آتا ہے، فصلیں لہلہانے لگتی ہیں، باغات ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ﴾ ”یہاں تک کہ جب زمین اچھی طرح اپنا سنگھار کر لیتی ہے اور خوب مزین ہو جاتی ہے“

یہاں پر بہت خوبصورت الفاظ میں زمین کی شادابی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ چھوٹے بڑے نباتات کی نمائش، سبز پوش خوبصورتی کی بہار اور رنگارنگ پھولوں کی زیبائش کے ساتھ جب زمین پوری طرح اپنا بناؤ سنگھار کر لیتی ہے، فصلیں اپنے جو بن پر آ جاتی ہیں اور باغات پھلوں سے لد جاتے ہیں:

﴿وَوَضَّعْنَا أَهْلَهَا أَنْهَمُ قَدَرُونَهَا عَلَيْهَا﴾ ”اور اس کے مالک سمجھتے ہیں کہ اب ہم اس پر قادر ہیں“

زمین والے لہلہاتی فصلوں کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بس اب چند دن کی بات ہے، ہم اپنی فصلوں کی کٹائی کریں گے، پھلوں کو پیڑوں سے اتاریں گے اور ہماری زمین کی یہ پیداوار ہماری خوشحالی کا ذریعہ بنے گی۔ مگر ہوتا کیا ہے:

﴿أَتَيْتُهَا أَمْرًا قَلِيلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَهَا حَصِيدًا كَأَن لَّمْ تَغْنَبِ بِالْأَمْسِ﴾ ”تو اچانک ہمارا ایک حکم آتا ہے اس (کھیت یا باغ) پر رات کے وقت یا دن کے وقت اور ہم اسے کر دیتے ہیں کٹا ہوا جیسے کہ

کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں۔“

اللہ کے حکم سے ایسی آفت آئی کہ دیکھتے ہی دیکھتے ساری فصل تباہ ہو گئی، باغ اُجڑ گیا، ساری محنت اکارت گئی، تمام سرمایہ ڈوب گیا۔ دنیا کی بے ثباتی کی اس مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ یہی معاملہ انسان کا ہے۔ انسان اس دنیا میں دن رات محنت و مشقت اور بھاگ دوڑ کرتا ہے۔ اگر انسان کی یہ ساری محنت اور تگ و دو اللہ کی مرضی کے دائرے میں نہیں ہے، اس سے شریعت کے تقاضے پورے نہیں ہو رہے ہیں تو یہ سب کچھ اسی دنیا کی حد تک ہی ہے، آخرت میں ان میں سے کچھ بھی اس کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ موت کے بعد جب اس کی آنکھ کھلے گی تو وہ دیکھے گا کہ اس کی زندگی بھر کی ساری محنت اکارت چلی گئی: ع ”جب آنکھ کھلی گئی تو موسم تھخڑاں کا!“ ﴿كَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْفَكُرُونَ﴾ ﴿۳۳﴾ ”اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل کرتے ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔“

### آیات ۲۵ تا ۳۰

وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ۝ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهُهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذُلٌّ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍۢ بِّمِثْلِهَا ۝ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۝ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۝ كَاٰثِمًا اَغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ الْاَيْلِ مُظْلِمًا ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اٰشْرَكُوْا مَا كَانَكُمْ اَنْتُمْ وُشْرَكَآءُ ۝ فَرٰىنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآءُهُمْ مَا كُنْتُمْ اِيَّاكَ تَعْبُدُوْنَ ۝ فَكَلٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا ۝ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لِغٰفِلِيْنَ ۝ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّا سَلَفَتْ ۝ وَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقُّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝

**آیت ۲۵** ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْا اِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَاءُ اِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ”اور اللہ بلا رہا ہے تمہیں سلامتی کے گھر کی طرف اور وہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف۔“  
**آیت ۲۶** ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ ”جو لوگ احسان کی روش اختیار کریں گے ان کے لیے حسنی (بھلائی) ہے اور مزید بھی۔“

انہیں نیکی کا بدلہ بھی بہت اچھا ملے گا اور مزید برآں انہیں انعامات سے بھی نوازا جائے گا۔

﴿وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهُهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذُلٌّ﴾ ”اور انہیں مسلتہ ہوگی ان کے چہروں پر سیاہی اور نہ ذلت۔“

﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۲۶) ”یہی ہوں گے جنت والے اور رہیں گے اس میں ہمیشہ ہمیش۔“

آیت ۲۷ ﴿وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ يَمَثِلُهَا﴾ ”اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں تو (ان کے لیے) بدلہ ہوگا برائی کا ویسا ہی“

یعنی جیسی ان کی برائی ہوگی ویسا ہی اس کا بدلہ ہوگا اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا جائے گا۔  
﴿وَنَزَعْنَهُمْ ذِلَّةً مَّا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ﴾ ”اور ان پر ذلت چھا جائے گی۔ نہیں ہوگا انہیں اللہ (کی پکڑ) سے کوئی بھی بچانے والا۔“

﴿كَانَمَا أَغْشِيَتْ وَجُوهُهُمْ قِطْعًا مِنَ الْبَلِّ مُظْلِمًا﴾ ”گویا ان کے چہروں پر تاریک رات کے ٹکڑے اڑھادیے گئے ہوں۔“

﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (۲۷) ”یہی لوگ ہوں گے جہنمی، یہ رہیں گے اسی میں ہمیشہ ہمیش۔“

آیت ۲۸ ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَّكُمْ﴾ ”اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم کہیں گے ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا تھا کہ کھڑے رہو اپنی جگہ پر تم بھی اور تمہارے شریک بھی۔“

یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ لات، منات، عززی وغیرہ کی بات نہیں ہو رہی جن کے بارے میں کسی کو پتا نہیں کہ ان کی اصل کیا تھی بلکہ یہ اولیاء اللہ نیک اور برگزیدہ بندوں کی بات ہو رہی ہے جن کے ناموں پر مورتیاں اور بت بنا کر ان کی پوجا کی گئی ہوگی۔ جیسے قوم نوحؑ نے دد، سواع اور یغوث وغیرہ اولیاء اللہ کی پوجا کے لیے ان کے بت بنا رکھے تھے (اس بارے میں تفصیل سورۃ نوح میں آئے گی)۔ ہمارے ہاں صرف یہ فرق ہے کہ بت نہیں بنائے جاتے، قبریں پوجی جاتی ہیں۔

اس سلسلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے خطاب کی ایک جھلک ہم سورۃ المائدۃ کے آخری رکوع میں دیکھ آئے ہیں۔ اس لیے یہاں یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ایسے بلند مرتبہ لوگوں کو اس طرح کا حکم کیونکر دیا جائے گا کہ ٹھہرے رہو اپنی جگہ پر تم بھی اور تمہارے شریک بھی! بہر حال اللہ تعالیٰ کی شان بہت بلند ہے جبکہ ایک بندہ تو بندہ ہی ہے چاہے جتنی بھی ترقی کر لے: الْكَوْبُ رَبِّ وَكَانَ تَنَزَّلَ - وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَكَانَ تَرَقَّى!

﴿فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَّكُمْ أَشْرُكُمْ مَا كُنْتُمْ إِلَّا نَا تَعْبُدُونَ﴾ (۲۸) ”تو ہم ان کے درمیان رشتے منقطع کر دیں گے اور کہیں گے ان کے شریک (ان سے) کہ تم ہم کو تو نہیں پوجا کرتے تھے۔“

وہ نیک لوگ جنہیں اللہ کا شریک بنایا گیا وہ اس شرک سے بری ہیں، کیونکہ انہوں نے تو اپنی زندگیاں اللہ کی اطاعت میں گزاری تھیں۔ جیسے البقرۃ: ۱۳۳ میں بہت واضح انداز میں فرمایا گیا ہے: ﴿تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ ﴿۲۹﴾ ”وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، ان کے لیے ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لیے ہے جو تم نے کمایا۔“ اگر کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو پکارتا ہے یا کسی مزار پر جا کر مشرکانہ حرکتیں کرتا ہے تو اس کا وبال صاحب مزار پر قطعاً نہیں ہوگا۔ ان پر تو اُن ظلم ہو رہا ہے کہ انہیں اللہ کے ساتھ شرک میں ملوث کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اللہ کے وہ نیک بندے اللہ کے ہاں ان شرک کرنے والوں کے خلاف استغاثہ کریں گے کہ وہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر انہیں پکارتے تھے اور ان کے ناموں کی دہائیاں دیتے تھے۔ وہ ان شرک کرنے والوں سے کہیں گے:

**آیت ۲۹ ﴿فَكَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًا ۖ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمۡ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمۡ لَغٰفِلِيۡنَ ﴿۲۹﴾﴾** ”پس اللہ کافی

ہے (بطور) گواہ ہمارے اور تمہارے مابین، ہم تو تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے۔“  
یعنی اگر تم ہماری پوجا کرتے بھی رہے ہو تو ہمیں بالکل اس کی خبر نہیں، ہم پر اس کا کچھ الزام نہیں۔ ہم تمہارے اس گھناؤنے فعل سے بالکل بری ہیں۔

**آیت ۳۰ ﴿هٰذَا لَكَ تَبٰلُوًا كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْا اِلٰی اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقُّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا**

**كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾﴾** ”اُس وقت ہر جان کو پتا چل جائے گا کہ اُس نے کیا آگے بھیجا تھا اور وہ لوٹا دیے جائیں گے اللہ کی طرف جو ان کا برحق مولیٰ ہے اور گم ہو جائے گا ان سے وہ سب کچھ جو وہ افتر کرتے تھے۔“  
یعنی اس دن جب شفاعت کی امیدوں کے سارے سہارے ہوا ہو جائیں گے تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔ تب انہیں معلوم ہوگا کہ مع ”خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا!“

## آیات ۳۱ تا ۳۹

قُلْ مَنْ يَدْرِيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمْ مِّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدْبِرُ الْاَمْرَ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ فَقُلْ اَفَا لَا تَتَّقُوْنَ ۚ فذٰلِكُمۡ اللّٰهُ رَبُّكُمْ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلَۃُ ۚ فَاَلٰی تُصْرَفُوْنَ ۝ كذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنْ يَّبْدِئُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَبْدِئُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهُ ۚ فَاَلٰی تُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمۡ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ۚ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْٓ لِلْحَقِّ ۚ اَمْ كُنَّ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يَّتَّبَعُ اَمْ مَّنْ لَا يَهْدِيْٓ اِلَّا اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۚ وَمَا يَكْبُرُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا طٰغٰ۟آ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْۢآ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۚ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقُ الَّذِیْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلٌ

الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأَنذَرْتُكُمْ يَوْمَ الْبُورِ ۝ وَادْعُوا  
مَنْ اسْتَعْظَمْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِطُوا بِعِلْمِهِ وَلَكِنَّا  
يَأْتِيهِمْ نَذِيرُهُ ۝ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ۝

آیت ۳۱ ﴿قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ﴾ ”(اے  
نبی ﷺ! ان سے) پوچھئے کہ کون ہے جو تمہیں رزق پہنچاتا ہے آسمان اور زمین سے یا کون ہے جس کے  
قبضہ قدرت میں ہیں تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں؟“

﴿وَمَنْ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ﴾ ”اور کون  
ہے جو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے اور کون ہے تدبیر امر کرنے والا؟“  
﴿فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ﴾ ”تو وہ کہیں گے اللہ!“

مشرکین مکہ اللہ کو ان تمام صفات کے ساتھ مانتے تھے اور اس بارے میں ان کے ذہنوں میں کوئی ابہام  
نہیں تھا۔ وہ اس حقیقت کو تسلیم کرتے تھے کہ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نہ صرف اس کائنات کا خالق ہے بلکہ اس کا نظام بھی  
وہی چلا رہا ہے۔

﴿فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ ”تو آپ فرمائیے کہ کیا پھر تم (اُس اللہ سے) ڈرتے نہیں ہو؟“  
جب تم لوگ اللہ تعالیٰ کو اپنا خالق مالک اور رازق مانتے ہو جب تم ماننے ہو کہ کائنات کا یہ سارا نظام اللہ  
ہی اپنے حسن تدبیر سے چلا رہا ہے تو پھر اس کے بعد تمہارے ان مشرکانہ نظریات اور دیوی دیوتاؤں کی اس پوجا  
پاٹ کا کیا جواز ہے؟ کیا تمہیں کچھ بھی خوف خدا نہیں ہے؟  
آیت ۳۲ ﴿لَقَدْ كُنتُمْ اللَّهُ رُكُّكُمْ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَالَةُ ۚ فَأَنَّى تُصْرَفُونَ﴾ ”تو وہی  
ہے اللہ تمہارا رب برحق۔ تو حق کے بعد کیا رہ جاتا ہے سوائے گمراہی کے؟ تو کہاں سے تم پھیرے  
جارہے ہو؟“

یہی حق ہے جس کو تم اپنی فطرت کی نظر سے پہچان چکے ہو۔ اب اسی کو مضبوطی سے تھام لو اور پھر سے گمراہی  
میں مبتلا ہونے سے بچ جاؤ۔ یعنی تمہاری فطرت کے اندر حق کی پہچان موجود ہے۔ اس کی گواہی خود تمہاری اپنی  
زبانیں دے رہی ہیں۔ تم اللہ کو اپنا اور اس کائنات کا خالق و مالک مانتے ہو زبان سے اس کا اقرار کرتے ہو۔ تو  
یہاں تک پہنچ کر پھر کیوں گمراہی میں آوندھے منہ گر جاتے ہو۔ تمہاری عقل کہاں الٹ جاتی ہے؟

آیت ۳۳ ﴿كَذَلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِينَ فَسَقُوا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ”اسی طرح  
تیرے رب کی بات سچ ثابت ہوئی نافرمان لوگوں پر کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

آیت ۳۴ ﴿قُلْ هَلْ مِنْ شَرٍّ كَائِدَكُمْ مِنْ بُنْدُو الْخَلْقِ ثُمَّ يُعِيدُهُ﴾ ”ان سے پوچھئے کیا تمہارے  
شریکوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو تخلیق کرتا ہو پہلی مرتبہ اور پھر اسے دوبارہ بھی بنائے؟“

﴿قُلِ اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ فَأَلَيْ تَتُفَكُّونَ﴾ ”آپ کہیے صرف اللہ ہی ہے جو پہلی مرتبہ بھی پیدا کرتا ہے، پھر وہ اسے دوبارہ بھی بنائے گا، تو تم کہاں سے پلٹائے جا رہے ہو؟“  
پھر تم یہ کس الٹی راہ پر چلائے جا رہے ہو؟ تم کہاں ادندھے ہوئے جاتے ہو؟

**آیت ۳۵** ﴿قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَائِكُمْ مَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ﴾ ”ان سے پوچھئے کہ ہے کوئی تمہارے شریکوں میں سے جو حق کی طرف راہنمائی کر سکے؟“

﴿قُلِ اللَّهُ يَهْدِي لِلْحَقِّ﴾ ”آپ کہیے کہ اللہ ہی ہے جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔“  
﴿أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهْدِي إِلَّا أَنْ يُهْدَىٰ﴾ ”تو کیا جو حق کی طرف راہنمائی کرتا ہے وہ زیادہ مستحق ہے اس کا کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ جو خود ہدایت نہیں پاسکتا،  
الّا یہ کہ اس کی راہنمائی کی جائے؟“

تمام مخلوق کو ہدایت دینے والا اللہ ہے۔ چنانچہ ہدایت و راہنمائی کے لیے سب اسی کے سامنے دست سوال دراز کرتے ہیں۔ خود نبی مکرم ﷺ بھی اللہ ہی سے یہ دعا مانگتے تھے: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ تو بھلا وہ جو ہدایت دیتا ہے اس کی بات مانی جانی چاہیے یا اُن کی جو خود ہدایت کے محتاج ہوں؟

﴿فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ﴾ ”تو تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو!“  
**آیت ۳۶** ﴿وَمَا يَتَّبِعْ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ﴾ ”اور نہیں پیروی کر رہے ان میں سے اکثر مگر گمان کی، اور یہ گمان کسی بھی درجے میں (انسان کو) حق سے مستغنی نہیں کر سکتا۔ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔“

**آیت ۳۷** ﴿وَمَا كَانَ هَذَا الْقُرْآنُ أَنْ يُفْتَرَىٰ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”اور یہ قرآن ایسی شے نہیں ہے جس کو اللہ کے سوا (کہیں اور) گھڑ لیا گیا ہو“

یہ قرآن کسی انسان کے ہاتھوں تصنیف کی جانے والی کتاب نہیں ہے۔

﴿وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”بلکہ یہ تو تصدیق (کرتے ہوئے آیا) ہے اُس کی جو اس کے سامنے ہے اور (اس میں تمام) شریعت کی تفصیل ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے ہے۔“

**آیت ۳۸** ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ﴾ ”کیا یہ کہتے ہیں کہ اس کو پیغمبر نے خود گھڑ لیا ہے؟“  
یہ لوگ اس قرآن کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ محمد ﷺ کی اپنی تصنیف ہے۔ انہوں نے خود یہ کلام موزوں کر لیا ہے۔

﴿قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”آپ



(ان سے) کہیے کہ لے آؤ تم بھی ایک سورت اس جیسی اور (اس کے لیے) بلا لو جس کو بلا سکتے ہو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔“

یہ چیلنج سورۃ البقرۃ میں بھی ہے جو کہ مدنی ہے، جبکہ کئی سورتوں میں تو اسے متعدد بار دہرایا گیا ہے۔ سورۃ ہود میں اس جیسی دس سورتیں بنا کر لے آنے کا چیلنج دیا گیا ہے اور یہاں اس سورت میں یہ چیلنج گویا برسبیل تنزیل آخری درجہ میں پیش کیا گیا ہے کہ چلو اس جیسی ایک سورت ہی بنا کر دکھا دو۔

**آیت ۳۹** ﴿بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ وَلَكَمَا يَأْتِيهِمْ تَأْوِيلُهُ﴾ ”(نہیں) بلکہ انہوں نے تکذیب کی ہے اس چیز کی جس کے علم کا یہ احاطہ نہیں کر سکے اور ابھی نہیں آئی ان کے پاس اس کی تاویل۔“  
یعنی یہ لوگ قرآن کے علوم کا ادراک اور اس کے پیغام کا شعور حاصل نہیں کر سکے۔ اس کے علاوہ عذاب کے بارے میں ان کو دی گئی دھمکیوں کا مصداق خارجی بھی ابھی ان پر ظاہر نہیں ہوا، اس لیے وہ اس سب کچھ کو محض ڈراوا اور جھوٹ سمجھ رہے ہیں۔ قرآن میں ان لوگوں کو بار بار دھمکیاں دی گئی تھیں کہ اللہ کا انکار کرو گے تو اس کی پکڑ میں آ جاؤ گے، اُس کی طرف سے بہت سخت عذاب تم پر آئے گا۔ یہ عذاب موعود چونکہ ابھی ظاہری طور پر ان پر نہیں آیا، اسی لیے وہ قرآن کو بھی جھٹلا رہے ہیں۔

﴿كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ﴾ ”اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے تو دیکھو کیسا انجام ہوا ظالموں کا!“

## آیات ۳۰ تا ۵۲

وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْفَاسِدِينَ ۝ وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ إِنِّي عَنْكُمْ لَكَلَّمٌ عَلَيْكُمْ ۖ أَنْتُمْ بَرِيءُونَ مِنَّا وَأَنَا بَرِيءٌ مِمَّا تَعْمَلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ ۖ أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ ۖ أَفَأَنْتَ تَهْدِي الْعُمْى وَلَوْ كَانُوا لَا يَبْصِرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ وَيَوْمَ يُخْشَرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَكُنْثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۖ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝ وَإِنَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَقَّعُكَ ۖ فَالْيُنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ۝ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۖ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَذَا الْوَعْدُ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۖ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ

سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ﴿٢٠﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَّاتًا أَوْ نَهَارًا مَآذٍ يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْجِبْرُوتُونَ ﴿٢١﴾ أَتَأْمُرُوا مَا وَكَّلَ امْنُتُمْ بِهِ طَالَن وَقَدْ كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٣﴾

آیت ۲۰ ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهِ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِينَ﴾ ”ان میں وہ بھی ہیں جو اس پر ایمان لے آئیں گے اور وہ بھی ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے اور آپ کا رب ان مفسدوں سے خوب واقف ہے۔“

آیت ۲۱ ﴿وَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ لِيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ﴾ ”اور اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلا دیں تو آپ کہیے کہ میرے لیے میرا عمل ہے اور تمہارے لیے تمہارا عمل۔“  
﴿أَنْتُمْ بَرِيْتُونَ مِمَّا أَعْمَلُ وَأَنَا بَرِيْتٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ﴾ ”تم بڑی ہو میرے عمل کی ذمہ داری سے اور میں بڑی ہوں تمہارے اعمال کی ذمہ داری سے۔“

نہ میرے عمل کی کوئی ذمہ داری تم لوگوں پر ہے اور نہ تمہارے کیے کا میں ذمہ دار ہوں۔

آیت ۲۲ ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ﴾ ”اور ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو بڑی توجہ سے سنتے ہیں آپ (کی باتوں) کو۔“

﴿أَفَأَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوا لَا يَعْقِلُونَ﴾ ”تو کیا آپ بہروں کو سنا سکتے ہیں چاہے وہ عقل سے کام نہ لیتے ہوں!“

یہ لوگ تو پہلے سے ہی نہ سنتے کا تہیہ کیے ہوئے ہیں اس لیے ان کے کان حق کی طرف سے بہرے ہو چکے ہیں۔ ان کا آپ کی باتوں کو سننا صرف دکھاوے کا سننا ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو بتا سکیں کہ ہاں جی ہم تو محمد (ﷺ) کی محفل میں بھی جاتے ہیں ساری باتیں بھی سنتے ہیں مگر ان میں ایسی کوئی بات ہے ہی نہیں جسے مانا جائے۔

آیت ۲۳ ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْظُرُ إِلَيْكَ﴾ ”اور ان میں ایسے بھی ہیں جو آپ کو دیکھتے ہیں۔“

﴿أَفَأَنْتَ تُهْدِي الضَّالِّينَ وَلَوْ كَانُوا لَا يَبْصُرُونَ﴾ ”تو کیا آپ اندھوں کو ہدایت دیں گے خواہ وہ دیکھتے نہ ہوں!“

چنانچہ جب ان لوگوں کی نیت ہی ہدایت حاصل کرنے کی نہیں ہے جب ان کے دل ہی اندھے ہو چکے ہیں تو آپ کی مجلس میں آنا اور آپ کی صحبت میں بیٹھنا اُن کے لیے ہرگز مفید نہیں ہو سکتا۔

آیت ۲۴ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَكِنَّ النَّاسَ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ”یقیناً اللہ انسانوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے ہیں۔“

**آیت ۲۵** ﴿وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ ۚ﴾ ”اور جس دن وہ انہیں جمع کرے گا (تو وہ محسوس کریں گے) جیسے نہیں رہے وہ گردن کی ایک گھڑی، وہ ایک دوسرے کو پہچان رہے ہوں گے۔“

انہیں دنیا اور عالم برزخ میں گزرا ہوا وقت ایسے محسوس ہوگا جیسے کہ وہ ایک دن کا کچھ حصہ تھا۔  
**﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝۳۵﴾** ”وہ لوگ بڑے خسارے کا شکار ہوئے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو اور نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والے۔“

آگے عذاب کی اُس دھمکی کا ذکر آ رہا ہے جس کے بارے میں آیت ۳۹ میں فرمایا گیا تھا: ﴿وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَاوِيلُهُ﴾ کہ اس کی تاویل ابھی اُن کے پاس نہیں آئی۔

**آیت ۳۶** ﴿وَمَا نُرِيكَ بِبَعْضِ اللَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ تَتَوَقَّئِكَ﴾ ”اور اگر ہم دکھادیں آپ کو اس میں سے کچھ (عذاب) جس کا ہم اُن سے وعدہ کر رہے ہیں یا (اس سے پہلے ہی) ہم آپ کو وفات دے دیں“  
**﴿فَالْيَنَّا مَرَجِعُهُمْ ثُمَّ اللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا يَفْعَلُونَ ۝۳۷﴾** ”پس انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے پھر اللہ گواہ ہے اُس پر جو وہ کر رہے ہیں۔“

یعنی آخری محاسبہ تو ان کا قیامت کے دن ہونا ہی ہے، مگر ہو سکتا ہے کہ یہاں دنیا میں بھی سزا کا کچھ حصہ ان کے لیے مختص کر دیا جائے۔ جیسا کہ بعد میں مشرکین مکہ پر عذاب آیا۔ ان پر آنے والے اس عذاب کا انداز پہلی قوموں کے عذاب سے مختلف تھا۔ اس عذاب کی پہلی قسط جنگِ بدر میں ان کے ستر سرداروں کے قتل اور ذلت آمیز شکست کی صورت میں سامنے آئی، جبکہ دوسری اور آخری قسط ۹ ہجری میں وارو ہوئی جب انہیں الٹی میٹم دے دیا گیا: ﴿فَسَبِّحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ.....﴾ (التوبہ: ۲) کہ اب تمہارے لیے صرف چند ماہ کی مہلت ہے، اُس میں ایمان لے آؤ ورنہ قتل کرو یہ جاؤ گے۔ اہل مکہ کے ساتھ عذاب کا معاملہ پہلی قوموں کے مقابلے میں شاید اس لیے بھی مختلف رہا کہ پہلی قوموں کی نسبت ان کے ہاں ایمان لانے والوں کی تعداد کافی بہتر رہی۔ مثلاً اگر حضرت نوح علیہ السلام کی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ سے ۸۰ لوگ ایمان لائے (میری رائے میں وہ لوگ ۸۰ بھی نہیں تھے) تو یہاں مکہ میں حضور ﷺ کی بارہ سال کی محنت کے نتیجے میں اہل ایمان کی تعداد اس سے دو گنا تھی اور ان میں حضرت ابوبکر، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عثمان، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہم جیسے بڑے بڑے لوگ بھی شامل تھے۔

**آیت ۳۷** ﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولٌ ۚ﴾ ”اور ہر امت کے لیے ایک رسول (بھیجا گیا) ہے۔“  
**﴿فَإِذَا جَاءَ رُسُولُهُمْ قُضِيَ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝۳۸﴾** ”پھر جب آیا ان کا رسول تو ان کے مابین عدل کے ساتھ فیصلہ کر دیا گیا اور ان پر کوئی ظلم نہیں کیا گیا۔“

اس کی وضاحت کے لیے حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب، حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علیہم السلام کی قوموں کے معاملات کو ذہن میں رکھئے۔

آیت ۴۸ ﴿وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کہ کب یہ (عذاب کا) وعدہ پورا ہوگا اگر تم سچے ہو؟“

آیت ۴۹ ﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي حِزًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تو خود اپنی جان کے لیے بھی کوئی اختیار نہیں رکھتا، نہ کسی ضرر کا نہ نفع کا، سوائے اس کے جو اللہ چاہے۔“

﴿لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ﴾ ”ہر امت کے لیے ایک وقت معین ہے۔“  
جیسے ہر امت کے لیے ایک رسول ہے، اسی طرح ہر امت کے لیے اس کی اجل (مہلت کی مدت) بھی مقرر کر دی گئی ہے۔ اللہ کی مشیت اور حکمت کے مطابق ان کے لیے مقرر کردہ وقت بہر حال پورا ہو کر رہتا ہے۔

﴿إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ ”جب ان کا وقت آ جاتا ہے تو پھر نہ تو وہ اس کو ایک گھڑی مؤخر کر سکتے ہیں اور نہ ہی اسے پہلے لاسکتے ہیں۔“

آیت ۵۰ ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعِجِلُّ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) ان سے (کہیے کیا تم نے غور کیا کہ اگر تمہارے اوپر اللہ کا عذاب (ناگہاں) آ دھمکے رات کو یا دن کے وقت، تو وہ کیا شے ہے جس کے بل پر یہ مجرم جلدی مچا رہے ہیں؟“

یعنی یہ جو تم سینہ تان کر کہتے ہو کہ لے آؤ عذاب! اور پھر کہتے ہو کہ آ کیوں نہیں جاتا ہم پر عذاب! اور پھر استہزائیہ انداز میں استفسار کرتے ہو کہ یہ عذاب کا وعدہ کب پورا ہونے جا رہا ہے؟ تو کبھی تم لوگوں نے اس پہلو پر بھی غور کیا ہے کہ اگر وہ عذاب کسی وقت اچانک تم پر آ ہی گیا، رات کی کسی گھڑی میں یا دن کے کسی لمحے میں، تو اس سے حفاظت کے لیے تم نے کیا بندوبست کر رکھا ہے؟ آخر تم لوگ کس بل بوتے پر عذاب کو لاکار رہے ہو؟ کس چیز کے بھروسے پر تم اس طرح جسارتیں کر رہے ہو؟

آیت ۵۱ ﴿إِنَّمَا إِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهِ أَلَتْنِمْ وَقَدْ كُنتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ﴾ ”پھر کیا جب وہ (عذاب) واقع ہو جائے گا تب تم لوگ اس پر ایمان لاؤ گے؟ (اُس وقت کہا جائے گا) کیا اب (ایمان لا رہے ہو)؟ اور اسی کی تو تم جلدی مچا رہے تھے۔“

عذاب جب واقعاً ظاہر ہو جائے گا تو اس وقت ایمان لانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

آیت ۵۲ ﴿ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ﴾ ”پھر کہا جائے گا ان ظالموں سے کہ اب دائمی عذاب کا مزہ چکھو۔ تمہیں بدلہ نہیں دیا جا رہا ہے مگر تمہارے اپنے ہی کرتوتوں کا۔“

## آیات ۵۳ تا ۶۰

وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقُّ هُوَ قُلْ إِنْى وَرَبِّىَ إِنَّهُ لَحَقُّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۚ وَلَوْ أَنَّ لِلْكَافِرِ  
نَفْسَ ظَلَمَتْ مَا فِى الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۖ وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ وَقُضِىَ  
بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝ الْآلَ إِنَّ لِلَّهِ مَا فِى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَالْآلَ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ  
حَقٌّ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ هُوَ يُجِى وَيُبِيتُ ۚ وَالْيَهُ تُرْجَعُونَ ۝ يَأْتِيهَا النَّاسُ قَدْ  
جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِى الصُّدُورِ ۚ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ  
بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ۚ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَا أَنْزَلَ  
اللَّهُ لَكُمْ مِّن رِّزْقٍ فَعَلَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا ۚ قُلْ اللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ ۝  
وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ  
وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ ۚ

**آیت ۵۳** ﴿وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقُّ هُوَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ واقعی حق ہے؟“

جیسے قرآن بار بار اپنے مخالفین سے مجتہسانہ انداز میں سوال (searching questions) کرتا ہے، اسی طرح مشرکین بھی حضور ﷺ سے searching انداز میں سوال کرتے تھے۔ یہاں ان کا یہ سوال نقل کیا گیا ہے کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں کیا واقعی یہ سچ ہے؟ کیا آپ کو خود بھی اس کا پورا پورا یقین ہے؟ ﴿قُلْ إِنْى وَرَبِّىَ إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۚ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ ہاں میرے رب کی قسم! یقیناً وہ حق ہے، اور تم (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔“

ان الفاظ میں بہت زیادہ تاکید اور شدت ہے۔

**آیت ۵۴** ﴿وَلَوْ أَنَّ لِلْكَافِرِ نَفْسَ ظَلَمَتْ مَا فِى الْأَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهِ ۚ وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ﴾ ”اور اگر کسی گنہگار جان کے پاس زمین کی ساری دولت بھی ہو تو وہ اسے اس (عذاب) کے بدلے میں دے ڈالے۔“  
﴿وَأَسْرُوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَأَوُا الْعَذَابَ ۚ﴾ ”اور وہ اپنی ندامت کو چھپائیں گے جب وہ دیکھیں گے عذاب کو۔“

﴿وَقُضِىَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۚ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝﴾ ”اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور ان پر کوئی ظلم نہیں ہوگا۔“

**آیت ۵۵** ﴿الْآلَ إِنَّ لِلَّهِ مَا فِى السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! جو کچھ بھی ہے آسمانوں اور زمین

میں وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے۔“

﴿الْآيَاتُ وَعَدَ اللَّهُ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! یقیناً اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔“

آیت ۵۶ ﴿هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَئِنَّهُ تَوَجُّعُونَ﴾ ”وہی ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے۔“

اگلی دو آیات عظمت قرآن کے ضمن میں ایک بیش بہا خزانہ اور افادیت کے اعتبار سے نہایت جامع آیات ہیں۔

آیت ۵۷ ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ تُكْمُ مَوْعِظَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ﴾ ”اے لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے امراض) کی شفا“

﴿وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور (بہت بڑی) رحمت۔“

اس آیت کے الفاظ کی ترتیب (موعظہ، شفا، ہدایت اور رحمت) بہت پُر حکمت ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۷ میں انسان کے دل کی سختی کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ.....﴾۔ دراصل دل کی سختی ہی وہ بنیادی مرض ہے جس کے باعث اعلیٰ سے اعلیٰ کلام بھی کسی انسان پر بے اثر ہو کر رہ جاتا ہے۔ ”مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر“۔ چنانچہ قبول ہدایت کے لیے سب سے پہلے دلوں کی سختی کو دور کرنا ضروری ہے۔ جیسے بارش سے فائدہ اٹھانے کے لیے زمین کو نرم کرنا پڑتا ہے، سخت زمین بارش سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتی، بارش کا پانی اوپر ہی اوپر سے بہہ جاتا ہے، اس کے اندر جذب نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر انسان کا معدہ ہی خراب ہو تو کوئی دوسری دوائی اپنا اثر نہیں دکھاتی۔ لہذا انسان کی کسی بھی بیماری کے علاج کے لیے پہلے اس کے معدے کو درست کرنا ضروری ہے۔

دلوں کی سختی کو دور کرنے کے لیے مؤثر ترین نسخہ وعظ و نصیحت (موعظہ) ہے۔ جب وعظ اور نصیحت سے دلوں میں گداز پیدا ہوگا تو پھر قرآن ان پر دوائی کی مانند اثر کر کے تکبر، حسد، بغض، خبث و نیا وغیرہ تمام امراض کو دور کر دے گا۔ حب دنیا میں دولت، اولاد، بیوی، شہرت وغیرہ کی تمام محبتیں شامل ہیں۔ ملاحظہ ہو سورۃ آل عمران کی آیت ۱۴: ﴿رَّزَيْنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ﴾۔ آیت زیر مطالعہ میں الفاظ کی ترتیب پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ایک انسان کے حق میں قرآن سب سے پہلے وعظ اور نصیحت ہے، پھر تمام امراض قلب کے لیے شفا اور پھر ہدایت۔ کیونکہ جب دل سے بیماری نکل جائے گی، دل شفا یاب ہوگا تب ہی انسان قرآن کی ہدایت اور رہنمائی کو عملاً اختیار کرے گا، اور جب انسان یہ سارے مراحل طے کر کے قرآن کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھال لے گا تو پھر اس کو انعام خاص سے نوازا جائے گا اور وہ ہے اللہ کی خصوصی رحمت۔ کیونکہ یہ قرآن رب رحمان کی رحمانیت کا مظہر اتم ہے: ﴿الْكَرِّمُونَ ۱ عَلَّمَ الْقُرْآنَ ۲﴾۔

آیت ۵۸ ﴿قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ﴾ ”(اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے“

یہ قرآن اللہ کے فضل اور رحمت کا مظہر اور بنی نوع انسان پر اس کا بہت بڑا احسان ہے۔ یہ سب سے بڑی دولت ہے جو اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی کو عطا کی ہے۔

﴿فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾ ”تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں!“

”فرح“ کے معنی ہیں خوشی سے پھولے نہ سانا، یعنی خوشی کے جذبے میں حد سے بڑھ جانا، اس لحاظ سے یہ جذبہ شریعت اسلامی میں قابلِ مذمت ہے اور یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ قرآن میں زیادہ تر منفی مفہوم میں آیا ہے۔ جیسے سورۃ القصص میں قارون کے ذکر میں یہ الفاظ آئے ہیں: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِينَ﴾ — لیکن یہاں پر تو اعلانِ عام ہو رہا ہے کہ اگر ”فرح“ کرنا ہی ہے تو دولت قرآن پر کرو! اگر تمہیں اترا نا ہی ہے تو نعمت قرآن پر اتراؤ! اور اگر جشن ہی منانا ہے تو جشن قرآن مناؤ! ﴿فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا﴾

﴿هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ﴾ ”وہ کہیں بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“

یہ مال و دولت دنیا، یہ سامانِ آرائش و زیبائش، یہ اشیائے آسائش، یہ رنگا رنگ نعمتیں، غرض اس دنیا میں انسان اپنے لیے جو کچھ بھی اکٹھا کرتا ہے، اس سب کچھ سے کہیں بہتر قرآن کی دولت ہے۔

ان دو آیات میں قرآن کی اہمیت و عظمت کے بیان میں جو تاکید اور جلال ہے اس کی قدر دانی کا تقاضا ہے کہ تمام مسلمان اس تصور کو حرزِ جان بنالیں، ان آیات کو زبانی یاد کریں، الفاظ کی ترتیب کو مد نظر رکھتے ہوئے ان سے استفادہ کی کوشش کریں اور قرآن کی تعلیم و تفہیم کے ذریعے سے دل کو نرم اور گداز کرنے کا سامان کریں، تاکہ اس کے اثرات دل کے اندر جذب ہو کر اپنا رنگ جمائیں (ع چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود)۔ اور اس طرح قرآن کے ذریعے اپنی دنیائے دل و جان میں انقلاب برپا کریں، تاکہ یہ ان کے لیے شفا، ہدایت اور رحمت بن جائے۔ آمین!

**آیت ۵۹** ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَحَلَالًا﴾ ”ان سے کہیے کہ تم نے کبھی غور کیا کہ اللہ نے تمہارے لیے جو رزق اتارا ہے تم نے اس میں سے (از خود) کسی کو حرام قرار دے دیا اور کسی کو حلال!“

﴿قُلْ أَللَّهُ أَذِنَ لَكُمْ أَمْ عَلَى اللَّهِ تَفْتَرُونَ﴾ ”ان سے پوچھئے کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ پر افترا کر رہے ہو؟“

سورۃ الانعام میں ان چیزوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے جنہیں وہ لوگ از خود حرام یا حلال قرار دے لیتے تھے۔ سورۃ المائدہ میں بھی ان کی خود ساختہ شریعت کا ذکر ہے۔

**آیت ۶۰** ﴿وَمَا ظَنُّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ”اور جو لوگ اللہ سے جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں، قیامت کے دن کے بارے میں ان کا کیا گمان ہے؟“

وہ کیا خیال رکھتے ہیں کہ اُس دن اِس جرم کے بدلے میں ان کے ساتھ کیسا سلوک ہوگا؟

﴿إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُونَ﴾ ”یقیناً اللہ تو انسانوں کے حق میں بہت فضل والا ہے، لیکن ان کی اکثریت شکر گزار نہیں ہے۔“

## آیات ۶۱ تا ۷۰

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ ۖ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ الْآلِ إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ ۖ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝ وَلَا يَحْزَنُكَ قَوْلُهُمْ إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۖ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ الْآلِ إِنَّ اللَّهَ مِنْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ ۖ وَمَا يَلِيهِمُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ ۖ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ۝ هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۖ إِنْ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يُسْمِعُونَ ۝ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحَنَهُ ۖ هُوَ الْغَنِيُّ ۖ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ إِنْ عِنْدَكُمْ مِنْ سُلْطِينَ بِهَذَا اتَّفَقُوا ۖ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ قُلْ إِنْ الَّذِينَ يَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ لَا يَفْعَلُونَ ۖ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُنْفِئُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ۝

**آیت ۶۱** ﴿وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) نہیں ہوتے آپ کسی بھی کیفیت میں اور نہیں پڑھ رہے ہوتے آپ قرآن میں سے کچھ اور (اے مسلمانو!) تم نہیں کر رہے ہوتے کوئی بھی (اچھا) عمل“

﴿إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ تُفِيضُونَ فِيهِ﴾ ”مگر یہ کہ ہم تمہارے پاس موجود ہوتے ہیں جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو۔“

اس اندازِ مخاطب میں ایک خاص کیف ہے۔ پہلے واحد کے صیغے میں حضور اکرم ﷺ سے خطاب ہے اور آپ ﷺ کو خوشخبری سنائی جا رہی ہے کہ آپ جس کیفیت میں بھی ہوں قرآن پڑھ رہے ہوں یا پڑھ کر سنا رہے ہوں ہم بذاتِ خود آپ کو دیکھ رہے ہوتے ہیں آپ کی آواز سن رہے ہوتے ہیں۔ پھر اسی خوشخبری کو جمع کے صیغے میں تمام مسلمانوں کے لیے عام کر دیا گیا ہے کہ تم لوگ جو بھی بھلائی کماتے ہو قربانیاں دیتے ہو یا ثار کرتے ہو ہم خود اسے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ ہم تمہارے ایک ایک عمل کے گواہ اور قدردان ہیں۔ ہمارے ہاں اپنے بندوں کے بارے میں تغافل یا نادری نہیں ہے۔



﴿وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ ذَلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فَنِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ اور نہیں غائب ہوتی آپ کے رب سے زمین میں ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی شے اور نہ آسمانوں میں اور نہ ہی اس سے کم ترک کوئی شے اور نہ بڑی مگر یہ کہ وہ ایک روشن کتاب میں درج ہے۔“

کوئی ذرہ برابر چیز یا اس سے چھوٹی یا بڑی آسمانوں اور زمین میں ایسی نہیں ہے جو کبھی رب ذوالجلال کی نظر سے پوشیدہ ہوگئی ہو اور وہ ایک روشن کتاب میں درج نہ ہو۔ یہ روشن کتاب اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے۔

**آیت ۶۲** ﴿إِنَّا أَوْفَيْنَاكَ اللَّهُ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

یہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟ یہ کوئی علیحدہ نوع (Species) نہیں ہے اور نہ ہی اس کے لیے کوئی خاص لباس زیب تن کرنے یا کوئی مخصوص حلیہ بنانے کی ضرورت ہے بلکہ اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان حقیقی سے بہرہ مند ہوں ان کے دلوں میں یقین پیدا ہو چکا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے درجہ ”احسان“ پر فائز ہو چکے ہوں جس کا ذکر ”حدیث جبریل“ میں ہوا ہے: ﴿إِنَّ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ﴾ (۱)

اللہ تعالیٰ اپنے ان خاص بندوں کی جس طرح پذیرائی فرماتا ہے اس کا ایک انداز سورۃ البقرہ آیت ۲۵۷ میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ ”اللہ ولی ہے اہل ایمان کا“ انہیں نکالتا ہے اندھیروں سے روشنی کی جانب۔“ آیت زیر نظر میں بھی انہیں خوشخبری سنائی گئی ہے کہ ایسے لوگ خوف اور غم سے بالکل بے نیاز ہوں گے۔ بہر حال اس سلسلے میں ایک بہت اہم نکتہ لائق توجہ ہے کہ جو اللہ کا دوست ہوگا اس کے اندر اللہ کی غیرت و حمیت بھی ہوگی۔ وہ اللہ کے دین کو پامال ہوتے دیکھ کر تڑپ اٹھے گا۔ وہ اللہ کے شعائر کی بے حرمتی کو کبھی برداشت نہیں کر سکے گا۔ وہ اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اپنا تن من دھن قربان کر دے گا۔ گویا دنیوی زندگی میں یہ معیار اور طرز عمل اولیاء اللہ کی پہچان ہے۔ اگلی آیت میں مزید وضاحت فرمادی گئی کہ یہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں:

**آیت ۶۳** ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ﴾ ”وہ لوگ جو صاحب ایمان ہوں اور تقویٰ کی روش اختیار کریں۔“

اور یہ تقویٰ کس طرح اہل ایمان کو درجہ بدرجہ بلند سے بلند کرتا چلا جاتا ہے اس کی تفصیل ہم سورۃ المائدہ کی اس آیت کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں: ﴿إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَحَسَنُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾

**آیت ۶۴** ﴿لَهُمُ الْبُشْرَىٰ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ ”اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارتیں ہیں اور آخرت میں بھی۔“

ان بشارتوں کے بارے میں ہم سورۃ التوبہ کی آیت ۵۲ میں پڑھ چکے ہیں: ﴿هَلْ تَرْتَبِصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسَيْنَيْنِ﴾ یعنی ہمارے لیے تو دو اچھائیوں کے سوا کسی تیسری چیز کا تصور ہی نہیں ہے ہمارے لیے تو بشارت ہی بشارت ہے۔ اور اگر بالفرض دنیا میں کوئی تکلیف آ بھی جائے تو بھی کوئی غم نہیں، کیونکہ ہمارے اوپر جو بھی تکلیف آتی ہے وہ ہمارے رب ہی کی طرف سے آتی ہے۔ جیسے سورۃ التوبہ آیت ۵۱ میں فرمایا گیا: ﴿قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا﴾ چنانچہ اس میں گھبرانے کی کیا بات ہے؟ وہ ہمارا دوست ہے، اور دوست کی طرف سے اگر کوئی تکلیف بھی آجائے تو سر آنکھوں پر۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس تکلیف میں بھی ہمارے لیے خیر اور بھلائی ہی ہوگی۔

﴿لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ ”اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یہی تو ہے بہت بڑی کامیابی۔“

آیت ۶۵ ﴿وَلَا يَخْزُكَ قَوْلُهُمْ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) ان کی باتیں آپ کو رنجیدہ نہ کریں۔“  
 ﴿إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”عزت کُل کی کُل اللہ کے اختیار میں ہے وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

آیت ۶۶ ﴿إِنَّا لِلَّهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! اللہ ہی کے (مملوک) ہیں جو کوئی بھی آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں۔“  
 ﴿وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ شُرَكَاءَ﴾ ”اور یہ لوگ جو اللہ کے علاوہ (اُس کے) شریکوں کو پکار رہے ہیں وہ کسی چیز کا اتباع نہیں کر رہے۔“  
 ﴿إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ﴾ ”وہ تو ظن و تخمین ہی کے پیچھے پڑے ہیں اور صرف اٹکل سے کام لیتے ہیں۔“

آیت ۶۷ ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصَرًا﴾ ”وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا تاکہ اس میں اپنی معاشی ذمہ داریاں نبھاؤ اور دوسرے کام کا ج پٹناؤ۔“

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہوں۔“

آیت ۶۸ ﴿قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُ هُوَ الْغَنِيُّ﴾ ”انہوں نے کہا کہ اللہ نے اولاد اختیار کی ہے وہ (ایسی باتوں سے) پاک ہے۔ وہ بے نیاز ہے۔“  
 اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اسے اولاد کی حاجت ہو۔ یہاں ”غنی“ کا لفظ اس لحاظ سے بہت اہم

ہے۔ اولاد کی تمنا آدمی اس لیے کرتا ہے کہ اس کا سہارا بنے اور مرنے کے بعد اس کے ذریعے دنیا میں اس کا نام باقی رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ ایسی حاجتوں سے پاک ہے۔ وہ ہمیشہ باقی رہنے والا ہے وہ ہر حاجت سے غنی اور بے نیاز ہے اسے اولاد سمیت کسی چیز کی ضرورت اور حاجت نہیں ہے۔

﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ”اُسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں۔“

﴿اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا﴾ ”نہیں ہے تمہارے پاس کوئی سند (دلیل) اس کے لیے۔“  
 ﴿اَتَقُولُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ”کیا تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو وہ چیز جس کے متعلق تمہیں علم ہی نہیں!“

تمہارے پاس کوئی علمی سند یا عقلی دلیل اس بات کے حق میں نہیں ہے جو تم اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہو۔  
**آیت ۶۹** ﴿قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹ باتیں منسوب کرتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔“

**آیت ۷۰** ﴿مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُهُمْ﴾ ”دنیا میں (ان کے لیے) برتنے کی کچھ چیزیں ہیں پھر ہماری ہی طرف ان کا لوٹنا ہے“

دنیا کی چند روزہ زندگی کا فائدہ اٹھانے کے لیے انہیں کچھ ساز و سامان دے دیا گیا ہے پھر ہماری ہی طرف ان کی واپسی ہوگی۔

﴿ثُمَّ نَذِیْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِیْدَ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ﴾ ”پھر ہم انہیں مزہ چکھائیں گے بہت سخت عذاب کا اس کفر کی وجہ سے جو وہ کرتے رہے ہیں۔“

## آیات ۷۱ تا ۷۴

وَ اٰتٰی عَلَیْهِمْ نَبَا نُوْحٍ ؕ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یَقُوْمُوْنَ اِنْ كَانَ کِبَرٌ عَلَیْکُمْ مَّقَامِیْ وَ تَذٰکِرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلٰی اللّٰهُ تَوَكَّلْتُ فَاٰمِعُواْ اَمْرَکُمْ وَ شُرَکَآءَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غَمَةً ثُمَّ اقْضُواْ اِلَیَّ وَ لَا تَنْظُرُوْنَ ؕ فَاَنْ تَوَلَّیْتُمْ فَمَا سَاَلْتُکُمْ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِیْ اِلَّا عَلٰی اللّٰهِ ؕ وَ اَمَرْتُ اَنْ اَتُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ؕ فَکَذَّبُوْهُ فَتَجٰنَبْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهُ فِی الْفُلْکِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلِیْفَہٗ وَ اَعْرَفْنَا الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ؕ فَاَنْظُرْ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِیْنَ ؕ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِہٖ رُسُلًا اِلٰی قَوْمِہُمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا کَانُوْا لَیُّوْمِنُوْا بِمَا کَذَّبُوْا بِہٖ مِنْ قَبْلُ ؕ کَذٰلِکَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ؕ

اب انباء الرسل کے سلسلے میں دو رکوع آرہے ہیں، جن کا آغاز سورت میں ذکر ہوا تھا کہ ان میں پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ (آدھے رکوع میں) ہے اور بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قدرے تفصیل سے (ڈیڑھ رکوع میں) آیا ہے۔ درمیان میں صرف حوالہ دیا گیا ہے کہ ہم نے مختلف قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجا، اس سلسلے میں کسی رسول کا نام نہیں لیا گیا۔

**آیت ۱۷** ﴿وَإِنلُ عَلَيْهِمْ نَبَأُ نُوحٍ﴾ ”اور ان کو سنائیے نوح کی خبر۔“

﴿إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَقَوْمِ إِنِّي كُنَّا كَبِيرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذَكِّرُنِي بِأَيْتِ اللَّهِ﴾ ”جب اُس نے کہا اپنی قوم سے کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم پر بڑا بھاری گزر رہا ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی آیات کے ساتھ نصیحت کرنا“

میرا دعوت حق کے ساتھ کھڑا ہونا اور تبلیغ و تذکیر کا میرا یہ عمل اگر تم پر بہت شاق گزر رہا ہے کہ تم میرا مذاق اڑاتے ہو اور مجھ پر آوازے کتے ہو تو مجھے تمہاری مخالفت کی کوئی پروا نہیں۔

﴿فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجْمِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ﴾ ”تو میں نے بس اللہ پر توکل کر لیا ہے پس تم جمع کر لو اپنے سارے ذرائع اور اپنے شریکوں کو (بھی بلاو)“

﴿ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ﴾ ”پھر تم پر تمہارا معاملہ کسی اشتباہ میں نہ رہ جائے، پھر جو فیصلہ میرے بارے میں کرنا ہے کر گزر دو اور مجھے کوئی مہلت نہ دو۔“

اس طرزِ مخاطب سے اندازہ ہو رہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا دل اپنی قوم کے رویے کی وجہ سے کس قدر دکھا ہوا تھا، اور ایسا ہونا بالکل فطری عمل تھا۔ اللہ کے اس بندے نے ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو سمجھانے اور نصیحت کرنے میں دن رات ایک کر دیا تھا، اپنا آرام و سکون تک قربان کر دیا تھا، مگر وہ قوم تھی کہ کس سے مس نہیں ہوئی تھی۔ بہر حال ان الفاظ میں اللہ کے رسول کی طرف سے ایک آخری بات چیلنج کے انداز میں کہی جا رہی ہے کہ تم لوگ اپنی ساری قوتیں مجتمع کر لو، تمام وسائل اکٹھے کر لو اور پھر میرے ساتھ جو کر سکتے ہو کر گزرو!

**آیت ۲۱** ﴿فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ﴾ ”پھر اگر تم (اس سے) اعراض کرو“

﴿فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ﴾ ”تو میں نے تم لوگوں سے (کبھی) کوئی اجر تو نہیں مانگا۔“

یعنی پھر اگر تم اس چیلنج کا سامنا نہ کر سکو اور میرے خلاف آخری اقدام کرنے کا حوصلہ بھی نہ کر پاؤ تو پھر ذرا ٹھنڈے دماغ سے سوچو تو سہی کہ میں پچھلے ساڑھے نو سو سال سے تمہیں راہِ راست پر لانے کی جو جدوجہد کر رہا ہوں اس کے عوض میں نے تم لوگوں سے کوئی معاوضہ، کوئی اجرت، کوئی تعریف و توصیف، کوئی شاباش، الغرض کچھ بھی طلب نہیں کیا۔ تو کیا میرے اس طرزِ عمل سے تم لوگوں کو اتنی ہی بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ اس میں میرا کوئی ذاتی مفاد نہیں ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کا چیلنج قبول کر کے ان کے خلاف اقدام کرنے سے گریزاں تھے۔ انہیں دڑ تھا کہ اگر ہم نے انہیں قتل کر دیا تو ہم پر کوئی بڑی مصیبت نازل ہو جائے گی۔

﴿إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ ۖ وَامُوتُوا أَنْ تَكُونُوا مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ ”میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ

ہے اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس کے فرمانبردار بندوں میں سے رہوں۔“

**آیت ۷۳** ﴿فَكَذَّبُوهُ فَتَبْجِيْهُ وَمَنْ مَّعَهُ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنَاهُمْ خَلْفَةً﴾ ”تو انہوں نے (پھر بھی) جھٹلادیا اُس کو تو ہم نے نجات دے دی اُس کو اور جو بھی اُس کے ساتھ تھے کشتی میں اور ان کو بنادیا جاشین“ انہی لوگوں کو ہم نے زمین میں خلافت عطا کی۔

﴿وَاَعْرِفْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْاٰتِیَاتِ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ﴾ ”اور غرق کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی تھی تو دیکھو کیسا انجام ہوا ان لوگوں کا جنہیں خبردار کر دیا گیا تھا!“

**آیت ۷۴** ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمُ رُسُلًاۙ اِلٰی قَوْمِهِمْ فَبَجَاءَ وَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ﴾ ”پھر ہم نے بھیجا ان کے بعد بہت سے رسولوں کو اُن کی (اپنی اپنی) قوموں کی طرف تو وہ (سب کے سب) آئے اُن کے پاس روشن دلیلیں لے کر“

﴿فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْاۙ بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُۙ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰی قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ ”لیکن وہ (ساری روشن دلیلیں دیکھنے کے باوجود بھی) اُس چیز پر ایمان لانے والے نہ بنے جس کا پہلے انکار کر چکے تھے۔ اسی طرح ہم مہر کر دیا کرتے ہیں حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر۔“

## آیات ۷۵ تا ۸۲

﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُونَۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَٲِهٖۙ بِالْاٰتِیَاتِ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِیْنَۙ فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِیْنٌۙ قَالَ مُوْسٰی اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْۙ اَسِحْرٌ هٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السَّحَرُوْنَۙ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِۙ اِبَآءَنَا وَكُنُوْنَ لَكُمْۙ الْكِبْرِیَآءُ فِی الْاَرْضِۙ وَمَا نَحْنُ لَكُمْۙ بِمُؤْمِنِیْنَۙ وَقَالَ فِرْعَوْنُ اَنْتَوْنِیْ بِكُلِّ سِحْرِ عَلَیْمٍۙ فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُۙ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰی اَلْقُوا۟ مَا اَنْتُمْ مُّلقُوْنَۙ فَلَمَّا اَلْقَوْۤا قَالَ مُّوْسٰی مَا جِئْتُمْ بِهٖۙ اِلَّا السِّحْرُۙ اِنَّ اللّٰهَ سَیَبْطِلُہٗۙ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَۙ وَیُحَقِّقُ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكُلِّ۬مَّةٍۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَۙ﴾

عام طور پر قرآن حکیم میں انباء الرسل کے ضمن میں چھ رسولوں کا تذکرہ بار بار آیا ہے، لیکن یہاں اختصار کے ساتھ حضرت نوح علیہ السلام کا صرف تین آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ پھر اس ایک آیت (۷۴) میں باقی تمام رسولوں کا نام لیے بغیر صرف حوالہ دے دیا گیا ہے اور اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قدرے تفصیل سے ہوا ہے۔

**آیت ۷۵** ﴿ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰی وَهٰرُونَۙ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَٲِهٖۙ بِالْاٰتِیَاتِ﴾ ”پھر بھیجا ہم نے ان کے بعد موسیٰ اور ہارون (علیہ السلام) کو فرعون اور اس کے سرداروں کی جانب اپنی نشانیوں کے ساتھ“

﴿فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ﴾ ۷۵ ”تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ تھے مجرم لوگ۔“

آیت ۷۶ ﴿فَلَمَّا جَاءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ ۷۶ ”تو جب ان کے پاس حق آیا ہماری طرف سے تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔“

آیت ۷۷ ﴿قَالَ مُوسَىٰ اَنْتُمْ لَوْنٌ لِلْحَقِّ لَمَّا جَاءَكُمْ﴾ ”موسیٰ نے کہا کہ کیا تم لوگ حق کے بارے میں یہ کہہ رہے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آپہنچا ہے۔“

﴿اِسْحَرْ هَذَا وَلَا يَفْلِحِ السَّحَرُونَ﴾ ۷۸ ”کیا یہ جادو ہے؟ اور جادوگر تو کبھی فلاح نہیں پایا کرتے۔“

آیت ۷۸ ﴿قَالُوا اَجِئْنَا لِلنَّفِثَتَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اَبَاءَنَا﴾ ”انہوں نے کہا کہ کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں پھیر دو ان طریقوں سے جن پر پایا ہم نے اپنے آباء و اجداد کو“

﴿وَتَكُونُ لَكُمْ اِكْبَرِيَاءٌ فِي الْاَرْضِ وَمَا نَحْنُ لَكُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ ۷۹ ”اور تم دونوں کی بڑائی قائم ہو جائے زمین میں؟ اور ہم ہرگز تم دونوں کی بات ماننے والے نہیں ہیں۔“

یعنی تم دونوں (حضرت موسیٰ اور ہارون علیہ السلام) یہاں اپنی بادشاہی قائم کرنا چاہتے ہو۔ اس اندیشے کی وجہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اہل مصر کو بندگی رب کی جو دعوت دے رہے تھے اس سے وہ مشرکانہ نظام خطرے میں تھا جس پر فرعون کی بادشاہی اس کے سرداروں کی سرداری اور مذہبی پیشواؤں کی پیشوائی قائم تھی۔

آیت ۷۹ ﴿وَقَالَ فِرْعَوْنُ اَنْتُمْ لَنِي بِكُلِّ سِحْرِ عَلِيمٌ﴾ ”اور فرعون نے کہا کہ لے آؤ میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو۔“

آیت ۸۰ ﴿فَلَمَّا جَاءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوسَىٰ اَلْقُوا مَا اَنْتُمْ مُّلقُونَ﴾ ”اور جب وہ جادوگر آگئے تو موسیٰ نے ان سے فرمایا کہ ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو۔“

آیت ۸۱ ﴿فَلَمَّا اَلْقَوْا قَالَ مُّوسَىٰ مَا جِئْتُمْ بِهٖ السَّحَرُ﴾ ”اور جب انہوں نے ڈال دیا تو موسیٰ نے فرمایا کہ تم لوگ جو کچھ لائے ہو یہ جادو ہے۔“

یعنی جادو وہ نہ تھا جو میں نے دکھایا تھا بلکہ جادو یہ ہے جو تم دکھا رہے ہو۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ سَيُطْلِلُ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَضِلُّ عَمَلُ الْمُفْسِدِينَ﴾ ۸۲ ”یقیناً اللہ اسے ابھی باطل کر دے گا۔ بے شک اللہ مفسدوں کے عمل کو کامیاب نہیں کرتا۔“

اللہ تعالیٰ ابھی تمہاری شعبہ بازی کا باطل ہونا ثابت کر دے گا اسے نیست و نابود کر دے گا ہبَاءَ مَنْشُورًا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ فساد برپا کرنے والوں کے عمل کو نتیجہ خیز نہیں ہونے دیتا۔

آیت ۸۲ ﴿وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾ ”اور اللہ تو حق کو حق ثابت کرتا ہے اپنے کلمات سے خواہ یہ مجرموں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔“

## آیات ۸۳ تا ۹۳

فَمَا آمَنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ  
وَأَنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ۝ وَقَالَ مُوسَى يُقَوْمُ إِن كُنْتُمْ  
أَمْنُكُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُّسْلِمِينَ ۝ فَقَالُوا عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا  
فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَى  
وَآخِيهِ أَن تَبَوَّآ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ يُبُوتَا ۚ وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً ۚ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ وَبَشِّرِ  
الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَكَهٗ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا ۖ رَبَّنَا لِيُضِلُّهُمَا عَنْ سَبِيلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلَىٰ أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا  
يُؤْمِنُوا حَتَّىٰ يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۝ قَالَ قَدْ أُجِيبْتُ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَجِبَا وَلَا تَلَبَّسَا  
بِإِسْمِ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَجَوَازَنَا بَيْنِي وَبَيْنَ إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنَ وَجُنُودُهُ  
بَغْيًا وَعَدُوًّا حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْعَرِقُ ۖ قَالَ آمَنْتُ أَكَّةَ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو  
إِسْرَائِيلَ ۚ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ أَلَن ۖ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ۝  
فَالْيَوْمَ نَبِّئُكَ بِمَا لَمْ يَكُنْ لَكَ خَلْقًا أَبَدًا ۚ وَإِنَّ كَيْدًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ آلِيكَ  
لَٰغِفُلُونَ ۝ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ مَبْوَا صَدِّقٍ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوا  
حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝

**آیت ۸۳** ﴿فَمَا آمَنَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهِ﴾ ”تو کوئی ایمان نہیں لایا موسیٰ پر مگر چند نوجوان اُس کی قوم میں سے“

﴿عَلَىٰ خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ﴾ ”ڈرتے ہوئے فرعون اور اپنے سرداروں سے کہ وہ اُن کو مصیبت میں مبتلا نہ کر دیں۔“

اُس وقت مصر پر قبطی قوم حکمران تھی جسے قرآن نے ”آل فرعون“ کہا ہے اور اسرائیلی ان کے محکوم تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کی آزادی کے علمبردار تھے، لیکن اس کے باوجود بنی اسرائیل میں سے بھی صرف چند نوجوان لڑکوں نے ہی آپ کی دعوت پر لبیک کہا تھا۔ دراصل غلام ہونے کی وجہ سے وہ لوگ فرعون اور اس کے سرداروں کے مظالم سے خوف زدہ تھے۔ عام طور پر ہر محکوم قوم کے ساتھ اسی طرح ہوتا ہے کہ اس کے کچھ لوگ اپنی قوم سے غداری کر کے حکمرانوں سے مل جاتے ہیں اور حکمران انہیں مراعات اور خطابات سے نواز کر

ان کی وفاداریاں خرید لیتے ہیں۔ چنانچہ بنی اسرائیل میں سے بھی کچھ لوگ فرعون کے ایجنٹ بن چکے تھے۔ اس کی سب سے بڑی مثال قارون کی ہے۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا مگر فرعون کا درباری اور اس کا ایجنٹ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا (اس کا تفصیلی ذکر سورۃ القصص میں ہے)۔ بہر حال بنی اسرائیل کے عام لوگ ایسے مجنوں کے ڈر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب ہونے سے گریز کرتے تھے۔ نوجوان چونکہ باہمت اور پرجوش ہوتے ہیں اس لیے وہ اس طرح کی انقلابی آواز پر بلیک کہنے کا خطرہ مول لے لیتے ہیں جبکہ اسی قوم کے ادھیڑ عمر لوگ کم ہمتی اور مصلحتوں کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ پورا فلسفہ اس آیت میں موجود ہے۔ ان آیات کے نزول کے وقت اہل مکہ میں سے بھی محمد رسول اللہ ﷺ کا ساتھ دینے کے لیے جو لوگ آگے بڑھ رہے تھے وہ چند باہمت نوجوان ہی تھے نہ کہ مصلحت کوں بوڑھے۔

﴿وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ ۚ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ ۝﴾ ”اور یقیناً فرعون زمین میں بہت سرکشی کر رہا تھا، اور وہ یقیناً حد سے بڑھ جانے والوں میں سے تھا۔“

**آیت ۸۲** ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ۝﴾ ”اور موسیٰ نے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو! اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو اب اُسی پر توکل بھی کرو اگر تم واقعتاً فرمانبردار بن گئے ہو۔“

**آیت ۸۵** ﴿فَقَالُوْٓا عَلٰی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝﴾ ”تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اللہ پر توکل کیا۔ اے ہمارے رب! تو ہمیں ان ظالموں کے لیے تحیہ مشق نہ بنا دے۔“

اللہ پر توکل کرتے ہوئے ہم اپنا معاملہ اسی کے حوالے کرتے ہیں۔ پروردگار! اب ایسا نہ ہو کہ ہمارے ذریعے سے تو ان کو آزمائے۔ جیسے ابوجہل اگر آل یاسر پر ظلم ڈھاتا تھا تو اللہ کے ہاں یہ اس کی بھی آزمائش ہو رہی تھی، لیکن اس آزمائش میں تحیہ مشق یا سر اور حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا بن رہے تھے۔

**آیت ۸۶** ﴿وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ۝﴾ ”اور ہمیں اپنی رحمت سے اس کافر قوم سے نجات عطا فرما۔“

**آیت ۸۷** ﴿وَآوَحَيْنَا اِلٰی مُّوسٰی وَاٰخِيْهِ اَنْ يَّبْنُوْا لِقَوْمِکُمْ بِمِصْرَ بَیُوْتًا ۝﴾ ”اور ہم نے وحی کی موسیٰ اور اس کے بھائی (ہارون) کو کہ تم اپنی قوم کے لیے مصر میں کچھ گھر معین کرلو“

ان گھروں میں جمع ہو کر تم لوگ اللہ کی عبادت کیا کرو۔ اسی طرح کا انتظام حضور ﷺ نے بھی اپنی دعوت کے ابتدائی زمانہ میں کیا تھا جب آپ ﷺ نے دار ارقم کو دعوتی اور تنظیمی سرگرمیوں کے لیے مختص فرمایا تھا۔

﴿وَاَجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً ۝﴾ ”اور بناؤ اپنے گھروں کو قبلہ رخ“

فرعون کے ڈر سے وہ لوگ مسجد تو بنائیں سکتے تھے اس لیے انہیں حکم دیا گیا کہ اپنے گھروں کو تعمیر ہی قبلہ رخ



کرو تا کہ وہاں تم نمازیں پڑھا کرو۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی قبلہ معین تھا جبکہ بیت المقدس تو ابھی بنائی نہیں تھا۔ بیت المقدس تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے ایک ہزار سال بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے تعمیر فرمایا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم کا قبلہ یہی بیت اللہ تھا۔ تو رات میں ان کی قربان گاہوں کے خیموں کے بارے میں تفصیل ملتی ہے کہ یہ خیمے اس طرح نصب کیے جاتے تھے کہ جب کوئی شخص قربانی پیش کرتا تھا تو اس کا رخ سیدھا قبلہ کی طرف ہوتا تھا۔

﴿وَأَقِمْوُا الصَّلَاةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور نماز قائم رکھو اور اہل ایمان کو بشارت دے دو۔“  
**آیت ۸۸** ﴿وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَمْوَالًا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾  
 ”اور موسیٰ نے عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار! تُو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو سامانِ زیب و زینت اور اموال عطا کر دیے ہیں دنیا کی زندگی میں“

﴿رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيلِكَ﴾ پروردگار! اس لیے کہ وہ لوگوں کو گمراہ کریں تیرے راستے سے!“  
 ان کے پاس طاقت ہے اقتدار ہے اختیار ہے دولت ہے جاہ و حشم ہے۔ لوگ ان کے رعب و دبدبے کے خوف اور مال و دولت کے لالچ سے گمراہ ہو رہے ہیں۔ پروردگار! کیا تو نے انہیں یہ سب کچھ اس لیے دے رکھا ہے کہ وہ تیرے بندوں کو تیرے سیدھے راستے سے گمراہ کریں؟

﴿رَبَّنَا أَطْمِسْ عَلٰی أَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوبِهِمْ﴾ اے ہمارے رب! اب ان کے اموال کو برباد کر دے اور ان کے دلوں میں سختی پیدا کر دے“  
 ﴿فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰی يَرُوْا الْعَذَابَ الْاَلِيمَ﴾ کہ یہ ایمان نہ لائیں جب تک کہ یہ ٹھہل ٹھلا دیکھ نہ لیں عذابِ الیم کو۔“

اور جب وہ عذاب کو دیکھ لیں گے تو پھر ان کا ایمان انہیں کچھ فائدہ نہیں دے گا، کیونکہ اُس وقت کا ایمان اللہ کے ہاں معتبر نہیں ہے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آلِ فرعون سے بیزاری کی آخری حد ہے۔ اگرچہ نبی ایک ایک فرد کے لیے ایمان کا خواہش مند ہوتا ہے، مگر فرعون اور اس کے سردار اہل ایمان کو ستانے اور اذیتیں دینے میں اس حد تک آگے جا چکے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اللہ تعالیٰ سے دعا مانگ رہے ہیں کہ اے اللہ! اب ان لوگوں کے دلوں کو سخت کر دے ان کے دلوں پر مہر لگا دے تاکہ تیرا عذاب آنے تک انہیں ایمان نصیب ہی نہ ہو۔ اس لیے کہ جو کچھ انہوں نے اللہ اور اہل ایمان کی دشمنی میں کیا ہے اس کی سزا انہیں مل جائے۔

**آیت ۸۹** ﴿قَالَ قَدْ أُجِيبَتْ دَعْوَتُكُمَا فَاسْتَقْبِمَا﴾ اللہ نے فرمایا کہ (ٹھیک ہے) تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی اب تم دونوں بھی قائم رہو“

ایسا نہ ہو کہ وقت آنے پر تمہارا دل پسچ جائے اور پھر دعا کرنے لگو کہ اے اللہ اب ان کو معاف فرما دے!  
 ﴿وَلَا تَتَّبِعَنَّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ اور ان لوگوں کے راستے کی پیروی مت کرنا جو علم

نہیں رکھتے“

**آیت ۹۰** ﴿وَجَوزْنَا بِبَنِي إِسْرَآءَ يَلَّ الْبَحْرُ﴾ ”اور ہم نے بنی اسرائیل کو پار اتار دیا سمندر (یا دریا) کے“  
﴿فَاتَّبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُ بَغْيًا وَعَدُوًّا﴾ ”پھر ان کا پیچھا کیا فرعون اور اس کے لشکروں نے سرکشی اور زیادتی کی غرض سے۔“

﴿حَتَّىٰ إِذَا آذَرَكُمُ الْغَرَقُ﴾ ”یہاں تک کہ جب پالیا اُسے غرق نے“

یعنی جب فرعون غرق ہونے لگا تو:

﴿قَالَ آمَنْتُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُوا إِسْرَآءَ يَلَّ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ﴾ ”کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ کوئی معبود نہیں سوائے اُس کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں اور میں (اُس کے) فرماں برداروں میں سے ہوں۔“

**آیت ۹۱** ﴿الْأَنزِلَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ﴾ ”کیا اب (تو ایمان لا رہا ہے)؟ حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا ہے اور تو فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا۔“

**آیت ۹۲** ﴿فَالْيَوْمَ نَنصِفُكَ بِبَدَنِكَ لَتَكُونَ لِمَنْ خَلَقَكَ آيَةً﴾ ”تو آج ہم تمہارے بدن کو بچائیں گے تاکہ تو اپنے بعد والوں کے لیے ایک نشانی بنا رہے۔“

یعنی تمہارے جسم کو محفوظ رکھا جائے گا، اس کو گلے سڑنے نہیں دیا جائے گا تاکہ بعد میں آنے والے اسے دیکھ کر عبرت حاصل کر سکیں۔ چنانچہ غرق ہونے کے کچھ عرصہ بعد فرعون کی لاش کنارے پر پائی گئی تھی صرف اس کے ناک کو کسی مچھلی وغیرہ نے کاٹا تھا باقی لاش صحیح سلامت تھی اور آج تک قاہرہ کے عجائب گھر میں موجود ہے۔

﴿وَأَنَّ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ عَنِ الْيُسْرِ لَغَفِلُونَ﴾ ”اور یقیناً بہت سے لوگ ہماری آیات سے غفلت ہی برتتے رہتے ہیں۔“

**آیت ۹۳** ﴿وَلَقَدْ يَوَّانَا بِبَنِي إِسْرَآءَ يَلَّ مُبَوَّآ صِدْقٍ وَرَزَقْنَهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ ”اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت ہی عمدہ جگہ فراہم کر دی اور ہم نے انہیں پاکیزہ روزی دی۔“

﴿فَمَا اخْتَلَفُوا حَتَّىٰ جَاءَهُمُ الْعِلْمُ﴾ ”پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا یہاں تک کہ ان کے پاس علم آ گیا۔“

یعنی انہوں نے اُس وقت اختلاف کیا اور تفرقہ برپا کیے جبکہ ان کے پاس علم آچکا تھا۔ انہوں نے ایسا نادانیت کی بنیاد پر مجبوراً نہیں کیا تھا، بلکہ یہ سب کچھ ان کے اپنے نفس کی شرارتوں کا نتیجہ تھا۔

﴿لَإِنَّ رَبَّكَ يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ﴾ ”یقیناً آپ کا رب فیصلہ کرے گا ان کے مابین قیامت کے دن جن چیزوں میں وہ اختلاف کرتے رہے تھے۔“

## آیات ۹۲ تا ۱۰۳

فَإِنْ كُنْتَ فِي شكٍّ مِمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ فَاسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ۝ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُوا مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ وَلَوْ جَاءَهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ ۚ فَلَوْ لَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمُ يُونُسَ ۚ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مِنَ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا ۚ أَفَأَنْتَ تُكذِّبُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۚ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تُوَمِّنَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَجْعَلُ الرَّجْسَ عَلَىٰ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ۚ قُلْ أَنْظِرُوا مَاذَا فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنَّذِيرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ ۚ فَعَلُ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ آيَاتِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ قُلْ فَأَنْتَظِرُوا إِلَيَّ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظَرِينَ ۚ ثُمَّ لَنَنْبِئَنَّ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْكُمْ لَأُنْذِرَ الْمُؤْمِنِينَ ۚ

ع ۱۵

**آیت ۹۲** ﴿فَإِنْ كُنْتَ فِي شكٍّ مِمَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ﴾ ”پھر اگر آپ کو کوئی شک ہے اُس چیز کے بارے میں جو ہم نے آپ پر نازل کی ہے“

یہاں خطاب بظاہر محمد رسول اللہ ﷺ سے ہے، لیکن اس بات کا تو قطعاً کوئی امکان نہیں کہ آپ ﷺ کو اس میں کوئی شک ہو، لہذا اصل میں روئے سخن اہل مکہ کی طرف ہے۔ بعض اوقات جس سے بات کرنا مقصود ہوتا ہے اس کے رویے کی وجہ سے اس سے اس قدر نفرت ہو جاتی ہے کہ اسے براہ راست مخاطب کرنا مناسب نہیں سمجھا جاتا۔ ایسی صورت میں کسی دوسرے شخص سے بات کی جاتی ہے تاکہ اصل مخاطب بالواسطہ طور پر اسے سن لے۔ چنانچہ اس کا مطلب یہی ہے کہ اے مشرکین مکہ! اگر تم لوگوں کو اس کتاب کے بارے میں کوئی شک ہے جو ہم نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہے:

﴿فَسْأَلِ الَّذِينَ يَقْرَءُونَ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ”تو پوچھ لیجیے ان لوگوں سے جن کو کتاب دی گئی تھی آپ سے پہلے۔“

﴿لَقَدْ جَاءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کے پاس حق آیا ہے آپ کے رب کی طرف سے، تو ہرگز نہ ہو جائیں آپ شک کرنے والوں میں سے۔“

یہ اُسی اندازِ مخاطب کا تسلسل ہے کہ حضور ﷺ کو مخاطب کر کے مشرکین مکہ کو سنا یا جا رہا ہے۔

**آیت ۹۵** ﴿وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَتَكُونُوا مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ”اور مت ہو جانا ان لوگوں میں سے جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا ورنہ تم ہو جاؤ گے خسارہ پانے والوں میں سے۔“

**آیت ۹۶** ﴿إِنَّ الَّذِينَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ”یقیناً جن لوگوں پر تیرے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

جو لوگ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قانونِ خداوندی کی زد میں آچکے ہیں اور ان کے دلوں پر آخری مہر لگ چکی ہے اب ایسے لوگوں کو ایمان نصیب نہیں ہوگا۔

**آیت ۹۷** ﴿وَلَوْ جَاءَ نَهُمْ كُلُّ آيَةٍ حَتَّى يَرَوْا الْعَذَابَ الْأَلِيمَ﴾ ”اور چاہے ان کے پاس ساری ہی نشانیاں آجائیں (اب وہ ایمان نہیں لائیں گے) جب تک کہ عذابِ الیم کو دیکھ نہ لیں۔“

جیسا کہ فرعون کا معاملہ ہوا کہ جب غرق ہونے لگا تب ایمان لایا۔

**آیت ۹۸** ﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قُوَّةٌ أَمْنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمٌ يُونُسُ﴾ ”تو کیوں نہ ہوئی کوئی بستی ایسی جو ایمان لاتی اور اُسے اُس کا ایمان نفع پہنچاتا سوائے قوم یونس کے؟“

حضرت یونس علیہ السلام نینوا کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کی دعوت کے مقابلے میں آپ کی قوم انکار پر اڑی رہی۔ جب آخری حجت کے بعد ان لوگوں پر عذاب کا فیصلہ ہو گیا تو حضرت یونس علیہ السلام حمیتِ دینی کے جوش میں انہیں چھوڑ کر چلے گئے اور جاتے جاتے انہیں یہ خبر دے گئے کہ اب تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آجائے گا جبکہ اللہ کی طرف سے آپ کو اپنی قوم کو چھوڑ کر جانے کی ابھی باضابطہ طور پر اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ رہی ہے کہ ایسے مواقع پر رسول اپنی مرضی سے اپنی بستی کو نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ ہجرت کا حکم نہ آجائے (نبی کا معاملہ اس طرح سے نہیں ہوتا)۔ محمد رسول اللہ ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کرنے کا حکم دے دیا تھا مگر آپ ﷺ نے خود اس وقت تک ہجرت نہیں فرمائی جب تک آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے باضابطہ طور پر اس کی اجازت نہیں مل گئی تھی۔ سیرت کی کتابوں میں یہاں تک تفصیل ملتی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دو اوثینیاں اس مقصد کے لیے تیار کر رکھی تھیں اور روزانہ آپ سے استفسار کرتے تھے کہ حضور! اجازت ملی یا نہیں؟

بہر حال حضرت یونس علیہ السلام کے جانے کے بعد جب عذاب کے آثار پیدا ہوئے تو پوری بستی کے لوگ اپنے بچوں، عورتوں اور مال مویشی کو لے کر باہر نکل آئے اور اللہ کے حضور گڑ گڑا کر توبہ کی۔ اللہ کے قانون کے مطابق تو عذاب کے آثار ظاہر ہو جانے کے بعد نہ ایمان فائدہ مند ہوتا ہے اور نہ توبہ قبول کی جاتی ہے، مگر حضرت یونس علیہ السلام کے وقت سے پہلے ہجرت کر جانے کی وجہ سے اس قوم کے معاملے میں نرمی اختیار کی گئی اور ان کی توبہ قبول کرتے ہوئے ان پر سے عذاب کو ٹال دیا گیا۔ یوں انسانی تاریخ میں ایک استثناء (exception) قائم ہوا کہ اس قوم کے لیے قانونِ خداوندی میں رعایت دی گئی۔

﴿لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنَاهُمْ إِلَىٰ حِينٍ﴾

”جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ہٹا دیا اُن سے دنیا کی زندگی میں وہ رسوا کن عذاب اور ایک وقت معین کے لیے ہم نے انہیں (فوائدِ نبوی سے) بہرہ مند ہونے کا موقع دے دیا۔“

**آیت ۹۹** ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَأَمَنَّ مَنَ فِي الْأَرْضِ كُلَّهُمْ جَمِيعًا﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ کا رب چاہتا تو زمین میں جتنے لوگ بھی ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔“

یہ مضمون سورۃ الانعام میں بڑے شد و مد کے ساتھ آچکا ہے۔ حضور ﷺ کی شدید خواہش تھی کہ یہ سب لوگ ایمان لے آئیں، مگر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں ہمارا اپنا قانون ہے اور وہ یہ کہ جو حق کا طالب ہوگا اسے حق مل جائے گا اور جو تعصب، ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے گا اسے ہدایت نصیب نہیں ہوگی۔ اگر لوگوں کو مسلمان بنانا ہی مقصود ہوتا تو اللہ کے لیے یہ کون سا مشکل کام تھا۔ وہ سب کو پیدا ہی ایسے کرتا کہ سب مؤمن، متقی اور پرہیزگار ہوتے۔ آخر اس نے فرشتے بھی تو پیدا کیے ہیں جو کبھی غلطی کرتے ہیں نہ اس کی معصیت۔ جیسا کہ سورۃ التحریم میں فرمایا: ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ ”وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“ لیکن انسانوں کو اُس نے پیدا ہی امتحان کے لیے کیا ہے۔ سورۃ الملک کے آغاز میں زندگی اور موت کی تخلیق کا یہی مقصد بتایا گیا ہے: ﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (آیت ۲) ”اُس نے زندگی اور موت کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون حسنِ عمل کا رویہ اختیار کرتا ہے۔“ لہذا اے نبی (ﷺ) آپ اس معاملے میں اپنا فرض ادا کرتے جائیں، کوئی ایمان لائے یا نہ لائے اس کی پروا نہ کریں، کسی کو ہدایت دینے یا نہ دینے کا معاملہ ہم سے متعلق ہے۔

**﴿اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾** ”تو کیا آپ لوگوں کو مجبور کر دیں گے کہ وہ ضرور ایمان لے آئیں!“

اصل میں یہ ساری باتیں حضور ﷺ کے دل مبارک کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے کی جا رہی ہیں کہ آپ ہر وقت دعوت و تبلیغ کی جد و جہد میں مصروف ہیں، پھر آپ کو یہ اندیشہ بھی رہتا ہے کہ کہیں اس ضمن میں میری طرف سے کوئی کوتاہی تو نہیں ہو رہی۔ جیسے سورۃ الاعراف (آیت ۲ میں) فرمایا: ﴿فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَزَنٌ مِّنْهُ﴾ کہ آپ ﷺ کے دل میں فرائض رسالت کے سلسلے میں کسی قسم کی تنگی نہیں ہونی چاہیے۔ اور ان لوگوں کے پیچھے آپ ﷺ اپنے آپ کو ہلکان نہ کریں۔

**آیت ۱۰۰** ﴿وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُوْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ”کسی جان کے لیے ممکن نہیں ہے کہ وہ ایمان لائے مگر اللہ کے اذن سے۔“

﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ ”اور وہ گندگی مسلط کر دیتا ہے اُن لوگوں پر جو عقل سے کام نہیں لیتے۔“

**آیت ۱۰۰** ﴿قُلْ اَنْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”ان سے کہیے کہ دیکھو جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔“

زمین و آسمان میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیاں ہیں ان کو بنظرِ غائر دیکھنے کی ضرورت ہے۔

﴿وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ (۱۰۱) ”لیکن یہ نشانیاں اور ڈراوے ان لوگوں کے کچھ کام نہیں آتے جو ایمان نہیں لانا چاہتے۔“

**آیت ۱۰۲** ﴿فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”تو کیا یہ منتظر ہیں اسی طرح کے دنوں کے جیسے ان سے پہلے لوگوں پر گزر چکے ہیں؟“

رسولوں کی تکذیب کرنے والی قوموں پر آنے والے عذابِ استیصال والے دنوں کو قرآن حکیم میں ”ایام اللہ“ قرار دیا گیا ہے۔ تو کیا یہ لوگ ایسے دنوں کے منتظر ہیں جو قومِ نوح یا قومِ ہود یا قومِ صالح یا قومِ لوط کو دیکھنے پڑے تھے؟

﴿قُلْ فَاَنْتَظِرُوا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ﴾ (۱۰۲) ”کہہ دیجیے کہ پس انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں۔“

**آیت ۱۰۳** ﴿ثُمَّ نَنْجِیْ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کَذٰلِکَ ۚ حَقًّا عَلَیْنَا نَجِیَ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ ”پھر ہم نجات دیتے رہے ہیں اپنے رسولوں کو اور اہل ایمان کو۔ اسی طرح ہمارے اوپر حق ہے کہ ہم اہل ایمان کو نجات دیں۔“

جیسے حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام کی قوموں میں سے جو لوگ ایمان لے آئے انہیں بچا لیا گیا۔ عامورہ اور سدوم کی بستیوں میں سے کوئی ایک خوش قسمت بھی نہ نکلا کہ اسے بچایا جاتا۔ حضرت لوط علیہ السلام صرف اپنی دو بیٹیوں کو لے کر وہاں سے نکلے تھے جبکہ ان کی اپنی بیوی بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہ گئی اور عذاب کا نشانہ بنی۔

### آیات ۱۰۳ تا ۱۰۹

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَا اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَكَّلُكُمْ ۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ وَاَنْ اَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذَا مِنَ الظَّالِمِیْنَ ۝ وَاَنْ یَّتَسَّسَكَ اللّٰهُ بِضُرِّكَ فَلَا كَاشِفَ لَكَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ یُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ ۚ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یُھْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یُضِلُّ عَلَیْهَا ۚ وَمَا اَنَا عَلَیْكُمْ بِوَكِیْلٍ ۚ وَاللّٰهُ مَا یُوحِیْ اِلَیْكَ وَاَصْدِ حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ۝

آیت ۱۰۴ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِن كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِّن دِينِي﴾ ”(اے نبی ﷺ!) کہہ دیجیے کہ اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے“

اب سورۃ کے آخر میں فیصلہ کن انداز میں خطاب کیا جا رہا ہے کہ اے لوگو! یہ جو تم مجھ پر دباؤ ڈال رہے ہو کہ میں اپنے موقف میں کچھ نرمی پیدا کر لوں یا تمہارے ساتھ کسی حد تک مداحمت (compromise) کا رویہ اختیار کروں تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ تمہیں میرے دین کے بارے میں ابھی تک شک ہے۔ اگر ایسا ہے تو تم لوگ اپنا یہ شک دُور کر لو:

﴿فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِن أَعْبُدُ اللَّهَ الَّذِي يَتَوَفَّكُم﴾ ”(تو) جان لو کہ میں ہرگز نہیں پوجنے والا اُن کو جن کو تم پوجتے ہو اللہ کے سوا، بلکہ میں تو پوجوں گا اُسی اللہ کو جو تمہیں قبض کرے گا۔“

﴿وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور مجھے حکم ہوا ہے کہ میں ایمان لانے والوں سے ہو جاؤں۔“

آیت ۱۰۵ ﴿وَأَنْ أَقِمَّ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا﴾ ”اور یہ کہ آپ اپنا رخ سیدھا رکھیے دین کی طرف یکسو ہو کر۔“

پورے حنیف یعنی یکسو ہو کر دین کی طرف متوجہ ہوں۔

﴿وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ”اور ہرگز نہ ہوں ان مشرکوں میں سے۔“

آیت ۱۰۶ ﴿وَلَا تَدْعُ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ﴾ ”فَإِنْ فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذَا مِّنَ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور مت پکاریے اللہ کے سوا اس کو جو نہ تمہیں نفع دے سکے نہ نقصان، اور اگر (بالفرض) آپ نے ایسا کیا تو پھر آپ بھی ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔“

آیت ۱۰۷ ﴿وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ﴾ ”اور اگر اللہ آپ کو کوئی ضرر پہنچائے تو کوئی نہیں ہے اس کو دُور کرنے والا سوائے اللہ کے۔“

﴿وَإِنْ يُرِذْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ﴾ ”اور اگر وہ ارادہ کر لے آپ کے ساتھ بھلائی کا تو اُس کے فضل کو لوٹانے والا کوئی نہیں۔“

﴿يُصِيبُ بِهِ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَهُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ ”وہ پہنچاتا ہے اس (فضل) کو اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، اور وہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

آیت ۱۰۸ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ”فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ﴾ ”کہہ دیجیے کہ اے لوگو! تمہارے پاس حق آچکا ہے تمہارے رب کی طرف سے۔ تو اب جو کوئی بھی

ہدایت پائے گا وہ اپنے بھلے کو ہی ہدایت پائے گا۔“

اس ہدایت کا فائدہ اسی کو ہوگا عاقبت اسی کی سنورے گی اور اللہ کی رحمت اس کے شامل حال ہوگی۔

﴿وَمَنْ ضَلَّ فَانَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ﴾ اور جو کوئی بھٹک جائے گا تو وہ

بھی اپنی جان پر ہی وبال لے گا۔ اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔“

مجھے تمہارے بارے کوئی داروغہ مقرر نہیں کیا گیا۔ میں تمہارے بارے میں مسئول نہیں ہوں۔ اللہ کے ہاں

تمہارے بارے میں مجھ سے باز پرس نہیں ہوگی کہ یہ ایمان کیوں نہیں لائے تھے؟ ﴿وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ

الْجَحِيمِ﴾ (البقرہ) ”اور آپ سے نہیں پوچھا جائے گا جہنمیوں کے بارے میں!“

آیت ۱۰۹ ﴿وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ﴾ اور (اے نبی ﷺ!) آپ پیروی کرتے جائیے اُس

کی جو آپ کی طرف وحی کیا جا رہا ہے اور صبر کیجیے“

اپنے موقف پر جبرے رہیے اور ڈٹے رہیے مشکلات کے دباؤ کو برداشت کیجیے۔

﴿حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ﴾ ”یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کر دے اور یقیناً وہ

بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى وإياكم بالآيات والذکر الحكيم ۰۰



## سُورَةُ هُود

### تمہیدی کلمات

سورہ ہود کے دس رکوع ہیں، جن میں سے چھ رکوع انباء الرسل پر مشتمل ہیں۔ یہ سورت چونکہ سورہ یونس کے ساتھ مل کر جوڑا بناتی ہے اس لیے سورہ یونس کے برعکس اس میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بہت تفصیل کے ساتھ ہوا ہے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بالکل سرسری انداز میں ہے۔ (سورہ یونس میں حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر سرسری انداز میں ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تفصیل کے ساتھ ہے۔) ان دونوں پیغمبروں کے ذکر کے درمیان میں باقی رسولوں کا ذکر اس سورت میں بالکل سورۃ الاعراف والے انداز میں ہے، یعنی ایک ایک رکوع میں ایک ایک رسول کا تذکرہ ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی مکرم ﷺ سے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! آپ پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہو گئے ہیں۔“ جواب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((شَيْبَتِي هُودٌ وَأَخَوَاتُهَا))<sup>(۱)</sup> ”مجھے سورہ ہود اور اس کی ہم مضمون سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔“ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب ان سورتوں میں بے درپے تنبیہات نازل ہو رہی تھیں تو آپ ﷺ کو ہر وقت یہ اندیشہ گھلائے دیتا ہوگا کہ کہیں اللہ کی دی ہوئی مہلت ختم نہ ہو جائے اور وہ آخری ساعت نہ آجائے جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب میں پکڑ لینے کا فیصلہ صادر فرما دیتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

### آیات ۱ تا ۸

الرَّاسِ كَتَبَ أَحْكَمَتْ آيَةُ ثُمَّ فَصَّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ۚ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي لَكُمْ  
وَنَنْذِرُكُمْ وَيُشِيرُ ۚ وَإِنْ اسْتَغْفَرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تَوَلَّوْا إِلَيْهِ يَتَّبِعْكُم مِّنْ أَعْيُنٍ مُّسَوِّ  
وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ ۚ إِلَى اللَّهِ  
مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ أَلَّا إِلَهُهُمْ يَتَنَوَّنَ صُدُورُهُمْ لِيَسْتَغْفِرُوا مِنْهُ ۖ أَلَا  
حِينَ يَسْتَغْفِرُونَ لِيَاكُمُ يَعْلَمُ مَا يُسْرُونَ ۚ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۚ

(۱) رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الرقاق، باب البكاء والخوف، الفصل الثانی۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَكَيْنَ قُلْتَ إِنَّكُم مَّبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسْحَرُ مُبِينٌ ۝ وَكَيْنَ أَخْرَجْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِلَى أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۚ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۚ

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَكَيْنَ قُلْتَ إِنَّكُم مَّبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسْحَرُ مُبِينٌ ۝ وَكَيْنَ أَخْرَجْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِلَى أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۚ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۚ

**آیت ۱** ﴿الرَّابِعُ﴾ اِحْكَمْتُ اِيْتُهُ ثُمَّ فَصَّلْتُ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ ﴿۱﴾ ”اے ہود۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات (پہلے) پختہ کی گئی ہیں، پھر ان کی تفصیل بیان کی گئی ہے اُس ہستی کی طرف سے جو حکیم اور خیر ہے۔“

اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید میں شروع شروع میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ حجم کے اعتبار سے تو چھوٹی، لیکن جامع اور گہرے مفہوم کی حامل ہیں جیسے کوزے میں سمندر کو بند کر دیا گیا ہو۔ مثلاً سورۃ العصر جس کے بارے میں امام شافعی فرماتے ہیں: لَوْلَمْ يُنَزَّلْ مِنَ الْقُرْآنِ سِوَاهَا لَكَفَّتِ النَّاسُ لِعَنِي ”اگر اس سورت کے علاوہ قرآن میں کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو بھی یہ سورت لوگوں کی ہدایت کے لیے کافی تھی۔“ امام شافعی سورۃ العصر کے بارے میں مزید فرماتے ہیں: لَوْ تَدَبَّرَ النَّاسُ هَذِهِ السُّورَةَ لَوَسَّعَتْهُمْ ”اگر لوگ اس سورت پر ہی تدبیر کریں تو یہ ان کی ہدایت کے لیے کافی ہو جائے گی۔“ چنانچہ قرآن مجید کی ابتدائی سورتیں اور آیات بہت محکم اور جامع ہیں اور بعد میں انہی کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ اور اس کتاب کا بنیادی پیغام یہ ہے:

**آیت ۲** ﴿الَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۚ اِنِّىْ لَكُمْ مِنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ﴾ ﴿۲﴾ ”کہ مت عبادت کرو کسی کی سوائے اللہ کے۔ یقیناً میں ہوں تمہارے لیے اُسی کی جانب سے خبردار کرنے والا اور بشارت دینے والا۔“

انبیاء و رسل کے لیے قرآن میں بشیر اور نذیر کے الفاظ بار بار آتے ہیں۔ جیسے سورۃ النساء میں فرمایا: ﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ ۚ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ اور سورۃ الانعام میں فرمایا: ﴿وَمَا تُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾ (آیت ۴۸)

**آیت ۳** ﴿وَإِنْ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُغْفِرْ لَهُمْ مَتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ﴾ ”اور یہ کہ اپنے رب سے استغفار کرو پھر اُس کی جناب میں توبہ کرو وہ تمہیں (دنوی زندگی میں) مال و متاع دے گا بہت اچھا ایک وقت معین تک اور ہر صاحب فضل کو اُس کے حصے کا فضل عطا کرے گا۔“

یہاں ذی فضل سے مراد ہے ’مستحق فضل‘۔ یعنی جو بھی فضل کا مستحق ہوگا، اللہ تعالیٰ اُسے اپنا فضل ضرور عطا فرمائے گا۔

﴿وَأَنْ تَوَلَّوْا فَاتَّخِ أَحَافَ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ﴾ اور اگر تم پھر جاؤ گے تو مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے ہولناک دن کے عذاب کا۔“

آیت ۴ ﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”اللہ ہی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

آیت ۵ ﴿إِنَّمَا يَنْتَوْنَ صُدُورُهُمْ لِيَسْتَخَفُوا مِنْهُ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ یہ لوگ اپنے سینوں کو دھرا کرتے ہیں تاکہ اللہ سے چھپ جائیں۔“

یہ مقام مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کے بارے میں بہت سے اقوال ہیں۔ فنی یثینی کے معنی پھیرنے، موڑنے اور لپیٹنے کے ہیں۔ مکہ میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے مخالفین میں سے کچھ لوگوں کا رویہ ایسا تھا کہ آپ ﷺ کو آتے دیکھتے تو رخ بدل لیتے یا کپڑے کی اوٹ میں منہ چھپا لیتے تاکہ کہیں آ مناسا منانہ ہو جائے اور آپ ﷺ انہیں مخاطب کر کے کچھ اپنی باتیں نہ کہنے لگیں۔ یہاں ایسے لوگوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ حق کا سامنا اور حقیقت کا مواجہہ کرنے سے گھبراتے ہیں حالانکہ کسی کے گریز کرنے سے حقیقت غائب نہیں ہو جاتی۔ شتر مرغ طوفان کے دوران اگر ریت میں سر چھپالے تو اس سے طوفان کا رخ تبدیل نہیں ہو جاتا۔

اس کے علاوہ ایک رائے وہ ہے جو بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل ہوئی ہے کہ کچھ اہل ایمان پر حیا کا بہت زیادہ غلبہ تھا (مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اصحاب میں بہت نمایاں تھے) ایسے لوگ کبھی غسل کے وقت بھی عریاں ہونا پسند نہیں کرتے تھے اور ایسے مواقع پر اس انداز سے جھک جاتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو ستر چھپا رہے۔ اسی طرح قضائے حاجت کے وقت بھی پورے ستر کا اہتمام کرتے تھے۔ اس حوالے سے اس حکم کا منشا یہ ہے کہ تم اس سلسلے میں جو کچھ بھی کر لو اللہ تعالیٰ کی نگاہوں سے تو نہیں چھپ سکتے ہو۔ لہذا ستر چھپانے کے بارے میں جو بھی احکامات ہیں ان کی معروف طریقے سے پیروی کرو۔ اس طرح کے کسی بھی معاملہ میں غلو کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿الْأَحْيَنَ يَسْتَغْشُونَ ثِيَابَهُمْ يَخْلَفُونَ مَا يُسْرُونَ وَمَا يَغْلِبُونَ ۖ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ کہ جب وہ اپنے اوپر اپنے کپڑے لپیٹتے ہیں تب بھی اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپا رہے ہوتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ تو اس کو بھی جانتا ہے جو کچھ سینوں کے اندر ہے۔“

آیت ۶ ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا﴾ ”اور نہیں ہے کوئی بھی چلنے پھرنے والا (جاندار) زمین پر مگر اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے“

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے اندر تقسیم رزق کا جو نظام وضع کیا ہے اس میں اس نے ہر جاندار کے لیے اس کی ضروریات زندگی فراہم کر دی ہیں۔ بچے کی پیدائش بعد میں ہوتی ہے مگر اس کے لیے ماں کی چھاتیوں میں دودھ پہلے پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن جہاں کوئی انسان یا انسانوں کا کوئی گروہ اللہ کے اس نظام اور اس کے قوانین کو

پس پشت ڈال کر کوئی ایسا نظام یا ایسے قوانین وضع کرے جن کے تحت ایک فرد کے حصے کا رزق کسی دوسرے کی جھولی میں چلا جائے تو رزق یا دولت کی تقسیم کا خدائی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ اس لوٹ کھسوٹ کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کہیں دولت کے بے جا انبار لگیں گے اور کہیں بے شمار انسان فاقوں پر مجبور ہو جائیں گے۔ لہذا جہاں کہیں بھی رزق کی تقسیم میں کوئی کمی بیشی نظر آئے تو سمجھ لو کہ اس کا ذمہ دار خود انسان ہے۔

﴿وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرُّهَا وَمُسْتَوْدَعُهَا﴾ ”اور وہ جانتا ہے اس کے مستقل ٹھکانے کو بھی اور اس کے عارضی طور پر سونپنے جانے کی جگہ کو بھی۔“

مُسْتَقَرُّ اور مُسْتَوْدَعُ دونوں الفاظ کی تشریح سورۃ الانعام کی آیت ۹۸ میں تفصیل کے ساتھ ہو چکی ہے۔ وہاں ان الفاظ کے بارے میں تین مختلف اقوال بھی زیر بحث آچکے ہیں۔

﴿كُلُّ فِئَةٍ كَتَبَ مُبِينٌ ۝۱﴾ ”یہ سب کچھ ایک روشن کتاب میں (درج) ہے۔“

وہی روشن اور واضح کتاب جو علم الہی کی کتاب ہے۔

**آیت ۷** ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلٰی الْمَآءِ﴾ ”اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں اور اُس کا تخت تھا پانی پر“

میرے نزدیک یہ آیت آج بھی مشابہات میں سے ہے، لیکن شاید یہ اُس دور کی طرف اشارہ ہے جب یہ دُنیا معرض وجود میں آئی۔ زمین کی تخلیق کے بارے میں سائنسی اور تاریخی ذرائع سے اب تک ملنے والی معلومات کو مجتمع کر کے جو آراء سامنے آئی ہیں اُن کے مطابق زمین جب ٹھنڈی ہوئی شروع ہوئی تو اس سے بخارات اور مختلف اقسام کی گیسیں خارج ہوئیں۔ انہی گیسوں میں سے ہائیڈروجن اور آکسیجن کے ملنے سے پانی پیدا ہوا جو لاکھوں سال تک بارشوں کی صورت میں زمین پر برستار ہا۔ پھر جب زمین ٹھنڈی ہو کر سکڑی تو اس کی سطح پر نشیب و فراز پیدا ہونے سے پہاڑ اور سمندر وجود میں آئے۔ اُس وقت تک کسی قسم کی کوئی مخلوق پیدا نہیں ہوئی تھی۔ یہ وہ دور تھا جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ اس زمین کی حد تک اللہ تعالیٰ کا تخت حکومت (اس کا تصور انسانی ذہن سے ماوراء ہے) پانی پر تھا۔ پھر وہ دور آیا جب زمین کی آب و ہوا زندگی کے لیے موافق ہوئی تو مٹی اور پانی سے وجود میں آنے والے دلدلی علاقوں میں نباتاتی یا حیوانی مخلوق کی ابتدائی شکلیں پیدا ہوئیں۔ (واللہ اعلم!)

﴿لَیْسَ لَکُمْ اَنْتُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ”نا کہ تمہیں آزمائے کہ کون ہے تم میں سے اچھے عمل کرنے والا۔“

یعنی انسانی زندگی کا وہ حصہ جو اس دنیا میں گزرتا ہے اس کا اصل مقصد امتحان ہے۔ علامہ اقبال نے اس شعر میں اس آیت کی بہت خوبصورت ترجمانی کی ہے:

قلزم ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب اس زیاں خانے میں تیرا امتحان ہے زندگی!

﴿وَلَیِّنْ قُلْتُ اَنْتُمْ مَبْعُوْتُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیْقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ

مُبِیْنٌ ۝۷﴾ ”اور اگر آپ کہیں کہ تمہیں اٹھایا جائے گا مرنے کے بعد تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔“

**آیت ۸** ﴿وَلَكِنْ أَخْرَجْنَا عَنْهُمْ الْعَذَابَ إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۖ﴾ ”اور اگر مؤخر کیے

رکھیں ہم اُن سے عذاب کو ایک خاص مدت تک تو وہ کہتے ہیں کہ کس چیز نے روک رکھا ہے اسے؟“  
کہ اتنے عرصے سے آپ (ﷺ) ہمیں دھمکیاں دے رہے ہیں کہ تم پر عذاب آنے والا ہے مگر اب تک وہ عذاب آیا کیوں نہیں؟ آخر کس چیز نے اسے روک رکھا ہے؟

﴿الْأَيُّومَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۖ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! جس دن یہ اُن پر آجائے گا تو ان کی طرف سے پھیرا نہیں جائے گا اور اُن کو گھیرے میں لے لے گی وہی چیز جس کا یہ لوگ استہزا کیا کرتے تھے۔“

## آیات ۹ تا ۲۴

وَكَيْنَ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ۖ إِنَّهُ لَكَفُورٌ ۖ وَلَكِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ  
بَعْدَ صَرَاءٍ مَّسْتَهٍ لَّيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتِ عَنِّي ۖ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۖ إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا  
وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۖ فَلَمَّا كَلَّمَكَ نَازِكٌ بِعُصَىٰ مَآيُومَىٰ إِلَيْكَ  
وَصَاقِبُ فِيهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا أَلَمْ نَأْزِلْ عَلَيْهِ كَنزًا وَجَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ نَذِيرٌ ۖ  
وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ ۖ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرِيَاتٍ  
وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۖ فَإِنْ لَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوا  
أَنَّهُ أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللَّهِ وَأَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ۖ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيَاةَ  
الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ  
لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحِطَّ مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبِطُلَّ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۖ أَفَمَنْ كَانَ عَلَىٰ  
بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهِ كِتَابٌ مُّؤْتَىٰ إِمَامًا وَرَحْمَةً ۖ أُولَٰئِكَ  
يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالْتَأَمَّ مَوْعِدُهُ ۖ فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۖ إِنَّهُ  
الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ ۖ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ  
أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أَلَا لَعْنَةُ  
اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ۖ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ  
كَافِرُونَ ۖ أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانْ لَهُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءٍ ۖ

يُضَعِفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۖ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۖ لَا جَرَمَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخَسِرُونَ ۖ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَبْتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۖ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصْمَىٰ وَالْبَصِيرِ وَالسَّيِّعِ ۖ هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۚ

آیت ۹ ﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً﴾ ”اور اگر ہم مزہ چکھاتے ہیں انسان کو اپنی طرف سے رحمت کا“

﴿ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ إِنَّهُ لَكَفُورٌ ۙ﴾ ”پھر (جب) ہم اس سے وہ چھین لیتے ہیں تو وہ ہو جاتا ہے بالکل مایوس نہایت ناشکرا۔“

انسان بنیادی طور پر کوتاہ نظر اور ناشکرا ہے۔ کسی نعمت کا مہیا بی یا خوشی کے بعد اگر اسے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو اس وقت وہ بھول جاتا ہے کہ اس پر کبھی اللہ کی نظر کرم بھی تھی۔ چاہیے تو یہ کہ اچھے حالات میں انسان اللہ کا شکر ادا کرے اور جب کوئی سختی آجائے تو اس پر صبر کرے اور ساتھ ہی ساتھ دل میں اطمینان رکھے کہ ہر طرح کے حالات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں اگر آج سختی ہے تو کل آسائش بھی تو تھی۔

آیت ۱۰ ﴿وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نِعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۖ﴾ ”اور اگر ہم مزہ چکھائیں اسے نعمتوں کا کسی تکلیف کے بعد جو اس کو پہنچی ہوئی تھی تو ضرور کہے گا کہ میرے تو سارے دلہرے دور ہو گئے۔“

﴿إِنَّهُ لَفَرِحَ فَخُورٌ ۙ﴾ ”بے شک وہ اترانے والا اور فخر جتانے والا ہے۔“ جب کسی سختی کے بعد انسان کو آسائش یا کوئی نعمت مل جاتی ہے تو بجائے اس کے کہ اسے اللہ کی رحمت اور اس کا انعام سمجھتے ہوئے سجدہ شکر بجالائے وہ اس پر اترانا اور ڈینگیں مارنا شروع کر دیتا ہے اور اسے اپنی تدبیر کا نتیجہ اور اپنی محنت کا صلہ قرار دیتا ہے۔

آیت ۱۱ ﴿إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ۖ﴾ ”سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے صبر کی روش اختیار کی اور نیک اعمال کیے۔“

یعنی سب انسان ایک جیسے نہیں، کچھ ایسے بھی ہیں جن کو اللہ نے حقیقی ایمان کی نعمت سے نوازا رکھا ہے اور ایمان کے نتیجے میں ان کے دل صبر کی دولت سے مالا مال ہیں اور ان کے کردار سے اعمالِ صالحہ کے نور کی کرنیں پھوٹی ہیں۔

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۙ﴾ ”انہی کے لیے مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔“

**آیت ۱۲ ﴿فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضُ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ﴾** ”تو (اے نبی ﷺ!) شاید آپ کچھ چیزیں چھوڑ دیں اُس میں سے جو آپ کی طرف وحی کی جارہی ہے“

﴿وَصَافِيٍّ بِهِ صَدْرُكَ أَنْ يَقُولُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ أَوْ جَاءَ مَعَهُ مَلَكٌ﴾ ”اور آپ کا سینہ اُس سے تنگ ہو رہا ہے جو وہ کہہ رہے ہیں کہ کیوں نہیں ان کے اوپر اتار دیا گیا کوئی خزانہ یا کیوں نہیں آیا ان کے پاس کوئی فرشتہ۔“

یہ مضمون اس سے پہلے بڑی وضاحت کے ساتھ سورۃ الانعام میں آچکا ہے، لیکن زیر مطالعہ گروپ کی کئی سورتوں میں بھی جا بجا مشرکین کی ایسی باتوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس لیے کہ ان دونوں گروپس میں شامل یہ تمام کئی سورتیں ایک ہی دور میں نازل ہوئی ہیں۔

یہاں کئی سورتوں کی ترتیب مصحف کے بارے میں ایک اہم نکتہ سمجھ لیں۔ رسول اللہ ﷺ کے قیام مکہ کے بارہ سال کے عرصہ کو اگر چار چار سال کے تین حصوں میں تقسیم کریں تو پہلے حصے یعنی پہلے چار سال میں جو سورتیں نازل ہوئیں وہ قرآن مجید کے آخری دو گروپوں میں شامل ہیں، یعنی سورۃ ق سے لے کر آخر تک۔ درمیانی چار سال کے دوران نازل ہونے والی سورتیں درمیانی گروپوں میں شامل ہیں اور آخری چار سال میں جو سورتیں نازل ہوئی ہیں وہ شروع کے دو گروپوں میں شامل ہیں۔ ایک گروپ میں سورۃ الانعام اور سورۃ الاعراف جبکہ اس دوسرے گروپ میں سورۃ یونس تا سورۃ المؤمنون (اس میں صرف ایک استثناء ہے جس کا ذکر بعد میں آئے گا)۔

﴿إِنَّمَا أَنْتَ نَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ تو صرف خبردار کرنے والے ہیں، اور ہر چیز کا ذمہ دار اللہ ہے۔“

اس دور کی سورتوں میں مختلف انداز میں بار بار حضور ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ کا فرض منصبی یہی ہے کہ آپ ان لوگوں کو خبردار کر دیں۔ اس کے بعد تمام معاملات اللہ کے حوالے ہیں۔ وہ بہتر جانتا ہے کہ ایمان یا ہدایت کی توفیق کسے دینی ہے اور کسے نہیں دینی۔ کوئی معجزہ دکھانا ہے یا نہیں، نافرمانوں کو کب تک مہلت دینی ہے اور کب ان پر عذاب بھیجتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے۔

**آیت ۱۳ ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ﴾** ”کیا وہ کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) اُس نے خود گھڑ لیا ہے۔“

﴿قُلْ فَاتُوا بِعَشْرِ سُورٍ مِثْلِهِ مُفْتَرٍ﴾ ”آپ کہیے کہ اچھا تم لوگ بھی لے آؤ اس جیسی دس سورتیں گھڑی ہوئی۔“

مشرکین کو یہ چیلنج مختلف درجوں میں بار بار دیا گیا تھا۔ اس سے پہلے انہیں کہا گیا تھا کہ اس جیسا قرآن تم بھی بنا کر دکھاؤ (بنی اسرائیل: ۸۸)۔ یہاں دوسرے درجے میں ۱۰ سورتوں کا چیلنج دیا گیا۔ پھر اس کے بعد برسمیل تنزل صرف ایک سورت بنا کر لانے کو کہا گیا، جس کا تذکرہ سورۃ یونس (آیت ۳۸) میں بھی ہے اور سورۃ البقرۃ (آیت ۲۳) میں بھی۔

﴿وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اور (اس کے لیے) بلا لو تم

جس کو بھی بلا سکتے ہو اللہ کے سوا، اگر تم سچے ہو۔“

**آیت ۱۴** ﴿فَلَمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ﴾ ”پھر اگر وہ (تمہارے مددگار) تمہاری اس دعا کو قبول نہ کریں“

یعنی اگر وہ اس چیلنج کو قبول کرنے کی جرأت نہ کر سکیں اور تمہاری مدد کو نہ پہنچ سکیں:

﴿فَاعْلَمُوْا اَنْتُمْ اَنْزَلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ”تو جان لو کہ یہ

اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے اور یہ کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اُس کے۔ تو کیا اب تم سر تسلیم خم کرتے ہو؟“

یہ کفار ہی سے خطاب ہے کہ تم لوگ اس چیلنج کا جواب دینے کے لیے اپنے معبودوں کو پکار دیکھو، کچھ خود

محنت کرو اور کچھ اُن سے کہو کہ وہ القاء اور الہام کریں اور اس طرح مل جل کر دس سورتیں بتا لاؤ۔ اور اگر تمہارے

یہ معبود تمہاری اس درخواست کو قبول نہ کر سکیں تو جان لو کہ نہ صرف یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے بلکہ اللہ

کے سوا کوئی اور معبود بھی نہیں۔ تو اس سب کچھ کے بعد بھی کیا تم ماننے والے نہیں ہو؟ زور استدلال ملاحظہ ہو کہ

ایک ہی دلیل سے قرآن حکیم کے کلام الہی ہونے کا ثبوت بھی دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا بھی۔

**آیت ۱۵** ﴿مَنْ كَانَ یُرِیْدُ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا﴾ ”جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت

کے طالب ہوں“

جن لوگوں کا مقصد حیات ہی و نبوی مال و متاع کو حاصل کرنا ہو اور اسی کے لیے وہ رات دن دوڑ وھوپ

میں لگے ہوں تو:

﴿نُوَفِّیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُنْخَسِرُوْنَ﴾ ”ہم ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ

انہیں اسی (دنیا کی زندگی) میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔“

ان لوگوں کے دل و دماغ پر دنیا پرستی چھائی ہوئی ہے اور انہوں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں دنیوی زندگی کو

حسین و دلکش بنانے کے لیے ہی صرف کر دی ہیں۔ ان کی ساری منصوبہ بندی اسی دنیا کے مال و متاع کے حصول

کے لیے ہے۔ چنانچہ اُن کی اونچی اونچی عمارات بھی بن گئی ہیں، کاروبار بھی خوب وسیع ہو گئے ہیں، ہر قسم کا

سامان آسائش بھی ان کی دسترس میں ہے، عیش و عشرت کے مواقع بھی حسبِ خواہش انہیں میسر ہیں۔ لیکن انہیں

معلوم ہونا چاہیے کہ:

**آیت ۱۶** ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَیْسَ لَہُمْ فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں

کچھ نہیں ہے سوائے آگ کے۔“

ان کی ساری محنت اور بھاگ دوڑ اسی دنیا کے لیے تھی، لہذا ہم نے ان کی محنت کا صلہ اسی دنیا میں دے کر

ان کا حساب چکا دیا ہے۔

﴿وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا وَبَاطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ﴾ ”اور اس (دنیا) میں انہوں نے جو کچھ

کیا وہ سب جھوٹا ہو جائے گا اور جو اعمال انہوں نے کیے وہ بھی ضائع ہو جائیں گے۔“



روزِ محشر انہیں معلوم ہوگا کہ جو کچھ انہوں نے دنیا میں بنایا اور جس کے لیے اپنی تمام تر استعدادات اور صلاحیتیں صرف کیں وہ سب ملیا میٹ ہو چکا ہے، اور اگر انہوں نے اپنے دل کو بہلانے کے لیے کوئی جھوٹی سچی نیکی کی ہوگی تو وہ بھی بے بنیاد ثابت ہوگی۔

**آیت ۷۱** ﴿اَقْمِنْ كَانَ عَلَىٰ بَيْتِنَا مِنْ رَبِّهِ﴾ ”تو بہلا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک واضح دلیل پر ہو“

بَیِّنَۃ (واضح دلیل) سے مراد انسان کی فطرتِ سلیمہ ہے۔ انسان کے اندر جو روح ربانی پھونکی گئی ہے اس کی وجہ سے اللہ کی معرفت اس کے اندر موجود ہے۔ مگر یہ معرفت الہی انسان کے اندر خوابیدہ (dormant) ہوتی ہے۔ پھر جب وحی کے ذریعے واضح ہدایت اُس تک پہنچتی ہے تو وہ خوابیدہ معرفت فوراً جاگ جاتی ہے۔

﴿وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ﴾ ”اور اس کے پیچھے آئے اللہ کی طرف سے ایک گواہ بھی“

یعنی ایک سلیم الفطرت شخص جس کو خود اپنے وجود میں اور زمین و آسمان کی ساخت اور کائنات کے نظم و نسق میں توحید باری تعالیٰ کی واضح شہادت مل رہی تھی جب اُس کے پاس قرآن کی صورت میں اللہ کی طرف سے ایک گواہی بھی آگئی ”نور علیٰ نور“ والا معاملہ ہو گیا۔ اور پھر اس پر مستزاد تورات کی تصدیق۔

﴿وَمِنْ قَبْلِهِ كُتِبَ مُوسَىٰ اِمَامًا وَرَحْمَةً﴾ ”اور اس سے پہلے کتابِ موسیٰ بھی موجود تھی جو امام (راہنما) بھی تھی اور رحمت بھی۔“

ایسا سلیم الفطرت شخص کیونکر ایمان نہیں لائے گا؟ یہ تمثیل زیادہ وضاحت کے ساتھ سورۃ النور میں بیان ہوئی ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهِ﴾ ”یہی لوگ ہیں جو اس (قرآن) پر ایمان لائیں گے۔“

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ﴾ ”اور جو اس کا انکار کرے گا ان گروہوں میں سے تو آگ ہی اُس کے وعدہ کی جگہ ہے۔“

تو اب جو بھی اس کتاب کے منکر ہوں چاہے وہ مشرکین مکہ میں سے ہوں، دوسرے کفار میں سے یا اہل کتاب میں سے ان کا موعود ٹھکانا بس دوزخ ہے۔

﴿فَلَا تَلِكُ فِيْهِ مَرْيَۃٌ مِّنْهُ﴾ ”تو آپ اس کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑیں“

﴿اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ”یقیناً یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔“

**آیت ۱۸** ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا﴾ ”اور اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔“

جس نے خود کوئی چیز گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کر دی۔

﴿أُولَٰئِكَ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جو پیش کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے“  
 ﴿وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ ”اور گواہی دینے والے کہیں گے کہ یہ  
 ہیں وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ کہا تھا اپنے رب پر۔“

﴿إِنَّا لَنَعْنَىٰ اللَّهُ عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! ایسے ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے۔“  
 ان جھوٹ گھڑنے والوں میں غلام احمد قادیانی آنجہانی اور اس جیسے دوسرے مدعیان نبوت بھی شامل  
 ہوں گے۔

**آیت ۱۹** ﴿الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا﴾ ”جو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اور  
 اس میں کجی تلاش کرتے ہیں۔“

تعلیمات حق اور طریق ہدایت پر خواہ مخواہ کے اعتراضات کرتے ہیں تاکہ لوگ اس راستے کو اختیار نہ کریں۔  
 ﴿وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ﴾ ”اور یہی لوگ آخرت کے منکر ہیں۔“  
 یہ وہی بات ہے جو ہم سورہ یونس میں بار بار پڑھ آئے ہیں: ﴿لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا﴾ کہ انہیں ہم سے  
 ملاقات کی امید ہی نہیں اور ان کی اصل بیماری بھی یہی ہے کہ وہ دل سے آخرت کے منکر ہیں اور اسی وجہ سے ان  
 کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

**آیت ۲۰** ﴿أُولَٰئِكَ لَمْ يَكُونُوا مُعْجِزِينَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”یہ لوگ زمین میں (اللہ کو) ہرگز عاجز کرنے  
 والے نہیں ہیں“

یہ لوگ اللہ کے قابو سے باہر نہیں ہیں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو ہرگز شکست نہیں دے سکتے۔  
 ﴿وَمَا كَانَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ﴾ ”اور نہ ہی اللہ کے سوا ان کا کوئی حمایتی ہے۔“  
 ﴿يُضَعِّفْ لَهُمُ الْعَذَابَ﴾ ”ان کے لیے عذاب دوگنا کیا جاتا رہے گا۔“  
 ﴿مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ﴾ ”(اس لیے کہ) نہ تو وہ سننے کی  
 صلاحیت رکھتے تھے اور نہ ہی دیکھتے تھے۔“

وہ بالکل اندھے اور بہرے ہو گئے تھے۔ سورۃ البقرۃ میں ایسے لوگوں کی کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے:  
 ﴿صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ ”حق کے لیے ان لوگوں کے اسی رویہ کی وجہ سے ان کا عذاب بڑھایا  
 جاتا رہے گا۔“

**آیت ۲۱** ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں  
 جنہوں نے اپنے آپ کو برباد کر لیا اور ان سے گم ہو گیا جو کچھ وہ افتر کیا کرتے تھے۔“  
 تب انہیں اپنے جھوٹے معبود اور سفارشی من گھڑت عقائد و نظریات اور اللہ تعالیٰ پر افتر پردازیوں میں  
 سے کچھ بھی نہیں سوجھے گا۔ یہ سب کچھ پاؤں پر ہوا ہو جائے گا۔

**آیت ۲۲ ﴿لَا جَزَاءَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ إِلَّا خَسِرُونَ﴾** ”کچھ شک نہیں کہ آخرت میں سب سے

بڑھ کر خسارہ پانے والے یہی لوگ ہوں گے۔“

واضح رہے کہ ”اَخْسَرُوْا“ فعل التفضیل کا صیغہ ہے۔

اہل جہنم کے تذکرے کے بعد فوری تقابل (simultaneous contrast) کے لیے اب اہل جنت کا

ذکر کیا جا رہا ہے۔

**آیت ۲۳ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآخَبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ ۖ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ**

**فِيهَا خَالِدُونَ﴾** ”(اس کے برعکس) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے اور اپنے

رب کے سامنے عاجزی کی وہ ہوں گے جنت والے اور اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔“

**آیت ۲۴ ﴿مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ﴾** ”ان دونوں گروہوں کی مثال

ایسے ہے جیسے ایک شخص اندھا اور بہرہ ہو اور دوسرا دیکھنے اور سننے والا۔“

**﴿هَلْ يَسْتَوِينَ مَثَلًا ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾** ”کیا یہ دونوں برابر ہیں مثال کے اعتبار سے؟ تو کیا

تم نصیحت اخذ نہیں کرتے؟“

بھلا دونوں کا حال یکساں ہو سکتا ہے؟ کیا تم اس مثال سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے؟

اب اگلے چھ رکوع انباء الرسل پر مشتمل ہیں۔ ان میں انہی چھ رسولوں اور ان کی قوموں کے حالات بیان

ہوئے ہیں جن کا ذکر ہم سورۃ الاعراف میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ یعنی حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح،

حضرت شعیب، حضرت لوط اور حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام۔ یہ چھ رسول ہیں جن کا ذکر قرآن حکیم

میں بہت تکرار کے ساتھ آیا ہے۔ اس تکرار کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کے اولین مخاطب (اہل عرب) ان سب

رسولوں اور ان کی قوموں کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ جس خطے میں یہ رسول اپنے اپنے زمانے میں

مبعوث ہوئے اس کے بارے میں کچھ تفصیل ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ آئے ہیں۔ یہاں ان میں سے چیدہ

چیدہ معلومات ذہن میں پھر سے تازہ کر لیں۔

اگلے صفحے پر جو نقشہ دیا گیا ہے یہ گویا ”ارض القرآن“ کا نقشہ ہے۔ قرآن مجید میں جن رسولوں کے

حالات کا تذکرہ ہے وہ سب کے سب اسی خطے کے اندر مبعوث کیے گئے۔ نقشے میں جزیرہ نمائے عرب کے

دائیں طرف خلیج فارس اور بائیں طرف بحیرہ قلزم (بحیرہ احمر) ہے جو اوپر جا کر خلیج عقبہ اور خلیج سویز میں تقسیم

ہو جاتا ہے۔

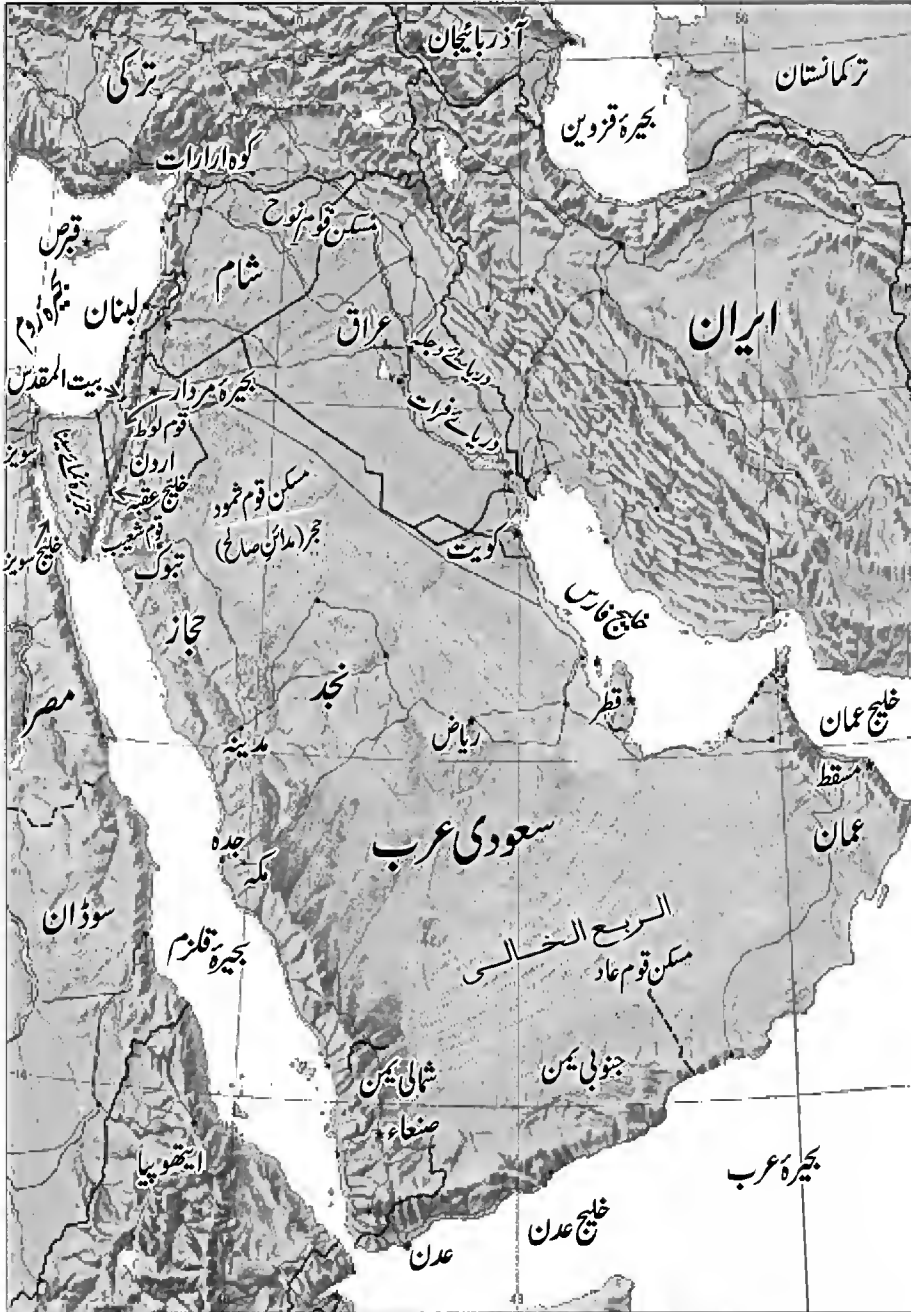
نقشے پر اگر خلیج فارس سے اوپر سیدھی لکیر کھینچی جائے اور خلیج عقبہ کے شمالی کونے سے بھی ایک لکیر کھینچی جائے

تو جہاں یہ دونوں لکیریں آپس میں ملیں گی یہ وہ علاقہ ہے جہاں پر حضرت نوح علیہ السلام کی قوم آباد تھی۔ یہیں سے

اوپر شمال کی جانب اراکات کا پہاڑی سلسلہ ہے جس میں کوہ جودی پر آپ کی کشتی لنگر انداز ہوئی تھی۔ اس علاقے میں

## نقشہ ”ارض القرآن“

(ان قوموں کے علاقے جن کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے)



سیلاب کی صورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر عذاب آیا جس سے پوری قوم ہلاک ہو گئی۔ اُس وقت تک پوری نسلِ انسانی بس یہیں پر آباد تھی چنانچہ سیلاب کے بعد نسلِ انسانی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد ہی سے آگے چلی۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام سام تھا وہ اپنی اولاد کے ساتھ عراق کے علاقے میں آباد ہو گئے۔ اس علاقے میں اُن کی نسل سے بہت سی قومیں پیدا ہوئیں۔ انہیں میں سے ایک قوم اپنے مشہور سردار ”عاد“ کے نام کی وجہ سے مشہور ہوئی۔ قوم عاد جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں احقاف کے علاقے میں آباد تھی۔ اس قوم میں جب شرک عام ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کے لیے بہت سے نبی بھیجے۔ ان انبیاء کے آخر میں حضرت ہود علیہ السلام ان کی طرف رسول مبعوث ہو کر آئے۔ آپ کی دعوت کو رد کر کے جب یہ قوم بھی عذابِ الہی کی مستحق ہو گئی تو حضرت ہود علیہ السلام اپنے اہل ایمان ساتھیوں کو ساتھ لے کر عرب کے وسطی علاقے حجر کی طرف ہجرت کر گئے۔ یہاں پھر ان لوگوں کی نسل آگے بڑھی۔ ان میں سے قوم ثمود نے خصوصی طور پر بہت ترقی کی۔ اس قوم کا نام بھی ثمود نامی کسی بڑی شخصیت کے نام پر مشہور ہوا۔ یہ لوگ فنِ تعمیر کے بہت ماہر تھے۔ چنانچہ انہوں نے میدانی علاقوں میں بھی عالی شان محلات تعمیر کیے اور Granite Rocks پر مشتمل انتہائی سخت پہاڑوں کو تراش کر خوبصورت مکانات بھی بنائے۔ اس قوم کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کیے گئے۔ یہ تینوں اقوام (قومِ نوح، قوم عاد اور قوم ثمود) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے پہلے کی ہیں۔

دوسری طرف عراق میں جو سامی النسل لوگ آباد تھے ان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ آپ کا تذکرہ قرآن میں کہیں بھی ”انباء الرسل“ کے انداز میں نہیں کیا گیا۔ یہاں سورہ ہود میں بھی آپ کا ذکر ”قصص النبیین“ کی طرز پر آیا ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کی اور بہت بڑا صحرائی علاقہ عبور کر کے شام چلے گئے۔ وہاں آپ نے فلسطین کے علاقے میں اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کو آباد کیا جبکہ اس سے پہلے اپنے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو آپ مکہ میں آباد کر چکے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام آپ کے بھتیجے تھے۔ شام کی طرف ہجرت کرتے ہوئے وہ بھی آپ کے ساتھ تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے رسالت سے نوازا کہ عامورہ اور سدوم کے شہروں کی طرف مبعوث فرمایا۔ یہ شہر بحیرہ مردار (Dead Sea) کے کنارے پر آباد تھے۔ لہذا قوم ثمود کے بعد انباء الرسل کے انداز میں حضرت لوط علیہ السلام ہی کا ذکر آئے گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو اولاد آپ کی تیسری بیوی قطورہ سے ہوئی وہ خلیج عقبہ کے مشرقی علاقے میں آباد ہوئی۔ اپنے کسی مشہور سردار کے نام پر اس قوم اور اس علاقے کا نام ”مدین“ مشہور ہوا۔ اس قوم کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔ انباء الرسل کے اس سلسلے میں حضرت شعیب علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر میں مبعوث کیا گیا جو جزیرہ نمائے عرب سے باہر جزیرہ نمائے سینا (Senai Peninsula) کے دوسری طرف واقع ہے۔ آپ کی بعثت بنی اسرائیل میں ہوئی تھی جو حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے فلسطین سے ہجرت کر کے مصر میں آباد ہوئے تھے۔ (سورہ یوسف میں اس ہجرت کی پوری تفصیل موجود ہے۔)

بنی نوع انسان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت سے انبیاء و رسل دنیا کے مختلف علاقوں میں مبعوث فرمائے۔ اُن تمام پیغمبروں کی تاریخ بیان کرنا قرآن کا موضوع نہیں ہے۔ قرآن تو کتاب ہدایت ہے اور انبیاء و رسل کے واقعات بھی ہدایت کے لیے ہی بیان کیے جاتے ہیں۔ اس ہدایت کے تمام پہلو کسی ایک رسول کے قصے میں بھی موجود ہوتے ہیں مگر مذکورہ چھ رسولوں (ﷺ) کا ذکر بار بار اس لیے قرآن میں آیا ہے کہ اُن کے ناموں سے اہل عرب واقف تھے اور ان کی حکایات و روایات میں بھی ان کے تذکرے موجود تھے۔

## آیات ۲۵ تا ۳۵

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۚ أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ إِلَيمٍ ۚ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَأْتِيكَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا وَمَا تَأْتِيكَ إِلَّا الْبَعَثُ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِادِّى الرَّأْيِ ۚ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَنْظُرُكُمْ كَذِبِينَ ۚ قَالَ يُقَوْمُ أَرَأَيْتُمْ إِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَأَنْشَأَ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهِ فَعَبَّيْتُ عَلَيْكُمْ ۖ أَنْزِلْ مَكُتُوبَهَا وَأَنْتُمْ لَهَا كَرِهُونَ ۚ وَيَقَوْمُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَا لَا إِنِ اجْرَىٰ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا ۖ إِنَّهُمْ مُّلتَقُوا رَبَّهُمْ وَلَكِنِّي أَرْكُمُ قَوْمًا يَّجْهَلُونَ ۚ وَيَقَوْمُ مَن يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتُهُمْ ۖ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۚ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَن يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا ۖ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ ۚ إِنِّي إِذَا لَوِينِ الظَّالِمِينَ ۚ قَالُوا يُؤْخَرُ قَدْ جَدَلْتَنَا فَكَثُرَتْ جِدَالُنَا فَأَتَيْنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۚ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيَكُمْ بِهِ اللَّهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۚ وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أُنصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۚ

بَعِ أَمْرُ يَقُولُونَ أَفْتَرِيهِ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَىٰ إِجْرَائِي وَأَنَا بِرَبِّي مِمَّا تَنْجَرُمُونَ ۚ

**آیت ۲۵** ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۚ﴾ ”اور ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کی طرف (تو آپ نے کہا) کہ میں تمہارے لیے ایک کھلا خبر دار کر دینے والا ہوں۔“

**آیت ۲۶** ﴿أَنْ لَا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ ۖ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ إِلَيمٍ ۚ﴾ ”کہ مت پوجو کسی کو سوائے اللہ کے۔ مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک بڑے دردناک دن کے عذاب کا۔“

**آیت ۲۷** ﴿فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا تَأْتِيكَ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا﴾ ”تو اُس کی قوم کے اُن

سرداروں نے کہا جنہوں نے کفر کی روش اختیار کی تھی کہ ہم نہیں دیکھتے (اے نوح) آپ کو مگر اپنے جیسا ایک انسان“

انہوں نے کہا کہ آپ تو بالکل ہمارے جیسے انسان ہیں۔ آپ میں ہمیں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی کہ ہم آپ کو اللہ کا فرستادہ مان لیں۔

﴿وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَادُوا بِادِّىِ الرَّأْيِ﴾ ”اور ہم نہیں دیکھتے مگر یہ کہ آپ کی پیروی کرنے والے بظاہر ہم میں ادنیٰ درجے کے لوگ ہیں۔“

ہمیں بلا تامل نظر آ رہا ہے کہ چند مفلس، نادار اور نچلے طبقے کے لوگ آپ کے گرد اکٹھے ہو گئے ہیں جبکہ ہمارے معاشرے کا کوئی بھی معزز اور معقول آدمی آپ سے متاثر نہیں ہوا۔

﴿وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ﴾ ”اور ہمیں نظر نہیں آتی اپنے مقابلے میں تم لوگوں میں کوئی بھی فضیلت، بلکہ ہمارا گمان تو یہی ہے کہ تم لوگ جھوٹے ہو۔“

**آیت ۲۸** ﴿قَالَ يَقُومُ آرَاءُ يُتَمُّ أَنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيْتَةٍ مِّن رَّبِّي﴾ ”نوحؑ نے کہا: اے میری قوم! لوگو! ذرا غور کرو اگر میں (پہلے سے ہی) اپنے رب کی طرف سے پتہ پر تھا“

یہ لفظ بَیْتَة اس سورت میں بار بار آئے گا۔ یعنی میں نے اپنی زندگی تمہارے درمیان گزاری ہے، میرا کردار، میرا اخلاق اور میرا رویہ سب کچھ تم اچھی طرح جانتے ہو۔ تم لوگ جانتے ہو کہ میں ایک شریف النفس اور سلیم الفطرت انسان ہوں۔ لہذا تم لوگ غور کرو کہ پہلے بھی اگر میں ایسی شخصیت کا حامل انسان تھا:

﴿وَالْبَيْتِ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهِ فَعَمِيتُ عَلَيْكُمْ﴾ ”اور (اب) اُس نے مجھے اپنے پاس سے خاص رحمت بھی عطا فرمادی ہے (اور یہ وہ چیز ہے) جس کو تمہاری نظروں سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔“

یعنی میرے اوپر اللہ کی رحمت سے وحی آتی ہے جس کی کیفیت اور حقیقت کا ادراک تم لوگ نہیں کر سکتے۔ میں اس کے بارے میں تم لوگوں کو بتا ہی سکتا ہوں، دکھا تو نہیں سکتا۔

﴿أَنزَلْنَاهُ مِثْلَ دُمُوحٍ وَأَنشَأْنَا لَهُمْ جَبَلًا وَسَوَّيْنَاهُ وَأَنزَلْنَاهُ مِثْلَ الْهَبِّ وَأَنشَأْنَا لَهُمْ جَبَلًا وَسَوَّيْنَاهُ وَأَنزَلْنَاهُ مِثْلَ الْهَبِّ وَأَنشَأْنَا لَهُمْ جَبَلًا وَسَوَّيْنَاهُ﴾ ”تو کیا ہم چپکا دیں تم پر اس کو (زبردستی) جبکہ تم لوگ اس کو ناپسند کرتے ہو؟“

اب اگر ایک بات آپ لوگوں کو پسند نہیں آرہی تو ہم زبردستی اس کو تمہارے سر نہیں تھوپ سکتے۔ ہم آپ لوگوں کو مجبور تو نہیں کر سکتے کہ آپ ضرور ہی اللہ کو اپنا معبود اور مجھے اس کا رسول مانو۔

**آیت ۲۹** ﴿وَيَقُولُ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَمَا أَنَا بِظَارِدِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اور اے میری قوم! تم لوگو! میں تم سے اس کے بدلے کوئی مال طلب نہیں کرتا۔ میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے، اور جو لوگ ایمان لائے ہیں میں ان کو دھتکارنے والا بھی نہیں ہوں۔“

جن لوگوں کے بارے میں تم کہتے ہو کہ وہ ادنیٰ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، وہ سب اہل ایمان ہیں، اور اس لحاظ

سے میرے نزدیک وہ بہت اہم اور معزز لوگ ہیں۔ اب میں تمہارے کہنے پر ان کو خود سے دوڑ نہیں بٹا سکتا۔  
**﴿إِنَّهُمْ مُلْقُوا رَبِّهِمْ وَلَكِنِّي أَرَأَيْتُمْ قَوْمًا تَجْهَلُونَ﴾** ”وہ یقیناً اپنے رب سے ملنے والے  
 ہیں، لیکن میں تمہیں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جہالت میں مبتلا ہو گئے ہو۔“

**آیت ۳۰** **﴿وَيَقُولُ مَنْ يَنْصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ طَرَدْتُهُمْ﴾** ”اور اے میری قوم کے لوگو! (ذرا سوچو کہ)  
 اگر میں ان کو اپنے ہاں سے بھگا دوں گا تو کون میری مدد کرے گا اللہ کے مقابلے میں؟“  
 یہ سب سچے مومنین اللہ کا ذکر کرنے والے اور اس سے دعائیں مانگنے والے لوگ ہیں۔ اگر میں تمہارے  
 کہنے پر ان کو دھکاردوں تو اللہ کی ناراضگی سے مجھے کون بچائے گا۔

**﴿أَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾** ”تو کیا تم لوگ نصیحت اخذ نہیں کرتے؟“  
**آیت ۳۱** **﴿وَلَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ﴾** ”اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے  
 خزانے ہیں“

میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ اللہ کے خزانوں پر میرا اختیار ہے۔ یہ وہی بات ہے جو ہم سورۃ الانعام  
 آیت ۵۰ میں محمد رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے پڑھ چکے ہیں۔  
**﴿وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ إِنِّي مَلَكٌ﴾** ”اور نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں، اور نہ میں کہتا ہوں کہ  
 میں فرشتہ ہوں“

**﴿وَلَا أَقُولُ لِلَّذِينَ تَزْدَرِي أَعْيُنُكُمْ لَنْ يُؤْتِيَهُمُ اللَّهُ خَيْرًا﴾** ”اور نہ میں یہ کہہ سکتا ہوں ان  
 لوگوں کے بارے میں جنہیں تمہاری آنکھیں حقیر دیکھ رہی ہیں کہ اللہ انہیں کوئی خیر نہیں دے گا۔“  
 کیا معلوم اللہ کے ہاں وہ بہت محبوب ہوں اللہ انہیں بہت بلند مراتب عطا کرے اور اخروی زندگی میں  
**﴿قُرُوحٌ وَرَبْعَانٌ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ﴾** (الواقہ) کا مستحق ٹھہرائے۔

**﴿اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا فِي أَنْفُسِهِمْ﴾** ”اِنِّیْ اِذَا لَمِنَ الظَّالِمِیْنَ“ ”اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے  
 دلوں میں ہے“ (اگر میں اُن کو دور کر دوں) تب تو یقیناً میں خود ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔“  
 یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کون اپنے ایمان کے دعوے میں کتنا مخلص ہے اور کس کے دل میں اللہ کے لیے  
 کتنی محبت ہے۔ اگر میں تمہارے طعنوں سے تنگ آ کر ان اہل ایمان کو اپنے پاس سے اٹھا دوں تو میرا شمار  
 ظالموں میں ہوگا۔

**آیت ۳۲** **﴿قَالُوا يُونُحُ قَدْ جَدَلْنَاكَ فَكَثُرَتْ جِدَالَنَا﴾** ”انہوں نے کہا: اے نوح! تم نے ہم سے  
 جھگڑا کیا اور خوب جھگڑا کیا“

جب حضرت نوح علیہ السلام کی ان تمام باتوں کا علمی، عقلی اور منطقی سطح پر کوئی جواب ان لوگوں سے نہ بن پڑا تو وہ  
 خواہ مخواہ ضد اور ہٹ دھرمی پر اتر آئے کہ بس جی بہت ہو گیا بحث مباحثہ اب چھوڑیں ان دلیلوں کو اور:



﴿فَاتِنَّا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۳۳﴾ ”پس لے آؤ ہم پر وہ عذاب جس کی تم ہمیں دھمکی دے رہے ہو اگر تم سچے ہو۔“

آیت ۳۳ ﴿قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ اللّٰهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝۳۴﴾ ”آپ نے فرمایا کہ وہ (عذاب) تو اللہ ہی لائے گا تمہارے اوپر اگر وہ چاہے گا اور پھر تم اس کو شکست نہیں دے سکو گے۔“  
اگر اس نے تمہیں عذاب دینے کا فیصلہ کر لیا تو پھر تم لوگ اس کا مقابلہ کر کے اس کے عذاب سے بچ کر بھاگ نہیں سکو گے۔

آیت ۳۴ ﴿وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ يُغْوِيَكُمْ ۝۳۵﴾ ”اور تم لوگوں کو میری نصیحت کچھ فائدہ نہیں دے سکتی اگر میں تمہیں نصیحت کرنا بھی چاہوں، اگر اللہ ہی تمہاری گمراہی کا فیصلہ کر چکا ہے۔“

اگر تمہاری اس خواہ مخواہ کی ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث اللہ نے تمہاری گمراہی کے فیصلے پر مہر ثبت کر دی ہو تو پھر میری نصیحت اور خیر خواہی تمہارے حق میں کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتی۔

﴿هُوَ رَبُّكُمْ ۝۳۶ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝۳۷﴾ ”وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم لوٹا دیے جاؤ گے۔“  
آیت ۳۵ ﴿أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ إِنْ افْتَرَيْتُهُ لَعَلِّيَ أَجْوَاجٌ ۝۳۸ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْهَرُونَ ۝۳۹﴾ ”کیا یہ کہتے ہیں کہ اس (محمد ﷺ) نے اس (قرآن) کو گھڑ لیا ہے؟ آپ کہیے کہ اگر میں نے اسے گھڑ لیا ہے تو اس کا وبال مجھ ہی پر آئے گا اور میں بری ہوں اس سے جو جرم تم کر رہے ہو۔“

یہ ایک جملہ معترضہ ہے جو حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کے درمیان آ گیا ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! یہ تمام باتیں جو ہم آپ کو بذریعہ وحی بتاتے ہیں، جیسے حضرت نوح اور آپ کی قوم کی گفت و شنید نقل ہوئی، تو مشرکین مکہ کہتے ہیں کہ یہ باتیں اور قصے آپ خود اپنی طرف سے بنا کر انہیں سناتے ہیں۔ آپ ان پر واضح کر دیں کہ میں اگر واقعی یہ جرم کر رہا ہوں تو اس کا وبال بھی مجھ ہی پر آئے گا۔ مگر آپ لوگ اس کے دوسرے پہلو پر بھی غور کریں کہ اگر یہ کلام واقعی اللہ کی طرف سے ہے تو اس کو جھٹلا کر تم لوگ جس جرم کے مرتکب ہو رہے ہو، اس کے نتائج بھی پھر تم لوگوں کو ہی بھگتنا ہیں۔ بہر حال میں علی الاعلان کہے دیتا ہوں کہ میں تمہارے اس جرم سے بالکل بری ہوں۔ اس جملہ معترضہ کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے ذکر کا سلسلہ دوبارہ وہیں سے جوڑا جا رہا ہے۔

### آیات ۳۶ تا ۴۹

وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ۝ وَأَصْنَعِ الْفُلَكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحِّينَا وَلَا تَخَاطَبُنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ۝ إِنَّهُمْ

مُغْرَقُونَ ۝ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ وَكَلَّمَا مَرْعِيَهُ مَلَأَ قَوْنِ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُ ۖ قَالَ إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ ۖ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۖ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۖ وَقَالَ ابْكُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْزِيهَا وَمُرْسِيهَا ۚ إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۖ وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۖ وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يُبَيِّنُ أَرْكَبَ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۖ قَالَ سَاوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِفُنِي مِنْ الْبَاءِ ۖ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ ۖ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ ۖ وَقِيلَ يَا أَرْضُ ابْلَعِي مَاءَكِ وَيَسْمَاءُ أَفْلَحِي وَغِيضَ الْبَاءُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَىٰ الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۖ وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكَمِينَ ۖ قَالَ يُنُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ ۚ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۖ إِنِّي أَعْطُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۖ قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ ۖ وَالْأَتَغْفِرُ لِي وَتَرْحَمَنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۖ قِيلَ يُنُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِمَّنْ مَعَكَ ۖ وَأَمَّا سَمِيتُ عَنْهُمْ فُمْ يَمْسَهُم مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ تِلْكَ مِنْ أَثْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا فَاصْبِرْ ۚ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۚ

**آیت ۳۶** ﴿وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ اور وحی کر دی گئی نوح کی طرف کہ اب کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا تمہاری قوم میں سے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لا چکے ہیں تو جو کچھ وہ کر رہے ہیں آپ اس کی وجہ سے غمگین نہ ہوں۔“

**آیت ۳۷** ﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ اور (اب) آپ کشتی بنائیے ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہماری ہدایات کے مطابق“

اس حکم سے یوں لگتا ہے کہ کشتی کی تیاری کے ہر مرحلے پر حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات مل رہی تھیں مثلاً لمبائی اتنی ہو، چوڑائی اتنی ہو، لکڑیاں یوں تیار کرو وغیرہ۔

﴿وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ اور جو ظالم ہیں ان کے بارے میں اب مجھ سے بات نہ

کیجیگا۔“

اب ان منکرین میں سے کسی کے بارے میں کوئی درخواست، دعایا سفارش وغیرہ آپ کی طرف سے نہ آئے، اب اس کا وقت گزر چکا ہے۔

﴿اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَۙ﴾ ”(اب) یہ سب کے سب غرق کیے جائیں گے۔“

آیت ۳۸ ﴿وَيَصْنَعُ الْفُلَّۙ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَأَ مِنْ قَوْمِهِ سَخِرُوا مِنْهُۥ﴾ ”اور آپ کشتی بنا رہے

تھے، اور جب بھی آپ کے پاس سے گزرتے آپ کی قوم کے سردار تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے۔“  
حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے اہل ایمان ساتھی جس جگہ اور جس علاقے میں یہ کشتی بنا رہے تھے ظاہر ہے کہ وہاں ہر طرف خشکی ہی خشکی تھی، سمندر یا دریا کا کہیں دور دور تک نام و نشان نہیں تھا۔ ان حالات میں تصور کریں کہ کیا کیا باتیں اور کیسے کیسے تمسخر آمیز فقرے کہے جاتے ہوں گے کہ اب تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی بالکل ہی مت ماری گئی ہے کہ خشکی پر کشتی چلانے کا ارادہ ہے!

﴿قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّاۤ اِنَّا نَسْخَرُوْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَۙ﴾ ”نوحؑ فرماتے کہ اگر (آج) تم ہم سے تمسخر کر رہے ہو تو (وہ وقت قریب آنے والا ہے کہ) ہم بھی تم سے تمسخر کریں گے جیسے کہ اب تم تمسخر کر رہے ہو۔“

آیت ۳۹ ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَۙ مَنْ يَّاتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيمٌۙ﴾ ”تو عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر آتا ہے وہ عذاب جو اسے رسوا کر دے گا، اور کس پر اترتا ہے وہ عذاب جو قائم رہنے والا (دائمی) ہوگا۔“

آیت ۴۰ ﴿حَتّٰىۤ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُوْرُۙ﴾ ”یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ گیا اور تنور جوش سے ابل پڑا“

مشرق وسطیٰ کے اس پورے علاقے میں ایک بہت بڑے سیلاب کے واضح آثار بھی ملتے ہیں اس بارے میں تاریخی شہادتیں بھی موجود ہیں اور آج کا علم طبقات الارض (Geology) بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ H.G.Wells نے اس سیلاب کی تاویل یوں کی ہے کہ یہ علاقہ بحیرہ روم (Mediterranean) کی سطح سے بہت نیچا تھا، مگر سمندر کے مشرقی ساحل یعنی شام اور فلسطین کے ساتھ ساتھ موجود پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے سمندر کا پانی خشکی کی طرف نہیں آ سکتا تھا۔ (جیسے کراچی کے بعض علاقوں کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ وہ سطح سمندر سے بہت نیچے ہیں مگر ساحلی علاقہ کی سطح چونکہ بلند ہے اس لیے سمندر کا پانی اس طرف نہیں آ سکتا۔) H.G.Wells کا خیال ہے کہ اس علاقے میں سمندر سے کسی وجہ سے پانی کے لیے کوئی راستہ بن گیا ہوگا جس کی وجہ سے یہ پورا علاقہ سمندر کی شکل اختیار کر گیا۔ قرآن مجید کے الفاظ کے مطابق اس سیلاب کا آغاز ایک خاص تنور سے ہوا تھا جس کے نیچے سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ اس کے ساتھ ہی آسمان سے غیر معمولی انداز میں

لگاتار بارشیں ہوئیں اور زمین نے بھی اپنے چشموں کے دہانے کھول دیے۔ پھر آسمان اور زمین کے یہ دونوں پانی مل کر عظیم سیلاب کی صورت اختیار کر گئے۔ سورۃ القمر میں اس کی تفصیل بایں الفاظ بیان کی گئی ہے:

﴿فَفَتَحْنَا أَبْوَابَ السَّمَاءِ بِمَاءٍ مُّنْهَمِرٍ ۝۱۱ وَفَجَّرْنَا الْأَرْضَ عُيُونًا فَالْتَقَى الْمَاءُ عَلَى

أَمْرٍ قَدْ قُدِرَ ۝۱۲﴾

”پس ہم نے آسمان کے دروازے کھول دیے جن سے لگاتار بارش برسنے لگی اور زمین کو پھاڑ دیا کہ ہر طرف چشمے پھوٹ پڑے اور یہ دونوں طرح کے پانی اُس کام کو پورا کرنے کے لیے مل گئے جو مقدر کر دیا گیا تھا۔“

﴿قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ﴾ ”ہم نے کہا: (اے نوح علیہ السلام!) اپنی اس کشتی میں تمام جانداروں کا ایک ایک جوڑا رکھ لو اور اپنے اہل و عیال کو بھی سوائے ان کے جن کے بارے میں پہلے حکم گزر چکا ہے“

یہ استثنائی حکم حضرت نوح علیہ السلام کی ایک بیوی اور آپ کے بیٹے ”یام“ (کنعان) کے بارے میں تھا جو اُسی بیوی سے تھا جبکہ آپ کے تین بیٹے حام، سام اور یافث ایمان لا چکے تھے اور آپ کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ حضرت سام اور ان کی اولاد بعد میں اسی علاقے میں آباد ہوئی تھی۔ چنانچہ قوم عاد، قوم ثمود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سامی النسل تھے۔ حام اور یافث دوسرے علاقوں میں جا کر آباد ہوئے اور اپنے اپنے علاقوں میں ان کی نسل بھی آگے چلی۔

﴿وَمَنْ آمَنَ وَمَا آمَنَ مَعَهُ إِلَّا قَلِيلٌ ۝۱۲﴾ ”اور ان لوگوں کو بھی (سوار کر لیں) جو ایمان لائے ہیں اور نہیں ایمان لائے تھے آپ کے ساتھ مگر بہت ہی کم۔“

یہاں پر لفظ قلیل انگریزی محاورہ "the little" کے ہم معنی ہے، یعنی بہت ہی تھوڑے نہ ہونے کے برابر۔ آیت ۳۱ ﴿وَقَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللَّهِ مَجْرِبَهَا وَمُزْلِمَاتُهَا﴾ ”اور نوحؑ نے فرمایا: سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کے نام کے ساتھ ہی ہے اس کا چلنا بھی اور اس کا لنگر انداز ہونا بھی۔“ جب تک اللہ چاہے گا اور جس سمت کو اسے چلائے گا یہ چلے گی اور جب اور جہاں اُس کی مشیت ہوگی یہ لنگر انداز ہو جائے گی۔

﴿إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۳﴾ ”یقیناً میرا رب بخشنے والا بہت رحم کرنے والا ہے۔“

آیت ۳۲ ﴿وَهِيَ تَجْرِي فِيهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۝۱۴﴾ ”اور وہ چل رہی تھی ان سب کو لے کر پہاڑ جیسی موجوں کے درمیان سے“

﴿وَنَادَى نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يُبْنَىٰ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ ۝۱۵﴾ ”اور نوحؑ نے پکارا اپنے بیٹے کو اور وہ ایک کنارے کی طرف تھا کہ اے میرے بیٹے! آؤ ہمارے ساتھ (کشتی

میں) سوار ہو جاؤ اور کافروں کے ساتھ مت رہو۔“

**آیت ۴۳** ﴿قَالَ سَاوِيَ إِلَىٰ جِبَلٍ يَّعِصْمُنِي مِنَ الْمَاءِ﴾ ”اُس نے کہا کہ میں ابھی کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا۔“

﴿قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَنْ رَحِمَ﴾ ”نوحؑ نے کہا: آج کے دن کوئی بچانے والا نہیں ہے اللہ کے امر سے سوائے اُس کے جس پر اللہ ہی رحم فرمادے۔“

﴿وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِينَ﴾ ”اور حائل ہو گئی ان دونوں کے درمیان ایک موج اور وہ ہو گیا غرق ہونے والوں میں۔“

اسی گفتگو کے دوران ایک بڑی موج آئی اور اس کی زد میں آکر آپؑ کی نظروں کے سامنے آپؑ کا وہ بیٹا غرق ہو گیا۔

**آیت ۴۴** ﴿وَقِيلَ يَا رَجُلُ أَفْلَيْعَٰنِي مَاءَ لِكَ﴾ ”اور حکم ہوا کہ اے زمین تُو اپنے پانی کو نگل جا“  
زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ تُو اپنے اس پانی کو اپنے اندر جذب کر لے۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ اس عمل میں کتنا وقت لگا ہوگا۔ بہر حال حکم الہی کے مطابق پانی زمین میں جذب ہو گیا۔

﴿وَيَلْسَمَاءُ أَفْلَيْعَٰنِي وَغِيضَ الْمَاءِ وَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾ ”اور اے آسمان تو بھی اب تھم جا“ اور پانی سکھا دیا گیا“ اور فیصلہ چکا دیا گیا“

﴿وَأَمْسَوْتُ عَلَىٰ الْجُودِيِّ﴾ ”اور کشتی جو دی پہاڑ پر جا ٹھہری“  
کوہ ارارات میں ”جودی“ ایک چوٹی کا نام ہے۔ یہ دشوار گزار پہاڑی سلسلہ آذربائیجان کے علاقے اور ترکی کی سرحد کے قریب ہے۔ کسی زمانے میں ایک ایسی خبر بھی مشہور ہوئی تھی کہ اس پہاڑی سلسلہ کی ایک چوٹی پر کسی جہاز کے پائلٹ نے کوئی کشتی نما چیز دیکھی تھی۔ بہر حال قرآن کا فرمان ہے کہ ہم اس کشتی کو محفوظ رکھیں گے اور ایک زمانے میں یہ نشانی بن کر دنیا کے سامنے آئے گی (العنکبوت: ۱۵)۔ چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کشتی اب بھی کوہ جودی کی چوٹی پر موجود ہے اور ایک دقت آئے گا جب انسان اس تک رسائی حاصل کر لے گا۔

﴿وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور کہہ دیا گیا دُوری (ہلاکت) ہے اُس قوم کے لیے جو ظالم تھی۔“

یعنی اس قوم کا نام و نشان مٹا کر ہمیشہ کے لیے اسے نسیا منیا کر دیا گیا۔

**آیت ۴۵** ﴿وَنَادَىٰ نُوحٌ رَبَّهُ فَقَالَ رَبِّ إِنَّ ابْنِي مِنْ أَهْلِي﴾ ”اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو اور کہا کہ اے میرے پروردگار! میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا“

﴿وَإِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَأَنْتَ أَحْكَمُ الْحَكَمِينَ﴾ ”اور یقیناً تیرا وعدہ سچا ہے اور تو تمام حاکموں میں سب سے بڑا اور سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا حاکم ہے۔“

پروردگار! تُو نے وعدہ کیا تھا کہ تو میرے اہل کو بچالے گا، جبکہ میرا بیٹا تو میری آنکھوں کے سامنے ڈوب گیا۔  
**آیت ۲۶** ﴿قَالَ يَنْفُوحُ الْفَيْسُ مِنْ أَهْلِكَ ۚ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ﴾ ”اللہ نے فرمایا کہ اے نوح! وہ تمہارے اہل میں سے نہیں ہے، اس کے اعمال غیر صالح ہیں۔“

اُس کے نظریات اُس کے عقائد اُس کا کردار سب کا فرانہ تھے۔ وہ آپ کے اہل میں کیسے شمار ہو سکتا ہے؟ نبی کا گھرانہ صرف نسب سے نہیں بنتا بلکہ ایمان و عمل صالح سے بنتا ہے۔ چنانچہ وہ آپ کے نسبی خاندان کا ایک رکن ہونے کے علی الرغم آپ کے ایمانی و اخلاقی خاندان کا فرد نہیں تھا۔

﴿فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾ ”تو آپ مجھ سے اُس چیز کا سوال نہ کریں جس کے بارے میں آپ کو علم نہیں۔“

﴿إِنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ﴾ ”میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ جذبات سے مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ بنیں۔“

یہ بہت سخت انداز ہے۔ یاد کیجیے کہ سورۃ الانعام کی آیت ۳۵ میں محمد رسول اللہ ﷺ سے بھی اس طرح کے الفاظ فرمائے گئے ہیں۔

**آیت ۲۷** ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ﴾ ”نوح نے عرض کیا: اے میرے پروردگار! میں تیری پناہ طلب کرتا ہوں اس سے کہ میں تجھ سے ایسی بات کا سوال کروں جس کے بارے میں میرے پاس کوئی علم نہیں ہے۔“

﴿وَالَا تَغْفِرْ لِي وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخُسِرِينَ﴾ ”اور اگر تُو نے مجھے معاف نہ فرما دیا اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں ہو جاؤں گا خسارہ پانے والوں میں۔“

**آیت ۲۸** ﴿قَالَ يَنْفُوحُ الْفَيْسُ بِسَلْمٍ مِّنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْكَ وَعَلَى أُمَمٍ مِّمَّنْ مَعَكَ﴾ ”حکم ہوا اے نوح! اتر جاؤ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ جو آپ پر بھی ہوں گی اور اُن اُمتوں پر بھی جو آپ کے ساتھیوں کی نسلوں سے وجود میں آئیں گی۔“

عام خیال یہی ہے کہ اس طوفان کے بعد نسل انسانی حضرت نوح علیہ السلام کے ان تینوں بیٹوں سے چلی تھی۔ اس سلسلے میں ماہرین علم الانساب کی مختلف آراء کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے بیٹے حضرت سام اس علاقے میں آباد ہو گئے، جبکہ حضرت یافث کی اولاد وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے روس کے میدانی علاقوں میں جا بسے۔ پھر وہاں سے ان میں سے کچھ لوگ صحرائے گوبی کو عبور کر کے چین کی طرف چلے گئے۔ چنانچہ وسطی ایشیا کے ممالک سے لے کر چین اس کے لمحققہ علاقوں اور یورپ میں اسی نسل کے لوگ آباد ہیں۔ ان کے علاوہ Anglo Saxons اور شمالی اقوام کے لوگ بھی اسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

دوسری طرف حضرت حام کی نسل کے کچھ لوگ مشرق کی طرف کوچ کر کے ایران اور پھر ہندوستان میں

آجے۔ جبکہ ان میں سے بعض دوسرے قبائل جزیرہ نمائے سینا کو عبور کر کے مغرب میں سوڈان اور مصر کی طرف چلے گئے۔ چنانچہ آریائی اقوام رومن، جرمن، یونانی اور مشرقی یورپ کے تمام لوگ حضرت حام ہی کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، واللہ اعلم۔

﴿وَأَمُّ سَمِيعَهُمْ ثُمَّ يَمْسُهُمْ مِتًّا عَذَابُ الْيَمِّ﴾ اور کچھ اور قومیں (بھی ہوں گی) جنہیں ہم (دنیا کے) کچھ فوائد دیں گے پھر ان کو ہماری طرف سے ایک دردناک عذاب آپکڑے گا۔“  
جیسا کہ بعد میں قوم عاد اور قوم ثمود پر عذاب آیا ہے۔

آیت ۲۹ ﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ﴾ ”(اے محمد ﷺ!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کر رہے ہیں آپ کی طرف۔“

﴿مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾ ”اس سے پہلے نہ آپ ان کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔“

﴿فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ﴾ ”تو آپ صبر کیجئے، یقیناً انجام کار بھلا ہوگا اہل تقویٰ ہی کا۔“  
آپ ہمت اور صبر و استقامت کے ساتھ اپنا کام کیے چلے جائیں۔ یقیناً انجام کار کی کامیابی اہل تقویٰ ہی کے لیے ہے۔

## آیات ۵۰ تا ۶۰

وَالِی عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ یَقُومُوا عِبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ غَبَرَةٌ ۖ إِنَّ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ یَقُومُوا لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنَّ أَجْرِي إِلَّا عَلَى الَّذِی فَطَرَنِي ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَیَقُومُوا اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَیْكُمْ مَدْرَارًا ۖ وَیَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَكَّلُوا مُجْرِمِیْنَ ۝ قَالُوا یَهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِ آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ ۝ إِنَّ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوِّ ۖ قَالَ إِنِّیٓ أَشْهَدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّیٓ بَرِئٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِنْ دُونِهِ فَلَیْدُونِی جَمِیعًا ثُمَّ لَا تَنْظُرُونَ ۝ إِنِّیٓ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ۖ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِیَتِهَا ۖ إِنَّ رَبِّیٓ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِیْمٍ ۝ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَیْكُمْ ۖ وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّی قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۖ وَلَا تَضُرُّوهُ شَیْئًا ۖ إِنَّ رَبِّیٓ عَلَى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیظٌ ۖ وَكَلَّمَا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُودًا وَالَّذِیْنَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَنَجَّیْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیظٍ ۖ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا بِآیَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ

وَاتَّبِعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۖ وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ أَلَا إِنَّ عَادًا  
كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۖ أَلَا بُعْدُ لِعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ۖ

آیت ۵۰ ﴿وَالِی عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا﴾ ”اور قوم عاد کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی ہود کو۔“  
قوم عاد حضرت سام کی نسل سے تھی۔ یہ قوم اپنے زمانے میں جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں آباد تھی۔  
آج کل یہ علاقہ قح و قحرا ہے۔

﴿قَالَ يٰ قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنْتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝﴾ ”آپ نے کہا: اے  
میری قوم کے لوگو! اللہ کی عبادت کرو تمہارا کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا۔ (اس سلسلے میں) تم محض جھوٹ  
گھڑتے ہو۔“

یہ جو تم نے مختلف ناموں سے معبود گھڑ رکھے ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے یہ تم محض افترا کر رہے ہو۔  
آیت ۵۱ ﴿يَقُولُ لَا اسْتَلْكُمْ عَلَيْهِ جُنُودٌ إِنْ أَجْزَىٰ إِلَّا عَلَى الدِّيِّ فَطَرَنِي ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝﴾  
”اے میری قوم کے لوگو! میں تم سے کسی اجر کا طالب نہیں ہوں۔ نہیں ہے میرا اجر مگر اسی کے ذمہ جس نے  
مجھے پیدا فرمایا ہے۔ تو کیا تم لوگ عقل سے کام نہیں لیتے؟“

آیت ۵۲ ﴿وَيَقُولُ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ﴾ ”اور اے میری قوم کے لوگو! اپنے پروردگار سے  
استغفار کرو پھر اسی کی طرف رجوع کرو“

شُرک بت پرستی کو چھوڑ دو اور اللہ سے اپنے اس گناہ کی معافی مانگو۔  
﴿يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝﴾ ”وہ  
آسمان سے تم پر خوب پانی برسائے گا اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید قوت کا اضافہ فرمائے گا اور تم  
روگردانی نہ کرو مجرم بن کر۔“

قرآن حکیم کے کئی مقامات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی طرف اپنا رسول اپنے  
پیغام کے ساتھ بھیجتا ہے تو اب اس قوم کی قسمت اس پیغام کے ساتھ معلق ہو جاتی ہے۔ اگر وہ قوم رسول پر ایمان  
لے آتی ہے اور اس پیغام کو قبول کر لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے  
بصورت دیگر اسے تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

آیت ۵۳ ﴿قَالُوا يٰ هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ﴾ ”انہوں نے کہا کہ اے ہود! تم ہمارے پاس کوئی سند لے کر  
نہیں آئے۔“

یعنی آپ جو دعویٰ کرتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو اس کے ثبوت کے طور پر آپ کے پاس کوئی کھلی  
نشانی، سند یا معجزہ نہیں ہے۔

﴿وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝﴾ ”اور ہم نہیں ہیں چھوڑنے



والے اپنے معبودوں کو صرف تمہارے کہنے پر اور ہم تمہاری بات ماننے والے نہیں ہیں۔“  
**آیت ۵۴** ﴿إِنْ تَقُولُوا إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ﴾ ”ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم پر ہمارے معبودوں میں سے کسی کی مار پڑی ہے۔“

یعنی ہمارا خیال تو یہی ہے کہ آپ جو ہمارے معبودوں کا انکار کرتے ہیں اور ان کی شان میں گستاخی کرتے رہتے ہیں اس کی وجہ سے آپ کو ان کی طرف سے سزا ملی ہے اور آپ کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا۔ اسی لیے آپ بہکی بہکی باتیں کرنے لگے ہیں۔

﴿قَالَ إِنِّي أَنشِئُ اللّٰهَ وَأَشْهَدُ أَنَّ بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ﴾ ”ہود نے کہا کہ میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں بری ہوں ان سے جنہیں تم شریک ٹھہرا رہے ہو اُس کے سوا“ میں تمہارے ان جھوٹے معبودوں اور تمہارے شرک کے اس جرم سے بالکل بری اور بیزار ہوں۔ یہ وہی بات ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمائی تھی۔

**آیت ۵۵** ﴿فَكَيْفَ يُؤْنِيْ جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنْظَرُوْنَ﴾ ”پس تم سب مل کر میرے خلاف جو چالیں چل سکتے ہو چل لو پھر مجھے ذرا مہلت نہ دو۔“

**آیت ۵۶** ﴿إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ﴾ ”میں نے تو توکل کیا ہے اللہ پر جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔“

﴿مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا﴾ ”نہیں ہے کوئی بھی جاندار مگر اس کی پیشانی اُسی کی گرفت میں ہے۔“

یعنی ہر جاندار کی قسمت اور تقدیر اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ حضور ﷺ سے بھی ایک مشہور دعا میں یہ الفاظ منقول ہیں: ((فَإِنِّي قَبَضْتُكَ، نَاصِيَتِي بِيَدِكَ))<sup>(۱)</sup> یعنی اے اللہ! میں تیرے ہی قبضہ قدرت میں ہوں، میری پیشانی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

﴿إِنَّ رَبِّيْ عَلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ ”یقیناً میرا رب تو سیدھی راہ پر ہے۔“  
 اگر اللہ تک رسائی حاصل کرنی ہے اگر اسے پانا ہے تو وہ توحید اور عدل و انصاف کی سیدھی راہ پر ہی ملے گا۔  
**آیت ۵۷** ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ﴾ ”پھر اگر تم پیٹھ موڑ لو (انکار کرو) تو میں نے پہنچا دیا ہے تمہیں (وہ پیغام) جو مجھے دے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہے۔“

﴿وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهُ شَيْئًا إِنَّ رَبِّيْ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ﴾  
 ”اور میرا رب تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکو گے۔ یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگہبان ہے۔“

**آیت ۵۸** ﴿وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا﴾ ”اور جب ہمارا (عذاب کا) فیصلہ آگیا تو ہم نے بچا لیا ہود کو اور آپ کے اہل ایمان ساتھیوں کو اپنی رحمت سے۔“  
 ﴿وَنَجَّيْنَاهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝۵۹﴾ ”اور ہم نے انہیں نجات دے دی ایک بہت ہی بھاری عذاب سے۔“

**آیت ۵۹** ﴿وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ﴾ ”یہ تھی قوم عاد جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات کا اور نافرمانی کی اُس کے رسولوں کی“

یہاں پر ان تمام انبیاء کو بھی رسول کہا گیا ہے جو حضرت ہود علیہ السلام سے پہلے اس قوم میں مبعوث ہوئے۔ اکثر اس طرح ہوتا رہا ہے کہ کسی قوم میں پہلے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کے معلمین کی حیثیت سے آتے رہے اور پھر آخر میں ایک رسول آیا۔ اور جیسا کہ قبل ازیں بھی نبی اور رسول کے فرق کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے کہ قرآن میں یہ دونوں الفاظ اگر الگ الگ آئیں تو ایک دوسرے کی جگہ پر آسکتے ہیں، لیکن اگر یہ دونوں الفاظ اکٹھے ایک جگہ آئیں تو پھر ان میں سے ہر لفظ اپنے خاص معنی دیتا ہے۔

﴿وَاتَّبِعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝۶۰﴾ ”اور انہوں نے پیروی کی ہر سرکش و دشمن حق کے حکم کی۔“  
**آیت ۶۰** ﴿وَاتَّبِعُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ﴾ ”اور ان کے پیچھے لگا دی گئی لعنت اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن (کے لیے) بھی۔“

﴿إِنَّا عَادًا كَفَرْنَا رَبَّنَا لَا بُدَّ لَنَا بِعَادٍ قَوْمٍ هُودٍ ۝۶۱﴾ ”آگاہ ہو جاؤ، قوم عاد نے اپنے رب کا کفر کیا تھا۔ سن لو پھٹکا رہے عاد پر جو قوم ہود تھی!“

## آیات ۶۱ تا ۶۸

وَالِی ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ یَقُومُوا عِبُدُوا اللَّهَ مَا لَکُمْ مِّنَ إِلَهِ غَیْرِهِ ۖ هُوَ أَنشَأَکُمْ مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَغْرَکُمُ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوا لَهُ ثُمَّ تَوَلَّوْا إِلَیْهِ ۖ إِنَّ رَبِّی قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ ۝۶۲  
 قَالُوا یٰصَلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا أَتَنْهَیْنَا أَنْ نَعْبُدَ مَا یَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّا لَفِی شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۝۶۳  
 قَالَ یَقُومُوا أَرَأَیْتُمْ إِنْ کُنْتُ عَلَىٰ بَیِّنَةٍ مِّنْ رَبِّیْ وَآلِیِّی مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَنْصُرُنِی مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصِیْتُه ۖ فَمَا تَزِیْدُوْنِی غَیْرَ تَخْسِیْرِ ۝۶۴  
 وَیَقُومُ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَکُمْ آیَةٌ فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِی أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فِیَاْخُذْکُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ۝۶۵  
 فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِی دَارِکُمْ ثَلَاثَةَ یَآئِمٍ ۖ ذَٰلِکَ وَعْدٌ غَیْرَ مَکْذُوبٍ ۝۶۶  
 فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّیْنَا صَالِحًا وَالَّذِیْنَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا وَمِن

خُزْيُ يَوْمِذٍ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ وَآخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْعَةَ فَاصْبَحُوا  
فِي دِيَارِهِمْ جِثِيمِينَ ۝ كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۚ أَلَا إِنَّ تَمُودًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۚ أَلَا بَعْدُ ۚ  
يَعْلَمُونَ

آیت ۶۱ ﴿وَالَّذِي تَمُودُ أَخَاهُمْ صَالِحًا﴾ ”اور ثمود کی طرف (ہم نے بھیجا) اُن کے بھائی صالح کو۔“  
قوم عاد میں سے جو لوگ بچے تھے وہ اپنے علاقے سے آگے وسطی علاقے کی طرف جا کر ”حجر“ میں آباد  
ہوئے اور اُن لوگوں کی نسل میں سے ثمود نام کی ایک بڑی قوم ابھری۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ جب اس قوم کے  
اندر بھی وہی خرابیاں پیدا ہو گئیں اور وہ لوگ بھی جب بت پرستی اور شرک کی لعنت میں مبتلا ہو گئے تو اُن کی اصلاح  
کے لیے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا۔

﴿قَالَ يَاقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ﴾ ”آپ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ  
کی بندگی کرو تمہارا کوئی معبود اُس کے سوا نہیں ہے۔“

﴿هُوَ أَنشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ﴾ ”اُس نے تمہیں  
زمین سے پیدا کیا اور اس میں تم کو آباد کیا تو اس سے اپنے گناہ بخشاؤ“ پھر اُسی کی جناب میں رجوع کرو۔“  
﴿إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ﴾ ”یقیناً میرا رب قریب ہے اور دعا کا قبول کرنے والا ہے۔“

آیت ۶۲ ﴿قَالُوا يَصْلِحْ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَذَا﴾ ”انہوں نے کہ اے صالح! آپ سے تو  
ہماری بڑی امیدیں وابستہ تھیں اس سے پہلے“

یعنی آپ تو اپنے اخلاق و کردار کی وجہ سے پوری قوم کی امیدوں کا مرکز تھے۔ ہمیں تو توقع تھی کہ آپ اپنی  
صلاحیتوں کے سبب اپنے آباء و اجداد اور پوری قوم کا نام روشن کریں گے، مگر آپ نے یہ کیا کیا؟ آپ نے تو  
اپنے باپ دادا کے دین اور ان کے طور طریقوں پر ہی تنقید شروع کر دی۔ آپ کی ان باتوں سے تو پوری قوم کی  
امیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔

﴿أَتَنْهَلْنَاهُ أَنْ نَعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّآ لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ﴾ ”کیا آپ  
ہمیں روک رہے ہیں ان کو پوجنے سے جن کو ہمارے آباء و اجداد پوجتے تھے؟ اور یقیناً جس چیز کی طرف  
آپ ہمیں بلا رہے ہیں اس کے بارے میں ہمیں بہت شکوک و شبہات ہیں۔“  
آپ کی اس دعوتِ توحید کے بارے میں ہمیں سخت شبہ ہے جس نے ہمیں خلیجان میں ڈال دیا ہے۔ ہمارا  
دل آپ کی اس دعوت پر مطمئن نہیں ہے۔

آیت ۶۳ ﴿قَالَ يَقَوْمِ اِرْءَا يَتَمِرُ اِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّنْ رَبِّي﴾ ”صالحؑ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو!  
ذرا سوچو تو سہی! اگر میں (پہلے سے ہی) اپنے رب کی طرف سے بیّنہ پر تھا“

حضرت صالح علیہ السلام نے بھی وہی بات کہی کہ دیکھو میری گزشتہ زندگی تمہارے سامنے ہے۔ میرا کردار اور میرا اخلاق گواہ ہے کہ میں اس سے پہلے تمہارے معاشرے کا ایک صالح کردار اور سلیم الفطرت انسان تھا۔  
 ﴿وَاتْلُوْنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً﴾ ”اور اللہ نے مجھے اپنے پاس سے خاص رحمت بھی عطا کر دی“  
 اور اب میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی بھی آگئی ہے، اللہ نے اپنی رحمت خاص سے مجھے نبوت سے بھی سرفراز فرما دیا ہے۔

﴿فَمَنْ يَنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصٰیْتُہٗ فَمَا تَزِدُّوْنِیْ غٰیْرَ تَخْسِیْرٍ﴾ ”تو اب اگر میں اُس کی نافرمانی کروں تو مجھے اللہ (کی پکڑ) سے کون بچائے گا؟ تم تو اضافہ نہیں کرو گے میرے لیے مگر خسارہ ہی میں!“

یعنی اگر میں اپنی فطرتِ سلیم اور وحی الہی کی راہنمائی کے باوجود اس دعوتِ حق کو چھوڑ کر تمہیں خوش کرنے کے لیے گمراہی کا طریقہ اختیار کر لوں تو مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کون بچائے گا؟ تمہاری اس طرح کی باتوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ تم لوگ میری تباہی کے درپے ہو۔

آیت ۶۲ ﴿وَلَقٰیہُمْ ہٰذِہٖ نَاقَۃٌ مِنَ اللّٰهِ لَکُمْ اٰیۃٌ فَذَرُوْہَا تَاْکُلْہِ فِیْ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ ”اور (دیکھو) میری قوم کے لوگو! یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے ایک نشانی ہے، اسے چھوڑے رکھو کہ یہ چرتی پھرے اللہ کی زمین میں“  
 ﴿وَلَا تَمْسُوْہَا بِسُوْءٍ فَاِخْذُوْکُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ﴾ ”اور (دیکھنا) کسی برے ارادے سے اسے ہاتھ نہ لگانا، ورنہ تمہیں آپکڑے گا ایک قریبی عذاب۔“

وہ عذاب اب دور نہیں ہے اور اسے آتے کچھ دیر نہ لگے گی۔

آیت ۶۵ ﴿فَعَقَرُوْہَا﴾ ”تو انہوں نے اس کی کوئیں کاٹ ڈالیں“

انہوں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کر کے اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔

﴿فَقَالَا تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِکُمْ ثَلَاثَ اَیَّامٍ ۚ ذٰلِکَ وَعْدٌ غٰیْرُ مَکْذُوْبٍ﴾ ”تو صالحؑ نے فرمایا: اب تم اپنے گھروں میں تین دن تک رہ بس لو۔ یہ وہ وعدہ ہے جو جھوٹا ثابت نہیں ہوگا۔“

آیت ۶۶ ﴿فَلَمَّا جَآءَ اٰمُوْنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا ۙ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُۥ بِرَحْمَۃٍ مِّنَّا﴾ ”تو جب ہمارا فیصلہ آ گیا تو ہم نے نجات دی صالحؑ کو اور ان کو جو آپ کے ساتھ ایمان لائے تھے، اپنی رحمت سے“

﴿وَمِنْ خِزٰی یَّوْمَئِذٍ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ﴾ ”اور اُس دن کی رسوائی سے (انہیں بچا لیا)۔ یقیناً آپ کا پروردگار بہت طاقتور، زبردست ہے۔“

آیت ۶۷ ﴿وَآخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا الصَّیْحَۃَ فَاصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِہُمْ جَثِیْمِیْنَ﴾ ”اور ان ظالموں کو پکڑ لیا ایک چنگھاڑ نے تو وہ اپنے گھروں کے اندر اوندھے پڑے رہ گئے۔“

آیت ۶۸ ﴿كَانَ لَّمْ یَعْنُوْا فِیْہَا﴾ ”گویا وہ کبھی ان میں بسے ہی نہیں تھے۔“

﴿الَا إِنَّ كُفُودًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۚ أَلَا بَعْدَ لُتْمُودَ﴾ ﴿١٨﴾ ”آگاہ ہو جاؤ یقیناً ثمود نے اپنے رب کا کفر کیا۔ آگاہ ہو جاؤ پھر کافر رہے ثمود پر!“

## آیات ۶۹ تا ۸۳

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَى قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيدٍ ۖ فَلَمَّا رَأَىٰ عِيْدَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكَرَهُمْ وَأَوَّجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَىٰ قَوْمِ لُوطٍ ۖ وَأَمْرُهُمْ قَائِمَةٌ فَضَحَكْتُ فَبَشِّرْنَاهَا بِاسْحَاقَ ۖ وَمِنْ وَرَاءِ اسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۚ قَالَتْ يَوْنِكُنَىٰ ءَالِدٌ وَأَنَا عَجُوزٌ ۖ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخًا ۖ إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۚ قَالُوا اتَّبِعِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَجِيدٌ ۚ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُبَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۖ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَكَلِيمٌ ۚ وَأَوَاهُ مُنِيبٌ ۚ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَاللَّهُمَّ اتِّبِعْهُمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ۖ وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيقَ إِلَيْهِمْ وَصَاقٍ بِهِمْ دُرْعًا وَقَالَ هَذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ۖ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۖ قَالَ يَقَوْمِ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تَخْزُونِ فِي ضَعِيفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ۖ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ ۖ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۖ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ إِيَّايَ إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ۖ قَالُوا لَوْلَا نُفُوذُ رِسَالِ رَبِّكَ لَنَاصَرْنَا إِيَّاكَ وَكُنَّا صَادِقِينَ ۖ فَاسْرِ بِأَهْلِكَ يَقْطَعُ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ إِلَّا أَمْرًا تَكُنُ إِلَيْهِ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۖ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۖ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۖ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا ۖ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِنْ سِجِّيلٍ ۖ مَنْضُودٍ ۖ مُسَوَّمَةٍ ۖ عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۚ

اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آ رہا ہے، مگر آپ کا ذکر انباء الرسل کے طور پر نہیں بلکہ بالکل مختلف انداز میں ہے۔ یہاں رسولوں کے ذکر میں ایک خوبصورت تقسیم کو مد نظر رکھیں، کہ اس سورت میں پہلے تین رسول جن کا زمانہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کا ہے (حضرت نوح، حضرت ہود اور حضرت صالح علیہم السلام) ان کا ذکر کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر مختصراً قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے، اور آپ کے ذکر کے بعد پھر تین رسولوں کا تذکرہ ہے جو آپ ہی کی نسل میں سے تھے بلکہ ان میں سے حضرت لوط علیہ السلام تو آپ کے بھتیجے اور

ہم عصر بھی تھے۔ یہاں پر حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر انباء الرسل کے انداز میں آیا ہے اور اسی کے ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب بھیجنے کا فیصلہ ہوا تو عذاب کے فرشتے براہ راست حضرت لوط علیہ السلام کے پاس جانے کے بجائے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس گئے اور وہاں نہ صرف قوم لوط پر عذاب کے بارے میں اُن کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ ہوا بلکہ فرشتوں نے حضرت سارہ کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری بھی دی۔

یاد رہے کہ سورۃ الاعراف میں بھی جب ان چھ رسولوں کا تذکرہ انباء الرسل کے انداز میں ہوا تو وہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا گیا اور جب سورۃ الانعام (جو سورۃ الاعراف کی جڑواں سورت ہے) میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ آیا تو انباء الرسل کے انداز میں نہیں بلکہ قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قرآن حکیم میں اس طرح کہیں بھی نہیں آیا کہ آپ کو اپنی قوم کی طرف مبعوث کیا گیا ہو آپ نے اپنی قوم کو دعوت توحید دی ہو قوم اس دعوت سے منکر ہوئی ہو اور پھر اس پر عذاب بھیج دیا گیا ہو۔

**آیت ۶۹** ﴿وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا﴾ ”اور ابراہیم کے پاس ہمارے فرستادے بشارت لے کر آئے۔ انہوں نے کہا: سلام!“

﴿قَالَ سَلَامٌ فَلَمَّا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِئِدَ﴾ ”ابراہیم نے بھی (جواب میں) سلام کہا، پھر کچھ دیر نہ گزری کہ آپ لے آئے ایک بچھڑا بھنا ہوا۔“

مہمانوں کی آمد کے فوراً بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی ضیافت کے لیے ایک بچھڑا ذبح کیا اور اسے بھون کر ان کے سامنے پیش کر دیا۔

**آیت ۷۰** ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُمُ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ﴾ ”پھر جب آپ نے دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھ رہے ہیں“

﴿نَكِرَهُمْ وَأَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيفَةً﴾ ”تو آپ نے ان میں اجنبیت پائی اور ان کی طرف سے ایک خوف محسوس کیا۔“

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محسوس کیا کہ رسمی اصرار کے باوجود بھی مہمان کسی طور کھانے کی دعوت قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہو رہے تو اب آپ بجا طور پر کھٹکے کہ یہ پراسرار لوگ کون ہیں اور یہاں کس ارادے سے آئے ہیں؟ اُس زمانے میں یہ رواج بھی تھا کہ اگر کوئی شخص دشمنی کی غرض سے کسی کے پاس جاتا تو اس کے ہاں کا کھانا نہیں کھاتا تھا۔ اسی لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی طرف سے خدشہ محسوس ہوا۔ جب انہوں نے آپ کا یہ خوف محسوس کیا تو:

﴿قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ لُّوطِي﴾ ”انہوں نے کہا: آپ ڈریے نہیں اصل میں تو ہم بھیجے گئے ہیں قوم لوط کی طرف۔“

یعنی ہم فرشتے ہیں اور ہمیں قوم لوط کی طرف عذاب کی غرض سے بھیجا گیا ہے۔

**آیت ۱** ﴿وَأَمْرَاتُهُ قَانَمَةٌ فَصَحَّحْتُ﴾ ”اور آپ کی بیوی (کہیں قریب) کھڑی تھی تو وہ ہنس پڑی“  
حضرت سارہ قریب ہی کہیں پردے کے پیچھے کھڑی یہ ساری باتیں سن رہی تھیں تو آپ شاید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت پر ہنس پڑیں کہ میرے شوہر فرشتوں سے خوف زدہ ہو گئے تھے۔  
﴿فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ ۝۴﴾ ”تو ہم نے اسے بشارت دی اسحاق کی اور اسحاق کے بعد یعقوب کی۔“

یعنی فرشتوں نے حضرت سارہ کو حضرت اسحاق کی ولادت کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی حضرت یعقوب یعنی پوتے کی بھی۔ اس وقت حضرت ہاجرہ کے ہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہو چکی تھی۔ حضرت سارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی بیوی تھیں جبکہ حضرت ہاجرہ کو آپ کی خدمت میں بادشاہ مصر نے پیش کیا تھا۔ یہودیوں کے ہاں حضرت ہاجرہ کو کنیز سمجھا جاتا ہے، حالانکہ آپ مصر کے شاہی خاندان کی خاتون تھیں۔ آپ کے ہاں حضرت اسماعیل کی ولادت ہوئی تو حضرت ابراہیم ان دونوں (ماں اور بیٹے) کو اللہ کے حکم سے جہاز میں اس جگہ چھوڑ آئے جہاں بعد میں بیت اللہ تعمیر ہونا تھا۔ بہر حال حضرت سارہ کے ہاں اس وقت تک کوئی اولاد نہیں تھی۔ چنانچہ فرشتوں نے آپ کو بیٹے کی اور پھر اس بیٹے کے بیٹے کی ولادت کی بشارت دی۔

**آیت ۲** ﴿قَالَتْ يُونُثَىٰ ۚ اِلٰدُ وَاَنَا عَجُوزٌ وَهٰذَا بَعْلِي شَيْخًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ ۝۴﴾ ”اُس نے کہا: ہائے میری شامت! کیا اب میں بچہ جنوں گی جبکہ میں نہایت بوڑھی ہو چکی ہوں اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں! یہ تو بہت عجیب بات ہے۔“

**آیت ۳** ﴿قَالُوا اتَعْجَبِينَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ ”فرشتوں نے کہا: کیا آپ تعجب کرتی ہیں اللہ کے فیصلے پر؟“  
یعنی یہ تو اللہ کا فیصلہ ہے اور ہم اللہ کی طرف سے آپ کو خوشخبری دے رہے ہیں۔  
﴿رَحِمْتُ اللّٰهَ وَبَرَكَتُهُ عَلَيْنَكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ۝﴾ ”اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں تم پر اے نبی کے گھر والو!“

اس آیت میں ”اہل بیت“ کا مفہوم بہت واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ یہاں پر اس کا مصداق حضرت سارہ کے علاوہ کوئی اور نہیں لہذا یہاں لازمی طور پر آپ ہی اہل بیت ہیں۔ چنانچہ محمد رسول اللہ ﷺ کے معاملے میں بھی اہل بیت رسول ﷺ آپ کی ازواج مطہرات ﷺ ہی ہیں۔ اور آپ ﷺ کا فرمان جو حضرت فاطمہ، حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں ہے: ((اٰلِہٖمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِیْ))<sup>(۱)</sup> تو یہ گویا آپ ﷺ نے اپنے اہل بیت کے دائرے کو وسعت دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ بھی میرے اہل بیت میں شامل ہیں۔  
﴿اِنَّہٗ حَمِیدٌ مَّجِیدٌ ۝۵﴾ ”یقیناً اللہ لائقِ حمد اور بزرگی والا ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے اور وہ بہت عظمتوں والا ہے۔

**آیت ۷۴** ﴿فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَ تَهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ﴾  
 ”پھر جب ابراہیمؑ کا خوف جاتا رہا اور یہ بشارت بھی پہنچ گئی، تو آپؑ نے جھگڑنا شروع کر دیا ہم سے قوم لوط کے بارے میں۔“

حضرت ابراہیمؑ کا یہ مجادلہ تورات میں بڑی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں سے کہا کہ اگر ان بستیوں میں پچاس آدمی بھی راست باز ہوئے تو کیا پھر بھی ان کو ہلاک کر دیا جائے گا؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ نہیں، پھر انہیں ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے چالیس آدمیوں کا پوچھا، تو انہوں نے کہا کہ پھر بھی ان کو تباہ نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ اس طرح بات ہوتے ہوتے پانچ آدمیوں پر آ گئی۔ اس پر حضرت ابراہیمؑ کو بتایا گیا کہ آپؑ اس بحث کو چھوڑ دیں۔ اب تو آپؑ کے رب کا فیصلہ آچکا ہے، کیونکہ ان بستیوں میں خود حضرت لوطؑ اور ان کی دو بیٹیوں کے علاوہ کوئی ایک تنفس بھی راست باز نہیں ہے۔

**آیت ۷۵** ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنتَبِعٌ﴾  
 ”یقیناً ابراہیمؑ بہت ہی بردبار، نرم دل اور اللہ کی جناب میں رجوع کرنے والے تھے۔“

یہاں حضرت ابراہیمؑ کی یہ تین صفات ایک ساتھ جمع فرما کر آپؑ کی بہت قدر افزائی بھی فرمائی گئی ہے اور آپؑ کے مجادلہ کرنے کی وجہ بھی بیان فرمادی گئی ہے کہ چونکہ آپؑ بہت حلیم الطبع اور دل کے نرم تھے اسی وجہ سے آپؑ نے آخری حد تک کوشش کی کہ عذاب کے ٹلنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ اسی طرح محمد رسول اللہ ﷺ کی طبیعت مبارک میں بھی خصوصی نرمی تھی اور حضرت ابو بکر صدیقؓ کو بھی اللہ نے طبیعت کی خاص نرمی عطا کر رکھی تھی۔

**آیت ۷۶** ﴿يَا إِبْرَاهِيمُ اَعْرِضْ عَنْ هَذَا إِنَّهُ قَدْ جَاءَ أَمْرُ رَبِّكَ﴾  
 ”اے ابراہیمؑ چھوڑیے اس معاملے کو اب تو آپؑ کے رب کا فیصلہ آچکا ہے۔“  
 ﴿وَأَنهٖمْ إِنهٖمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَزْدُودٍ﴾  
 ”اور ان پر وہ عذاب آکر ہی رہے گا جسے لوٹایا نہیں جاسکے گا۔“

**آیت ۷۷** ﴿وَلَمَّا جَاءَ ثَ رُسُلُنَا لُوطًا سِئَآ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا﴾  
 ”اور جب آئے ہمارے فرستادے لوط کے پاس تو آپؑ ان کی وجہ سے بڑے غمگین ہوئے، اور آپؑ کا دل بہت تنگ ہوا۔“  
 ﴿وَقَالَ هَٰذَا يَوْمُ عَصِيبٍ﴾  
 ”اور آپؑ کہنے لگے کہ آج تو بہت سختی کا دن ہے۔“  
 چونکہ ان بستیوں کے لوگوں میں آمد پرستی عام تھی لہذا ان کی آخری آزمائش کے لیے فرشتوں کو ان کے پاس نوجوان خوبصورت لڑکوں کے روپ میں بھیجا گیا تھا۔ حضرت لوطؑ ان خوبصورت مہمان لڑکوں کو دیکھ کر



اسی لیے پریشان ہوئے کہ اب وہ اپنے ان مہمانوں کا دفاع کیسے کریں گے۔ اس لیے کہ آپؐ جانتے تھے کہ ان کی قوم کے لوگ کسی اپیل یا دلیل سے باز آنے والے نہیں تھے اور آپؐ اکیلے زبردستی انہیں روک نہیں سکتے تھے۔

**آیت ۷۸** ﴿وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ﴾ ”اور آئے آپؐ کی قوم کے لوگ دیوانہ وار دوڑتے ہوئے آپؐ (کے گھر) کی طرف، اور وہ پہلے سے ہی گندے کاموں میں ملوث تھے۔“

﴿قَالَ يَقُومُ هَؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطَهَرُ لَكُمْ﴾ ”لوٹنے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! یہ میری بیٹیاں (موجود) ہیں وہ تمہارے لیے زیادہ پاکیزہ ہیں“

مفسرین نے اس کے ایک معنی تو یہ مراد لیے ہیں کہ تمہارے گھروں میں تمہاری بیویاں موجود ہیں جو میری بیٹیوں ہی کی مانند ہیں، کیونکہ نبیؐ اپنی پوری قوم کے لیے باپ کی طرح ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ الاحزاب آیت ۶ میں حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَكَأَزْوَاجَهُمْ أَطَهَرُ﴾ کہ آپؐ کی تمام ازواج مطہرات ﷺ مومنین کی مائیں ہیں۔ اس کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی بیٹیوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں، ان سے جائز اور پاکیزہ طریقے سے نکاح کر لو، میں اس کے لیے تیار ہوں، لیکن میرے ان مہمانوں کے بارے میں مجھے رسوا نہ کرو۔

﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ وَشِيدٌ﴾ ”تو اللہ کا خوف کرو اور مجھے میرے مہمانوں کے معاملہ میں رسوا نہ کرو۔ کیا تم میں کوئی ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں ہے؟“

کیا تم لوگوں میں کوئی ایک بھی شریف النفس انسان نہیں ہے جو میرا ساتھ دے اور ان سب لوگوں کو بد اخلاقی اور بے حیائی سے روکے۔

**آیت ۷۹** ﴿قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكُمْ مِنْ حَقٍّ وَرَأَيْتُمُ مَا تُرِيدُونَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ تمہاری ان بیٹیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں ہے، اور تم خوب جانتے ہو جو ہم چاہتے ہیں۔“

قوم کے لوگوں نے کہا کہ اب آپؐ ادھر ادھر کی باتیں مت کیجیے، آپؐ خوب سمجھتے ہیں کہ ہمارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے۔

**آیت ۸۰** ﴿قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةٌ أَوْ آوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ﴾ ”لوٹنے نے کہا: کاش میرے پاس تمہارے مقابلہ کے لیے کوئی طاقت ہوتی یا کوئی مضبوط سہارا ہوتا جس کی میں پناہ لے لیتا۔“

اس ضمن میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((يَرْحَمُ اللَّهُ لَوْ طَا لَقَدْ كَانَ يَأْوِي إِلَى رُكْنٍ شَدِيدٍ))<sup>(۱)</sup> ”اللہ رحم فرمائے لوٹ پر، وہ ایک مضبوط قلعہ میں ہی تو تھے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی پشت پناہی اور حفاظت تو حضرت لوط علیہ السلام کو حاصل تھی۔ لیکن اس وقت جو صورت حال بن گئی تھی اس میں بر بناے طبع بشری پریشانی اور خوف کا

(۱) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قوله عز وجل ونبتهم عن ضیف ابراهیم۔ وصحیح مسلم،

طاری ہو جانا نبوت کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی وقتی طور پر جادو گروں کے سانپوں سے ڈر گئے تھے۔

**آیت ۸۱** ﴿قَالُوا يَلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصْلُوَا۟ اِلَيْكَ﴾ ”فرشتوں نے کہا: اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں یہ لوگ آپ تک نہیں پہنچ پائیں گے“  
فرشتوں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے آپ کو تسلی دی کہ آپ اطمینان رکھیں یہ لوگ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچا سکیں گے۔ پھر فرشتے نے اپنا ہاتھ بلایا تو وہ سب نابکار اندھے ہو گئے۔

﴿فَاسْرِۤ بِاهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ اَحَدٌ﴾ ”پس آپ رات کے (اس بقیہ) حصے میں اپنے گھر والوں کو لے کر نکل جائیں اور کوئی بھی آپ میں سے پیچھے مڑ کر نہ دیکھے“  
یعنی یہاں سے جاتے ہوئے آپ لوگوں کو پیچھے رہ جانے والوں کی طرف کسی قسم کی کوئی توجہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

﴿اِلَّا اَمْرًا تَا۟تٰكَ اِنَّهُۥ مُصِیۡبُہُمَاۤ مَاۤ اَصَابَهُمُ﴾ ”سوائے آپ کی بیوی کے اس پر بھی وہی مصیبت آئے گی جو سب پر آنے والی ہے۔“

یعنی جب آپ اپنے گھر والوں کو لے کر یہاں سے نکلیں گے تو اپنی بیوی کو ساتھ لے کر نہیں جائیں گے۔ آپ کی اس بیوی کا ذکر سورۃ التحریم میں حضرت نوح علیہ السلام کی مشرک بیوی کے ساتھ اس طرح ہوا ہے: ﴿صَوَّبَ اللّٰهُ مَثَلًاۢ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا اَمْرًا۟ تُوۡحِ وَاَمْرًا۟ تُوۡحِ ۚ کَانَتَا تَحْتَ عِبۡدَیۡنَا۟ صَالِحِیۡنَ فَاَخَانَتْهُمَا۟ فَلَمَّۤ یُغْنِیَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَیۡئًا وَقِیۡلَۙ اَدْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِیۡنَ﴾ ”اللہ کافروں کے لیے مثال بیان کرتا ہے نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی۔ وہ دونوں عورتیں ہمارے دو برگزیدہ بندوں کے تحت تھیں لیکن انہوں نے اپنے شوہروں سے خیانت کی چنانچہ ان کے شوہر انہیں اللہ کے عذاب سے بچا نہیں سکے۔ اور (ان دونوں عورتوں سے) کہہ دیا گیا کہ تم بھی (جہنم میں) داخل ہونے والوں کے ساتھ جہنم میں داخل ہو جاؤ۔“

﴿اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اَلَیۡسَ الصُّبْحُ بِقَرِیۡبٍ﴾ ”ان کے وعدے کا وقت صبح کا ہے کیا صبح قریب نہیں ہے!“

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ اب آپ لوگوں کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ آپ فوری طور پر اپنی بچیوں کو لے کر یہاں سے نکل جائیں صبح ہوتے ہی ان بستیوں پر عذاب آجائے گا۔ اور صبح ہونے میں اب دیر ہی کتنی ہے!

**آیت ۸۲** ﴿فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَلَیۡہَا سَافِلَہَا﴾ ”پھر جب ہمارا حکم آپ پہنچا تو ہم نے اس کے اوپر (کے حصے) کو نیچا کر دیا“

یعنی ان بستیوں کو تپت کر دیا گیا۔ جب عمارتیں تباہ ہوتی ہیں تو چھت زمیں بوس ہو جاتی ہے اور دیواریں اس کے اوپر گرتی ہیں بنیادیں بھی اوپر آ جاتی ہیں۔

﴿وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنصُودٍ﴾ (مزید) ہم نے ان پر بارش برساتی تہہ بر تہہ کنکریوں کی۔“

سِجِّیل اصل میں فارسی لفظ ہے۔ فارسی میں یہ ”سنگ گِل“ تھا جو عربی میں آکر سِجِّیل کا تلفظ اختیار کر گیا۔ سنگ کے معنی پتھر اور گل کے معنی مٹی کے ہیں۔ یعنی مٹی کے پتھر جو گیلی مٹی کے دھوپ میں گرم ہو کر پختہ ہو جانے کے بعد بنتے ہیں جیسے اینٹوں کو بھٹے میں پکایا جاتا ہے۔ ان بستیوں پر عذاب دد صورتوں میں آیا ایک زمین کے اندر کوئی زردار دھماکہ ہوا جس کے نتیجے میں زبردست زلزلہ آیا اور یہ بستیاں الٹ پلٹ ہو گئیں۔ پھر اوپر سے کنکریوں کی بارش ہوئی اور اس طرح انہیں ان پتھروں کے اندر دفن کر دیا گیا۔

آیت ۸۳ ﴿مُسَوَّمَةٌ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ ”وہ نشان زدہ تھے تمہارے رب کی طرف سے۔“  
یعنی ہر پتھر ایک آدمی کے لیے نشان زدہ اور مخصوص تھا۔

﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ﴾ (اور یہ ان ظالموں سے کوئی زیادہ دور نہیں۔“  
یعنی مشرکین مکہ سے قوم لوط کی یہ بستیاں زیادہ دور نہیں ہیں۔ قریش کے قافلے جب فلسطین کی طرف جاتے تھے تو پہلے قوم ثمود اور قوم مدین کے علاقے سے گزرتے تھے پھر قوم لوط کی بستیوں کے آثار بھی اُن کے راستے میں آتے تھے۔

## آیات ۸۲ تا ۹۵

وَالِی مَدَیْنٍ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۖ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنَ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا  
الْمَلَائِكَةَ وَالْبِیْزَانَ ۚ إِنَّیْٓ أَرٰكُم مَّخِیْرًا ۚ وَإِنِّیْٓ أَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ۖ وَیَقُوْمُ  
أَوْفُوا الْمَلَائِكَةَ وَالْبِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ وَلَا تَبْخُسُوا النَّاسَ أَشْیَاءَهُمْ وَلَا تَعْتُوا فِی الْأَرْضِ  
مُفْسِدِیْنَ ۖ یَقِیْتُ اللَّهُ خَیْرًا لَّكُمْ ۚ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۚ وَمَا أَنَا عَلَیْكُمْ بِمُحَفِیْظٍ ۖ قَالُوا  
یٰشُعَیْبُ أَصْلُوكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرَكَ مَا یَعْبُدُ آبَاؤُنَا أَوْ أَنْ نَفْعَلَ فِیْ أَمْوَالِنَا مَا نَشَآءُ  
إِنَّكَ لَأَنْتَ الْحَكِیْمُ الرَّشِیْدُ ۖ قَالَ یَقُوْمُ أَرَعِیْتُمْ أَنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَیْتَةٍ مِّن رَّبِّیْ وَرَزَقْنِیْ  
مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۖ وَمَا أُرِیْدُ أَنْ أُخَالِفَكُمْ إِلَىٰ مَا أَنْهَیْكُمْ عَنْهُ ۖ إِن أُرِیْدُ إِلَّا الصَّلَاحَ ۚ مَا  
اسْتَطَعْتُ ۖ وَمَا تَوْفِیْقِیْ إِلَّا بِاللَّهِ ۖ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَیْهِ أُنِیْبُ ۖ وَیَقُوْمُ لَا یَجِزِمَنَّكُمْ  
شِقَاقِیْ أَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّنْهُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَالِحٍ ۖ وَمَا قَوْمُ  
لُوطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ۖ وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَیْهِ ۖ إِنَّ رَبِّیْ رَحِیْمٌ وَدُوْدٌ ۖ قَالُوا  
یٰشُعَیْبُ مَا نَفَقَهُ كَثِیْرًا فَمَا تَقُوْلُ ۖ وَآتَا لَّنَا لَرَبِّكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۖ وَكُلًّا رَهْطًا ۚ

لَرَجَمَنَّكَ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بِعِزِّينٍ ۝ قَالَ يَقَوْمِ اأَرْهَضِي أَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ ۖ وَاتَّخِذُوا نُمُودًا ۖ وَرَأَوْكُمْ ظَاهِرًا لِنَا ۖ إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ وَيَقَوْمِ ااعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ سَوْفَ تَعْلَمُونَ ۚ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۖ وَارْتَقِبُوا إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا ۖ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا ۖ وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جُثِينَ ۖ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۖ أَلَا بُعْدًا لِّلْمَذِينِ ۚ كَمَا بَعَدَتْ لُؤُودٌ ۚ

**آیت ۸۴** ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ ”اور مدین کی طرف (ہم نے بھیجا) ان کے بھائی شعیب کو۔“ اس قوم کے بارے میں ہم سورۃ الاعراف کے مطالعہ کے دوران پڑھ چکے ہیں کہ یہ لوگ بنی قنوطہ میں سے تھے اور خلیج عقبہ کے داہنی (مشرقی) طرف کے علاقہ میں آباد تھے۔ اس علاقہ میں یہ لوگ ایک بڑی مضبوط قوم بن کر ابھرے تھے۔ یہ علاقہ اُس وقت کی دو بہت اہم بین الاقوامی شاہراہوں کے مقام التقاط (intersection) پر واقع تھا۔ ایک شاہراہ شمالاً جنوباً تھی جو شام سے یمن جاتی تھی اور دوسری شرقاً غرباً تھی جو عراق سے مصر کو جاتی تھی۔ چنانچہ تمام تجارتی قافلے یہیں سے گزرتے تھے جس کی وجہ سے یہ علاقہ اس زمانے کا بہت بڑا تجارتی مرکز بن گیا تھا۔ نتیجتاً یہاں کے لوگ بہت خوشحال ہو گئے تھے، مگر ساتھ ہی ناپ تول میں کمی اور راہزنی جیسے قبیح جرائم میں بھی ملوث تھے۔

﴿قَالَ يَقَوْمِ ااعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنَ اللَّهِ غَيْرُهُ﴾ ”آپ نے کہا: اے میری قوم کے لوگو! اللہ کی بندگی کرو، تمہارا کوئی معبود نہیں اُس کے سوا۔“

﴿وَلَا تَنقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ﴾ ”اور نہ کم کرو ماپ اور تول کو“  
﴿إِنِّي أَرَاكُمْ بِخَيْرٍ وَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُحِيطٍ﴾ ”میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں، لیکن (اگر تم لوگ ان غلط کاریوں سے باز نہ آئے تو) مجھے اندیشہ ہے تم پر ایک ایسے دن کے عذاب کا جو تمہیں گھیر لے گا۔“

**آیت ۸۵** ﴿وَلِيَقَوْمِ اأَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ ”اور اے میری قوم کے لوگو! پورا پورا دیا کرو پیمانہ اور تول، عدل اور انصاف کے ساتھ“

﴿وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تَعْنُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ﴾ ”اور مت کم دیا کرو لوگوں کو ان کی چیزیں اور نہ ہی زمین میں فساد مچاتے پھرو۔“

**آیت ۸۶** ﴿بَقِيتُ اللَّهُ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”اللہ کی عطا کردہ بچت ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم مومن ہو۔“

انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپ اور تولو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی کر کے ان کی حق تلفی نہ کیا کرو۔ اگر تم لوگ دیانتداری سے تجارت کرو اور اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں جو منافع عطا کریں، اسی پر قناعت کرو تو یہ تمہاری دنیا و آخرت کے لیے بہت بہتر ہوگا۔

﴿وَمَا أَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ ۝۸۷﴾ ”لیکن میں تمہارے اوپر کوئی نگران نہیں ہوں۔“

میں تو تمہیں سمجھا سکتا ہوں، نیکی کی تلقین کر سکتا ہوں، تم پر میرا کوئی زور نہیں ہے۔

**آیت ۸۷** ﴿قَالُوا يٰشُعَيْبُ أَصَلُّوكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَتْرُكَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا﴾ ”انہوں نے کہا: اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم چھوڑ دیں ان کو جن کو پوجتے آئے ہیں ہمارے آباء و اجداد؟“

اگرچہ حضرت شعیب علیہ السلام کی گفتگو میں ان کے شرک کا تذکرہ نہیں ہے، مگر ان کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ وہ بنیادی طور پر اس مرض شرک میں بھی مبتلا تھے جو تمام گمراہ قوموں کا مشترک مرض رہا ہے۔  
﴿أَوْ أَنْ تَفْعَلَ لِحَقِّ أَموَالِنَا مَا نَشَاءُ﴾ ”یا (تمہاری نماز یہ سکھاتی ہے کہ) ہم اپنے اموال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کریں؟“

یعنی ہماری ملکیت میں جو سامان اور مال ہے کیا ہم اس کے استعمال میں بھی اپنی مرضی نہیں کر سکتے؟ یہ وہی تصور ہے جو آج کے جدید زمانے میں sacred right of ownership کے خوبصورت الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے، جبکہ اسلام میں ملکیت کا ایسا تصور نہیں ہے۔ اسلام کی رو سے ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور دنیا کا یہ مال اور ساز و سامان انسانوں کے پاس اللہ کی امانت ہے، جس میں اللہ کی مرضی کے خلاف تصرف کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ لہذا اسلام ملکیت کے کسی ”مقدس حق“ کو تسلیم نہیں کرتا، کیونکہ:-

ایں امانت چند روزہ نزد ماست در حقیقت مالک ہر شے خداست

یعنی یہ مال و دولت ہمارے پاس چند دن کی امانت ہے، ورنہ حقیقت میں ہر شے کا مالک حقیقی تو اللہ ہی ہے۔ بہر حال جب انسان خود کو مالک سمجھتا ہے تو پھر وہ وہی کچھ کہتا ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے کہا تھا کہ ہمارا مال ہے، ہم جیسے چاہیں اس میں تصرف کریں!

﴿إِنَّكَ لَا تَتَّحِلُّهُمُ الرَّشِيدُ ۝۸۸﴾ ”ہاں ایک تم ہی تو ہو جو بڑے باوقار اور نیک چلن ہو!“

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو حلیم اور رشید کہنا کسی تعظیم اور تکریم کے لیے نہیں تھا، بلکہ طعن اور استہزاء کے طور پر تھا۔

**آیت ۸۸** ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اَرَأَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلَىٰ بَيْتَةٍ مِّنْ رَبِّي﴾ ”آپ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! ذرا سوچو کہ اگر میں (پہلے بھی) اپنے رب کی طرف سے پیغام پر تھا“

حضرت شعیب علیہ السلام نے وہی بات فرمائی جو دوسرے انبیاء و رسل اپنی اپنی قوم سے فرماتے آئے تھے کہ تمہارے درمیان رہتے ہوئے میرا کردار اور اخلاق پہلے بھی مثالی تھا، میں اس معاشرے میں ایک شریف النفس

اور سلیم الفطرت انسان کے طور پر معروف تھا۔

﴿وَرَزَقْنِي مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا﴾ ”اور اللہ نے اپنے پاس سے مجھے اچھا رزق بھی عطا کیا ہے“

یعنی پھر مجھے اللہ نے نبوت اور رسالت سے بھی سرفراز فرما دیا ہے۔

﴿وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَمْلِكَكُمْ إِلَيَّ مَا أَنْهَلَكُمْ عَنْهُ﴾ ”اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ جس چیز سے تم

لوگوں کو منع کروں خود وہی کام کروں۔“

﴿إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ﴾ ”میں تو کچھ نہیں چاہتا سوائے

اصلاح کے جس قدر مجھ میں استطاعت ہے اور میری توفیق تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔“

میرا مقصد تم لوگوں کی اصلاح ہے اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی میں کر رہا ہوں وہ اللہ کی توفیق ہی سے کر رہا

ہوں۔ اسی نے مجھے ہمت اور استقامت سے نوازا ہے۔

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ﴾ ”اُسی پر میں نے توکل کیا ہے اور اُسی کی طرف میں رجوع

کرتا ہوں۔“

**آیت ۸۹** ﴿وَلَقَوْمٌ لَا يَجْرِمُكُمْ شِقَاقِي أَنْ يُصَيِّبَكُمْ مَثَلُ مَا أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ

قَوْمَ صَالِحٍ﴾ ”اور اے میری قوم کے لوگو! (دیکھو) میری دشمنی تمہیں اس انجام تک نہ لے جائے کہ تم پر

بھی وہی عذاب آجائے جیسا کہ آیا تھا قوم نوح، قوم ہود یا قوم صالح پر۔“

﴿وَمَا قَوْمٌ لَوْطٍ مِنْكُمْ بَعِيدٌ﴾ ”اور قوم لوط تو تم سے زیادہ دُور بھی نہیں ہے۔“

حضرت شعیب علیہ السلام سے پہلے ان چار قوموں پر عذاب استیصال آچکا تھا۔ اور یہ جو فرمایا گیا کہ قوم لوط تم

سے ”بعید“ نہیں ہے یہ زمانی اور مکانی دونوں اعتبار سے ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے خلیج عقبہ کے مشرقی ساحل سے

متصل علاقے میں قوم مدین آباد تھی۔ اس علاقے سے ذرا ہٹ کر مشرق کی جانب بحیرہ مردار ہے جس کے ساحل

پر عامورہ اور سدوم کی وہ بستیاں تھیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام مبعوث ہوئے تھے۔ زمانی اعتبار سے بھی ان

دونوں اقوام میں ہزاروں سال کا نہیں بلکہ صرف چند سو سال کا بُعد تھا۔ بہر حال مجھے ان مفسرین سے اختلاف

ہے جو حضرت شعیب علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہم عصر سمجھتے ہیں۔ اس ضمن میں مجھے ان علماء کی رائے سے

اتفاق ہے جن کا خیال ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین میں جس شخص کے مہمان بنے تھے اور جن کی بیٹی کے ساتھ

بعد میں آپ نے نکاح کیا تھا وہ مدین کے اُن لوگوں کی نسل سے کوئی نیک بزرگ تھے جو حضرت شعیب علیہ السلام کے

ساتھ عذاب استیصال سے بچ گئے تھے۔

دوسرا ہم نکتہ اس آیت میں یہ بیان ہوا ہے کہ بعض اوقات کسی داعی کے ساتھ ذاتی عناد اور دشمنی کی بنیاد پر

کوئی شخص یا کوئی گروہ اس کی اصولی دعوت کو بھی ٹھکرا دیتا ہے۔ یہ انسانی رویے کا ایک بہت خطرناک پہلو ہے

کیونکہ اس میں اس داعی کا تو کوئی نقصان نہیں ہوتا مگر صرف ذاتی تعصب کی بنیاد پر اس کی دعوت کو ٹھکرانے

والے خود کو برباد کر لیتے ہیں۔

**آیت ۹۰** ﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾ ”اور استغفار کرو اپنے رب سے پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ یقیناً میرا رب رحیم بھی ہے، محبت فرمانے والا بھی۔“

اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو اور اُس کی طرف پلٹ آؤ۔ اُس کی عبادت اور اطاعت شعاری اختیار کرو تو تم اس کے دامنِ رحمت کو اپنے لیے وسیع پاؤ گے۔ وہ انتہائی رحم کرنے والا اور اپنی مخلوق سے محبت رکھنے والا ہے۔

**آیت ۹۱** ﴿قَالُوا يَلْعَنُ مَا نَفَقَهُ كَثِيرًا مِّمَّا تَقُولُ﴾ ”انہوں نے کہا: اے شعیب! تم جو کچھ کہتے ہو اس میں سے اکثر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔“

جب ذہنوں کے سانچے بگڑ جائیں اور سوچوں کے زاویے بدل جائیں تو پھر سیدھی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی۔  
﴿وَإِنَّا لَنَرَاكَ فِتْنًا ضَعِيفًا ۚ وَلَا رَهْطَكَ لَرَجْمِكَ ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْنَا بَعِزٌّ﴾ ”اور ہم تو دیکھتے ہیں تمہیں اپنے درمیان ایک کمزور آدمی۔ اور اگر تمہارا خاندان نہ ہوتا تو ہم تمہیں (کبھی کا) سنگسار کر چکے ہوتے، اور تم ہم پر غالب نہیں ہو۔“

یہاں پر ایک اہم نکتہ یہ سمجھ لیں کہ جس زمانے میں جو سورت نازل ہوئی ہے اس میں نبی اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پیش آنے والے معروضی حالات کے ساتھ تطابق پیدا کیا گیا ہے۔ یعنی گزشتہ اقوام کے واقعات جو مختلف سورتوں میں تواتر کے ساتھ بار بار آئے ہیں یہ تکرار محض نہیں ہے، بلکہ حضور ﷺ کی دعوت و تحریک کو جس دور میں جن مسائل کا سامنا ہوتا تھا اس خاص دور میں نازل ہونے والی سورتوں میں ان مسائل کی مناسبت سے پچھلی اقوام کے حالات و واقعات سے وہ باتیں نمایاں کی جاتی تھیں جن میں حضور ﷺ اور اہل ایمان کے لیے راہنمائی اور لہجائی کا سامان موجود ہوتا۔ چنانچہ آیت زیر نظر میں حضرت شعیب علیہ السلام کے خاندان اور قبیلے کی حمایت کی بات اس لیے ہوئی ہے کہ ادھر مکہ میں حضور ﷺ کو بھی کچھ ایسے ہی حالات کا سامنا تھا۔ اُس زمانے میں بنو ہاشم کے سردار آپ کے چچا ابوطالب تھے جنہیں حضور ﷺ سے بہت محبت تھی اور آپ نے اپنے بچپن کا کچھ عرصہ ان کے سایہ عاطفت میں گزارا تھا۔ انہی کی وجہ سے آپ کو پورے قبیلہ بنی ہاشم کی پشت پناہی حاصل تھی۔ اگر اُس وقت بنو ہاشم کی سرداری کہیں ابولہب کے پاس ہوتی تو آپ ﷺ کو اپنے خاندان اور قبیلہ کی یہ حمایت حاصل نہ ہوتی، اس طرح مشرکین مکہ کو آپ کے خلاف (معاذ اللہ) کوئی انتہائی اقدام کرنے کا موقع مل جاتا۔ لہذا یہاں حالات میں تطابق اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے آج مکہ میں بنو ہاشم کی حمایت سے محمد رسول اللہ ﷺ کو ایک محفوظ قلعہ مہیا فرمادیا ہے بالکل اسی نوعیت کی حفاظت اُس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو ان کے خاندان کی حمایت کی صورت میں بھی عطا فرمائی تھی۔

**آیت ۹۲** ﴿قَالَ يَقَوْمِ ارْهَطْنِي أَعُوْا عَلَيْنَا مِّنَ اللَّهِ﴾ ”آپ نے فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! کیا میرا خاندان تم پر اللہ سے زیادہ بھاری ہے؟“

حقیقت میں میرا پشت پناہ تو اللہ ہے۔ تم اللہ سے نہیں ڈرتے، لیکن میرے خاندان سے ڈرتے ہو۔ کیا تمہارے نزدیک میرا خاندان اللہ سے زیادہ طاقتور ہے؟

﴿وَاتَّخَذْتُمُوهُ زُرَّاءَ كُمْ ظَهْرِ يَأْتٍ﴾ ”اور اُس (اللہ) کو تو تم نے اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال رکھا ہے۔“

یعنی اللہ کو تو تم لوگوں نے بالکل ہی بھلا چھوڑا ہے، پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ انسانی نفسیات کا ایک اہم پہلو ہے۔ اگرچہ آج ہم بھی اللہ کو اپنا خالق، مالک اور معبود ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ساتھ ہی دنیا اور اس کے جھیلوں میں اس قدر لگن رہتے ہیں کہ اللہ کا تصور متحضر نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم کاروبار دنیا میں حقیقی مسبب الاسباب کو بھلا کر اسباب و حقائق (cause and fact) کی منطقی بھول جھیلوں میں گم رہتے ہیں۔

کافر کی یہ بچپان کہ آفاق میں گم ہے مومن کی یہ بچپان کہ گم اس میں ہیں آفاق! یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کا اپنے خاندان کے مقابلے میں اللہ کا ذکر کرنا یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ لوگ اللہ کو بخوبی جانتے تھے، اسی طرح مشرکین مکہ بھی اللہ کو مانتے تھے۔ گویا اللہ کا معاملہ ایسے لوگوں کے نزدیک آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والا ہوتا ہے۔ اسی لیے تو حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ تم لوگ میرے خاندان سے ڈرتے ہو مگر اللہ سے نہیں ڈرتے! حضرت شعیب علیہ السلام کے اس جواب میں قریش کے لیے یہ پیغام مضمر ہے کہ تمہیں بھی محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یہی جواب ہے۔

﴿إِنَّ رَبِّي بِمَا تَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ ”یقیناً میرا رب تو اُس سب کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔“

اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا گہرا دیکھے ہوئے ہے۔ تم اس کی گرفت سے نکل کر کہیں نہیں جاسکتے ہو۔

**آیت ۹۳** ﴿وَلَقَوْمٌ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ﴾ ”اور اے میری قوم کے لوگو! تم کرو جو کچھ کر سکتے ہو اپنی جگہ پر میں بھی کر رہا ہوں جو میں (اپنی جگہ پر) کر سکتا ہوں۔“

تم میرے خلاف جو بھی ریشہ دوانیاں کر سکتے ہو جو بھی چالیں چل سکتے ہو اور جو اقدامات بھی کر سکتے ہو، کر گزرو۔ اپنے طور پر جو کچھ میں کر سکتا ہوں، جو کوشش مجھ سے بن آ رہی ہے میں کر رہا ہوں۔ یہ چیلنج کرنے کا انداز سورۃ الانعام سے چلا آ رہا ہے۔ یہ گویا مکہ کے حالات کے ساتھ تطابق کیا جا رہا ہے۔ مکہ میں حق و باطل کی کشمکش بھی اب انتہا کو پہنچ چکی تھی اور اس کی وجہ سے آپ کی طبیعت کے اندر ایک طرح کی بیزاری پیدا ہو چکی تھی کہ اب جو کچھ تم کر سکتے ہو کر لو!

﴿سَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ﴾ ”عنقریب تم جان لو گے کہ کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر دے گا اور کون ہے جو جھوٹا ہے!“

﴿وَارْتَقِبْ إِنِّي مَعَكُمْ رَقِيبٌ﴾ ”تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔“

**آیت ۹۴** ﴿وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِنَّا﴾ ”پھر جب ہمارا حکم آ گیا تو



ہم نے اپنی رحمت سے نجات دے دی شعیبؑ کو اور اُن لوگوں کو جو آپؑ کے ساتھ ایمان لائے تھے“  
﴿وَأَخَذَتِ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جِثْمِينَ ۙ﴾ ”اور ظالموں کو آپکڑا  
ایک زبردست کڑک نے تو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔“  
**آیت ۹۵** ﴿كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا إِلَّا بَعْدًا لِّمَدِينٍ كَمَا يَبْعَدُ ثَمُودُ ۙ﴾ ”جیسے کہ وہ کبھی ان میں  
آباد ہی نہیں تھے۔ آگاہ ہو جاؤ پھر کارہے مدین پر جیسے کہ ثمود پر پھنکار ہوئی تھی۔“  
اہل مدین بھی اللہ تعالیٰ کی پھنکار کا نشانہ بن کر اُسی طرح ہلاک ہو گئے جیسے قوم ثمود ہلاک ہوئی تھی۔  
اب آخر پر بہت مختصر انداز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

### آیات ۹۶ تا ۹۹

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۙ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ  
فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۚ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ  
الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ ۖ وَأَتَّبَعُوا فِي هٰذِهِ لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۖ

**آیت ۹۶** ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۙ﴾ ”اور ہم نے بھیجا موسیٰؑ کو اپنی آیات اور  
واضح سند کے ساتھ۔“  
**آیت ۹۷** ﴿إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ۚ﴾ ”فرعون اور  
اُس کے سرداروں کی طرف، لیکن انہوں نے فرعون ہی کی پیروی کی۔ حالانکہ فرعون کا معاملہ راستی والا  
نہیں تھا۔“

**آیت ۹۸** ﴿يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ”قیامت کے دن وہ آگے آگے چلتا ہوا اپنی قوم کے“  
دنیا کی طرح قیامت کے دن بھی اسے قیادت کا موقع فراہم کیا جائے گا۔ وہ آگے آگے ہوگا اور اس کی قوم  
پیچھے پیچھے آ رہی ہوگی جیسے وہ لوگ دنیا میں اس کے پیچھے چلتے تھے۔  
﴿فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوَرْدُ الْمَوْرُودُ ۙ﴾ ”پھر وہ آگ کے گھاٹ پر انہیں اتار دے گا۔  
اور وہ بہت ہی برا گھاٹ ہے جس پر وہ اتارے جائیں گے۔“  
جس طرح جانوروں کا کوئی گروہ پانی پینے کے لیے گھاٹ پر آتا ہے اور اُن کا لیڈر آگے آگے جا رہا ہوتا ہے  
ایسے ہی فرعون اپنی قوم کو جہنم کے گھاٹ پر لا اتارے گا۔

**آیت ۹۹** ﴿وَأَتَّبَعُوا فِي هٰذِهِ لَعْنَةً ۖ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۖ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ۙ﴾ ”اور اِس دنیا میں بھی  
لعنت اُن کے پیچھے لگا دی گئی اور قیامت کے دن بھی۔ بہت ہی بُرا ہے وہ انعام جو اُن کو ملنے والا ہے۔“

## آیات ۱۰۰ تا ۱۰۹

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَالِمٌ وَحٰصِدٌ ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ فَمَا اَغْنٰتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَمَا زَادُوْهُمْ غَیْرَ تَتٰیْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَخَذَ رَبُّكَ اِذَا آخَذَ الْغُرٰى وَهٰی ظَالِمَةٌ ۙ اِنَّ اَخَذَہُ الْبَیْمَ شَدِیْدٌ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَآیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۙ ذٰلِكَ یَوْمُ تَجْمَعُوْا لَہٗ النَّاسُ وَذٰلِكَ یَوْمُ مَّشْہُوْدٍ ۝ وَمَا نُوَخِّرُہٗ اِلَّا لِآجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۙ یَوْمَ یَأْتِ لَا تَكَلُمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِہٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَسَعِیْدٌ ۝ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فِی النَّارِ لَہُمْ فِیْہَا زَفِیْرٌ وَشَہِیقٌ ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۚ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ۝ وَاَمَّا الَّذِیْنَ سَعِدُوْا فِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۙ عَطَآءٌ غَیْرِ جُنْدٍ ۙ وَفَلَآ تَکُ فِیْ وِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُوْا ۙ هٰؤُلَآءِ ۙ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا کَمَا یَعْبُدُ اٰبَاؤُہُمْ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّا لَبَوْقُوْہُمْ نَصِیْبُهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ۙ

**آیت ۱۰۰** ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَالِمٌ وَحٰصِدٌ﴾ ”یہ ہیں اُن بڑی بڑی بستیوں کی کچھ اہم خبریں جو ہم آپ کو سنارہے ہیں، ان میں ایسی بھی ہیں جو ابھی قائم ہیں اور ایسی بھی ہیں جو بالکل ختم ہو گئیں۔“

حَصِیْدٌ کا لفظ اس کھیت کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کی فصل کاٹ لی گئی ہو۔ فصل کے کٹنے کے بعد کھیت میں جو ویرانی کا منظر ہوتا ہے اس کے ساتھ عذابِ استیصال سے تباہ شدہ بستیوں کو تشبیہ دی گئی ہے۔ پھر ان بستیوں میں کچھ تو ایسی ہیں جن کا نام و نشان تک مٹ چکا ہے مگر بعض ایسی بھی ہیں جن کے آثار کو باقی رکھا گیا ہے۔ مثلاً قوم عاد کی آبادیوں کا کوئی نشان تک نہیں ملتا جس سے معلوم ہو سکے کہ یہ قوم کہاں آباد تھی (اگرچہ حال ہی میں سیٹلائٹ کے ذریعے ان کے شہر اور شداد کی جنت کے کچھ آثار زیر زمین ملنے کا دعویٰ سامنے آیا ہے)۔ دوسری طرف قوم ثمود کے مکانات کے کھنڈرات آج تک موجود ہیں۔

**آیت ۱۰۱** ﴿وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ﴾ ”اور ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنی جانوں پر خود ظلم ڈھایا“

﴿فَمَا اَغْنٰتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۙ﴾ ”تو اُن کے کچھ بھی کام نہ آ سکے ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے جب آپ کے رب

کا حکم آپہنچا۔“

﴿وَمَا زَادُوهُمْ غَيْرَ تَتْنِيبٍ﴾ اور انہوں نے کچھ اضافہ نہیں کیا اُن کے حق میں مگر بربادی ہی کا۔“

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب استیصال کا حکم آ گیا تو ان کے وہ معبود جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر پکارا کرتے تھے ان کے کچھ کام نہ آ سکے اور انہوں نے ان کی ہلاکت و بربادی کے سوا اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کیا۔  
**آیت ۱۰۲** ﴿وَكَذَلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ اور (اے نبی ﷺ!) ایسے ہی ہوتی ہے پکڑ آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو جبکہ وہ ظالم ہوتی ہیں۔“  
 جب کسی بستی میں گناہ اور معصیت کا چلن عام ہو جاتا ہے تو وہ گویا ”ظلم“ کی مرتکب ہو کر عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے۔

﴿إِنَّا أَخَذْنَا آلِیْمَ شَدِيدٌ﴾ ”یقیناً اُس کی پکڑ بڑی دردناک بھی ہے اور بڑی سخت بھی۔“  
 اللہ کی پکڑ کے بارے میں سورۃ البروج میں فرمایا گیا: ﴿إِنَّا نَبْطِشُ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ﴾ ”یقیناً تیرے رب کی پکڑ بہت سخت ہے۔“

**آیت ۱۰۳** ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ﴾ ”یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہوں۔“

﴿ذَلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ﴾ ”وہ ایک ایسا دن ہے جس میں لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور وہ دن ہے پیشی کا۔“

**آیت ۱۰۴** ﴿وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مُّعَدُّودٍ﴾ ”اور ہم اسے ایک وقتِ معین تک کے لیے مؤخر کیے ہوئے ہیں۔“

اُس کے آنے کی ایک گھڑی معین ہے جس کو باقاعدہ گن کر اور حساب لگا کر طے کیا گیا ہے۔  
**آیت ۱۰۵** ﴿يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلِّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَسَعِیْدٌ﴾ ”جب وہ دن آ جائے گا تو کوئی تنفس بات نہیں کر سکے گا مگر اللہ کے اذن سے تو ان (انسانوں) میں سے کچھ شقی ہوں گے اور کچھ سعید۔“  
 یعنی کچھ انسان بد بخت ہوں گے اور کچھ نیک بخت۔

**آیت ۱۰۶** ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فِی النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِیْرٌ وَشَهِیقٌ﴾ ”تو وہ لوگ جو بد بخت ہیں وہ آگ میں ہوں گے جس میں انہیں چیخنا ہے اور دھاڑنا ہے۔“

وہ لوگ درد اور کرب کی وجہ سے چیخ و پکار کریں گے اور پھنکارے ماریں گے۔  
**آیت ۱۰۷** ﴿خُلِدِیْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ﴾ ”اسی میں وہ ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ رہیں آسمان اور زمین سوائے اُس کے جو تیرا رب چاہے۔“

یہ مقام مشکلات القرآن میں سے ہے۔ یہ قرآن کا واحد مقام ہے جہاں ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ کے ساتھ کچھ استثناءات بھی آئے ہیں۔ جہنم اور جنت کب تک رہیں گی یا جہنمی اور جنتی لوگ ان میں کب تک رہیں گے؟ اس کے بارے میں فرمایا: ﴿مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ﴾ کہ جب تک آسمان وزمین قائم رہیں گے۔ اس سے مراد ابدیت بھی ہو سکتی ہے اور اس طرح کا کوئی اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ شاید کبھی کوئی ایسا وقت آئے جب زمین و آسمان کا وہ نظام بدل بھی جائے اور کوئی دوسرا نظام اس کی جگہ لے لے۔ واضح رہے کہ اس ”زمین و آسمان“ سے مراد بھی موجودہ زمین و آسمان نہیں ہو سکتے اس لیے کہ از روئے الفاظ قرآنی یہ تو قیامت کے روز بدل ڈالے جائیں گے اور یہاں قیامت کے بعد پیش آنے والے حالات و واقعات کا ذکر ہو رہا ہے۔ پھر اس میں بھی ایک استثناء بیان کیا گیا ہے: ﴿إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ط﴾ ”سوائے اس کے جو تیرا رب چاہے۔“ یعنی اگر اللہ تعالیٰ خود ہی کسی کے عذاب میں تخفیف کرنا چاہے یا کسی کو ایک مدت تک عذاب دے کر جہنم سے نکالنے کا فیصلہ فرمائے تو اسے اس کا پورا اختیار ہے۔ جزا و سزا کے بارے میں بھی اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار مطلق ہے، لیکن یہ بھی اللہ تعالیٰ کا طے شدہ فیصلہ ہے کہ کفار کے لیے جہنم ابدی ٹھکانہ ہے۔ واللہ اعلم!

﴿إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ ”بے شک آپ کا رب جو ارادہ کرے اسے کر گزرنے والا ہے۔“  
**آیت ۱۰۸** ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ سَعِدُوا فِی الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ط﴾ ”اور جو لوگ نیک بخت ہوں گے وہ جنت میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش جب تک رہیں آسمان اور زمین سوائے اس کے جو آپ کا رب چاہے۔“

﴿عَطَاءٌ غَيْرٌ مَّجْدُودٌ﴾ ”یہ ایسی بخشش ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔“  
 ان آیات میں جنت اور جہنم کا جو موازنہ کیا گیا ہے اس میں جنت کے لیے ﴿عَطَاءٌ غَيْرٌ مَّجْدُودٌ﴾ کے الفاظ اضافی طور پر استعمال کیے گئے ہیں۔ اس طرح کے لفظی فرق و تفاوت کا جب علماء و مفسرین باریک بینی سے جائزہ لیتے ہیں تو ان سے بڑے بڑے فلسفیانہ نکات پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ جنت اور جہنم کے بارے میں حافظ ابن تیمیہ اور شیخ ابن عربی دونوں نے ایک رائے پیش کی ہے جو اہل سنت کے عام اجماعی عقیدے سے مختلف ہے۔ ان دونوں بزرگوں کے درمیان اگرچہ بڑا نظریاتی بُعد ہے (امام ابن تیمیہ بعض اوقات شیخ محی الدین ابن عربی پر تنقید کرتے ہوئے بہت سخت الفاظ استعمال کرتے ہیں) مگر اس رائے میں دونوں کا اتفاق ہے کہ جنت تو ابدی ہے مگر جہنم ابدی نہیں ہے۔ ایک وقت آئے گا چاہے وہ ارب ہا سال کے بعد آئے جب جہنم ختم کر دی جائے گی۔ اس کے برعکس اہل سنت کا اجماعی عقیدہ یہی ہے کہ جنت اور جہنم دونوں ابدی ہیں۔ واللہ اعلم!

**آیت ۱۰۹** ﴿فَلَا تَكُ فِی مِرْیَةٍ مِّمَّا يَعْْبُدُ هَؤُلَاءِ﴾ ”پس (اے نبی ﷺ!) آپ کسی شک میں نہ رہیں ان کے بارے میں جن کی یہ لوگ پوجا کر رہے ہیں۔“

﴿مَا يَعْْبُدُونَ إِلَّا كَمَا يَعْْبُدُ آبَاؤُهُمْ مِنْ قَبْلُ﴾ ”یہ لوگ نہیں پوجا کر رہے ہیں مگر ایسے ہی جیسے کہ ان کے آباء و اجداد پوجا کرتے رہے ہیں اس سے پہلے۔“

یہ تو بس کبیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں۔

﴿وَأَنَّا لَمَوْفُوهُم نَصِيهِهُمْ غَيْرَ مُنْقُوصٍ ۝۹۵﴾ ”اور یقیناً ہم اُن کو دینے والے ہیں اُن کا حصہ بغیر کسی کمی کے۔“

## آیات ۱۱۰ تا ۱۲۳

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ ۖ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ ۖ وَاتَّهَمُوا لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۚ وَإِن كَلَّا لَيَوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ ۖ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۖ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ وَلَا تَرْكَبُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۖ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي النَّهَارِ وَزُلْفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۖ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبُنَ السَّيِّئَاتِ ۖ ذَلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّكِرِينَ ۖ وَأَصِيرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۖ فَكُلُوا مِمَّا كَانَتْ مِنْ قُلُوبِهِمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّنْ أَنجَيْنَا مِنْهُمْ ۖ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ ۖ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلِهَا مُصْلِحُونَ ۖ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ وَلَا يَذْكُرُنَا ۖ فَخَلَّفْنَا ۖ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۖ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا مَلَكَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ۖ وَكُلَّا نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنبَاءِ الرُّسُلِ مَا نَشِئْتُمْ بِهِ فُؤَادَكَ ۖ وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ ۖ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ أَعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ ۖ إِنَّا عَمِلُونَ ۖ وَانْتَظِرُوا ۖ إِنَّا مُنْتَظِرُونَ ۖ وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ الْأَمْرُ كُلُّهُ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۖ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۖ

بِإِذْنِ

**آیت ۱۱۰** ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ فَاخْتَلَفَ فِيهِ﴾ ”اور موئی کو ہم نے کتاب دی تھی پھر اس میں اختلاف پیدا کر دیے گئے۔“

﴿وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَفَقَضَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ ”اور اگر طے نہ ہو چکی ہوتی ایک بات تیرے رب کی طرف سے پہلے ہی سے تو ان کے مابین فیصلہ کر دیا جاتا۔“

﴿وَاتَّهَمُوا لَفِي شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيبٍ ۚ﴾ ”اور (اب تو) یہ لوگ اس (تورات) کے بارے میں الجھا دینے والے شک میں مبتلا ہو گئے ہیں۔“

یہ بات سورۃ الشوریٰ میں وضاحت سے بیان کی گئی ہے کہ ہر رسول کی اُمت اپنی الہامی کتاب کی وارث ہوتی ہے۔ پھر جب اس امت پر زوال آتا ہے تو اپنی اس کتاب کے بارے میں بھی ان کے ہاں شکوک و شبہات پیدا ہو جاتے ہیں کہ واقعی یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہے بھی یا نہیں!

**آیت ۱۱۱ ﴿وَإِنْ كُنَّا لَنَكُونُ لَهُمْ رَبُّكُمْ أَعْمَالَهُمْ﴾** ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ کا رب ان سب کو ان کے اعمال کا لازماً پورا پورا بدلہ دے گا۔“

**﴿إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾** ”یقیناً وہ باخبر ہے اس سے جو عمل یہ لوگ کر رہے ہیں۔“

**آیت ۱۱۲ ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ﴾** ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ ڈٹے رہیں جیسا کہ آپ کو حکم ہوا ہے اور وہ بھی جنہوں نے توبہ کی ہے آپ کے ساتھ“

آپ ﷺ کے ساتھ وہ لوگ بھی صبر و استقامت کے ساتھ ڈٹے رہیں جو شرک سے باز آئے ہیں جنہوں نے کفر کو چھوڑا ہے اور آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔

**﴿وَلَا تَطْغَوْا﴾** ”اور تم لوگ حد سے تجاوز نہ کرو۔“

تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہو سکتی ہے کہ منکرین حق پر جلد عذاب لے آنے کی خواہش کریں اور یہ بھی کہ چاروں طرف سے ان لوگوں کی مخالفت کے سبب کسی لمحے غصے میں آجائیں اور حلم و بردباری کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں۔

**﴿إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾** ”یقیناً وہ تم لوگوں کے سب اعمال دیکھ رہا ہے۔“

اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال بھی دیکھ رہا ہے اور جو کچھ تمہارے مخالفین کر رہے ہیں ان کی تمام حرکتیں بھی اس کے علم میں ہیں۔ اس لیے اس کے ہاں سے تمہیں تمہارا اجر و ثواب ملے گا اور ان لوگوں کو ان کے کړتوتوں کی سزا ملے گی۔

**آیت ۱۱۳ ﴿وَلَا تَزْكُمُوا إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾** ”اور کوئی جھکاؤ پیدا نہ کرنا ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم کیا“

یہ خالص حق اور باطل کی کش مکش ہے اس میں کہیں کوئی رشتہ داری کا معاملہ کوئی پرانے مراسم قبیلے کی محبت وغیرہ عوامل تم لوگوں کو کسی لمحے ان کی طرف جھکنے پر مائل نہ کریں۔

**﴿فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ﴾** ”وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾“ (اگر ایسا ہوا) تو تمہیں آگ پکڑ لے گی پھر تمہارے لیے اللہ کے سوا کوئی حمایتی نہیں ہوں گے پھر تمہاری مدد نہیں کی جائے گی۔“

**آیت ۱۱۴ ﴿وَاقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفِي الْبَهَارِ وَزُلْفًا مِنَ الْيَلِّ﴾** ”اور (اے نبی ﷺ!) نماز کو قائم رکھیے دن کے دونوں سروں پر اور رات کی کچھ گھڑیوں میں۔“

دن کے دونوں سروں پر فجر اور عصر کے اوقات ہیں جبکہ رات میں مغرب اور عشاء شامل ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ پانچ نمازوں کا موجودہ نظام گیارہ نبویؐ میں معراج کے بعد قائم ہوا ہے۔ اس سے پہلے کی دور میں تقریباً

ساڑھے دس برس تک نمازوں کے بارے میں جو احکام نازل ہوئے وہ اسی نوعیت کے ہیں۔ یہاں ایک تکتہ پھر سے ذہن میں تازہ کر لیں کہ حضور ﷺ سے اس انداز میں صیغہ واحد میں جو خطاب کیا جاتا ہے وہ دراصل آپ ﷺ کی وساطت سے امت کو حکم دینا مقصود ہوتا ہے۔

﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ذَلِكَ ذِكْرَى لِلذَّكَرِينَ﴾ ﴿۱۱۴﴾ ”یقیناً نیکیاں بدیوں کو دور کروتی ہیں۔ یہ یاد دہانی ہے یا اور کھنے والوں کے لیے۔“

آیت ۱۱۵ ﴿وَأَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ﴿۱۱۵﴾ ”اور صبر کیجیے یقیناً اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔“

آیت ۱۱۶ ﴿فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ﴾ ”تو کیوں نہ ایسا ہوا کہ تم سے پہلے کی قوموں میں حق کے ایسے علمبردار ہوتے جو (اپنی اپنی قوموں کے لوگوں کو) روکتے زمین میں فساد پھیلانے سے“

﴿إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ﴾ ”مگر بہت تھوڑے لوگ ایسے تھے جنہیں ہم نے اُن میں سے بچالیا۔“

یہ بات قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے کہ حق کے علمبردار امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حق ادا کرنے والے لوگ جہاں بھی ہوں جس قوم سے بھی ہوں اللہ تعالیٰ ہمیشہ انہیں اپنی رحمت خاص سے بچا لیتا ہے۔

﴿وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ﴾ ﴿۱۱۷﴾ ”اور پیچھے پڑے رہے وہ ظالم ان عیش و آرام کی چیزوں کے جو انہیں دی گئی تھیں اور وہ مجرم تھے۔“

آیت ۱۱۷ ﴿وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُظْلِمَ الْقُرْآنَ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْطَحُونَ﴾ ﴿۱۱۷﴾ ”اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو ظلم کے ساتھ ہلاک کر دے جبکہ ان میں بسنے والے لوگ اصلاح کرنے والے ہوں۔“

ایسا نہیں ہوتا کہ کسی علاقے، کسی ملک یا شہر میں اچھے کردار کے حامل، اپنی اور دوسروں کی اصلاح میں سرگرم لوگوں کی اکثریت ہو اور اللہ پھر بھی اس بستی پر عذاب بھیج دے۔

آیت ۱۱۸ ﴿وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ﴾ ﴿۱۱۸﴾ ”اور اگر آپ کا رب چاہتا تو تمام نوع انسانی کو ایک ہی امت بنا دیتا، لیکن وہ تو اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔“

جہاں کہیں بھی لوگ اکٹھے مل جل کر رہ رہے ہوں گے ان میں اختلاف رائے کا ہونا بالکل فطری بات ہے۔ مختلف لوگوں کی مختلف سوچ ہے، ہر ایک کا اپنا اپنا نقطہ نظر ہے اور اس کے لیے اپنا اپنا استدلال ہے۔ اسی کے مطابق ان کے نظریات ہیں اور اسی کے مطابق ان کے اعمال و افعال۔ جب تک یہ استدلال علم اور قرآن و سنت کی بنیاد پر ہے تو اس میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ یہ اختلاف کی حد تک رہے اور تفرقہ کی صورت اختیار نہ کرے اور ”من دیکرم تو دیکری“ والا معاملہ نہ ہو۔

اس نکتہ کو یوں بھی سمجھنا چاہیے کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما دونوں نے قرآن و سنت سے استدلال کیا ہے، مگر بعض اوقات دونوں بزرگوں کی آراء میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ مگر ایسے اہل علم حضرات کے ہاں ایسا اختلاف کبھی بھی نزاع اور تفرقہ بازی کا باعث نہیں بنتا۔ ایک دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو دنیا کی رونق اور خوبصورتی بھی اسی تنوع اور اختلاف سے قائم ہے۔

گہائے رنگا رنگ سے ہے رونقِ چمن

اے ذوق اس چمن کو ہے زیب اختلاف سے!

اگر دنیا میں یکسانیت (monotony) ہی ہو تو انسان کی طبیعت اس سے اکتا جائے۔

**آیت ۱۱۹ ﴿الَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ﴾** ”سوائے اُس کے کہ جس پر آپ کا رب رحم فرما دے۔ اور اسی لیے اُس نے انہیں پیدا کیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی تخلیق کے اندر یہ اختلاف اور تنوع خود رکھا ہے۔ دنیا میں اربوں انسان ہیں مگر ان میں کوئی سے دو انسانوں کے مزاج، شکل و صورت اور آواز حتیٰ کہ انگلیوں کے نشانات آپس میں نہیں ملتے۔ لہذا اللہ انسانوں کو پیدا ہی اسی انداز پر کرتا ہے کہ ان میں تنوع اور انفرادیت قائم رہے۔ ایک حدیثِ نبویؐ کی رو سے انسان بھی معدنیات کی طرح ہیں۔ چنانچہ جس طرح معدنیات کی بے شمار اقسام ہیں مگر ہر ایک کی اپنی خصوصیات اور اپنی پہچان ہے، یہی معاملہ انسانوں کا ہے۔

**﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا مَلْفَنَ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾** ”اور آپ کے رب کی یہ بات پوری ہو کر رہے گی کہ میں جہنم کو جنوں اور انسانوں سب سے بھر کر رہوں گا۔“

یعنی تمام مشرک، سرکش، نافرمان اور گناہگار جنوں اور انسانوں کو اکٹھا کر کے جہنم کا ایندھن بناؤں گا اور یوں ان سے جہنم کو بھر دوں گا۔ اُس نے جنت بنائی ہے تو اسے بھی آباد کرنا ہے اور جہنم بنائی ہے تو اسے بھی ایندھن فراہم کرنا ہے۔

**آیت ۱۲۰ ﴿وَكَلَّا نَقْصُصَ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الرُّسُلِ﴾** ”اور (اے نبی ﷺ!) ہم رسولوں کی خبروں میں سے ہر ایک آپ کو سنارہے ہیں“

یہ ”انباء الرسل“ کی وہی اصطلاح ہے جس کا ذکر قبل ازیں بار بار ہوا ہے۔ حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت شعیبؑ اور حضرت موسیٰؑ کے حالات ہم آپ کو بار بار اس لیے سنارہے ہیں:

**﴿مَا تَشِئْتَ بِهِ فُؤَادَكَ﴾** ”(تاکہ) مضبوط رکھیں ہم اس کے ساتھ آپ کا دل۔“

تاکہ ان واقعات کو سن کر آپ اور آپ کے ساتھیوں کے دلوں میں اطمینان بڑھے اور استقامت میں اضافہ ہو۔ ان واقعات کے ذریعے سے ہم یہ بات واضح کرنا چاہتے ہیں کہ مکہ میں آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر مصائب کے جو پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں، کوئی نئی بات نہیں ہے، بلکہ جب بھی کوئی رسولؐ کسی قوم کی طرف مبعوث ہوا اور اسے دعوتِ حق پیش کی تو اس کی مخالفت اسی شد و مد سے ہوئی۔ انبیاء و رسل اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ



ایسے ہی حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ مگر جس طرح ہم نے ہر بار اہل حق کی مدد کی اور بالآخر کامیاب وہی ہوئے اسی طرح اب بھی حق و باطل کی اس جاں گسل کشمکش میں بول بالا حق ہی کا ہوگا اور آخر کار فتح آپ کی اور آپ کے ساتھیوں ہی کی ہوگی۔

﴿وَجَاءَكَ فِي هَذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرٌ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ اور اس میں آپ کے پاس حق آیا ہے اور مؤمنین کے لیے اس میں نصیحت اور یاد دہانی ہے۔“

یعنی اس قرآن میں یا اس سورت میں یا ان واقعات میں حق اور باطل کو بالکل واضح کر دیا گیا ہے اور مؤمنین کے لیے نصیحت اور یاد دہانی کا سامان بھی فراہم کر دیا گیا ہے۔

**آیت ۱۲۱** ﴿وَقُلْ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ اَعْمَلُوا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنَّا ظَالِمُونَ﴾ اور کہہ دیجیے ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے کہ تم اپنی جگہ پر کرو (جو کر سکتے ہو) ہم بھی کر رہے ہیں (جو کچھ ہم کر سکتے ہیں)۔“

یعنی تم میری مخالفت اور دشمنی میں کوئی دقت نہ فروگزاشت نہ کرو اس ضمن میں جو کر سکتے ہو بے شک میرے خلاف کر گزرو تم اپنے طریقے پر چلتے رہو ہم اپنی روش پر چلتے رہیں گے۔

**آیت ۱۲۲** ﴿وَانْتَظِرُوا اِنَّا مُنْتَظِرُونَ﴾ اور تم بھی انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔“

کہ اللہ کی طرف سے آخری فیصلہ کیا آتا ہے۔

**آیت ۱۲۳** ﴿وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهُ﴾ اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی تمام چھپی چیزیں اور کل کا کل معاملہ اسی کی جانب لوٹا دیا جائے گا۔“

﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ تو آپ اسی کی عبادت کریں اور اسی پر توکل کریں۔ اور یقیناً آپ کا رب غافل نہیں ہے اس سے جو تم لوگ کر رہے ہو۔“

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذِّكر الحكيم oo

# سُورَةُ يُوسُفَ

## تمہیدی کلمات

چودہ مکی سورتوں (سورہ یونس تا سورہ المؤمنون) پر مشتمل اس طویل سلسلے میں تین تین سورتوں کے جوذیلی گروپس ہیں، سورہ یوسف ان میں سے پہلے ذیلی گروپ کا حصہ ہے، لیکن اس سورت کو اپنے مضمون اور خاص انداز کی بنا پر پہلی دوسو سورتوں (سورہ یونس اور سورہ ہود) کا ضمیمہ سمجھنا چاہیے۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سورہ یوسف پورے قرآن مجید میں اپنے انداز کی ایک بالکل منفرد سورت ہے۔ اس کی ہلکی سی مشابہت صرف سورہ طہ کے ساتھ ہے۔ سورہ طہ بھی سورہ یوسف کی طرح صرف ایک رسول یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تذکرے پر مشتمل ہے۔ ان دونوں سورتوں میں اس کے علاوہ ایک معنوی نسبت یہ بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں اور آپ کی وساطت سے بنی اسرائیل مصر میں داخل ہوئے تھے جبکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے ذریعے سے وہ لوگ وہاں سے نکلے تھے۔

اس سے پہلے مکی سورتوں میں انباء الرسل کا مضمون بہت شد و مد کے ساتھ بیان ہوا ہے، جبکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے، پہلے سورۃ الانعام میں اور پھر سورہ ہود میں۔ مگر سورہ یوسف قصص النبیین کے اعتبار سے بھی یوں منفرد ہے کہ پوری سورت ایک ہی نبی کے حالات پر مشتمل ہے۔ اس پورے قصبے میں انباء الرسل کے انداز کی ہلکی سی جھلک بھی نظر نہیں آتی۔ یعنی اس طرح کا کوئی اشارہ کہیں بھی نہیں ملتا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں اس قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے یا پھر انہوں نے اپنی قوم کو دعوت تو حید دینے کے بعد کہا ہو کہ اگر تم میری اس دعوت کو نہیں مانو گے تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا۔ پوری سورت میں ہمیں ان کی طرف سے جا بجا دعوت کی مثالیں ملتی ہیں مگر وہ ایک مصلح کے انداز میں تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ اس سے نبی اور رسول کے مابین فرق بھی واضح ہو جاتا ہے۔ رسولوں کے حالات کے ضمن میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ ایک رسول کی بعثت تعین کے ساتھ جس قوم کی طرف ہوتی تھی وہ انہیں اللہ واحد کی بندگی اور اپنی اطاعت کا حکم دیتا تھا: ﴿إِنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاتَّقُوهُ وَأَطِيعُوا أَمْرًا﴾ (نوح) ”کہ تم اللہ کی بندگی کرو، اُس کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو“۔ اور اگر وہ قوم اپنے رسول کی دعوت کو رد کرتی چلی جاتی تھی تو بالآخر اُس قوم پر اللہ کی طرف سے عذاب نازل ہو جاتا تھا اور اسے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا تھا۔ لیکن نبی کا معاملہ اولیاء اللہ کی طرح ہوتا تھا۔ وہ اپنے معاشرے میں تو حید کی دعوت دیتا، کفر و شرک اور بدعات سے اجتناب کی تلقین کرتا اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتا۔ بنی اسرائیل میں انبیاء کرام علیہم السلام تسلسل کے ساتھ آتے رہے ہیں، لیکن رسول محدودے چند تھے۔ اُمتِ مسلمہ

میں بڑے بڑے اولیاء کرام علیہم السلام پیدا ہوئے ہیں اور انہوں نے عظیم الشان دعوتی اور تجدیدی خدمات انجام دی ہیں، لیکن وحی کا دروازہ انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد بند ہو چکا ہے۔

اس سورت کے نزول اور اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کے حالات کی اس قدر تفصیل بیان کرنے کا بنیادی سبب تو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے نبوت کی خبریں جب یہود و مدینہ تک پہنچیں تو انہوں نے تورات کی معلومات کی بنیاد پر شرارتاً مشرکین مکہ کو مختلف سوالات بھیجنے شروع کر دیئے جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھتے رہتے تھے۔ ان سوالات میں ایک اہم سوال یہ بھی تھا کہ بنی اسرائیل کے بارے میں آپ یہ واقعات تو بیان کر رہے ہیں کہ مصر میں فرعون اُن پر ظلم کرتا تھا اور وہاں وہ غلامانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور پھر حضرت مولیٰ اُن کو وہاں سے نکال کر لے گئے، مگر بنی اسرائیل کے جد امجد حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام تو فلسطین میں آباد تھے اُن کے بارے میں یہ بھی بتائیں کہ وہاں سے یہ لوگ مصر میں کیسے پہنچ گئے؟ یہ تاریخ کا ایک سوال تھا جس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ پورا واقعہ اس سورت میں بہت ہی خوبصورت انداز میں بیان فرمادیا، بلکہ اس قصے کو قریش کے اس طرزِ عمل پر بھی منطبق کر دیا جو وہ برادرانِ یوسف کی مانند نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روا رکھے ہوئے تھے۔

میں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ قرآن حکیم کے ساتھ میرا جو ذہنی و قلبی رشتہ اور معنوی ربط و تعلق قائم ہوا اس کا نقطہ آغاز یہی سورہ یوسف بنی جب میں نے مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے قلم سے اس کی تفسیر کا مطالعہ کیا۔ میں نے ۱۹۴۷ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا ہی تھا کہ مشرقی پنجاب میں فسادات شروع ہو گئے اور مسلمانوں کا قتل عام ہونے لگا۔ تقریباً ڈیڑھ ماہ تک ہم اپنے شہر حصار میں محصور رہے۔ ہم نے اپنی حفاظت کے لیے مورچے قائم کر لیے تھے جن میں شہر کے نوجوان اپنی باری سے ڈیوٹی دیتے۔ فارغ وقت میں میں اور میرے بڑے بھائی اظہار احمد ایک مسجد میں بیٹھ کر مطالعہ کرتے۔ اُن دنوں مولانا مودودیؒ کے ماہنامہ ترجمان القرآن میں ”تفہیم القرآن“ کے سلسلے میں سورہ یوسف کی تفسیر شائع ہو رہی تھی۔ میں نے بھی میٹرک میں عربی کا مضمون رکھا تھا اور بھائی جان نے بھی جب میٹرک کیا تھا تو عربی پڑھی تھی۔ چنانچہ ہم مل کر سورہ یوسف کی تفسیر کا مطالعہ کرتے اور اس پر باہم مذاکرہ کرتے۔ قرآن حکیم کی تلاوت اور ترجمے کی مدد سے اس کو سمجھنے کا معاملہ تو پہلے سے ہی تھا، لیکن اس تفسیری مطالعے اور مذاکرے سے قرآن حکیم کے ساتھ ذہنی و قلبی رشتہ استوار ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۶ تا ۱۲

الَّذِي تِلْكَ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ۚ اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْءَانًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ۝ مَحْسُنُ نَقْصُ  
عَلَيْكَ اَحْسَنَ النِّصَصِ بِمَا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ هَذَا الْقُرْآنُ ۚ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ

لَمِنَ الْغُلَیِّیْنَ ۝ اِذْ قَالَ یُوسُفُ لِاٰیِّهِ یَا بَتِ اِنِّیْ رَاٰیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَالشَّمْسَ  
وَالْقَمَرَ رَاٰیْتُهُمْ لِیْ سَاجِدِیْنَ ۝ قَالَ لٰی بُدَّ لَیَّکَ لَا تَقْصُصْ رُءُیَاکَ عَلٰی اِخْوَتِکَ فِیْکَیْدُوْا لَکَ  
کَیْدًا ۝ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ وَکَذٰلِکَ یَجْتَبِیْکَ رَبُّکَ وَیُعَلِّمُکَ مِنْ  
تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ وَیَنْتَعِزُّ بِعِمَّتِهِ عَلَیْکَ وَعَلٰی اِلٰی یَعْقُوْبَ کَمَا اَنْتَہَا عَلٰی اَبُوْیْکَ مِنْ قَبْلُ  
اِبْرٰهَیْمَ وَاِسْحٰقَ ۝ اِنَّ رَبَّکَ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۝

**آیت ۱** ﴿الرَّاسِ تِلْكَ اٰیَةُ الْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝﴾ ”اے لڑکے۔ یہ ایک روشن کتاب کی آیات ہیں۔“  
یہ اس کتاب روشن کی آیات ہیں جو اپنا مدعا واضح طور پر بیان کرتی ہے اور کوئی ابہام باقی نہیں رہنے دیتی۔  
**آیت ۲** ﴿اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا﴾ ”ہم نے اس کو نازل کیا ہے عربی قرآن بنا کر۔“  
یعنی وہ قرآن جو اُم الکتاب اور لوح محفوظ میں ہمارے پاس ہے اس کو ہم نے قرآن عربی بنا کر محمد رسول  
اللہ ﷺ پر نازل کیا ہے۔

﴿لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝﴾ ”تا کہ تم لوگ اسے اچھی طرح سے سمجھ سکو۔“  
یہ خطاب عرب کے امتین سے ہے کہ ہمارے آخری رسول ﷺ کی اولین بعثت تمہاری طرف ہوئی ہے۔  
آپ ﷺ کے مخاطبین اولین تم لوگ ہو۔ چنانچہ ہم نے قرآن کو تمہاری اپنی زبان میں نازل کیا ہے تا کہ تم لوگ  
اسے اچھی طرح سمجھ سکو۔  
**آیت ۳** ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْکَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) ہم آپ کو سنانے لگے ہیں  
بہترین بیان“

قَصَص (ق کی زیر کے ساتھ) یہاں بطور مصدر آیا ہے اور اس کے معنی ہیں ”بیان“۔ اگر لفظ قَصَص  
(ق کی زیر کے ساتھ) ہوتا تو قصہ کی جمع کے معنی دیتا اور اس صورت میں اس کا ترجمہ یوں ہوتا کہ ہم آپ ﷺ کو  
بہترین قصہ سنارہے ہیں۔

﴿بِمَا اَوْحٰیْنَا اِلَیْکَ هٰذَا الْقُرْءٰنَ ۝ وَاِنْ کُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ ۝﴾ ”اس قرآن کے  
ساتھ جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور یقیناً آپ اس سے پہلے (اس سے) ناواقف تھے۔“  
یعنی قرآن میں اس وحی (سورت) کے نزول سے پہلے آپ ﷺ اس واقعہ سے واقف نہیں تھے۔

**آیت ۴** ﴿اِذْ قَالَ یُوسُفُ لِاٰیِّهِ﴾ ”جب یوسفؑ نے اپنے والد (یعقوبؑ) سے کہا“  
حضرت یعقوب علیہ السلام کی بڑی بیوی سے آپ کے دس بیٹے تھے اور وہ سب کے سب اُس وقت تک جوانی  
کی عمر کو پہنچ چکے تھے جبکہ آپ کے دو بیٹے (یوسفؑ اور بن یامین) آپ کی چھوٹی بیوی سے تھے۔ ان میں حضرت  
یوسفؑ بڑے تھے مگر ابھی یہ دونوں ہی کم سن تھے۔

﴿یَابَتِ اِنِّیْ رَاٰیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاٰیْتُهُمْ لِیْ سَاجِدِیْنَ ۝﴾

”اباجان! میں نے خواب میں دیکھا ہے گیارہ ستاروں اور سورج اور چاند کو میں نے اُن کو دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔“

**آیت ۵** ﴿قَالَ يَبْنَىٰ لَا تَقْصُصْ رُءُوكَ عَلٰى اِخْوَتِكَ﴾ ”یعقوبؑ نے فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کے سامنے بیان نہ کرنا“

حضرت یعقوبؑ نے سمجھ لیا کہ اس خواب میں یوسفؑ کے گیارہ بھائیوں اور ماں باپ کے بارے میں کوئی اشارہ ہے اور شاید اللہ تعالیٰ میرے اس بیٹے کے لیے کوئی خاص فضیلت ظاہر کرنے والا ہے۔

﴿فَيَكْنُذُوكَ كَيْدًا﴾ ”ورنہ وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں گے۔“ ممکن ہے وہ لوگ خواب سن کر اس میں واضح اشارے کو بھانپ لیں تو ان کے اندر حسد کی آگ بھڑک اٹھے اور پھر وہ تمہارے خلاف کوئی سازش کریں، تمہیں گزند پہنچانے کی کوشش کریں۔

﴿اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسٰنِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ ”یقیناً شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے۔“ وہ دشمنی میں کسی کو بھی کسی بھی وقت کوئی بھی پٹی پڑھا سکتا ہے۔

**آیت ۶** ﴿وَكَذٰلِكَ يَجْتَنِكَ رَبُّكَ﴾ ”اور اسی طرح تمہارا رب تمہیں منتخب کرے گا“

حضرت یعقوبؑ نے سمجھ لیا کہ میرے بیٹوں میں سے یوسفؑ کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے لیے چن لیا ہے۔ ﴿وَيَعْلَمُكَ مِنْ تَاْوِيلِ الْاَحَادِيْثِ﴾ ”اور تمہیں سکھائے گا تاویل الاحادیث میں سے (علم)“ یہاں پر تاویل حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک خوابوں کی تعبیر اور دوسرے معاملہ فہمی اور دور بینی، باتوں کی گہ (نت) تک پہنچ جانا، حقیقت تک رسائی ہو جانا۔

﴿وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَا اَتَمَّهَا عَلٰى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ﴾ ”اور اتمام فرمائے گا اپنی نعمت کا تجھ پر اور آل یعقوبؑ پر جس طرح اُس نے اس سے پہلے اپنی نعمت کا اتمام فرمایا تیرے آباء و اجداد ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر۔“

یہاں حضرت یعقوبؑ نے کسر نفسی کے سبب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسحاقؑ کے ساتھ اپنا نام نہیں لیا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ ”یقیناً تیرا رب جاننے والا حکمت والا ہے۔“

## آیات ۷ تا ۲۰

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهِ اٰيٰتٍ لِّلْاَسٰفِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لِيُوْسُفُ وَاِخْوَتُهٗ اَحَبُّ اِلٰى اٰبِنَا وَمَا مَحْنُ عَصِيَّةٍ ۚ اِنْ اَبَاكَ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ اِفْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوْ اَطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَبْخُلُ لَكُمْ وَجْهٌ اٰيِبٌ ۚ وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝ قَالَ قٰبِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا

يُوسُفَ وَالْقُوَّةَ فِي غَيْبَةِ الْهَبِ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِنَّ كُنْتُمْ فاعِلِينَ ۝ قَالُوا يَا أَبَا نَاهٍ  
لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَصْحُونُ ۝ أَرْسَلَهُ مَعَنَا غَدًا يَزِينَهُ وَيَلْعَبُ وَاتَّأَلَهُ  
لَحْفَظُونَ ۝ قَالَ إِنِّي لَيَحْزَنُنِي أَنَّ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ  
غَافِلُونَ ۝ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذَا لَنُخْسِرُونَ ۝ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ  
وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيْبَتِ الْهَبِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا  
يَشْعُرُونَ ۝ وَجَاءَ وَآبَاهُمْ عِشَاءً يَبْكُونَ ۚ قَالُوا يَا أَبَا نَاهٍ آتَاكَ ذَهَبًا سَتَقْبَلُ وَتَرْكُنَا يُوسُفَ  
عِنْدَ مَتَاعِنَا فَآكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝ وَجَاءُوا عَلَى  
قِيَصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۚ وَاللَّهُ  
الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ۝ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ ۚ قَالَ  
يُشْرَىٰ هَذَا غُلْمٌ ۚ وَأَسْرَوْهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝ وَشَرَوْهُ بِمِثْقَلِ  
دِرْهَمٍ مَّعْدُودَةٍ ۚ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝

ع

آیت ۷ ﴿اَلْقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَاِخْوَتِهِ اٰيٰتٍ لِّلْمَسٰلِكِيْنَ ۝﴾ ”یقیناً یوسف اور آپ کے  
بھائیوں (کے قصے) میں (بہت سی) نشانیاں ہیں پوچھنے والوں کے لیے۔“

یعنی جن لوگوں (قریش مکہ) نے یہ سوال پوچھا ہے اور جن لوگوں (یہود مدینہ) کے کہنے پر پوچھا ہے، ان  
سب کے لیے اس قصے میں بہت سی نشانیاں ہیں۔ اگر وہ صرف اس ایک قصے کو حقیقت کی نظروں سے دیکھیں اور  
اس پر غور کریں تو بہت سے حقائق نکھر کر ان کے سامنے آجائیں گے۔

آیت ۸ ﴿اِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَاٰخُوهُ اَحَبُّ اِلَيْنَا مِمَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ۝﴾ ”جب انہوں نے کہا کہ  
یوسف اور اس کا بھائی ہمارے والد کو ہم سے زیادہ محبوب ہیں جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں۔“

برادرانِ یوسف نے کہا کہ ہم پورے دس لوگ ہیں، سب کے سب جوان اور طاقتور ہیں، خاندان کی شان تو  
ہمارے دم قدم سے ہے (قبائلی زندگی میں نو جوان بیٹوں کی تعداد پر ہی کسی خاندان کی شان و شوکت اور قوت و  
طاقت کا انحصار ہوتا ہے) لیکن ہمارے والد ہمیں نظر انداز کر کے ان دو چھوٹے بچوں کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں۔

﴿اِنَّ اَبَانَا لَفِي ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ ”یقیناً ہمارے والد صریح غلطی پر ہیں۔“

آیت ۹ ﴿اَقْتُلُوْا يُوسُفَ اَوْ اَطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَيْدِيْكُمْ ۝﴾ ”(چنانچہ) قتل کر دو یوسف کو  
یا اسے پھینک دو (دور) کسی علاقے میں تاکہ تمہارے والد کی توجہ صرف تمہاری طرف ہو جائے۔“

یوسف چونکہ ان دونوں میں بڑا ہے اس لیے وہی والد صاحب کی ساری توجہ اور عنایات کا مرکز و محور بنا ہوا  
ہے، چنانچہ جب یہ نہیں رہے گا تو لامحالہ والد صاحب کی تمام تر شفقت اور مہربانی ہمارے لیے ہی ہوگی۔

﴿وَتَكُونُوا مِنْ بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ﴾ اور پھر اس کے بعد نیک بن جانا۔“

اس فقرے میں اُن کے نفس اور ضمیر کی کشمکش کی جھلک صاف نظر آرہی ہے۔ ضمیر تو مسلسل ملامت کر رہا تھا کہ یہ کیا کرنے لگے ہو؟ اپنے بھائی کو قتل کرنا چاہتے ہو؟ یہ تمہاری سوچ درست نہیں ہے! لیکن عام طور پر ایسے مواقع پر انسان کا نفس اس کے ضمیر پر غالب آ جاتا ہے جیسا کہ ہم نے سورۃ المائدہ آیت ۳۰ میں ہابیل اور قابیل کے سلسلے میں پڑھا تھا: ﴿فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ أَخِيهِ﴾ ”پس قابیل کے نفس نے اُسے آمادہ کر ہی لیا اپنے بھائی کے قتل کرنے پر۔“

اسی طرح ان لوگوں نے بھی اپنے ضمیر کی آواز کو دبا کر آپس میں مشورہ کیا کہ ایک دفعہ یہ کڑوا گھونٹ حلق سے اتار لو پھر اس کے بعد توبہ کر کے اور کفارہ وغیرہ ادا کر کے کسی نہ کسی طرح اس جرم کی تلافی کر دیں گے اور باقی زندگی نیک بن کر رہیں گے۔

**آیت ۱۰** ﴿قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ﴾ ”کہا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہ یوسف کو قتل مت کرو“

یہ شریف النفس انسان اُن کے سب سے بڑے بھائی تھے جنہوں نے یہ مشورہ دیا۔ ان کا نام یہود تھا اور انہی کے نام پر لفظ ”یہودی“ بنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اصل مسئلہ تو اس سے پیچھا چھڑانے کا ہے لہذا ضروری نہیں کہ قتل جیسا گناہ کر کے ہی یہ مقصد حاصل کیا جائے اس کے لیے کوئی دوسرا طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ﴿وَأَلْقَوْهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطُهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ﴾ ”اور ڈال آؤ اسے کسی باؤلی کے طاقے میں اٹھالے جائے گا اس کو کوئی قافلہ“

پرانے زمانے کے کنویں کی ایک خاص قسم کو باؤلی کہا جاتا تھا اس کا منہ کھلا ہوتا تھا لیکن گہرائی میں یہ تدریجاً تنگ ہوتا جاتا تھا۔ پانی کی سطح کے قریب اس کی دیوار میں طاقے سے بنائے جاتے تھے۔ اس طرح کی باؤلیاں پرانے زمانے میں قافلوں کے راستوں پر بنائی جاتی تھیں۔ چنانچہ اس مشورے پر عمل کی صورت میں قوی امکان تھا کہ کسی قافلے کا ادھر سے گزر ہوگا اور قافلے والے یوسف کو باؤلی سے نکال کر اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ بڑے بھائی کے اس مشورے کا مقصد بظاہر یہ تھا کہ اس طرح کم از کم یوسف کی جان بچ جائے گی اور ہم بھی اس کے خون سے ہاتھ رنگنے کے جرم کے مرتکب نہیں ہوں گے۔

﴿إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ﴾ ”اگر تم کچھ کرنے ہی والے ہو۔“

جب نو بھائی اس بات پر پوری طرح شل گئے کہ یوسف سے بہر حال چھٹکارا حاصل کرنا ہے تو دسواں بھائی ان کو اس حرکت سے بالکل منع تو نہیں کر سکا، لیکن اس نے کوشش کی کہ کم از کم وہ لوگ یوسف کو قتل کرنے سے باز رہیں۔

**آیت ۱۱** ﴿قَالُوا يَا أَبَانَا مَا لَكَ لَا تَأْمَنَّا عَلَى يُوسُفَ وَإِنَّا لَهُ لَنَصْحُونُ﴾ ”انہوں نے کہا: ابا جان! کیا وجہ ہے کہ آپ ہم پر بھروسہ نہیں کرتے یوسف کے معاملے میں حالانکہ ہم تو اس کے بڑے خیر خواہ ہیں۔“

**آیت ۱۲** ﴿اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَزْتَعِ وَيَلْعَبْ وَاَنَا لَكَ لَحِظُطُونٌ ۝﴾ ”کل ذرا اسے ہمارے ساتھ بھیجے“

وہ کچھ چرچک لے گا اور کھیلے کودے گا، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

انہوں نے کہا کہ ہم کل شکار پر جا رہے ہیں، آپ یوسف کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجیے۔ وہاں یہ درختوں سے پھل وغیرہ کھائے گا اور کھیل کود سے بھی دل بہلائے گا۔ آپ اس کی طرف سے بالکل فکر مند نہ ہوں، ہم اس کی حفاظت کریں گے۔

**آیت ۱۳** ﴿قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝﴾

”یعقوبؑ نے فرمایا: مجھے یہ بات اندیشہ میں ڈالتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ، اور میں ڈرتا ہوں کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے جبکہ تم اس سے غافل ہو جاؤ۔“

مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ وہ تمہارے ساتھ چلا جائے، پھر تم لوگ اپنی مصروفیات میں منہمک ہو جاؤ، اس طرح وہ جنگل میں اکیلا رہ جائے اور کوئی بھیڑیا اسے پھاڑ کھائے۔

**آیت ۱۴** ﴿قَالُوْا لَیْنِ اٰكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّا اِذَا لُخْسِرُوْنَ ۝﴾ ”وہ کہنے لگے کہ اگر

(ہمارے ہوتے ہوئے) اسے بھیڑیا کھا گیا جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں، تب تو ہم بہت ہی نکتے ثابت ہوں گے۔“

یہ کیسے ممکن ہے کہ ہمارے جیسے دس کڑیل جوانوں کے ہوتے ہوئے اسے بھیڑیا کھا جائے، ہم اتنے بھی گئے گزرے نہیں ہیں۔

**آیت ۱۵** ﴿فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیْبَتِ الْجُبِّ ۝﴾ ”پھر جب وہ اس کو لے گئے

اور سب اس پر متفق ہو گئے کہ اسے ڈال دیں بادلی کے طاقے میں۔“

یہاں پر اجماعاً کے بعد علی کا صلہ محذوف ہے، یعنی اس منصوبے پر وہ سب کے سب جمع ہو گئے، انہوں نے اس رائے پر اتفاق کر لیا۔

﴿وَاَوْحٰیْنَآ اِلَیْهِ لَنَبْنِیَنَّہُمْ بِاَمْرِہُمْ ہٰذَا وَہُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝﴾ ”اور ہم نے (اُس وقت) وحی

کی یوسف کو کہ تم (ایک دن) اُن کو ان کی یہ حرکت ضرور جتلاؤ گے اور انہیں اس کا اندازہ بھی نہیں ہوگا۔“

یہ بات الہام کی صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں ڈالی گئی ہوگی، کیونکہ ابھی آپ کی عمر نبوت کی تو نہیں تھی کہ باقاعدہ وحی ہوتی۔ بہر حال آپ پر یہ الہام کیا گیا کہ ایک دن تم اپنے ان بھائیوں کو یہ بات اُس وقت جتلاؤ گے جب انہیں اس کا خیال بھی نہیں ہوگا۔ اس چھوٹے سے فقرے میں جو بلاغت ہے اس کا جواب نہیں۔ چند الفاظ کے اندر حضرت یوسفؑ کی تسلی کے لیے گویا پوری داستان بیان کر دی گئی ہے کہ تمہاری جان کو خطرہ نہیں ہے، تم نہ صرف اس مشکل صورتِ حال سے نکلنے میں کامیاب ہو جاؤ گے بلکہ ایک دن ایسا بھی آئے گا جب تم اس قابل ہو گے کہ اپنے ان بھائیوں کو اُن کا یہ سلوک جتلا سکو۔



آیت ۱۶ ﴿وَجَاءَ وَآبَاهُمُ عِشَاءً يَبْكُونَ ۝﴾ ”اور وہ آئے اپنے والد کے پاس شام کو روتے ہوئے۔“

آیت ۱۷ ﴿قَالُوا يَا بَنَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا﴾ ”انہوں نے کہا: ابا جان! ہم

جا کر دوڑ کا مقابلہ کرنے لگے اور ہم نے چھوڑ دیا تھا یوسف کو اپنے سامان کے پاس“  
ہم نے اپنا اضافی سامان اکٹھا کر کے ایک جگہ رکھا اور اس سامان کے پاس ہم نے یوسف کو چھوڑ دیا تھا۔ خود ہم ایک دوسرے سے دوڑ میں مقابلہ کرتے ہوئے دور نکل گئے۔

﴿فَاكَلَهُ اللَّذَبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ۝﴾ ”تو اُسے کھا لیا ایک بھیڑیے

نے۔ اور آپ ہماری بات مانیں گے تو نہیں، خواہ ہم کتنے ہی سچے ہوں۔“

آیت ۱۸ ﴿وَجَاءَ وَ عَلَى قَمِيصِهِ بَدَمٌ كَذِبٌ﴾ ”اور وہ اُس کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون بھی

لگا لائے۔“

﴿قَالَ بَلَدُ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْ لَا﴾ ”حضرت یعقوب نے فرمایا: (واقعہ یوں نہیں) بلکہ

تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک بڑے کام کو آسان بنا دیا ہے۔“

ان کی بات سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں بات کچھ اور ہے۔ یہ بات جو تم بتا رہے ہو یہ تو

تمہارے جی کی گھڑی ہوئی ایک بات ہے۔ تمہارے نفسوں نے تمہارے لیے ایک بڑی بات کو ہلکا کر کے پیش کیا

ہے اور تم لوگوں نے کوئی بہت بڑا غلط اقدام کیا ہے۔

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۝ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ۝﴾ ”اب صبر ہی بہتر ہے، اور اللہ ہی کی

مدد طلب کی جاسکتی ہے اس پر جو تم بیان کر رہے ہو۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام اکیلے تھے بوڑھے تھے اور دوسری طرف دس جوان بیٹے اس صورت حال میں اور کیا کہتے؟

آیت ۱۹ ﴿وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ﴾ ”اور (کچھ عرصہ بعد) ایک قافلہ آیا تو انہوں نے

بھیجا اپنے آگے چلنے والے کو“

جب قافلے چلتے تھے تو ایک آدمی قافلے کے آگے آگے چلتا تھا۔ وہ قافلے کے پڑاؤ کے لیے جگہ کا انتخاب

کرتا اور پانی وغیرہ کے انتظام کا جائزہ لیتا۔ قافلے والوں نے اس ڈیوٹی پر مامور شخص کو بھیجا کہ وہ جا کر پانی

کا کھون لگائے۔ اس شخص نے باؤلی دیکھی تو پانی نکالنے کی تدبیر کرنے لگا۔

﴿فَادْخُلِي دَلْوَهُ﴾ ”تو اس نے لٹکایا اپنا ڈول۔“

حضرت یوسف نے اس کے ڈول کو پکڑ لیا۔ اس نے جب ڈول کھینچا اور حضرت یوسف کو دیکھا تو:

﴿قَالَ يٰمُسْرٰى هٰذَا غَلْمٌ ۝ وَاسْرُوْهُ بِصَاعَةٍ﴾ ”وہ پکارا اٹھا کہ خوشخبری ہو! یہ تو ایک لڑکا ہے۔

اور انہوں نے اسے چھپا لیا، ایک پونجی سمجھ کر۔“

کہ بہت خوبصورت لڑکا ہے، بچپن کے تو اچھے دام ملیں گے۔

﴿وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ بِمَا يَعْمَلُونَ ۝۱۹﴾ ”اور اللہ خوب جانتا تھا جو وہ کر رہے تھے۔“

آیت ۲۰ ﴿وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ ۝۲۰﴾ ”اور (مصر پہنچ کر) انہوں نے بیچ دیا اس کو بڑی تھوڑی سی قیمت پر چند درہم کے عوض، اور وہ تھے اس کے معاملے میں بہت ہی قناعت پسند۔“

اگرچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو مال تجارت سمجھ کر چھپایا تھا، مگر مصر پہنچ کر بالکل ہی معمولی قیمت پر فروخت کر دیا۔ اس زمانے میں درہم ایک دینار کا چوتھا حصہ ہوتا تھا۔ گویا انہوں نے چند چوتیوں کے عوض آپ کو بیچ دیا۔ اس لیے کہ آپ کے بارے میں اُس وقت تک انہیں کوئی خاص دلچسپی نہیں رہی تھی۔ اس کی دو وجوہات تھیں، ایک تو آپ ان کے لیے مفت کا مال تھے جس پر ان لوگوں کا کوئی سرمایہ وغیرہ نہیں لگا تھا، لہذا جمل گیا انہوں نے اسے غنیمت جانا۔ دوسرے ان لوگوں کو آپ کی طرف سے ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا تھا کہ لڑکے کے وارث آ کر کہیں اسے پہچان نہ لیں اور ان پر چوری کا الزام نہ لگ جائے۔ لہذا وہ جلد از جلد آپ کے معاملے سے جان چھڑانا چاہتے تھے۔

## آیات ۲۱ تا ۲۹

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۖ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ ۖ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۖ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ ۖ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۖ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَرَاوَدَتْهُ الْفَاحِشَةُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۖ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنَّ رَأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۖ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۖ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ۝ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَيْصَةُ مِنْ دُورٍ ۖ وَالْفُكِّيَا سَيْدَهَا لَدَا الْبَابِ ۖ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ رَاوَدْتَنِي عَنْ نَفْسِي ۖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا ۖ إِنْ كَانَ قَبِيضُهُ قَدْ مِنْ قَبْلِ قَصْدَقْتُ وَهُوَ مِنَ الْكَذَّابِينَ ۖ وَإِنْ كَانَ قَبِيضُهُ قَدْ مِنْ دُورٍ فَكَذَبْتُ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۖ فَلَمَّا رَأَىٰ قَبِيضَهُ قَدْ مِنْ دُورٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ۖ يُوسُفُ أَعْرَضَ عَنْ هَٰذَا ۖ وَاسْتَغْفِرَ لِيذُنُكَ ۖ إِنَّكَ كُنْتَ مِنَ الْخَاطِئِينَ ۝

آیت ۲۱ ﴿وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ

﴿وَلَدًّا﴾ ”اور مصر کے جس شخص نے یوسف کو خریدا“ (اس نے) اپنی بیوی سے کہا: اس کو اچھے طریقے سے رکھنا، ہو سکتا ہے یہ ہمارے لیے نفع بخش ہو یا پھر ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔“  
وہ شخص مصر کی حکومت میں بہت اعلیٰ منصب (عزیز مصر) پر فائز تھا۔ حضرت یوسف کو بیٹا بنانے کی خواہش سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس کے ہاں اولاد نہیں تھی۔

﴿وَكَذَلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”اور اس طرح ہم نے یوسف کو اس ملک میں تمکن عطا کیا“  
اس طریقے سے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو اس دور کی متمدن ترین مملکت میں پہنچا دیا اور وہاں آپ کی رہائش کا بندوبست بھی کیا تو کسی جھوٹری میں نہیں بلکہ ملک کے ایک بہت بڑے صاحب حیثیت شخص کے گھر میں، اور وہ بھی محض ایک غلام کے طور پر نہیں بلکہ خصوصی عزت و اکرام کے انداز میں۔

﴿وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ ”اور تاکہ ہم اس کو سکھائیں باتوں کی تہہ تک پہنچنے کا علم۔“  
یعنی عزیز مصر کے گھر میں آپ کو جگہ بنا کر دینے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہاں آپ کو ”معاملہ فہمی“ کی تربیت فراہم کی جائے۔ عزیز مصر کا گھر ایک طرح کا سیکریٹریٹ ہو گا جہاں آئے دن انتہائی اعلیٰ سطح کے اجلاس ہوتے ہوں گے، اور قومی و بین الاقوامی نوعیت کے انتہائی اہم امور پر بحث و تمحیص کے بعد فیصلے کیے جاتے ہوں گے اور حضرت یوسف کو ان تمام سرگرمیوں کا بہت قریب سے مشاہدہ کرنے کے مواقع میسر آتے ہوں گے۔ اس طرح بہت اعلیٰ سطح کی تعلیم و تربیت کا ایک انتظام تھا جو حضرت یوسف کے لیے یہاں پر کر دیا گیا۔

﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَى أَمْرِهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور اللہ تو اپنے فیصلے پر غالب ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

اللہ تعالیٰ اپنے ارادے کی تعمید پر غالب ہے وہ اپنا کام کر کے رہتا ہے۔

**آیت ۲۲** ﴿وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ ”اور جب آپ اپنی جوانی کو پہنچ گئے تو ہم نے آپ کو حکم اور علم عطا کیا۔“

﴿وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اور اسی طرح ہم محسنین کو بدلہ دیتے ہیں۔“  
حکم اور علم سے مراد نبوت ہے۔ حکم کے معنی قوت فیصلہ کے بھی ہیں اور اقتدار کے بھی۔ علم سے مراد علم وحی ہے۔  
**آیت ۲۳** ﴿وَرَاوَدَتْهُ الْيَتِيمَا الَّذِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَنْ نَفْسِهِ﴾ ”اور آپ کو پھسلانے کی کوشش کی اس عورت نے جس کے گھر میں آپ تھے“

یعنی عزیز مصر کی بیوی آپ پر فریفتہ ہو گئی۔ قرآن میں اس کا نام مذکور نہیں، البتہ تورات میں اس کا نام زلیخا بتایا گیا ہے۔

﴿وَعَلَّقَتِ الْآبُوبَابَ وَقَالَتْ هَيْت لَكَ﴾ ”اور (ایک موقع پر) اس نے دروازے بند کر لیے اور بولی جلدی سے آ جاؤ!“

﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ﴾ ”آپؑ نے فرمایا: میں اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں، وہ میرا رب ہے، اُس نے مجھے اچھا ٹھکانہ دیا ہے۔“

یہاں پر ”رب“ کے دونوں معنی لیے جاسکتے ہیں اللہ بھی اور آقا بھی۔ چنانچہ اس فقرے کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ وہ اللہ میرا رب ہے اور اس نے میرے لیے بہت اچھے ٹھکانے کا انتظام کیا ہے، میں اس کی نافرمانی کا کیسے سوچ سکتا ہوں! دوسرے معنی میں اس کا مفہوم یہ ہے کہ آپؑ کا خاوند میرا آقا ہے، وہ میرا محسن اور مرتبی بھی ہے، اس نے مجھے اپنے گھر میں بہت عزت و اکرام سے رکھا ہے، اور میں اس کی خیانت کر کے اس کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤں، یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا! یہ دوسرا مفہوم اس لیے بھی زیادہ مناسب ہے کہ ”رب“ کا لفظ اس سورت میں آقا اور بادشاہ کے لیے متعدد بار استعمال ہوا ہے۔

﴿إِنَّهُ لَا يَفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾ ”بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پایا کرتے۔“

**آیت ۲۷** ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا اَنْ رَّا بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ ”اور اُس عورت نے ارادہ کیا آپؑ کا“ اور آپؑ بھی ارادہ کر لیتے اس کا اگر نہ دیکھ لیتے اپنے رب کی ایک دلیل۔“

حضرت یوسف علیہ السلام جوان تھے اور ممکن تھا طبع بشری کی بنیاد پر آپؑ کے دل میں بھی کوئی ایسا خیال جنم لیتا، مگر اللہ نے اس نازک موقع پر آپؑ کی خصوصی مدد فرمائی اور اپنی خصوصی نشانی دکھا کر آپؑ کو کسی منفی خیال سے محفوظ رکھا۔ یہ نشانی کیا تھی؟ اس کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں، البتہ تورات میں اس کی وضاحت یوں بیان کی گئی ہے کہ عین اس موقع پر حضرت یعقوب علیہ السلام کی شکل دیوار پر ظاہر ہوئی اور آپؑ نے انگلی کا اشارہ کر کے حضرت یوسفؑ کو باز رہنے کے لیے کہا۔

﴿كَذٰلِكَ لِنُصْرِفَ عَنْهُ السُّوٓءَ وَالْفَحْشَآءَ﴾ ”یہ اس لیے کہ ہم پھیر دیں اس سے برائی اور بے حیائی کو۔“

یعنی ہم نے اپنی نشانی دکھا کر حضرت یوسفؑ سے برائی اور بے حیائی کا رخ پھیر دیا اور یوں آپؑ کی عصمت و عفت کی حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا۔

﴿اِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾ ”یقیناً وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھے۔“

واضح رہے کہ یہاں لفظ مُخْلَص (لام کی زبر کے ساتھ) آیا ہے۔ مُخْلَص اور مُخْلَص کے فرق کو سمجھ لیجیے۔ مُخْلَص اسم الفاعل ہے یعنی خلوص و اخلاص سے کام کرنے والا اور مُخْلَص وہ شخص ہے جس کو خالص کر لیا گیا ہو۔ اللہ کے مُخْلَص وہ ہیں جن کو اللہ نے اپنے لیے خالص کر لیا ہو، یعنی اللہ کے خاص برگزیدہ اور چہیتے بندے۔

**آیت ۲۸** ﴿وَاَسْتَبَقَا الْبَابَ﴾ ”اور وہ دونوں آگے پیچھے دروازے کی طرف دوڑے“

یعنی حضرت یوسفؑ نے جب دیکھا کہ اس عورت کی نیت خراب ہے اور اس پر شیطنت کا بھوت سوار ہے تو آپؑ اس سے بچنے کے لیے دروازے کی طرف لپکے اور آپؑ کے پیچھے وہ بھی بھاگی تاکہ آپؑ کو قابو کر سکے۔

﴿وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِنْ دُبُرٍ﴾ ”اور پھاڑ دی اس (عورت) نے آپ کی قمیص پیچھے سے“  
 آپ کو دوڑتے ہوئے دیکھ کر اس عورت نے آپ کی طرف تیزی سے لپک کر پیچھے سے آپ کو پکڑنے کی  
 کوشش کی تو آپ کی قمیص اس کے ہاتھ میں آکر پھٹ گئی۔

﴿وَأَلْفَيْهَا سَبِيحَهَا لَدَا الْبَابِ﴾ ”اور پایا ان دونوں نے اس کے خاوند کو دروازے کے پاس۔“  
 اس عورت نے لازماً ایسے وقت کا انتخاب کیا ہوگا جب اس کا خاوند گھر سے باہر تھا اور اس کے جلد گھر آنے  
 کا امکان نہیں تھا، مگر جو نبی وہ دونوں آگے پیچھے دروازے سے باہر نکلے تو غیر متوقع طور پر اس کا خاوند عین  
 دروازے پر کھڑا تھا۔

﴿قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”وہ (فوراً)  
 بولی کیا سزا ہونی چاہیے ایسے شخص کی جس نے ارادہ کیا تمہاری بیوی کے ساتھ برائی کا، سوائے اس کے کہ  
 اسے جیل بھیج دیا جائے یا کوئی اور دردناک سزا دی جائے!“

اپنے خاوند کو دیکھتے ہی اس عورت نے فوراً پینتر بدلا اور اس کی غیرت کو لگا کرتے ہوئے بولی کہ اس لڑکے  
 نے مجھ پر دست درازی کی ہے اور میں نے بڑی مشکل سے خود کو بچا یا ہے۔ اب اس سے آپ ہی سمجھیں اور اسے  
 کوئی عبرت ناک سزا دیں۔

**آیت ۲۶** ﴿قَالَ هِيَ رَاوَدْتَنِي عَنْ نَفْسِي﴾ ”آپ نے فرمایا کہ اسی نے مجھے پھسلانا چاہا تھا“  
 صورت حال بہت نازک اور خطرناک رخ اختیار کر چکی تھی۔ حضرت یوسف کو بھی اپنے دفاع میں کچھ نہ  
 کچھ تو کہنا تھا۔ لہذا آپ نے صاف صاف بتا دیا کہ خود اس عورت نے مجھے گناہ پر آمادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا﴾ ”اور گواہی دی عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے۔“  
 اس عورت کے اپنے رشتہ داروں میں سے بھی کوئی شخص موقع پر آ پہنچا۔ اس نے موقع محل دیکھ کر وقوعہ کے  
 بارے میں بڑی مدلل اور خوبصورت قرائنی شہادت (circumstantial evidence) دی کہ:

﴿إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ ”اگر تو اس کی قمیص پھٹی ہے  
 سامنے سے تو یہ سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے۔“

اگر عورت سے دست درازی کی کوشش ہو رہی تھی اور وہ اپنا تحفظ کر رہی تھی تو ظاہر ہے کہ حملہ آور کی قمیص  
 سامنے سے پھٹنی چاہیے۔

**آیت ۲۷** ﴿وَأَنَّ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ﴾ ”اور اگر اس کی قمیص  
 پھٹی ہے پیچھے سے تو پھر یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔“

اس عادلانہ اور حکیمانہ گواہی سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں اس معاشرے میں بہت سی خرابیاں تھیں (جن  
 میں سے کچھ کا ذکر آگے آئے گا) وہاں اس گواہی دینے والے شخص جیسے حق گو اور انصاف پسند لوگ بھی موجود تھے  
 جس نے قرابت دار ہوتے ہوئے بھی حق اور انصاف کی بات کی۔

آیت ۲۸ ﴿فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قَدْ مِنْ دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِنْ كَيْدِكُنَّ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ﴾ ۲۸ ”پھر جب

اس (عزیز مصر) نے دیکھا کہ آپ کی قمیص پھٹی ہوئی ہے پیچھے سے تو اس نے کہا کہ یہ تم عورتوں کی چالوں میں سے (ایک چال) ہے یقیناً تم عورتوں کے فریب بہت بڑے ہوتے ہیں۔“

پھر عزیز مصر نے حضرت یوسفؑ سے کہا:

آیت ۲۹ ﴿يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَذَا سَعَىٰ يَوسُفُ! اس معاملے سے درگزر کرو۔“

اس کے بعد وہ اپنی بیوی سے مخاطب ہوا اور بولا:

﴿وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۚ إِنَّكَ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ﴾ ۳۰ ”اور تم اپنے گناہ کی معافی مانگو یقیناً قصور وار تم ہی ہو۔“

### آیات ۳۰ تا ۳۵

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۚ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَكًا وَمَاتٌ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا ۖ وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا ۖ إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ۝ قَالَتْ فَذَلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا أُمِرْتُ لَيْسَجُنَّ ۖ وَلَيَكُونُنَّ مِنَ الصَّغِيرِينَ ۝ قَالَ رَبِّ السَّجُنُ أَحَبُّ إِلَيَّ وَمَا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَالْأَلَا تَصْرِفُ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ۖ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝ ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ فِي بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لَيْسَجُنَّ ۖ حَتَّىٰ حِينٍ ۝

آیت ۳۰ ﴿وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ ۖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۚ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ۳۰ ”اور شہر میں عورتوں

نے (اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے) کہا کہ عزیز کی بیوی تو اپنے غلام کو پھسلا رہی ہے۔“

﴿قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا﴾ ”وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے۔“

﴿إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ۳۰ ”یقیناً ہم دیکھتے ہیں کہ وہ بہت بھٹک گئی ہے۔“

اس کا اپنے غلام کے ساتھ اس طرح کا معاملہ! یہ تو بہت ہی گھٹیا بات ہے!

آیت ۳۱ ﴿فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ﴾ ”پھر جب اُس نے سنیں ان کی مکارانہ باتیں“

عزیز مصر کی بیوی نے جب سنا کہ شہر میں اس کے خلاف اس طرح کے چرچے ہو رہے ہیں اور مصر کی

عورتیں ایسی طعن آمیز باتیں کر رہی ہیں تو اس نے بھی جوانی کا رروائی کا منصوبہ بنا لیا۔ یہ اس معاشرے کے انتہائی اعلیٰ سطح کے لوگوں کی بات تھی اور اس کا چرچا بھی اسی سطح پر ہو رہا تھا۔ اُسے بھی اپنے ارد گرد سب لوگوں کے کردار کا پتا تھا، کہاں کیا خرابی ہے اور کس کے ہاں کتنی گندگی ہے وہ سب جانتی تھی۔ چنانچہ اس نے اس اعلیٰ سوسائٹی کے اجتماعی کردار کا بھانڈا بچ چوراہے میں پھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔

﴿اَرْسَلْتُ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدْتُ لَهُنَّ مَتَكًا﴾ ”اُس نے دعوت دی اُن سب کو اور اہتمام کیا ایک نکتیہ دار مجلس کا“

اُس نے کھانے کی ایک پُر تکلف تقریب کا اہتمام کیا جس میں مہمان عورتوں کے لیے گاوٹیکے لگے ہوئے تھے۔ ﴿وَأَنْتِ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سَيِّئٌ﴾ ”اور ان میں سے ہر عورت کو اُس نے ایک ٹھہری دے دی“ کھانے کی چیزوں میں پھل وغیرہ بھی ہوں گے چنانچہ ہر مہمان عورت کے سامنے ایک ایک ٹھہری بھی رکھ دی گئی۔

﴿وَقَالَتِ الْخَوَاصُّ عَلَيْهِنَّ﴾ ”اور (یوسف سے) کہا کہ اب تم ان کے سامنے آؤ!“ ﴿فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ﴾ ”پھر جب انہوں نے یوسف کو دیکھا تو اسے بہت عظیم جانا (ششدر رہ گئیں)“

﴿وَقَطَّعْنَ أَئْيِدِيَهُنَّ﴾ ”اور ان سب نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے“ عورتوں نے جب پاکیزگی اور تقدس کا پیکر ایک جوان رعنا اپنے سامنے کھڑا دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گئیں۔ سب کی سب آپ کے حسن و جمال پر ایسی فریفتہ ہوئیں کہ اپنے اپنے ہاتھ زخمی کر لیں۔ ممکن ہے کسی ایک عورت کا ہاتھ تو واقعی عالم حیرت و محویت میں کٹ گیا ہو اور اس کی طرف حضرت یوسفؑ بحیثیت خادم کے متوجہ ہوئے ہوں کہ خون صاف کر کے پٹی وغیرہ کر دیں اور یہ دیکھ کر باقی سب نے بھی اپنی اپنی انگلیاں دانستہ کاٹ لی ہوں کہ اس طرح یہی التفات انہیں بھی ملے گا۔ قَطَّعَ باب تفعیل ہے جس میں کسی کام کو پورے اہتمام اور ارادے سے کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں۔

﴿وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هَذَا بَشَرًا اِنْ هَذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ﴾ ”اور وہ پکارا اُنھیں کہ حاشا للہ یہ کوئی آدمی تو نہیں! یہ تو کوئی بہت بزرگ فرشتہ ہے۔“

آیت ۳۲ ﴿قَالَتْ فَاِلٰهِي الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ لِنَفْسِهٖۙ وَلِيٍّ﴾ ”تو اُس عورت نے کہا کہ یہ ہے وہ جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کر رہی تھیں۔“

﴿وَلَقَدْ رَاَوْهُ عَنِ نَفْسِهٖۙ فَاَسْتَعْصَمَ﴾ ”اور یقیناً میں نے اسے ٹھسلا نا چاہا تھا لیکن وہ بچا رہا۔“ ﴿وَلٰكِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا امْرُؤٌ يُفْسِدُۙ وَلٰكِنْ رَّحِمَ الْغٰفِرِيْنَ﴾ ”اور اگر اس نے وہ نہ کیا جو میں اسے حکم دے رہی ہوں تو وہ لازماً قید میں پڑے گا اور ضرور ذلیل ہو کر رہے گا۔“

اس عورت کا دھڑلے سے خصوصی دعوت کا اہتمام کرنا اور اس میں سب کو فخر سے بتانا کہ دیکھ لویہ ہے وہ شخص جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں، اور پھر پوری بے حیائی سے اعلان کرنا کہ ایک دفعہ تو یہ مجھ سے بچ گیا ہے مگر کب تک؟ آخر کار اسے میری بات ماننا ہوگی! اس سے تصور کیا جاسکتا ہے کہ ان کی اس انتہائی اونچی سطح کی سوسائٹی کی مجموعی طور پر اخلاقی حالت کیا تھی!

**آیت ۳۳** ﴿قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ﴾ ”یوسفؑ نے دعا کی: اے میرے

پروردگار! مجھے قید زیادہ پسند ہے اُس چیز سے جس کی طرف یہ مجھے بلارہی ہیں۔“

﴿وَالَا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُنْ مِنَ الْبَاطِلِينَ﴾ ”اور اگر تو نے مجھ سے

دور نہ کر دیا ان کی چالوں کو تو (ہو سکتا ہے) میں بھی ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔“

**آیت ۳۴** ﴿فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”تو آپ کے

رب نے آپ کی دعا قبول کر لی اور اُن عورتوں کی چالوں کو آپ سے پھیر دیا۔ یقیناً وہی ہے سننے

والا جاننے والا۔“

**آیت ۳۵** ﴿ثُمَّ بَدَأَ لَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا رَأَوُا الْآيَاتِ لِيَسْجُنَنَّهُ حَتَّىٰ حِينٍ﴾ ”پھر اُن لوگوں کو یہ

بات سمجھی ساری نشانیاں دیکھ لینے کے بعد کہ اس کو کچھ عرصہ کے لیے جیل میں ڈال دیا جائے۔“

اس تقریب میں جو کچھ ہوا اس معاملے کو پوشیدہ رکھنا ممکن نہیں تھا، چنانچہ ارباب اختیار نے جب یہ سارے

حالات دیکھے تو انہیں عافیت اور مصلحت اسی میں نظر آئی کہ حضرت یوسفؑ کو وقتی طور پر منظر سے ہٹا دیا جائے اور

اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ کچھ عرصے کے لیے انہیں جیل میں ڈال دیا جائے۔

## آیات ۳۶ تا ۴۲

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ ۖ قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا ۖ وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي

أَرَانِي أُحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۖ نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ۚ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ

الْحُسَيْنِينَ ۖ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُزْفِقُونَهُ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا ۚ

ذَلِكُمَا وَمِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي إِنِّي تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ

كَافِرُونَ ۖ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ۚ مَا كَانَ لَنَا أَنْ نَشْرِكَ بِاللَّهِ

مِنْ شَيْءٍ ۚ ذَلِكُمْ مِنْ فَضْلِ اللَّهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۖ

يُصَاحِبِي السِّجْنَ ۖ أَبَا بَكْرٍ مُتَّقٍ قَوْنٌ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ

دُونِهِ إِلَّا أَسْمَاءُ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ۚ إِنْ الْحُكْمُ إِلَّا

لِلَّهِ ۚ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ۚ ذَلِكُمُ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ



لَا يَعْلَمُونَ ۝ يَصَاحِبِي السِّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ۖ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ  
فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ ۖ قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ ۖ وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ  
نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ ۚ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ۖ

آیت ۳۶ ﴿وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيْنِ﴾ ”اور داخل ہوئے آپ کے ساتھ جیل میں دونو جوان۔“  
جب حضرت یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجا گیا تو اتفاقاً اسی موقع پر دو اور قیدی بھی آپ کے ساتھ جیل میں داخل  
کیے گئے۔

﴿قَالَ أَحَدُهُمَا إِنِّي أَرَانِي أَعْصِرُ خَمْرًا﴾ ”ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے اپنے آپ کو  
خواب میں دیکھا ہے کہ میں شراب کشید کر رہا ہوں۔“  
﴿وَقَالَ الْآخَرُ إِنِّي أَرَانِي أَحْمِلُ فَوْقَ رَأْسِي خُبْرًا تَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ﴾ ”اور دوسرے نے کہا  
کہ میں نے اپنے آپ کو دیکھا ہے کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اس میں  
سے کھا رہے ہیں۔“

﴿بَيْنَمَا يَتَاَوَّلُهُ ۖ أَنَا نَرَاكَ مِنَ الْمَحْسُورِينَ ۖ﴾ ”ہمیں ان خوابوں کی تعبیر بتا دیجئے، ہم آپ کو بہت  
نیکو کار دیکھتے ہیں۔“

ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ دوسرے قیدیوں سے بالکل مختلف ہیں۔ آپ اعلیٰ اخلاق اور قابل رشک کردار  
کے مالک ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آپ ہمارے خوابوں کے سلسلے میں ضرور ہماری راہنمائی فرمائیں گے۔

آیت ۳۷ ﴿قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقُنِيهِ إِلَّا تَبَاوَعْتُمَا يَتَاَوَّلُكُمَا لَبِثَا فِيهَا ثَلَاثِينَ سَنًا مِّنْ قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمَا﴾ ”یوسف نے  
فرمایا کہ تم لوگوں کو جو کھانا دیا جاتا ہے اس کے آنے سے پہلے پہلے میں تم دونوں کو اس کی تعبیر بتا دوں گا۔“  
جیل میں قیدیوں کے کھانے کے اوقات مقرر ہوں گے۔ آپ نے فرمایا کہ آپ لوگ اب تعبیر کے بارے  
میں فکر مت کرو وہ تو میں کھانا آنے سے پہلے پہلے آپ لوگوں کو بتا دوں گا، لیکن میں تم لوگوں سے اس کے علاوہ  
بھی بات کرنا چاہتا ہوں، لہذا اس وقت تم لوگ میری بات سنو۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ طریقہ ایک داعی حق کے  
لیے راہنمائی کا ذریعہ ہے۔ ایک داعی کی ہر وقت یہ کوشش ہونی چاہیے کہ تبلیغ کے لیے، حق بات لوگوں تک  
پہنچانے کے لیے جب اور جہاں موقع میسر آئے اس سے فائدہ اٹھائے۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ  
لوگ میری طرف خود متوجہ ہوئے ہیں تو آپ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور ان کی حاجت کو مؤخر کر کے پہلے  
انہیں پیغام حق پہنچانا ضروری سمجھا۔

﴿ذَلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِي رَبِّي ۖ﴾ ”یہ اس علم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھایا ہے۔“  
آپ نے انہی کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اپنی بات شروع کی اور خوابوں کی تعبیر کے حوالے سے اللہ

تعالیٰ کا تعارف کرایا کہ یہ علم مجھے میرے رب نے سکھایا ہے اس میں میرا اپنا کوئی کمال نہیں ہے۔  
 ﴿اِنِّیْ تَرٰکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ کٰفِرُوْنَۙ﴾ (دیکھو!) میں نے ترک کر دیا ہے اُس قوم کا راستہ جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے یہی لوگ منکر ہیں۔“  
**آیت ۳۸** ﴿وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْحٰقَ وِیَعْقُوْبَ ؕ﴾ ”اور میں نے پیروی کی ہے اپنے آباء ابراہیم، اسحاق اور یعقوب (علیہم السلام) کے طریقے کی۔“

آپ کی اس بات سے موروثی اور شعوری عقائد کا فرق سمجھ میں آتا ہے۔ یعنی ایک تو وہ عقائد و نظریات ہیں جو بچہ اپنے والدین سے اپناتا ہے جیسے ایک مسلمان گھرانے میں بچے کو موروثی طور پر اسلام کے عقائد ملتے ہیں۔ اللہ اور رسول کا نام وہ بچپن ہی سے جانتا ہے ابتدائی کلمے اس کو پڑھا دیے جاتے ہیں نماز بھی سکھادی جاتی ہے۔ لیکن اگر وہ شعور کی عمر کو پہنچنے کے بعد اپنے آزادانہ انتخاب کے نتیجے میں اپنے علم اور غور و فکر سے کوئی عقیدہ اختیار کرے گا تو وہ اس کا شعوری عقیدہ ہوگا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اس شعوری عقیدے کا ذکر کیا کہ اگر چہ وہ جن لوگوں کے درمیان زندگی گزار رہے ہیں وہ اللہ اس کے کسی نبی اور وحی وغیرہ کے تصورات سے نابلد ہیں سب کے سب کافروں و مشرک ہیں مگر مجھے دیکھو میں نے اس ماحول کا اثر قبول نہیں کیا اپنے ارد گرد کے لوگوں کے نظریات و عقائد نہیں اپنائے بلکہ پورے شعور کے ساتھ اپنے آباء و اجداد کے نظریات کو صحیح مانتے ہوئے ان کی پیروی کر رہا ہوں صرف اس لیے نہیں کہ وہ میرے آباء و اجداد تھے بلکہ اس لیے کہ یہی راستہ میرے نزدیک معقول اور عقل سلیم کے قریب تر ہے۔

﴿مَا کَانَ لَنَا اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ﴾ (دیکھو!) ہمارے لیے یہ روا نہیں ہے کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی بھی شے کو شریک کریں۔“

﴿ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلٰی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَۙ﴾ ”یہ اللہ کا بڑا فضل ہے ہم پر اور سب لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔“

یعنی شرک سے بچنے اور توحید کو اپنانے کا عقیدہ و راصل اللہ کا اپنے بندوں پر بہت بڑا فضل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس حیثیت میں انسان کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ ان چیزوں کی پرستش کرتا پھرے جنہیں خود اس کی خدمت اور استفادے کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

**آیت ۳۹** ﴿یٰصَاحِبِی السِّجْنِ ؕ اَرْبَابٌ مُّتَّفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُۙ﴾ ”اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! کیا بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا کیلا اللہ سب پر حاوی و غالب؟“

**آیت ۴۰** ﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِیْۤ اِلَّا اَسْمَآءٌ سَمَّیْتُمُوْهَا اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُکُمْ﴾ ”نہیں پوجتے تم اُس (اللہ) کے سوا مگر چند ناموں کو جو موسوم کر رکھے ہیں تم لوگوں نے اور تمہارے آباء و اجداد نے“

﴿مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍۙ اِنَّ الْحُکْمَ اِلَآ لِلّٰهِ ؕ﴾ ”نہیں اتاری اللہ نے ان کے لیے کوئی

سند۔ اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے۔“

قانون بنانے اور اس کے مطابق حکم چلانے کا اختیار صرف اللہ کا ہے۔

﴿أَمَرَ آلَا تَعْبُدُوا إِلَّا آيَاهُ﴾ ”اُس نے حکم دیا ہے کہ تم اُس کے سوا کسی کی بندگی مت کرو!“  
 ﴿ذَلِكَ الَّذِينَ الْقِيَمَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”یہی ہے دین سیدھا (اور ہمیشہ سے قائم و دائم) لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔“

**آیت ۴۱** ﴿بِصَاحِبِي السَّجْنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا﴾ ”اے میرے جیل کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا۔“

یہاں پر رب کا لفظ بادشاہ کے لیے استعمال ہوا ہے۔ یہ اس شخص کے خواب کی تعبیر ہے جس نے خود کو شراب کشید کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ شخص پہلے بھی بادشاہ کا ساتھی تھا مگر اس پر کوئی الزام لگا اور اسے جیل بھیج دیا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خبر دے دی کہ اس کے خواب کے مطابق وہ اس الزام سے بری ہو کر اپنے پرانے عہدے پر بحال ہو جائے گا۔

﴿وَأَمَّا الْآخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَأْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَأْسِهِ﴾ ”اور جو دوسرا ہے اُسے سولی دے دی جائے گی اور پرندے اُس کے سر میں سے (نوح نوح کر) کھائیں گے۔“  
 ﴿فُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِينَ﴾ ”فیصلہ کر دیا گیا ہے اُس معاملے کا جس کے بارے میں تم دونوں مجھ سے پوچھ رہے تھے۔“

**آیت ۴۲** ﴿وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنْهُمَا اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ﴾ ”اور یوسف نے کہا اُس شخص سے جس کے بارے میں آپ نے گمان کیا کہ وہ ان دونوں میں سے نجات پائے گا کہ اپنے آقا سے میرا ذکر بھی کرنا۔“

یعنی تمہیں کبھی موقع ملے تو بادشاہ کو بتانا کہ جیل میں ایک ایسا قیدی بھی ہے جس کا کوئی قصور نہیں اور اسے خواہ مخواہ جیل میں ڈال دیا گیا ہے۔

﴿فَأَنسَلِسُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ فَلَبِثَ فِي السَّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ﴾ ”تو اُسے بھلائے رکھا شیطان نے ذکر کرنا اپنے آقا سے تو آپ رہے جیل میں کئی برس تک۔“  
 بضع کا لفظ عربی زبان میں دو سے لے کر نو تک (دس سے کم) کی تعداد کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

## آیات ۴۳ تا ۴۹

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعٌ سُتَبِلَتْ خُضِرَ  
 وَأَخْرَ يُوسُفُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُونَ ۝ قَالَوَا

أَضَاعَتْ أَحْلَامَهُ وَمَا تَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمَيْنِ ۖ وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ  
بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ ۖ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ  
سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسٍ ۚ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ  
لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۖ قَالَ تَزِرُ وَرَوُنَّ سَبْعَ سِنِينَ دَأَبًا فَمَا حَصَدْتُمْ فَذُرُونَهُ فِي سُنبُلِهِ إِلَّا  
فَلِيلًا وَمِمَّا تَأْكُلُونَ ۖ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا  
وَمِمَّا تَخْتَصِنُونَ ۖ ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْرِصُونَ ۖ

آیت ۴۳ ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَى سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ﴾ ”اور بادشاہ نے کہا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گائیں ہیں، جن کو کھارہی ہیں سات دلی گائیں“  
اب یہاں سے اس قصے کا ایک نیا باب شروع ہو رہا ہے۔ اُس وقت مصر پر فراعنہ کی حکومت نہیں تھی؛ بلکہ وہاں چرواہے بادشاہ (Hyksos Kings) حکمران تھے۔ تاریخ میں اکثر ایسے واقعات ملتے ہیں کہ کچھ صحرائی قبیلوں نے قوت حاصل کر کے تمدن علاقوں پر چڑھائی کی، پھر یا تو وہ لوٹ مار کر کے واپس چلے گئے یا اُن علاقوں پر اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ ایسی ہی ایک مثال مصر کے چرواہے بادشاہوں کی ہے جو صحرائی قبیلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے کسی زمانے میں مصر پر حملہ کیا اور مقامی لوگوں (قبطی قوم) کو غلام بنا کر وہاں اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہاں جس بادشاہ کا ذکر ہے وہ اسی خاندان سے تھا۔ اس بادشاہ کے کردار اور رویے کی جو جھلک اس قصے میں دکھائی گئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اگرچہ توحید و رسالت سے نااہل تھا مگر ایک نیک سرشت انسان تھا۔

﴿وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَةٍ﴾ ”اور سات بالیاں ہیں ہری اور دوسری (سات) خشک۔“

﴿يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُءْيَايَ إِن كُنْتُمْ لِلرُّءْيَايَا تَعْبُرُونَ﴾ ﴿۴۴﴾ ”تو اے میرے درباریو! مجھے بتاؤ تعبیر میرے خواب کی اگر تم لوگ خوابوں کی تعبیر کر سکتے ہو۔“  
آیت ۴۴ ﴿قَالُوا أَضَاعَتْ أَحْلَامٌ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعِلْمَيْنِ﴾ ﴿۴۵﴾ ”انہوں نے کہا کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں اور ایسے خوابوں کی تعبیر ہم نہیں جانتے۔“

بادشاہ کے خواب کون کون کر انہوں نے جواب دیا کہ یہ کوئی معنوی خواب نہیں، ایسے ہی بے معنی اور منتشر قسم کے خیالات ہیں جن کی ہم کوئی تعبیر نہیں کر سکتے۔ فرائد کا بھی یہی خیال ہے کہ خواب میں انسان اپنے شہوانی خیالات اور دوسری دہی ہوئی نفسانی خواہشات کی تسکین کرنا چاہتا ہے، مگر اسلامی نکتہ نظر سے خواب تین قسم کے ہوتے ہیں۔ پہلی قسم ”رویائے صادقہ“ کی ہے یعنی سچے خواب، یہ اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں اور ایسے خوابوں

کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ نبوت کے اجزاء میں سے ہیں۔ دوسری قسم کے خواب وہ ہیں جو شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں اور ان میں بعض اوقات شیطانی جن اپنی طرف سے خیالات انسانوں کے ذہنوں میں الہام بھی کرتے ہیں۔ تیسری قسم کے خواب وہ ہیں جن کا ذکر فرمائے کیا ہے۔ یعنی انسان کے اپنے ہی خیالات منتشر انداز میں مختلف وجوہات کی بنا پر سوتے وقت انسان کے ذہن میں آتے ہیں اور ان میں کوئی معنی یا ربط ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

**آیت ۲۵ ﴿وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ﴾** ”اور کہا اُس شخص نے جو اُن دونوں (قیدیوں) میں سے نجات پا گیا تھا اور ایک طویل عرصے کے بعد اسے (اچانک) یاد آ گیا“  
وہ شخص جیل سے رہا ہو کر پھر سے ساقی گری کر رہا تھا۔ اسے بادشاہ کے خواب کے ذکر سے اچانک حضرت یوسف علیہ السلام یاد آ گئے کہ ہاں جیل میں ایک شخص ہے جو خوابوں کی تعبیر بتانے میں بڑا ماہر ہے۔  
**﴿أَنَا أَنبِئُكُمْ بِتَأْوِيلِهِ فَأَرْسِلُونِ﴾** ”(اس نے کہا) میں بتا دوں گا تم لوگوں کو اس کی تعبیر بس مجھے ذرا (قید خانے میں یوسف کے پاس) بھیج دیں۔“

اس طرح وہ شخص جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ کر آپ سے مخاطب ہوا:

**آیت ۲۶ ﴿يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَةٍ﴾** ”اے یوسف! اے راست باز! ہمیں تعبیر بتائیے سات موٹی گائیوں کے بارے میں کہ انہیں کھا رہی ہیں سات دہلی اور سات سبز بالیوں اور دوسری (سات) خشک بالیوں کے بارے میں“

**﴿لَعَلِّي أَرْجِعَ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ﴾** ”تا کہ میں واپس جاؤں (تعبیر لے کر) اُن لوگوں کے پاس“ تا کہ انہیں بھی معلوم ہو جائے۔“

**آیت ۲۷ ﴿قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ دَأْبًا﴾** ”یوسف نے (تعبیر بتاتے ہوئے) فرمایا کہ تم سات سال تک خوب زراعت کرو گے لگاتار۔“

**﴿فَمَا حَصَدْتُمْ فَذَرُوهُ فِي سُنْبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَكُلُونَ﴾** ”(تو) (اس دوران میں) جو فصل بھی تم کاٹو اُسے رہنے دینا اس کی بالیوں ہی میں سوائے اُس قلیل تعداد کے جو تم کھاؤ۔“

آپ نے صرف اس خواب کی تعبیر ہی نہیں بتائی بلکہ مسئلے کی تدبیر بھی بتادی اور تدبیر بھی ایسی جو شاہی مشیروں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔ آج کے سائنسی تجربات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اناج کو محفوظ کرنے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اسے سٹوں کے اندر ہی رہنے دیا جائے اور ان سٹوں کو محفوظ کر لیا جائے۔ اس طرح سے اناج خراب نہیں ہوتا اور اسے کیڑوں مکوڑوں سے بچانے کے لیے کسی اضافی preservative کی ضرورت بھی نہیں ہوتی۔

**آیت ۲۸ ﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ﴾** ”پھر اس کے بعد سات سال آئیں گے بہت سخت“ خوشحالی کے سات سالوں کے بعد سات سال تک خشک سالی کا سماں ہوگا جس کی وجہ سے ملک میں شدید قحط پڑ جائے گا۔

**﴿يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّا تَحْصِنُونَ﴾** ”وہ (سات سال) چٹ کر جائیں گے اس کو جو کچھ تم نے ان کے لیے بچا رکھا ہوگا سوائے اُس کے جو تم (بچ کے لیے) محفوظ کر لو گے۔“ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر یہ بتائی کہ سات سال تک ملک میں بہت خوشحالی ہوگی، فصلیں بہت اچھی ہوں گی، مگر ان سات سالوں کے بعد سات سال ایسے آئیں گے جن میں خشک سالی کے سبب شدید قحط پڑ جائے گا۔ اس مسئلے کی تدبیر آپ نے یہ بتائی کہ پہلے سات سال کے دوران صرف ضرورت کا اناج استعمال کرنا، اور باقی سببوں کے اندر ہی محفوظ کرتے جانا اور جب قحط کا زمانہ آئے تو ان سببوں سے نکال کر بقدر ضرورت اناج استعمال کرنا۔

**آیت ۲۹ ﴿ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْرِشُونَ﴾** ”پھر آئے گا اس کے بعد ایک سال کہ اس میں خوب بارشیں ہوں گی لوگوں پر اور اس میں وہ (انگور کا) رس نچوڑیں گے۔“ جب خوب بارشیں ہوں گی تو انگور کی بھلیں خوب پھلیں پھولیں گی، انگور کی پیداوار بھی خوب ہوگی، لوگ خوب انگور نچوڑیں گے اور شراب کشید کریں گے۔

## آیات ۵۰ تا ۵۷

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ ۖ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَسْأَلْهُ مَا بَالُ النَّسُوءِ الَّذِي قَطَعْتَ ۖ اَيُّدِيَهُنَّ ۚ اِنَّ رَبِّي يَبْعِدُ عَنْ عَلِيمٍ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكَ ۙ اِذْ رَاوَدْتَن يٰيُوسُفَ عَنْ نَفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَاةُ الْعَزِيزِ النَّاصِحَةُ الْحَقُّ ۚ اَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ ۚ وَاِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنَّيْ لَمْ اُخْنَهُ بِالْغَيْبِ ۚ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي كَيْدَ الْخٰلِئِيْنَ ۝ وَمَا اَبْرَأُ نَفْسِي ۚ اِنَّ النّفْسَ لَا مَارَةَ بِالسُّوءِ اِلَّا مَا رَجَمَ رَبِّي ۚ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رّٰحِيْمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِيْ بِهِ ۚ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهَا قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اٰمِيْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلَىٰ خَزَايِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ خَافْتُ عَلَيَّكَ مَكَلًّا يُّوسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَّبِعُوْنَ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ لَنُصِيبَ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْهُسَيْنِيْنَ ۚ وَلَا جُرْاٰلَآخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝

**آیت ۵۰** ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اَنْتُمْ نَبِيٌّ بِهٖ﴾ ”(یہ سن کر) بادشاہ نے کہا کہ اُس شخص کو میرے پاس لے آؤ!“  
 بادشاہ اپنے خواب کی تعبیر اور پھر اس کی ایسی اعلیٰ تدبیر سن کر یقیناً بہت متاثر ہوا ہوگا اور اس نے سوچا ہوگا کہ ایسے ذہین، فطین شخص کو جیل میں نہیں بلکہ بادشاہ کا مشیر ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ اس قیدی کو فوراً میرے پاس لے کر آؤ۔

﴿فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ اِلَيَّ رَبِّكَ﴾ ”پھر جب آیا آپ کے پاس ایلچی، تو آپ نے فرمایا کہ تم واپس چلے جاؤ اپنے آقا کے پاس“  
 بادشاہ کا پیغام لے کر جب قاصد آپ کے پاس پہنچا تو آپ نے اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا کہ میں اس طرح ابھی جیل سے باہر نہیں آنا چاہتا۔ پہلے پورے معاملے کی چھان بین کی جائے کہ مجھے کس جرم کی پاداش میں جیل بھیجا گیا تھا۔ اگر مجھ پر کوئی الزام ہے تو اس کی مکمل تفتیش ہو اور اگر میرا کوئی قصور نہیں ہے تو مجھے علی الاعلان بے گناہ اور بری قرار دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس قاصد سے فرمایا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس جاؤ:

﴿فَسَلِّطْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الَّتِي قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ﴾ ”اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے؟“

﴿اِنَّ رَبِّيْ يَبْغِيْهِنَّ عَلَيْنِمْ﴾ ”یقیناً میرا رب ان کی چالوں سے خوب واقف ہے۔“  
 بادشاہ تک یہ بات پہنچی تو اس نے سب بیگمات کو طلب کر لیا۔

**آیت ۵۱** ﴿قَالَ مَا خَطْبُكُمْ اِذْ رَاوَدْتُنَّ يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ﴾ ”اُس نے پوچھا کہ کیا معاملہ تھا تمہارا جب تم سب نے پھسلانا چاہا تھا یوسف کو؟“

﴿قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْءٍ﴾ ”انہوں نے کہا کہ اللہ گواہ ہے ہمارے علم میں اس کے بارے میں کوئی بھی برائی نہیں ہے۔“

اُس وقت جو کچھ بھی ہوا تھا وہ سب ہماری طرف سے تھا، یوسف کی طرف سے کوئی غلط بات ہم نے محسوس نہیں کی۔

﴿قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيزِ النَّحْصُ حَصَّ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ”(اس پر) عزیز کی بیوی بھی بول اٹھی کہ اب حقیقت تو واضح ہو ہی گئی ہے میں نے ہی اس کو پھسلانے کی کوشش کی تھی اور وہ بالکل سچا ہے۔“

اس طرح عزیز کی بیوی کو اس حقیقت کا برملا اظہار کرنا پڑا کہ یوسف نے نہ تو زبان سے کوئی غلط بیانی کی ہے اور نہ ہی اس کے کردار میں کوئی کھوٹ ہے۔

**آیت ۵۲** ﴿ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخْنَهُ بِالْغَيْبِ﴾ ”یہ اس لیے کہ وہ جان لے کہ میں نے اس کی

غیر موجودگی میں اس کی خیانت نہیں کی“

یہ فقرہ سیاقِ عبارت میں کس کی زبان سے ادا ہوا ہے اس کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں۔ اس لیے کہ اس فقرے کے موقع محل اور الفاظ میں متعدد امکانات کی گنجائش ہے۔ ان اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ یہ فقرہ عزیز کی بیوی کی زبان ہی سے ادا ہوا ہے کہ میں نے ساری بات اس لیے سچ بیان کر دی ہے تاکہ یوسف کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی عدم موجودگی میں اس سے کوئی غلط بات منسوب کر کے اس کی خیانت نہیں کی۔

﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْخَائِنِينَ﴾ اور یہ کہ یقیناً اللہ خیانت کرنے والوں کی چال کو کامیاب نہیں کرتا۔“

**آیت ۵۳** ﴿وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي ۚ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ﴾ اور میں اپنے نفس کو بری قرار نہیں دیتی، یقیناً (انسان کا) نفس تو برائی ہی کا حکم دیتا ہے“

﴿إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي ۚ إِنَّ رَبِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ سوائے اُس کے جس پر میرا رب رحم فرمائے۔ یقیناً میرا رب بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

اگر گزشتہ آیت میں نقل ہونے والے بیان کو عزیز مصر کی بیوی کا بیان مانا جائے تو اس صورت میں آیت زیر نظر بھی اسی کے کلام کا تسلسل قرار پائے گی اور اس کا ترجمہ وہی ہوگا جو اوپر کیا گیا ہے۔ یہ ترجمہ دراصل اس نظریے کے مطابق ہے جس کے تحت ہمارے بہت سے مفسرین اور قصہ گو حضرات نے مائی ڈیلخا کو ولی اللہ کے درجے تک پہنچا دیا ہے۔ اور کچھ بعید بھی نہیں کہ اس کا عشق مجازی وقت کے ساتھ ساتھ عشق حقیقی میں تبدیل ہو گیا ہو اور وہ حقیقتاً ہدایت پر آگئی ہو۔ بہر حال جو لوگ اس بات کو درست تسلیم کرتے ہیں وہ ان آیات کا ترجمہ اسی طرح کرتے ہیں، کیونکہ اس نے اعترافِ جرم کر کے توبہ کر لی تھی اور اس لحاظ سے مذکورہ مفسرین کا موقف یہ ہے کہ اعترافِ گناہ سے لے کر آیت ۵۳ کے اختتام تک اسی کا بیان ہے۔

اس سلسلے میں دوسرا موقف (جو دورِ حاضر کے زیادہ تر مفسرین نے اختیار کیا ہے) یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی کا بیان اس آیت پر ختم ہو گیا ہے: ﴿أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ﴾ اور اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کا بیان نقل ہوا ہے۔ اس صورت میں آیت ۵۲ اور ۵۳ کا مفہوم یوں ہوگا کہ جب بادشاہ کی تفتیشی کارروائی اور عزیز مصر کی بیوی کے برملا اعترافِ جرم کے بارے میں حضرت یوسف کو بتایا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سب کچھ سے میرا یہ مقصود نہیں تھا کہ کسی کی عزت و ناموس کا پردہ چاک ہو بلکہ میں تو چاہتا تھا کہ عزیز مصر یہ جان لے کہ اگر اس نے مجھے اپنے گھر میں عزت و اکرام سے رکھا تھا اور مجھ پر اعتماد کیا تھا تو میں نے بھی اس کی عدم موجودگی میں اس کی خیانت کر کے اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائی، اور میرا ایمان ہے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو راہِ یاب نہیں کرتا۔ باقی میں خود کو بہت پارسا نہیں سمجھتا بلکہ سمجھتا ہوں کہ نفسِ انسانی تو انسان کو برائی پر ابھارتا ہی ہے اور اس کے حملے سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس پر میرا رب اپنی خصوصی نظرِ رحمت فرمائے۔



اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری حفاظت کا بھی اگر خصوصی انتظام نہ فرمایا جاتا تو مجھ سے بھی غلطی سرزد ہو سکتی تھی۔ مگر چونکہ میرا رب بخشے والا بہت زیادہ رحم فرمانے والا ہے اس لیے اس نے مجھ پر اپنی خصوصی رحمت فرمائی۔

**آیت ۵۴** ﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اِنَّا نُبْنِي بِهٖ اَسْتَحْلِصُهٗ لِنَفْسِیْۙ﴾ ”اور بادشاہ نے (اب فیصلہ کن انداز میں) کہا کہ اُس کو میرے پاس لے آؤ، میں اُسے اپنا مصاحبِ خاص بناؤں گا۔“

﴿فَلَمَّا كَلَمَتْہٗ قَالَتْ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌۭ اٰمِیْنٌۭ﴾ ”تو جب بادشاہ نے آپ سے بات چیت کی تو کہا کہ آج کے دن سے آپ ہمارے نزدیک بڑے باعزت اور معتبر انسان ہیں۔“

آج سے آپ کا شمار ہمارے خاص مقربین میں ہوگا اور اس لحاظ سے مملکت کے اندر آپ کا ایک خاص مقام ہوگا۔ آپ کی امانت و دیانت پر ہمیں پورا پورا بھروسہ ہے۔

**آیت ۵۵** ﴿قَالَۙ اَجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَاۤئِنِ الْاَرْضِۙ اِنِّیْ حٰفِیْظٌ عَلَیْہِمْۙ﴾ ”آپ نے فرمایا کہ مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیں، میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور جاننے والا بھی ہوں۔“

حضرت یوسف علیہ السلام جان چکے تھے کہ اس ملک پر بہت بڑی آفت آنے والی ہے اور اگر اس ممکنہ صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے بروقت درست اور موثر اقدام نہ کیے گئے تو نہ صرف خود مصر ایک خوفناک قحط کی زد میں آجائے گا بلکہ اُس پاس کے علاقوں کے لیے بھی بہت بھیاں تک حالات پیدا ہو جائیں گے۔ اس پورے خطے میں مصر ہی ایک ایسا ملک تھا جہاں غلہ اور دوسری اشیائے خوراک پیدا ہوتی تھیں۔ اس کے ہمسایہ میں چاروں طرف خشک صحرائی علاقے تھے اور اناج وغیرہ کے سلسلے میں ان علاقوں کا انحصار بھی مصر کی زراعت پر تھا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے موقع دیکھا تو فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں کہ اگر خزانے اور خوراک و زراعت کا پورا انتظام و انصرام میرے پاس ہوگا تو میں اس آفت کا سامنا کرنے کے لیے جامع اور ٹھوس منصوبہ بندی کر سکوں گا۔

**آیت ۵۶** ﴿وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لَیُوسُفَ فِی الْاَرْضِۙ یَتَّبِعُوْا مِنْہَا حَیْثُ یَشَآءُۙ﴾ ”اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو تمکن عطا کیا (مصر کی) زمین میں، کہ وہ اس میں جہاں چاہے اپنا ٹھکانہ بنا لے۔“

حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمکن عطا ہونے کا یہ دوسرا مرحلہ تھا۔ پہلے مرحلے میں آپ کو بدوی اور صحرائی ماحول سے اٹھا کر اس دور کے ایک نہایت متدین ملک کی اعلیٰ ترین سطح کی سوسائٹی میں پہنچایا گیا، جبکہ دوسرے مرحلے میں آپ کو اسی ملک کے اربابِ اختیار و اقتدار کی صف میں ایک نہایت ممتاز مقام عطا کر دیا گیا، جس کے بعد آپ پورے اختیار کے ساتھ عزیز کے عہدے پر متمکن ہو گئے۔

﴿نٰصِیْبٌ بِرَحْمَتِنَا مِنْ نِّسَآءٍ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَۙ﴾ ”ہم اپنی رحمت سے نوازتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اور ہم نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔“

**آیت ۵۷** ﴿وَلَاۤ اَجْرُ الْاٰخِرَةِۙ خَیْرٌۭ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَۙ﴾ ”اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بہتر ہے ان کے لیے جو ایمان لائیں اور تقویٰ کی روش اختیار کیے رکھیں۔“

اب یہاں سے آگے اس قصے کا ایک نیا باب شروع ہونے جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ آئندہ رکوع کے مضامین اور گزشتہ مضمون کے درمیان زمانی اعتبار سے تقریباً دس سال کا بُعد ہے۔ اب بات اس زمانے سے شروع ہو رہی ہے جب مصر میں بہتر فصلوں کے سات سالہ دور کے بعد قحط پڑ چکا تھا۔ یہاں پر جو تفصیلات چھوڑ دی گئی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر کے عین مطابق سات سال تک مصر میں خوشحالی کا دور دورہ رہا اور فصلوں کی پیداوار معمول سے کہیں بڑھ کر ہوئی۔ اس دوران حضرت یوسف علیہ السلام نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اناج کے بڑے بڑے ذخائر جمع کر لیے تھے۔ چنانچہ جب یہ پورا علاقہ قحط کی لپیٹ میں آیا تو مصر کی حکومت کے پاس نہ صرف اپنے عوام کے لیے بلکہ ملحقہ علاقوں کے لوگوں کی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی اناج وافر مقدار میں موجود تھا۔ چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اس غیر معمولی صورت حال کے پیش نظر ”راشن بندی“ کا ایک خاص نظام متعارف کروایا۔ اس نظام کے تحت ایک خاندان کو ایک سال کے لیے صرف اس قدر غلہ دیا جاتا تھا جس قدر ایک اونٹ اٹھا سکتا تھا اور اس کی قیمت اتنی وصول کی جاتی تھی جو وہ آسانی سے ادا کر سکیں۔ ان حالات میں فلسطین میں بھی قحط کا سماں تھا اور وہاں سے بھی لوگ قافلوں کی صورت میں مصر کی طرف غلہ لینے کے لیے آتے تھے۔ ایسے ہی ایک قافلے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دس بھائی بھی غلہ لینے مصر پہنچے جبکہ آپ کا ماں جایا بھائی ان کے ساتھ نہیں تھا۔ اس لیے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے اس بیٹے کو کسی طرح بھی ان کے ساتھ کہیں بھیجنے پر آمادہ نہیں تھے۔

## آیات ۵۸ تا ۶۸

وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُكْرَوْنَ ۖ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ  
 قَالَ ائْتُونِي بِآيَةٍ لَّكُمْ مِّنْ آبَائِكُمْ أَلا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ ۖ فَإِنْ  
 لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ ۖ قَالُوا اسْرِءْ لَهُ عَنْ آبَاءِ وَآئِنَّا لَفَاعِلُونَ ۖ  
 وَقَالَ لِفَتِيِّهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يُعْرِفُونَهَا ۖ إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ  
 لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۖ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا  
 أَخَانَا نَكْتَلْ ۖ وَإِنَّا لَهُ لَحَفِظُونَ ۖ قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمَنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ  
 قَبْلُ ۖ قَالَ اللَّهُ خَيْرٌ حِفْظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۖ وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا  
 بِضَاعَتَهُمْ رَدَّتْ إِلَيْهِمْ ۖ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ۖ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رَدَّتْ إِلَيْنَا ۖ وَنَبِيرَ أَهْلِنَا  
 وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَزَدَادًا كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَلِكَ كَيْلُ يَسِيرٍ ۖ قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ  
 تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتِيَ بِهٖ إِلَّا أَن يُمَاطَ بِكُمْ ۖ فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا  
 نَقُولُ وَكِيلٌ ۖ وَقَالَ لِيَبْنِيَ لَا تَدْخُلُوا مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا

مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَمَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٥٨﴾ وَكَتَبْنَا ذَلِيلًا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لَمَّا عَلِمْنَاهُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٩﴾

آیت ۵۸ ﴿وَجَاءَ إِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ﴾ ”اور آئے یوسف کے بھائی اور آپ کے سامنے پیش ہوئے“

﴿فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكَرُونَ﴾ ”تو آپ نے انہیں پہچان لیا مگر وہ آپ کو نہیں پہچان پائے۔“  
ان حالات میں یہ امکان ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عزیز مصر جس کے دربار میں اُن کی پیشی ہو رہی ہے وہ ان کا بھائی یوسف ہے۔

آیت ۵۹ ﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِآخِ لَكُمْ مِنْ أَيْكُم﴾ ”پھر جب آپ نے اُن کا سامان تیار کروا دیا تو فرمایا کہ (آئندہ) اپنے اس بھائی کو بھی میرے پاس لے کر آنا جو تمہارے والد سے (تمہارا بھائی) ہے۔“

غلہ چونکہ راشن بندی کے تحت دیا جاتا تھا اس لیے انہوں نے درخواست کی ہوگی کہ ہمارا ایک بھائی اور بھی ہے، اس کے اہل خانہ بھی ہیں، اسے ہم اپنے والد کی خدمت کے لیے پیچھے چھوڑ آئے ہیں، اُس کے حصے کا غلہ بھی ہمیں دے دیا جائے۔ اس سلسلے میں سوال و جواب کے دوران انہوں نے یہ بھی بتایا ہوگا کہ ہم دس حقیقی بھائی ہیں جبکہ وہ گیارہواں بھائی باپ کی طرف سے سگا لیکن والدہ کی طرف سے سوتیلا ہے۔ حضرت یوسف نے یہ سارا ماجرا سننے کے بعد فرمایا ہوگا کہ ٹھیک ہے میں آپ کے گیارہویں بھائی کے حصے کا اضافی غلہ تم لوگوں کو اس شرط پر دے دیتا ہوں کہ آئندہ جب تم لوگ غلہ لینے کے لیے آؤ گے تو اپنے اس بھائی کو ساتھ لے کر آؤ گے تاکہ میں تصدیق کر سکوں کہ تم لوگوں نے غلط بیانی کر کے مجھ سے اضافی غلہ تو نہیں لیا۔

﴿أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِينَ﴾ ”کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پیمانہ پورا بھر کر دیتا ہوں اور بہترین مہمان نوازی کرنے والا بھی ہوں!“

آیت ۶۰ ﴿فَإِنْ لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِي وَلَا تَقْرَبُونِ﴾ ”اور اگر تم اُسے میرے پاس لے کر نہیں آؤ گے تو میرے پاس تمہارے لیے کوئی غلہ نہیں ہے، اور تم میرے قریب بھی نہ پھٹکنا۔“

آیت ۶۱ ﴿قَالُوا سَتَرْنَا عَنْهُ آيَاتِهِ وَآنَا لَفَاعِلُونَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ ہم اس کے بارے میں اس کے والد کو آمادہ کرنے کی کوشش کریں گے اور ہم یہ ضرور کر کے رہیں گے۔“

آیت ۶۲ ﴿وَقَالَ لِفَتْنِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِجْرًا لِّهِمْ﴾ ”اور یوسف نے اپنے نوجوانوں سے کہا کہ ان کی پونجی (بھی واپس) اُن کے کجاووں میں رکھ دو“

اس زمانے میں چیزوں کے عوض ہی چیزیں خریدی جاتی تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ بھی اپنے ہاں سے کچھ چیزیں (بھیڑ بکریوں کی اون وغیرہ) اس مقصد کے لیے لے کر آئے تھے اور غلے کی قیمت کے طور پر اپنی وہ چیزیں انہوں نے پیش کر دی تھیں۔ مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ملازمین کو ہدایت کر دی کہ جب ان کے کجاووں میں گندم بھری جائے تو ان لوگوں کی یہ چیزیں بھی جو انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر ادا کی ہیں چپکے سے واپس ان کے کجاووں میں ہی رکھ دی جائیں۔

﴿لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ﴿۳۷﴾ ”تا کہ وہ پہچانیں ان کو جب لوٹیں اپنے اہل و عیال کی طرف شاید کہ (اس طرح) وہ دوبارہ آئیں۔“

**آیت ۳۸** ﴿فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبْنِهِمْ قَالُوا يَا بَنَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ﴾ ”پھر جب وہ لوٹے اپنے والد کے پاس تو کہنے لگے: ابا جان! ہم سے (ایک) پیانہ روک لیا گیا ہے“  
یعنی انہوں نے آئندہ کے لیے ہمارے چھوٹے بھائی کے حصے کا غلہ روک دیا ہے اور وہ تبھی ملے گا جب ہم اس کو وہاں لے کر جائیں گے۔

﴿فَارْسِلْ مَعَنَا آخَانَا نَكْتَلْ وَنَأْتَاكَ لَحِيفُونَ﴾ ﴿۳۹﴾ ”تو (آئندہ) ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجے گا تا کہ ہم (اس کے حصے کا بھی) غلہ لے کر آئیں، اور ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے۔“  
**آیت ۴۰** ﴿قَالَ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا آمَنُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ﴾ ”یعقوبؑ نے فرمایا کہ کیا میں اس کے بارے میں اسی طرح تم پر اعتبار کر لوں جیسے میں نے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں پہلے تم پر اعتبار کیا تھا؟“

﴿قَالَ خَيْرٌ حِفْظًا ۖ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّحِمِينَ﴾ ﴿۴۱﴾ ”(ویسے تو) اللہ ہی بہترین محافظ ہے اور وہی تمام رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

**آیت ۴۲** ﴿وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ﴾ ”اور جب انہوں نے کھولا اپنا سامان تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی پونجی انہیں لوٹا دی گئی ہے۔“  
﴿قَالُوا يَا بَنَانَا مَا نَنۢغِي ۖ هَذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا﴾ ”وہ پکار اٹھے: ابا جان! ہمیں اور کیا چاہیے؟ یہ ہماری پونجی بھی ہمیں لوٹا دی گئی ہے۔“

﴿وَنَمِيرُ أَهْلَنَا وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزِدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ ۖ ذَلِكَ كَيْلُ يَسِيرٍ﴾ ﴿۴۳﴾ ”(اب ہم جانیں گے) اور اپنے اہل و عیال کے لیے غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ زیادہ لائیں گے۔ یہ (ایک اضافی) بوجھ (لانا تو اب) بہت آسان ہے۔“

**آیت ۴۴** ﴿قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَنْ يُحَاطَ بِكُمْ﴾

”یعقوبؑ نے فرمایا: میں اسے (واپس) ہرگز نہیں بھیجوں گا تمہارے ساتھ یہاں تک کہ تم میرے سامنے پختہ قسم کھاؤ اللہ کی کہ تم لازماً اسے لے کر آؤ گے میرے پاس، سوائے اس کے کہ تم سب کو گھیرے میں لے لیا جائے۔“

ہاں اگر کوئی ایسی مصیبت آجائے کہ تم سب کے سب گھیر لیے جاؤ اور وہاں سے گلو خلاصی مشکل ہو جائے تو اور بات ہے، مگر عام حالات میں تم لوگ اسے واپس میرے پاس لانے کے پابند ہو گے۔

﴿فَلَمَّا آتَوْهُ مَوَاقِعَهُمْ قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ وَكِيلٌ ۝۳۹﴾ ”پھر جب انہوں نے آپؑ کو اپنا پختہ قول و قرار دے دیا تو یعقوبؑ نے فرمایا کہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔“

**آیت ۶۷** ﴿وَقَالَ يَبْنَیٰ لَا تَدْخُلُوا مِنۡیَ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنۡ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ﴾ ”اور آپؑ نے کہا: اے میرے بیٹو! تم لوگ ایک دروازے سے (شہر میں) داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا۔“  
حسد اور نظر بد وغیرہ کے اثرات سے بچنے کے لیے بہتر ہے کہ آپ تمام بھائی اکٹھے ایک دروازے سے شہر میں داخل ہونے کے بجائے مختلف دروازوں سے داخل ہوں۔

﴿وَمَا أَغْنِیْ عَنْكُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ شَیْءٍ ۝۴۰﴾ ”اور میں تم کو بچا نہیں سکتا اللہ (کے فیصلے) سے کچھ بھی۔“

میں اللہ کے کسی فیصلے کو تم لوگوں سے نہیں ٹال سکتا۔ اگر اللہ کی مشیت میں تم لوگوں کو کوئی گزند پہنچنا منظور ہے تو میں اُس کو روک نہیں سکتا۔ یہ صرف انسانی کوشش کی حد تک احتیاطی تدابیر ہیں جو ہم اختیار کر سکتے ہیں۔

﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝۴۱﴾ ”اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے اُسی پر میں نے توکل کیا ہے اور تمام توکل کرنے والوں کو اُسی پر توکل کرنا چاہیے۔“  
**آیت ۶۸** ﴿وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمُ﴾ ”تو جب وہ داخل ہوئے جہاں سے انہیں حکم دیا تھا ان کے والد نے۔“

﴿مَا كَانَ يُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللَّهِ مِنْ شَیْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِی نَفْسِ یَعْقُوبَ قَطْسَهَا﴾ ”وہ (یعقوبؑ) بچانے والا نہیں تھا ان کو اللہ (کے فیصلے) سے کچھ بھی سوائے اس کے کہ یعقوبؑ کے دل میں ایک خیال تھا جو اُس نے اسے پورا کر لیا۔“

حضرت یعقوبؑ کے دل میں ایک کھٹک تھی جسے دور کرنے کے لیے آپؑ نے یہ تدبیر اختیار کی کہ اپنے بیٹوں کو ہدایت کر دی کہ وہ ایک دروازے سے داخل ہونے کی بجائے مختلف دروازوں سے داخل ہوں، لیکن آپؑ کی یہ تدبیر اللہ کے کسی فیصلے پر اثر انداز نہیں ہو سکتی تھی۔

﴿وَأَنَّهُ لَدُوٌّ عَلِیْمٌ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَکِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُونَ ۝۴۲﴾ ”اور یقیناً آپؑ صاحبِ علم تھے اُس علم کے اعتبار سے جو ہم نے آپؑ کو سکھایا تھا، لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔“

## آیات ۶۹ تا ۷۹

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٩﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِبرِيُّ إِنَّكُمْ لَسِرْقُونَ ﴿٧٠﴾ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴿٧١﴾ قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَن جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ ﴿٧٢﴾ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ ﴿٧٣﴾ قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ ﴿٧٤﴾ قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وَجَدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ وَعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وَعَاءِ أَخِيهِ كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَن نَّشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ﴿٧٦﴾ قَالُوا إِنْ يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخْرَاهُ مِنْ قَبْلُ فَأَسْرَهَا يُّوسُفُ فِي نَفْسِهِ وَلَمْ يُبَيِّدْهَا لَهُمْ قَالَ أَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ ﴿٧٧﴾ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْحُسَيْنِينَ ﴿٧٨﴾ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ تَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَلَا مِنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَكَ إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ ﴿٧٩﴾

**آیت ۶۹** ﴿وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ﴾ ”اور جب وہ آئے

یوسفؑ کے پاس تو آپؑ نے اپنے بھائی کو اپنے پاس الگ بلالیا اور اسے بتا دیا کہ میں تمہارا بھائی ہوں“  
آپؑ نے اپنے چھوٹے بھائی بن یامین کو علیحدگی میں اپنے پاس بلایا اور ان پر اپنی شناخت ظاہر کر دی کہ میں تمہارا بھائی یوسفؑ ہوں جو بچپن میں کھو گیا تھا۔

﴿فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”تو اب مت غمگین ہونا اس پر جو یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔“  
حضرت یوسفؑ نے اپنے چھوٹے بھائی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ مجھے اللہ نے اس اعلیٰ مقام تک پہنچایا ہے اور ہمیں آپس میں ملا بھی دیا ہے۔ چنانچہ اب ان بڑے بھائیوں کے رویے پر تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب سختی کے دن ختم ہو گئے ہیں۔

**آیت ۷۰** ﴿فَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ﴾ ”پھر جب آپؑ نے ان کے لیے ان کا سامان تیار کر دیا تو رکھ دیا پیٹے کا پیالہ اپنے بھائی کے سامان میں“

یہ بادشاہ کا خصوصی جام تھا جو سونے کا بنا ہوا تھا۔

﴿ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِبرِيُّ إِنَّكُمْ لَسِرْقُونَ﴾ ”پھر ایک پکارنے والے نے پکار لگائی کہ اے

قافلے والو! تم لوگ چور ہو۔“

جب وہ قافلہ چل پڑا تو اسے روک لیا گیا کہ ہمارے ہاں سے کوئی چیز چوری ہوئی ہے اور ہمیں اس بارے میں تم لوگوں پر شک ہے۔

**آیت ۱۷** ﴿قَالُوا وَأَقْبِلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ﴾ ”انہوں نے پوچھا اُن کی طرف مڑ کر کہ آپ کی کیا چیز گم ہوئی ہے؟“

**آیت ۱۸** ﴿قَالُوا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَاءَ بِهِ حِمْلُ بَعِيرٍ وَأَنَا بِهِ زَعِيمٌ﴾ ”انہوں نے جواب دیا کہ ہمیں بادشاہ کا جام زریں نہیں مل رہا اور جو اسے لے آئے گا اسے ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر غلہ دیا جائے گا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔“

**آیت ۱۹** ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ﴾ ”انہوں نے کہا: اللہ کی قسم آپ لوگ خوب جانتے ہیں کہ ہم زمین میں فساد مچانے نہیں آئے اور ہم چوری کرنے والے ہرگز نہیں ہیں۔“

آپ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم قحط کے مارے لوگ یہاں اتنی دور سے غلہ لینے آئے ہیں، ہم کوئی چور ڈاکو نہیں ہیں۔ اُن کے اس فقرے اور اندازِ گفتگو میں بڑی لجاجت پائی جاتی ہے۔

**آیت ۲۰** ﴿قَالُوا فَمَا جَزَاؤُهُ إِنْ كُنْتُمْ كَاذِبِينَ﴾ ”انہوں (شاہی ملازمین) نے کہا کہ پھر اس (چور) کی کیا سزا ہوگی اگر تم لوگ جھوٹے ہوئے؟“

یعنی اگر تم لوگ اپنے اس دعوے میں جھوٹے نکلے اور تم میں سے ہی کوئی شخص چور ہوا تو پھر اس شخص کی کیا سزا ہونی چاہیے؟

**آیت ۲۱** ﴿قَالُوا جَزَاؤُهُ مَنْ وُجِدَ فِي رَحْلِهِ فَهُوَ جَزَاؤُهُ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ اس کی سزا یہی ہے کہ جس کے سامان میں وہ (جام زریں) پایا جائے وہ خود ہی اس کا بدلہ ہوگا۔ ہم تو اسی طریقے سے ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔“

انہوں نے کہا کہ ہاں اگر ایسا ہوا تو پھر جس کے سامان میں سے آپ کا جام نکل آئے، سزا کے طور پر آپ لوگ اسے اپنے پاس رکھ لیں وہ آپ کا غلام بن جائے گا۔ ہمارے ہاں تو (شریعتِ ابراہیمی کی رو سے) چوری کے جرم کی یہی سزا رائج ہے۔

**آیت ۲۲** ﴿فَبَدَأَ بِأَوْعِيَّتِهِمْ قَبْلَ رِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ رِعَاءِ أَخِيهِ﴾ ”تو آپ نے (تلاشی) شروع کی اُن کے بوروں کی اپنے بھائی کے بورے سے پہلے پھر آپ نے نکال لیا وہ (جام) اپنے بھائی کے سامان سے۔“

﴿كَذَلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ﴾ ”اس طرح سے ہم نے تدبیر کی یوسف کے لیے۔“

یہ ایک ایسی تدبیر تھی جس میں تورے کا سانداز تھا اور اس سے مقصود کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اس پورے خاندان کو آپس میں ملانا تھا۔ اس تدبیر کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنی طرف سے ایسا نہیں کیا تھا بلکہ اللہ نے آپ کے لیے یہ ایک راہ نکالی تھی۔ یہ وضاحت اس لیے ضروری تھی تاکہ کسی کے ذہن میں یہ اشکال پیدا نہ ہو کہ ایسی تدبیر اختیار کرنا تو شانِ نبوت کے منافی ہے۔ یہاں پر یہ نکتہ لائقِ توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اختیار بھی مطلق ہے اور اس کا علم بھی ہر شے پر محیط ہے۔ اللہ کو تو علم تھا کہ یہ عارضی سامعہ معاملہ ہے اور اس سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

﴿مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ﴾ ”آپ کے لیے ممکن نہیں تھا کہ اپنے بھائی کو رد کتے بادشاہ کے قانون کے مطابق سوائے اس کے کہ اللہ چاہے۔“

لفظ ”دین“ کی تعریف (definition) کے اعتبار سے قرآن کی یہ آیت بہت اہم ہے۔ یہاں دینِ الْمَلِكِ (بادشاہ کے دین) سے مراد وہ نظام ہے جس کے تحت بادشاہ اس پورے ملک کو چلا رہا تھا جس میں بادشاہ اقتدارِ اعلیٰ (Sovereignty) کا مالک تھا۔ اس کا اختیار مطلق تھا اس کا ہر حکم قانون تھا اور پورا نظام سلطنت و مملکت اس کے تابع تھا۔ اس حوالے سے ”دین اللہ“ کی اصطلاح بہت آسانی سے واضح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر اللہ کے اقتدار (Sovereignty) اور اختیار مطلق کو تسلیم کر کے پورا نظام زندگی اس کے تابع کر دیا جائے تو یہی ”دین اللہ“ کا عملی ظہور ہوگا۔ یہی وہ کیفیت تھی جو ”دین اللہ“ کے غلبے کے بعد جزیرہ نمائے عرب میں پیدا ہوئی تھی اور جس کی گواہی سورۃ النصر میں اس طرح دی گئی ہے: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ ۖ وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ۝﴾۔ اسی طرح آج کا دین جسے عوام کی فلاح کا ضامن قرار دیا جا رہا ہے ”دین الجمهور“ ہے۔ اس دین یا نظام میں قانون سازی کا اختیار جمہور یعنی عوام یا عوام کے نمائندوں کو حاصل ہے وہ جسے چاہیں جائز قرار دیں اور جسے چاہیں ناجائز اور یہی سب سے بڑا کفر اور شرک ہے۔

بہر حال اس وقت مصر میں بادشاہی نظام رائج تھا جس کو حضرت یوسفؑ بدل نہیں سکتے تھے کیونکہ آپ بادشاہ تو نہیں تھے۔ آپ کو جو اختیار حاصل تھا وہ اسی نظام کے مطابق اپنے شعبے اور محکمے کی حد تک تھا جس کے وہ انچارج تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے یہ تدبیر نکالی۔ آپ کے بھائیوں سے پہلے یہ اقرار کر لیا گیا کہ جس کے سامان سے وہ پیالہ برآمد ہوگا، سزا کے طور پر اسے خود ہی غلام بننا پڑے گا اور اس طرح حضرت یوسفؑ کے لیے جواز پیدا ہو گیا کہ وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس روک سکیں۔

﴿نَوَفَعُكَ دَرَجَتٍ مِّنْ نَّشَأٍ ۖ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ ۝﴾ ”ہم درجے بلند کرتے ہیں جس کے چاہتے ہیں۔ اور ہر صاحبِ علم کے اد پر کوئی اور صاحبِ علم بھی ہے۔“

یعنی علم کے لحاظ سے علماء کے درجات ہیں۔ ہر عالم کے اوپر اس سے بڑا عالم ہے اور یہ درجات اللہ تعالیٰ کی ذات پر جا کر اختتام پذیر ہوتے ہیں جو سب سے بڑا عالم ہے۔

آیت ۷۷ ﴿قَالُوا إِن يَسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ أَخٌ لَّهُ مِن قَبْلِهِ﴾ ”انہوں نے کہا کہ اگر اس نے چوری کی



ہے تو اس سے پہلے اس کا بھائی بھی چوری کر چکا ہے۔“

برادرانِ یوسف کی طبیعت کا ہلکا پن ملاحظہ ہو کہ اس پر انہوں نے فوراً کہا کہ اگر اس نے چوری کی ہے تو اس سے یہ بعید نہیں تھا، کیونکہ ایک زمانے میں اس کے ماں جائے بھائی (یوسفؑ) نے بھی اسی طرح کی حرکت کی تھی۔ ﴿فَاسْرَهَا يَوْسُفُ فَمِنْ نَفْسِهِ وَلَمْ يُنْدِهَا لَهُمْ﴾ ”اس کو چھپائے رکھا یوسفؑ نے اپنے جی میں اور ان پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔“

﴿قَالَ أَنْتُمْ شَرُّ مَكَانًا وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَصِفُونَ﴾ ”آپؑ نے (دل ہی دل میں) کہا کہ تم بجائے خود بہت بُرے لوگ ہو، اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔“ انہوں نے آپؑ پر بھی فوراً چوری کا بے بنیاد الزام لگا دیا، مگر آپؑ نے کمالِ حکمت اور صبر سے اسے برداشت کیا اور اس پر کسی قسم کا کوئی ردِ عمل ظاہر نہیں کیا۔

**آیت ۷۸** ﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَيْخًا كَبِيرًا فَخُذْ أَحَدَنَا مَكَانَهُ﴾ ”وہ کہنے لگے: اے عزیز (صاحب اختیار)! اس کا والد جو ہے بہت بوڑھا ہے، تو آپؑ اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیں۔“ ﴿إِنَّا نَرَاكَ مِنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپؑ بڑے ہی نیک انسان ہیں۔“

یہ صورتِ حال ان لوگوں کے لیے بہت پریشان کن تھی۔ باپ کا اعتماد وہ پہلے ہی کھو چکے تھے۔ اس دفعہ اللہ کے نام پر عہد کر کے بن یا مین کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اب خیال آتا تھا کہ اگر اسے یہاں چھوڑ کر واپس جاتے ہیں تو والد کو جا کر کیا منہ دکھائیں گے۔ چنانچہ وہ گڑگڑانے پر آ گئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی منت سماجت کرنے لگے کہ آپؑ بہت شریف اور نیک انسان ہیں، آپؑ ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ اپنے پاس رکھ لیں، مگر اس کو جانے دیں۔

**آیت ۷۹** ﴿قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَنْ نَأْخُذَ إِلَّا مَنْ وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهُ إِنَّا إِذًا لَّظَالِمُونَ﴾ ”یوسفؑ نے فرمایا: اللہ کی پناہ اس بات سے کہ ہم پکڑ لیں کسی اور کو اُس شخص کے بجائے جس کے پاس سے ہم نے اپنا مال برآمد کیا ہے، یقیناً اس صورت میں تو ہم ظالم ہوں گے۔“

## آیات ۸۰ تا ۹۳

فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ ۖ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أْبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّى يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۖ ارْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۖ وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَيْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ ۖ وَاسْأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا ۖ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۖ قَالَ بَلْ سَوَّكْتُ لَكُمُ أَنْفُسَكُمْ ۖ أَمْرَأُ

فَصَبَّرْ جَمِيلٌ ۖ عَسَىٰ اللَّهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝ وَكَوْلَىٰ عَنْهُمْ  
وَقَالَ يَاسْقَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ وَأَبِیضَتْ عَيْنُهُ مِنَ الْحُزَنِ فَهُوَ كَظِيمٌ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ تَفْتُنَا  
تَذَكَّرُ يُوسُفَ حَتَّىٰ تَكُونَ حَرَضًا أَوْ تَكُونَ مِنَ الْهَالِكِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا أَشْكُوا بَثِّي وَحُزْنِي  
إِلَى اللَّهِ وَأَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝ يَبْنَئِي أَدْهُبُوا فَتَحْسَبُوا مِنِّي يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا  
تَأْتِسُوا مِن رُّوحِ اللَّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يَأْتِسُ مِنْ رُّوحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوا  
عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسْنَا وَأَهْلْنَا الضَّرَّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ  
وَكَصِّدْ قِيَامًا ۚ إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُم مَّا فَعَلْتُم بِيُوسُفَ  
وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ۝ قَالُوا أَعَزَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفَ ۚ قَالَ أَنَا يُوسُفَ وَهَذَا أَخِي قَدْ  
مَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا ۚ إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ  
أَثَرَكُ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَطِيطِينَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۚ يَعْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ  
أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ اذْهَبُوا بِقَبِيضِي هَذَا فَالْقُوَّةُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بِصِيرَاءٍ وَأُتُوْنِي  
بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ۝

ع

آیت ۸۰ ﴿فَلَمَّا اسْتَيْسَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا﴾ ”پھر جب وہ یوسف سے مایوس ہو گئے تو علیحدگی  
میں جا کر مشورہ کرنے لگے۔“

﴿قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُمْ مَوْثِقًا مِنَ اللَّهِ﴾ ”ان کے بڑے نے  
کہا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے والد نے تم سے اللہ کے نام پر پختہ عہد لیا ہوا ہے“  
اُن کے سب سے بڑے بھائی کا نام یہود تھا یہ وہی تھے جنہوں نے مشورہ دے کر حضرت یوسف کی جان  
بچائی تھی کہ اگر تم اُس کی جان کے درپے ہو گئے ہو تو اسے قتل کرو بلکہ کسی دور دراز علاقے میں پھینک آؤ۔  
﴿وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُمْ فِي يُوسُفَ﴾ ”اور (کیا تم نہیں جانتے) جو زیادتی اس سے پہلے تم  
یوسف کے معاملے میں کر چکے ہو!“

﴿فَلَنْ أَتْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِيَ أَبِي﴾ ”اب میں تو اس سرزمین سے نہیں ہلوں گا یہاں تک  
کہ میرے والد خود مجھے اجازت دے دیں“

تم لوگ جا کر والد صاحب کو سارا واقعہ بتاؤ پھر اگر وہ مطمئن ہو کر مجھے اجازت دے دیں تو تب میں واپس  
جاؤں گا ورنہ میں ادھر ہی رہوں گا۔

﴿أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِيَ ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ﴾ ”یا پھر اللہ ہی میرے بارے میں کوئی فیصلہ

کردے اور یقیناً وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے۔“

**آیت ۸۱** ﴿ارْجِعُوا إِلَىٰ آبَائِكُمْ فَقُولُوا يَا أَبَانَا إِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ﴾ ”تم لوٹ جاؤ اپنے والد کے پاس اور (جا کر) کہو کہ ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے۔“

﴿وَمَا شَهِدْنَا إِلَّا بِمَا عَلَّمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حَافِظِينَ﴾ ”اور ہم گواہی نہیں دے سکتے مگر اسی چیز کی جس کے بارے میں ہمیں علم ہے، اور ہم غیب کے نگہبان نہیں ہیں۔“

ابا جان! ہم نے اُسے چوری کرتے ہوئے نہیں دیکھا، ہم تو آپ کو وہی حقیقت بتا رہے ہیں جو ہمارے علم میں آئی ہے اور وہ یہ ہے کہ بن یامین نے چوری کی ہے اور اس جرم میں وہ وہاں پکڑا گیا ہے۔

**آیت ۸۲** ﴿وَسَأَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِي كُنَّا فِيهَا وَالْعِيرَ الَّتِي أَقْبَلْنَا فِيهَا وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ﴾ ”آپ اس بستی (والوں) سے پوچھ لیں جس میں ہم تھے اور اُس قافلے (والوں) سے جن کے ساتھ ہم آئے ہیں۔ اور ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں۔“

آپ مصر سے بھی حقیقت حال معلوم کرا سکتے ہیں یا پھر جس قافلے کے ساتھ ہم گئے تھے اس کے سب لوگ وہاں موجود تھے ان کے سامنے یہ سب کچھ ہوا تھا۔ آپ ان میں سے کسی سے بھی پوچھ لیں وہ سارا ماجرا آپ کو بتا دیں گے۔

**آیت ۸۳** ﴿قَالَ بَلَىٰ سَوَّلْتُ لَكُمْ أَنْفُسَكُمْ أَمْوَا فَصَبِرُوا جَمِيعًا﴾ ”آپ نے فرمایا: (نہیں!) بلکہ تمہارے لیے تمہارے نفسوں نے ایک کام آسان کر دیا ہے، پس صبر ہی بہتر ہے۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہاں پر پھر وہی فقرہ بولا جو حضرت یوسف علیہ السلام کی موت کے بارے میں خبر ملنے پر بولا تھا۔ انہیں یقین تھا کہ حقیقت وہ نہیں ہے جو وہ بیان کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا: بہر حال میں اس پر بھی صبر کروں گا اور بخوبی کروں گا۔

﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ ”ہو سکتا ہے اللہ ان سب کو لے آئے میرے پاس۔ یقیناً وہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام کے لیے حضرت یوسف علیہ السلام کا غم ہی کیا کم تھا کہ اب دیار غیر میں دوسرے بیٹے کے مصیبت میں گرفتار ہونے کی خبر مل گئی اور پھر تیسرے بیٹے یہود کا دکھ اس پر مترادف جس نے مصر سے واپس آنے سے انکار کر دیا تھا، مگر پھر بھی آپ صبر کا دامن تھامے رہے۔ رنج و الم کے سیل بے پناہ کا سامنا ہے مگر پائے استقامت میں لغزش نہیں آئی۔ بس اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ہے اور اُسی کی رحمت سے اُمید!

**آیت ۸۴** ﴿وَتَوَلَّىٰ عَنْهُمْ وَقَالَ يَا سَفَىٰ عَلَىٰ يَوْسُفَ﴾ ”اور آپ نے اُن سے رخ پھیر لیا اور کہنے لگے ہائے افسوس یوسف پر! (اور رونا شروع کر دیا)“

﴿وَأَبْصَتْ عَنْهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيمٌ﴾ ”اور صدمے سے آپ کی آنکھیں سفید پڑ گئی

تھیں کیونکہ آپ غم کو (اندر ہی اندر) پیتے رہتے تھے۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت محبت تھی۔ بیٹے کے ہجر اور فراق میں آپ کے دل پر جو گزری تھی خود قرآن کے یہ الفاظ اس پر گواہ ہیں۔ یہ انسانی فطرت کا ایک ناگزیر تقاضا ہے جسے یہاں اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ کسی کے بچے کا فوت ہو جانا یقیناً بہت بڑا صدمہ ہے، لیکن بچے کا گم ہو جانا اس سے کئی گنا بڑا صدمہ ہے۔ فوت ہونے کی صورت میں اپنے سامنے تجہیز و تکفین ہونے سے اپنے ہاتھوں دفن کرنے اور قبر بنالینے سے کسی قدر صبر کا دامن ہاتھ میں رہتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اس صبر میں ثبات پیدا ہوتا جاتا ہے۔ مگر بچے کے گم ہونے کی صورت میں اس کی یاد مستقل طور پر انسان کے لیے سوہان روح بن جاتی ہے۔ یہ خیال کسی وقت چین نہیں لینے دیتا کہ نہ معلوم بچہ زندہ ہے یا فوت ہو گیا ہے۔ اور اگر زندہ ہے تو کہاں ہے؟ اور کس حال میں ہے؟ یہی دکھ تھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو اندر ہی اندر کھا گیا تھا اور رو کر آپ کی آنکھیں سفید ہو چکی تھیں۔ آپ کو وحی کے ذریعے یہ تو بتلادیا گیا تھا کہ یوسف زندہ ہیں اور آپ سے ضرور ملیں گے، مگر کہاں ہیں؟ کس حال میں ہیں؟ اور کب ملیں گے؟ یہ وہ سوالات تھے جو آپ کو سا لہا سال سے مسلسل کرب میں مبتلا کیے ہوئے تھے۔ اب بن یامین کی جدائی پر یوسف کا غم پوری شدت سے عود کر آیا۔

**آیت ۸۵ ﴿قَالُوا تَاللّٰهِ تَفْتُوْا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَۙ﴾**  
 ”انہوں نے کہا: (ابا جان!) اللہ کی قسم آپ تو یوسف ہی کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ یا تو (اسی صدمے میں) گھل جائیں گے یا فوت ہو جائیں گے۔“

**آیت ۸۶ ﴿قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَيْنِيْ وَحَزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ﴾** ”یعقوب نے فرمایا: میں اپنی پریشانی اور اپنے غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں“

میں نے تم لوگوں سے تو کچھ نہیں کہا، میں نے تمہیں تو کوئی لعن طعن نہیں کی، تم سے تو میں نے کوئی باز پرس نہیں کی۔ یہی الفاظ تھے جو نبی اکرم ﷺ نے طائف کے دن اپنی دعا میں استعمال فرمائے تھے: ((اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضَعْفَ قُوَّتِيْ وَفَلَّةَ حِيلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلٰى النَّاسِ اِلٰى مَنْ تَكْلِيْنِ؟.....))<sup>(۱)</sup> ”اے اللہ! میں تیری جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں اپنی قوت کی کمزوری اور اپنے وسائل کی کمی کی، اور لوگوں کے سامنے میری جو توہین ہو رہی ہے اس کی۔ اے اللہ! تو نے مجھے کس کے حوالے کر دیا ہے؟.....“

**﴿وَاَعْلَمَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَۙ﴾** ”اور میں اللہ کی طرف سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم لوگ نہیں جانتے ہو۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے علم سے میں جانتا ہوں کہ یوسف زندہ ہیں فوت نہیں ہوئے۔

**آیت ۸۷ ﴿يٰۤيَسٰۤىۤ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَاْيَسُوْا مِنْ رُّوْحِ اللّٰهِ﴾** ”اے

میرے بیٹو! جاؤ اور تلاش کرو یوسفؑ کو بھی اور اس کے بھائی کو بھی، اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔“  
 ﴿إِنَّهُ لَا يَأْتِسُّ مِنْ ذَوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾ ”یقیناً اللہ کی رحمت سے مایوس تو بس کافر ہی ہوتے ہیں۔“

صاحب ایمان لوگ کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔

**آیت ۸۸ ﴿فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ﴾** ”پھر جب وہ لوگ یوسفؑ کے ہاں پہنچے“

اگلے سال جب وہ لوگ اپنے والد کے حکم کے مطابق مصر پہنچے اور پھر حضرت یوسفؑ کے سامنے پیش ہوئے۔  
 ﴿قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا وَأَهْلَنَّا الضُّرَّ﴾ ”انہوں نے کہا: اے عزیز (صاحب اختیار)! ہم پر اور ہمارے اہل و عیال پر بڑی سختی آگئی ہے“

کئی سال سے لگا تار قحط کا سماں تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے اثرات زیادہ شدت کے ساتھ ظاہر ہو رہے ہوں گے۔  
 بھیڑ بکریاں بھی ختم ہو چکی ہوں گی۔ اب تو ان کی اون بھی نہیں ہوگی جو اناج کی قیمت کے عوض دے سکیں۔  
 ﴿وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ فَأَوْفٍ لَّنَا الْكَيْلُ﴾ ”اور ہم بہت حقیر سی پونجی لے کر آئے ہیں، لیکن (اس کے باوجود) آپ ہمارے لیے پیمانے پورے بھر کر دیجیے“

اس دفعہ ہم جو چیزیں غلے کی قیمت ادا کرنے کے لیے لے کر آئے ہیں وہ بہت کم اور ناقص ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان سے غلے کی قیمت پوری نہیں ہو سکتی۔

﴿وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ ”اور ہمیں خیرات بھی دیجیے۔“

اپنے انتہائی خراب حالات کی وجہ سے ہم چونکہ خیرات کے مستحق ہو چکے ہیں، اس لیے آپ سے درخواست ہے کہ اس دفعہ کچھ غلہ آپ ہمیں خیرات میں بھی دیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ﴾ ”یقیناً اللہ صدقہ دینے والوں کو جزا دیتا ہے۔“

چونکہ حضرت یوسفؑ علیہ السلام کے لیے یہ ساری صورت حال بہت رقت انگیز تھی، اس لیے آپ مزید ضبط نہیں کر سکے اور آپ نے انہیں اپنے بارے میں بتانے کا فیصلہ کر لیا۔

**آیت ۸۹ ﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ﴾** ”آپ نے پوچھا: کیا تم لوگوں کو یاد ہے کہ تم نے کیا کیا تھا یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ جب کہ تم نادان تھے!“

آپ کا اپنے بھائیوں سے یہ سوال کرنا گویا اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا حرف بہ حرف ایفا تھا جس کا ذکر سورت کے آغاز میں ان الفاظ میں ہوا تھا: ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”یہ تب کی بات ہے جب وہ سب بھائی مل کر آپ کو باؤلی میں پھینکنے کی تیاری کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان الفاظ میں آپ کے دل پر الہام کیا تھا کہ ایک وقت آئے گا جب آپ اپنے بھائیوں کو یہ بات ضرور جتلائیں گے، اور یہ ایسے وقت اور ایسی صورت حال میں ہوگا جب یہ بات ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوگی۔“

**آیت ۹۰ ﴿قَالُوا إِنَّكَ لَأَنْتَ يُوسُفُ قَالَ أَنَا يُوسُفُ وَهَذَا أَخِي﴾** ”انہوں نے کہا: تو کیا آپ

یوسف ہیں؟ یوسف نے فرمایا: ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے“

**﴿قَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَىٰ نَاثَانَهُ مِنْ يَتَقَىٰ وَيَصْبِرُ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ﴾** ”اللہ نے

ہم پر بڑا احسان کیا ہے۔ یقیناً جو شخص تقویٰ کی روش اختیار کرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ ایسے نیکو کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

**آیت ۹۱ ﴿قَالُوا تَاللَّهِ لَقَدْ أَفْرَكَ اللَّهُ عَلَيْنَا وَإِنْ كُنَّا لَخَطِيئِينَ﴾** ”انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ

نے آپ کو ہم پر فضیلت بخشی ہے اور یقیناً ہم ہی خطا کار تھے۔“

یقیناً ہم خطا کار ہیں بلاشبہ ظلم و زیادتی کے مرتکب ہم ہی ہوئے تھے۔

**آیت ۹۲ ﴿قَالَ لَا تَغْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾** ”یوسف نے فرمایا: آج کے دن تم لوگوں پر کوئی

ملامت نہیں۔“

یہ اس قدر معمولی بات نہیں تھی جسے اس ایک فقرے میں ختم کر دیا جاتا، مگر حضرت یوسف علیہ السلام کی شخصیت کے ترفع اور اخلاق کی عظمت کی دلیل ہے کہ آپ نے اپنے ان خطا کار بھائیوں کو فوراً غیر مشروط طور پر معاف کر دیا۔

یہاں یہ بات بھی نوٹ کر لیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اپنے مخالفین، جن کے جرائم کی فہرست بڑی طویل اور سنگین تھی، کو معاف کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ السلام کے اسی قول کا تذکرہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: **﴿أَنَا أَقُولُ كَمَا قَالَ أَخِي يُوسُفُ: لَا تَغْرِبْ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ﴾** ”میں آج (تمہارے بارے میں) وہی کہوں گا جو میرے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام نے (اپنے بھائیوں سے) کہا تھا: (جاؤ) تم پر آج کوئی گرفت نہیں ہے!“

**﴿يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾** ”اللہ تمہیں معاف کرے، اور وہ تمام رحم کرنے

والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

**آیت ۹۳ ﴿اذْهَبُوا بِقَمِيصِي هَذَا فَالْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ بَصِيرًا﴾** ”تم میری قمیص لے جاؤ

اور (جا کر) اسے میرے والد کے چہرے پر ڈال دو، آپ کی بصارت لوٹ آئے گی۔“

**﴿وَأَنْتُنِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ﴾** ”اور تم لے آؤ میرے پاس اپنے تمام اہل خانہ کو۔“

## آیات ۹۲ تا ۱۰۱

**وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تَقْعُدُونِ ﴿۹۴﴾ قَالُوا تَاللَّهِ**

**إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿۹۵﴾ فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْقَاهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ بَصِيرًا ﴿۹۶﴾ قَالَ**

**أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۹۷﴾ قَالُوا يَا بَاكَا أَسْتَغْفِرُ لَنَا ذُنُوبَنَا**

إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿٩٤﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿٩٥﴾ فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَى يُوسُفَ أَوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَاهُ وَقَالَ ادْخُلُوا مَصْرًا شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴿٩٦﴾ وَرَفَعَ أَبَوَاهُ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَأْكَبْتُ هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلْنَا رَبِّي حَقًّا وَقَدْ أَحْسَنَ بِي إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ أَنْ نَزَغَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿٩٧﴾ رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ فَاطِرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ أَنْتَ وَلِيَّ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ تُؤَفِّقُنِي مَسْلَمًا وَآلِحَقِّنِي بِالصَّالِحِينَ ﴿٩٨﴾

**آیت ۹۴** ﴿وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُون﴾ اور جب قافلہ چلا (مصر سے تو) ان کے والد نے فرمایا: مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے اگر تم لوگ یہ نہ کہو کہ میں سٹھیا گیا ہوں۔“

یہاں پر یہ بات قابل غور ہے کہ جونہی حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص لے کر قافلہ مصر سے چلا اسی لمحے کنعان میں حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے بیٹے کی خوشبو پہنچ گئی۔ مگر اس سے پہلے ایک طویل عرصے تک آپ نے اپنے بیٹے کے ہجر میں رور و کراہی آنکھیں سفید کر لیں، مگر یہ خوشبو نہیں آئی۔ اس سے یہ نکتہ واضح ہوتا ہے کہ کوئی نبی ہو یا ولی، کسی معجزے یا کرامت کا ظہور کسی بھی شخصیت کا ذاتی کمال نہیں ہے بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔ وہ جس کو جس وقت جو علم چاہے عطا فرما دے یا اس کے ہاتھوں جو چاہے دکھا دے۔ جیسے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مسجد نبویؐ میں خطبہ کے دوران اللہ تعالیٰ نے شام کے علاقے میں واقع اس میدان جنگ کا نقشہ دکھا دیا جہاں اُس وقت اسلامی افواج برسرِ پیکار تھیں اور آپؐ نے فوج کے کمانڈر ساریہ کو ایک حربی تدبیر اختیار کرنے کی باوازا بلند تلقین فرمائی۔ جناب ساریہ نے میدان جنگ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز سنی اور آپؐ کی ہدایت پر عمل کیا۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اختیار تھا کہ جب چاہتے ایسا منظر دیکھ لیتے۔

**آیت ۹۵** ﴿قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ﴾ ”انہوں (گھر والوں) نے کہا: اللہ کی قسم! آپؐ تو اپنے اسی پرانے خطبے میں مبتلا ہیں۔“

آپؐ کو شروع ہی سے یہ وہم ہے کہ یوسفؑ زندہ ہے اور آپؐ کو اس کے دوبارہ ملنے کا یقین ہے۔ یہ آپؐ کے ذہن پر اسی وہم کے غلبے کا اثر ہے جو آپؐ اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔ وہی پرانے خیالات یوسفؑ کی خوشبو بن کر آپؐ کے دماغ میں آ رہے ہیں۔

**آیت ۹۶** ﴿فَلَمَّا أَنْ جَاءَ الْبَشِيرُ أَلْفُسُهُ عَلَىٰ وَجْهِهِ فَاذْكُذَّ بَصِيرًا﴾ ”تو جب آیا بشارت دینے والا

اور اُس نے ڈالا اس (قمیص) کو یعقوب کے چہرے پر تو آپ پھر سے ہو گئے دیکھنے والے۔“  
یوسف کی قمیص چہرے پر ڈالتے ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بصارت لوٹ آئی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سامنے زندگی کا سب سے اندوہناک غم بھی حضرت یوسف علیہ السلام کے کڑتے ہی کی صورت میں سامنے آیا تھا جب برادرانِ یوسف نے اس پر خون لگا کر ان کے سامنے پیش کر دیا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور اب زندگی کی سب سے بڑی خوشی بھی یوسف کے کڑتے ہی کی صورت میں نمودار ہو گئی۔

﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۹۶﴾ ”آپ نے فرمایا: کیا میں تم سے کہتا نہیں تھا کہ مجھے اللہ کی طرف سے ان چیزوں کا علم ہے جو تم نہیں جانتے؟“  
آیت ۹۷ ﴿قَالُوا لَا بَاۤنَا اَسْتَغْفِرُ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّا كُنَّا خٰطِیْیْنَ ۝۹۷﴾ ”انہوں نے کہا: ابا جان! ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے، یقیناً ہم ہی خطا کا رتھے۔“

آیت ۹۸ ﴿قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ۙ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝۹۸﴾ ”آپ نے فرمایا: عنقریب میں مغفرت طلب کروں گا تمہارے لیے اپنے رب سے یقیناً وہی ہے بخشش والا بہت رحم کرنے والا۔“  
یہاں پر ”سَوْفَ“ کا لفظ بہت اہم ہے۔ یعنی آپ نے فوری طور پر ان کے لیے استغفار نہیں کیا بلکہ وعدہ کیا کہ میں عنقریب تم لوگوں کے لیے اپنے رب سے استغفار کروں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی اپنے بیٹوں کے بارے میں آپ کے دل میں رنج اور غصہ برقرار تھا۔ شاید آپ کا خیال ہو کہ میں یوسف سے مل کر ساری تفصیلات معلوم کروں گا، اس کے بعد جب تمام معاملات کی صفائی ہو جائے گی تو پھر میں اپنے رب سے ان کے لیے معافی کی درخواست کروں گا۔

آیت ۹۹ ﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اَوٰی اِلَیْهِ اَبْوٰیہٗ﴾ ”پھر جب وہ سب یوسف کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے جگہ دی اپنے پاس اپنے والدین کو،“

کنعان سے چل کر بنی اسرائیل کا یہ پورا خاندان جب حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر پہنچا تو آپ نے خصوصی اعزاز کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے والدین کو اپنے پاس امتیازی نشستیں پیش کیں۔

﴿وَقَالَ اَدْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِیْنِیْنَ ۝۹۹﴾ ”اور کہا کہ اب آپ لوگ مصر میں داخل ہو جائیں اللہ نے چاہا تو پورے امن و چین کے ساتھ (یہاں رہیں)۔“

اب آپ لوگوں کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ اگر اللہ نے چاہا تو یہاں آپ کے لیے امن و چین اور سکون و راحت ہی ہے۔

آیت ۱۰۰ ﴿وَرَفَعَ اَبُوْیْہٖ عَلٰی الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَہٗ سُجَّدًا ۝۱۰۰﴾ ”اور آپ نے اپنے والدین کو اونچے تخت پر بٹھایا، اور وہ سب کے سب یوسف کے سامنے سجدے میں گر گئے۔“

یہ سجدہ بتعلیمی تھا جو پہلی شریعتوں میں جائز تھا۔ شریعت محمدی ﷺ میں جہاں دین کی تکمیل ہو گئی وہاں توحید



کا معاملہ بھی آخری درجے میں تکمیل کو پہنچا دیا گیا۔ چنانچہ یہ سجدہ تعظیمی اب حرام مطلق ہے۔ جو لوگ اپنے بزرگوں یا قبروں کو سجدہ کرتے ہیں وہ صریح شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات سے آج اس کے لیے کوئی دلیل اخذ کرنا قطعاً درست نہیں۔

﴿وَقَالَ يَأْتِبَ هَذَا تَأْوِيلُ رُءُوسِ يَأَى مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور یوسفؑ نے کہا: ابا جان! یہ ہے تعبیر اُس خواب کی جو میں نے پہلے (بچپن میں) دیکھا تھا“

حضرت یوسفؑ کے اس خواب کا ذکر آیت ۴۲ میں ہے کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس میں گیارہ بھائی ستاروں کی مانند جبکہ والدین سورج اور چاند کے حکم میں ہیں۔

﴿قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا﴾ ”میرے رب نے اس کو سچا کر دکھایا۔“

﴿وَقَدْ أَحْسَنَ بَعِيَ إِذْ أَخْرَجْتَنِي مِنَ السِّجْنِ﴾ ”اور اُس نے مجھ پر بہت احسان کیا جب مجھے قید خانے سے نکلوایا“

﴿وَجَاءَ بِكُمْ مِنَ الْبَدْوِ﴾ ”اور آپ لوگوں کو (یہاں) لے آیا صحرا سے“

آپ لوگوں کو صحرا کی پُر مشقت زندگی سے نجات دلا کر یہاں مصر کے متمدن اور ترقی یافتہ ماحول میں پہنچا دیا، جہاں زندگی کی ہر سہولت میسر ہے۔

﴿مَنْ بَعْدَ أَنْ نَزَعَ الشَّيْطَانُ بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي﴾ ”اس کے بعد کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان دشمنی ڈال دی تھی۔“

﴿إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ﴾ ”یقیناً میرا رب غیر محسوس طور پر تدبیر کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ یقیناً وہی ہے ہر شے کا علم رکھنے والا حکمت والا۔“

اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق باریک بینی سے تدبیر کرتا ہے اور اس کی تدبیر بالآخر کامیاب ہوتی ہے۔ اس کے بعد حضرت یوسفؑ اللہ کے حضور دعا کرتے ہیں:

**آیت ۱۰۱** ﴿رَبِّ قَدْ آتَيْتَنِي مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِي مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ﴾ ”اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت بھی عطا کی ہے اور مجھے خوابوں کی تعبیر (یا معاملہ فہمی) کا علم بھی سکھایا ہے۔“

﴿فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ اَنْتَ وَلِيّٰ فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”اے وہ ہستی جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔“

﴿تَوَفَّنِي مُسْلِمًا ۙ وَالْحَقْنِي بِالصَّلٰحِیْنَ﴾ ”مجھے وفات دیجو فرمانبرداری کی حالت میں اور مجھے شامل کر دیجو اپنے صالح بندوں میں۔“

## آیات ۱۰۲ تا ۱۱۱

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ ۝ وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا تَسْتَلْهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۖ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ۝ وَكَانَ مِنْ اٰيَةِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمْزُونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝ وَمَا يُوْنُ مِنْ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ ۝ اَفَاَمِنُوْا اَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ قُلْ هٰذِهِ سَبِيْلِيْ اَدْعُوْا اِلَى اللّٰهِ عَلَىٰ بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنْ اَتَّبَعَنِ ۖ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنْ اٰهْلِ الْقُرَى ۖ اَفَلَمْ يَسِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ وَكَذٰلِكَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰتَقَوْا ۖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰى اِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْا اَنْهُمْ قَدْ كَذَبُوْا جَاءَهُمْ نَصْرٌ مِّنَّا لَا يَنْصِيْ مَنْ تَشَاءُ ۖ وَلَا يَرُدُّ بَاسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ ۖ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقُ الَّذِى بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلٌ لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْقَوْمِ يُؤْمِنُوْنَ ۝

آیت ۱۰۲ ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ اِلَيْكَ﴾ ”یہ ہے غیب کی خبروں میں سے جو ہم وحی کرتے ہیں (اے محمد ﷺ) آپ کی طرف۔“

﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُونَ﴾ ”اور آپ ان کے پاس موجود نہیں تھے جب انہوں نے اتفاق رائے کیا تھا اپنے معاملے پر اور جب وہ لوگ سازش کر رہے تھے۔“

آیت ۱۰۳ ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں چاہے آپ کتنی ہی خواہش رکھیں۔“

ان منکرین حق نے اپنی طرف سے ایک سوال کیا تھا ہم نے اس کا مفصل جواب دے دیا ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس قدر عمدہ اور خوبصورت جواب پا کر وہ لوگ ایمان بھی لے آئیں گے۔ نہیں ایسا نہیں ہوگا۔ ان میں سے اکثر لوگ آپ ﷺ کی شدید خواہش کے باوجود بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

آیت ۱۰۴ ﴿وَمَا تَسْتَلْهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۖ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) (اے نبی ﷺ) آپ پر ان سے کوئی اجر تو نہیں مانگ رہے یہ (قرآن) تو تمام جہان والوں کے لیے ایک یاد دہانی ہے۔“

آیت ۱۰۵ ﴿وَكَانَ مِنْ اٰيَةِ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمْزُونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ﴾ ”اور کتنی ہی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں جن پر سے یہ گزرتے رہتے ہیں لیکن یہ ان سے اعراض

ہی کرتے ہیں۔“

یہ لوگ زمین و آسمان کی وسعتوں میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں کو بار بار دیکھتے ہیں مگر کبھی ان پر غور کر کے سبق حاصل نہیں کرتے۔

**آیت ۱۰۶** ﴿وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ ”اور ان میں اکثر لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے مگر اس طرح کہ (کسی نہ کسی نوع کا) شرک بھی کرتے ہیں۔“

یہ آیت ہمارے لیے بہت زیادہ لائق توجہ ہے اور ہم سب کو اس پر بہت غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے۔ شرک کا معاملہ ان لوگوں کا تو بالکل واضح ہے جو ایک اللہ کے ساتھ بے شمار دوسرے معبودوں پر ایمان رکھتے ہیں اور مختلف ناموں سے اُن کی پوجا کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ خود کو موحد سمجھتے ہیں اور اپنے خیال میں وہ امکانی حد تک موحد ہوتے بھی ہیں بسا اوقات غیر شعوری طور پر وہ بھی کسی نہ کسی نوع کے شرک میں ملوث ہو جاتے ہیں۔ اس صورتِ حال کو سمجھنے کے لیے بڑی گہری بصیرت کی ضرورت ہے اور ایسی بصیرت اور ایسا علم حاصل کرنا ہر صاحبِ شعور مسلمان پر فرض ہے تاکہ وہ خود کو اس مہلک اور تباہ کن گناہ سے بچا سکے۔

شرک کو قرآن مجید میں بدترین گناہ اور سب سے بڑا جرم قرار دیا گیا ہے۔ اس گناہ کی شدت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سورۃ النساء میں وہ آیت (۴۸ اور ۱۱۶) دو مرتبہ آئی ہے جس میں شرک کا ارتکاب کرنے والے فرو کے لیے معافی اور مغفرت کے کسی بھی امکان کو سختی سے رد کر دیا گیا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ — اس اعتبار سے میں یہاں پر ایک دفعہ پھر ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ ”حقیقت و اقسام شرک“ کے موضوع پر میری چھ گھنٹے کی تقاریر کی ریکارڈنگ آپ ضرور سنیں (اب اسی نام سے کتاب بھی دستیاب ہے جس کا مطالعہ کر لیں) اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام کیا ہیں؟ ماضی میں شرک کی کیا صورتیں تھیں اور آج کے دور کا سب سے بڑا شرک کون سا ہے؟ شرک فی الذات کیا ہے؟ شرک فی الصفات کیا ہے؟ شرک فی الحقوق کیا ہے؟ نظریاتی شرک کیا ہے؟ سائنس میں یہ شرک کس طور سے آیا ہے؟ قوم پرستی، مادہ پرستی، نفس پرستی اور دولت پرستی کس اعتبار سے شرک کے زمرے میں آتی ہے؟ کون کون سے بڑے شرک ہیں جن میں آج ہمارے ملوث ہونے کا امکان ہے؟ شرک کے بارے میں یہ تمام تفصیلات جاننا ایک بندہ مسلمان کے لیے انتہائی ضروری ہیں۔

**آیت ۱۰۷** ﴿أَقَامُوا أَنْ تَأْتِيَهُمْ غَاثِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ﴾ ”کیا وہ اس سے بے خوف ہو چکے ہیں کہ آدھمکے اُن پر ڈھانپ لینے والی آفت اللہ کے عذاب کی“

﴿أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ ”یا (اُن کو یہ ڈر بھی نہیں رہا کہ) آجائے اُن پر قیامت اچانک اور انہیں اس کا احساس تک نہ ہو!“

**آیت ۱۰۸** ﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ میں بھی اور وہ

لوگ بھی جنہوں نے میری پیروی کی ہے۔“

یعنی میرا اس راستے کو اختیار کرنا اور پھر اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، یونہی کوئی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مترادف نہیں ہے، بلکہ میں اپنی بصیرت باطنی کے ساتھ پوری سوجھ بوجھ اور پورے شعور کے ساتھ اس راستے پر خود بھی چل رہا ہوں اور اس راستے کی طرف دوسروں کو بھی بلارہا ہوں۔ اسی طرح میرے پیروکار بھی کوئی اندھے بہرے مقلد نہیں ہیں بلکہ پورے شعور کے ساتھ میری پیروی کر رہے ہیں۔

آج کے دور میں اس شعوری ایمان کی بہت ضرورت ہے۔ اگرچہ blind faith بھی اپنی جگہ بہت قیمتی چیز ہے اور یہ بھی انسان کی زندگی اور زندگی کی اقدار میں انقلاب لاسکتا ہے، لیکن آج ضرورت چونکہ نظام بدلنے کی ہے اور نظام پر معاشرے کے intelligentsia کا تسلط ہے اس لیے جب تک اس طبقے کے اندر شعور اور بصیرت والا ایمان پیدا نہیں ہوگا، یہ نظام تبدیل نہیں ہو سکتا۔

﴿وَسُبِّحَنَ اللّٰهُ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۹﴾ ”اور اللہ پاک ہے اور میں ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔“

**آیت ۱۰۹** ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰٓى ۝۱۰﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) ہم نہیں بھیجتے رہے آپ سے پہلے (رسول بنا کر) مگر مردوں ہی کو بستیوں والوں میں سے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔“

یعنی آپ ﷺ سے پہلے مختلف ادوار میں اور مختلف علاقوں میں جو انبیاء و رسل آئے وہ سب آدمی ہی تھے اور ان ہی بستیوں کے رہنے والوں میں سے تھے۔

﴿اَفَلَمْ يَسِيرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۝۱۱﴾ ”تو کیا یہ لوگ زمین میں گھومے پھرے نہیں ہیں کہ وہ دیکھتے کہ کیا انجام ہوا ان لوگوں کا جو ان سے پہلے تھے۔“

یہ انہی اقوام کے انجام کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر انباء الرسل کے تحت قرآن میں بار بار آیا ہے۔ ﴿وَلَكَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰتَقَوْا اَفْلًا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۲﴾ ”اور یقیناً آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ کی روش اختیار کریں۔ تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے؟“

اگلی آیت مشکلات القرآن میں سے ہے اور اس کے بارے میں بہت سی آراء ہیں۔ میرے نزدیک جو رائے صحیح تر ہے، صرف وہ یہاں بیان کی جا رہی ہے۔

**آیت ۱۱۰** ﴿حَتّٰى اِذَا اسْتَيْسَسَ الرُّسُلُ ۝۱۱﴾ ”یہاں تک کہ جب رسول مایوس ہو گئے“

یعنی متعلقہ قوم میں جس قدر فطرتِ سلیمہ کی استعداد (potential) تھی اس لحاظ سے نتائج سامنے آچکے۔ ان میں سے جن لوگوں نے ایمان لانا تھا وہ ایمان لا چکے اور مزید کسی کے ایمان لانے کی توقع نہ رہی۔ بالفاظِ دیگر اس چاٹی میں سے جس قدر رکھن نکلتا تھا نکل چکا، اب اسے مزید بلونے کا کوئی فائدہ نظر نہیں آ رہا۔

﴿وَطَنُوا أَنَّهُمْ قَدْ كَذَبُوا﴾ ”اور لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ اُن سے جھوٹ بولا گیا تھا“

یہاں طَنُوا کا فاعل متعلقہ قوم کے لوگ ہیں، یعنی اب تک جو لوگ ایمان نہیں لائے تھے وہ مزید دلیر ہو گئے۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ سب کچھ واقعی جھوٹ تھا۔ کیونکہ اگر سچ ہوتا تو اتنے عرصے سے ہمیں جو عذاب کی دھمکیاں مل رہی تھیں وہ پوری ہو جاتیں۔ ہم ایمان بھی نہیں لائے اور عذاب بھی نہیں آیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نبوت کا دعویٰ اور عذاب کے یہ ڈراوے سب جھوٹ ہی تھا۔

﴿جَاءَهُمْ نَصْرُنَا﴾ ”تو ان کو ہماری مدد آپہنچی“

یعنی انبیاء و رسل کی دعوت اور حق و باطل کی کشمکش کے دوران ہمیشہ ایسا ہوا کہ جب دونوں طرف کی سوچ اپنی اپنی آخری حد تک پہنچتی (پیغمبر سمجھتے کہ اب مزید کوئی شخص ایمان نہیں لائے گا اور منکرین سمجھتے کہ اب کوئی عذاب وغیرہ نہیں آئے گا) یہ سب ڈھونگ تھا تو عین ایسے موقع پر نبیوں اور رسولوں کے پاس ہماری طرف سے مدد پہنچ جاتی۔ ﴿فَنَجَّيْهِم مِّنْ نَّشَأٍ ۖ وَلَا يُوَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾ ”پس بچا لیا گیا ان کو جن کو ہم نے چاہا۔ اور ہمارا عذاب پھیرا نہیں جاسکتا مجرم قوم سے۔“

یعنی اپنے انبیاء و رسل کے لیے ہماری یہ مدد منکرین حق پر عذاب کی صورت میں آتی اور اس عذاب سے جسے ہم چاہتے بچا لیتے، لیکن اس سلسلے کی اصل حقیقت یہ ہے کہ ایسے موقع پر مجرمین پر ہمارا عذاب آکر ہی رہتا ہے۔ اُن کی طرف سے اس کا رخ کسی طور سے موڑا نہیں جاسکتا۔

**آیت ۱۱۱** ﴿لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ”یقیناً ان (سابقہ اقوام) کے واقعات میں ہوش مند لوگوں کے لیے عبرت ہے۔“

﴿مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَكِنْ تَصْدِيقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ”یہ (قرآن) ایسی بات نہیں جسے گھڑ لیا گیا ہو بلکہ یہ تو تصدیق (کرتے ہوئے آیا) ہے اُس کی جو اس سے پہلے موجود ہے“

یعنی یہ واقعات تورات میں بھی ہیں اور قرآن انہی واقعات کی تصدیق کر رہا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے کے سلسلے میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے بہت عمدگی کے ساتھ تورات اور قرآن کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کے حسن بیان اور اس کے حکیمانہ انداز کا معیار اس قدر بلند ہے کہ تورات میں اس کا عشرِ عشر بھی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل تورات تو گم ہو گئی تھی۔ بعد میں حافظے کی مدد سے جو تحریریں مرتب کی گئیں ان میں ظاہر ہے وہ معیار تو پیدا نہیں ہو سکتا تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ تورات میں تھا۔

﴿وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّلْقَوْمِ الْيُؤْمِنُونَ﴾ ”اور (اس میں) تفصیل ہے ہر چیز کی اور ہدایت اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو (اس پر) ایمان لاتے ہیں۔“

یعنی وہ علم جو اس دنیا میں انسان کے لیے ضروری ہے اور وہ راہنمائی جو دنیوی زندگی میں اسے درکار ہے سب کچھ اس قرآن میں موجود ہے۔

# سُورَةُ الرَّعْدِ

## تمہیدی کلمات

سورة الرعد سے کئی مدنی سورتوں کے زیر مطالعہ گروپ کے دوسرے ذیلی گروپ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس ذیلی گروپ میں اس سورت کے علاوہ سورة ابراہیم اور سورة الحجر شامل ہیں۔ یہ تینوں سورتیں نسبتاً چھوٹی ہیں جبکہ پہلے ذیلی گروپ میں شامل تینوں سورتیں ان کے مقابلے میں طویل تھیں۔ سورة الرعد اور سورة ابراہیم کا آپس میں جوڑے کا تعلق ہے، ان دونوں کے مضامین میں بھی مشابہت ہے اور طوالت میں بھی یہ تقریباً برابر ہیں البتہ سورة الحجر منفرد ہے۔ جہاں تک سورة الرعد کے موضوع کا تعلق ہے یہ سورت ”التذکیر بِالْآلَاءِ اللّٰهِ“ پر مشتمل ہے۔ اس میں اقوام گزشتہ کا تذکرہ کسی رسول یا قوم کا نام لیے بغیر بالکل سرسری انداز میں آیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۱ تا ۷

الَّذِیْ تِلْكَ آیٰتُ الْکِتٰبِ ۚ وَالَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰکِنْ اَکْثَرُ النَّٰسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَّرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلٰی الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۖ كُلٌّ لِّاَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ یَذِیْرُ الْاَمْرَ یَفْصِلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَآءِ رَبِّکُمْ تَوْقِنُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْهٰرًا ۚ وَمِنْ کُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَجِیْنِ اِثْنِیْنِ یُغْشٰی الْبَلَّ السَّہَارَ ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَآٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَفِی الْاَرْضِ قَطَعٌ مَّنَاجِزٍ وَجَلَّتْ مِنْ اَعْنََابٍ وَزُرْعٌ وَنَخِیْلٌ صُنُوٰنٌ وَغَیْرُ صُنُوٰنٍ یُّسْقٰی بِسَآءٍ وَّاحِدٍ ۚ وَنَقَّصُلُ بَعْضُهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاَجْلِ ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَآٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ؕ اِذَا کُنَّا تُرَابًا اَآٰتَا لَیْسَ خَلْقٌ جَدِیْدٌ ۙ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِکَ الْاَغْلٰلُ فِیْ اَعْنَاقِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِکَ اصْصَبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَیَسْتَغْیِثُوْنَكَ بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُ ۚ

وَأَنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ ۖ وَأَنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ وَيَقُولُ  
الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝

**آیت ۱** ﴿الْقَوْمَ تِلْكَ آيَةُ الْكِتَابِ﴾ ”ال‘م‘ر۔ یہ (اللہ کی) کتاب کی آیات ہیں۔“  
﴿وَالَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكَ مِنَ رَبِّكَ الْحَقُّ وَلَكِنَّ النَّاسَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝﴾ ”اور (اے  
نبی ﷺ) جو چیز آپ پر نازل کی گئی ہے آپ کے رب کی طرف سے وہ حق ہے لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں  
لاتے (یا ایمان لانے والے نہیں ہیں)۔“

**آیت ۲** ﴿اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا﴾ ”اللہ ہی ہے جس نے اٹھایا ہے آسمانوں کو  
بغیر ایسے ستونوں کے جنہیں تم دیکھتے ہو“

اس کائنات کے اندر جو بلندیاں ہیں انہیں ستونوں یا کسی طبعی سہارے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی  
طرف سے باہمی کشش کا ایک عظیم الشان نظام وضع کیا گیا ہے جس کے تحت تمام کہکشائیں ستارے اور سیارے  
اپنے اپنے مقام پر رہ کر اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں۔

﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ ”پھر وہ متمکن ہوا عرش پر اور اُس نے  
(مسل) کام میں لگا دیا سورج اور چاند کو۔“

﴿كُلٌّ يَجْرِي لِأَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ”ہر ایک چل رہا ہے ایک وقتِ معین کے لیے۔“  
یعنی اس کائنات کی ہر چیز متحرک ہے چل رہی ہے یہاں پر سکون اور قیام کا کوئی تصور نہیں۔ دوسرا اہم نکتہ  
جو یہاں بیان ہوا وہ یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر شے کی عمر یا مہلت مقرر ہے۔ ہر ستارے، ہر سیارے، ہر نظامِ شمسی  
اور ہر کہکشاں کی مہلت زندگی مقرر و معین ہے۔

﴿يُدَبِّرُ الْأُمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ ۝﴾ ”وہ تدبیر فرماتا ہے اپنے امر کی  
اور تفصیل بیان کرتا ہے اپنی آیات کی تاکہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو۔“

**آیت ۳** ﴿وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا﴾ ”اور وہی ہے جس نے زمین کو  
پھیلا یا اور بنائے اس میں لنگر (یعنی پہاڑ) اور ندیاں۔“

اللہ تعالیٰ نے زمین کا توازن برقرار رکھنے کے لیے اس پر پہاڑوں کے کھونٹے گاڑ دیے ہیں اور پانی کی  
فراہمی کے لیے دریا اور ندیاں بہا دی ہیں۔

﴿وَمِنْ كُلِّ الشَّجَرِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ﴾ ”اور اُس نے ہر طرح کے پھلوں میں جوڑے بنائے“  
جوڑے بنانے کے اس قانون کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الذاریات آیت ۴۹ میں اس طرح بیان فرمایا ہے:  
﴿وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ.....﴾ ”اور ہر چیز کے ہم نے جوڑے بنائے.....“۔ گویا یہ زوجین (نراور  
مادہ) کی تخلیق اور ان کا قاعدہ و قانون اللہ تعالیٰ نے اس عالم خلق کے اندر ایک باقاعدہ نظام کے طور پر رکھا ہے۔

یہاں پر پھلوں کے حوالے سے اشارہ ہے کہ نباتات میں بھی نراور مادہ کا باقاعدہ نظام موجود ہے۔ کہیں نراور مادہ پھول الگ الگ ہوتے ہیں اور کہیں ایک ہی پھول کے اندر ایک حصہ نراور ایک حصہ مادہ ہوتا ہے۔

﴿يُغِشِّي اللَّيْلَ النَّهَارُ﴾ ”وہ ڈھانپ دیتا ہے دن پر رات کو۔“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں غور و فکر کرنے والوں کے لیے۔“

**آیت ۴** ﴿وَفِي الْأَرْضِ قِطْعٌ مِّنْجَبُورَاتٍ وَجَنَّاتٍ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزُرُوعٌ وَنَخِيلٌ صُنُونٌ وَغَيْرُ صُنُونٍ يُسْقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ﴾ ”اور زمین میں قطعات ہیں ایک دوسرے سے متصل اور باغات انگوروں کے اور کھیتیاں اور کھجور کے درخت جڑوں سے ملے ہوئے بھی اور الگ الگ بھی انہیں ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے“

﴿وَنُفُصِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ﴾ ”(اس کے باوجود) ہم کسی کو کسی پر فضیلت دے دیتے ہیں ذاتی میں۔“

ایک ہی زمین میں ایک ہی جڑ سے کھجور کے دو درخت اُگتے ہیں، دونوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، لیکن دونوں کے پھلوں کا اپنا اپنا ذائقہ ہوتا ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔“  
یہ التذکیر بالآلاء اللہ کا انداز ہے، جس میں بار بار اللہ کی قدرتوں، نشانیوں اور نعمتوں کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

**آیت ۵** ﴿وَإِنْ تَعَجَّبَ فَعَجَبْ قَوْلُهُمْ ءِذَا كُنَّا تُرَابًا ءِأَنَّا لَفِي خَلْقٍ جَدِيدٍ﴾ ”اور اگر تمہیں تعجب کرنا ہے تو قابل تعجب ہے ان کا یہ قول کہ کیا جب ہم (مر کر) مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم از سر نو وجود میں آئیں گے؟“

یعنی کفار کا مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے پر تعجب کرنا، بذات خود باعث تعجب ہے۔ جس اللہ نے پہلی مرتبہ تم لوگوں کو تخلیق کیا، پوری کائنات اور اس کی ایک ایک چیز پر حکمت طریقے سے بنائی اُس کے لیے یہ تعجب کرنا کہ وہ ہمیں دوبارہ کیسے زندہ کرے گا، یہ سوچ اور یہ نظریہ اپنی جگہ بہت ہی مضحکہ خیز اور باعث تعجب ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ﴾ ”یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا۔“  
دوبارہ جی اٹھنے کے عقیدے سے ان کا یہ انکار دراصل اللہ کے وجود کا انکار ہے۔ اُس کی قدرت اور اس کے علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِير ہونے کا انکار ہے۔

﴿وَأُولَٰئِكَ الْأَعْلَىٰ فَبِئْسَ أَصْحَابُ النَّارِ ءَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”اور یہی وہ لوگ ہیں جن کی گردنوں میں طوق پڑے ہوئے ہیں، اور یہی جنہی ہیں، اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔“



**آیت ۶** ﴿وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ﴾ ”اور یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں آپ سے برائی (عذاب) کے لیے بھلائی سے پہلے“

گُفاریؑ حضور ﷺ سے بڑی جسارت اور ڈھٹائی کے ساتھ بار بار مطالبہ کرتے تھے کہ لے آئیں ہم پروہ عذاب جس کے بارے میں آپ ہمیں روز بروز ہمکیاں دیتے ہیں۔

﴿وَقَدْ خَلَّتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثَلُتُ﴾ ”حالانکہ ان سے پہلے (بہت سی) مثالیں گزر چکی ہیں۔“ اللہ کے عذاب کی بہت سی عبرت ناک مثالیں گزشتہ اقوام کی تاریخ کی صورت میں ان کے سامنے ہیں۔ ﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَذُو مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلَى ظُلْمِهِمْ﴾ ”اور یقیناً آپ کا رب لوگوں کے حق میں معاف کرنے والا ہے ان کے ظلم کے باوجود۔“

یہ اُس کی رحمت اور شانِ غفاری کا مظہر ہے کہ ان کے مطالبے کے باوجود اور ان کے شرک و ظلم میں اس حد تک بڑھ جانے کے باوجود عذاب بھیجنے میں تاخیر فرما رہا ہے۔

﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”اور یقیناً آپ کا رب سخت سزا دینے والا بھی ہے۔“ **آیت ۷** ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ﴾ ”اور کافر لوگ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس شخص پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے؟“

مشرکین مکہ بار بار اسی دلیل کو دہراتے تھے کہ اگر آپ رسول ہیں تو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو کوئی حسی معجزہ کیوں نہیں دیا گیا؟

﴿إِنَّمَا أَنْتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) آپ تو بس خبردار کر دینے والے ہیں اور ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے۔“

جس طرح ہم نے ہر قوم کے لیے پیغمبر بھیجے ہیں اسی طرح آپ کو بھی ہم نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کیا ہے۔ آپ کے ذمہ ان کی تبشیر، سنہنہ اور تذکیر ہے۔ آپ ﷺ اپنا فرض ادا کرتے رہیں۔

## آیات ۸ تا ۱۸

اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ وَمَا تَغِيصُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِقَدَرٍ ۚ عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةُ الْكَبِيرُ ۚ الْمُتَعَالِ ۚ سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسَرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۚ لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۚ وَإِذَا أَرَادَ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوءًا فَلَا مَرَدَ لَهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَّالٍ ۚ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۚ وَيُسْهِمُ الرِّعْدَ بِحَمْدِهِ ۚ وَالْمَلَائِكَةُ

مِنْ خِيفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ وَهُوَ  
شَدِيدُ الْحِسَابِ ۝ لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْمَعُونَ لَهُمْ شَيْءٌ  
إِلَّا كِبَاسٌ لَعَنَهُ إِلَى الْهَاءِ لَيْلَتُهُ قَاهُ وَمَا هُوَ بِالْعَافِ ۝ وَمَا دَعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ۝  
وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلُّهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ ۝ قُلْ  
مَنْ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۝ قُلِ اللَّهُ ۝ قُلْ أَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ لَا يَمْلِكُونَ  
لِأَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًّا ۝ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرَةُ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمَاتُ  
وَالنُّورُ ۝ أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ۝ قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ  
شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ  
السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا ۝ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حُلْيَةٍ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِثْلُ  
كذلك يَضْرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۝ فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً ۝ وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ  
فَيَمْكُنْ فِي الْأَرْضِ ۝ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝ لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ الْخُسْرَىٰ ۝  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا يَكُفُّونَ لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَافْتَدَوْا بِهِ ۝  
أُولَئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۝ وَمَا لَهُمْ بِهِمْ جَهَنَّمَ وَيُتْسِ السَّيِّئَاتِ ۝

**آیت ۸** ﴿اللَّهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثَىٰ﴾ ”اللہ خوب جانتا ہے کہ ہر مادہ کیا اٹھائے ہوئے ہے“  
ہر مادہ چاہے وہ انسان ہے یا حیوان اس کے رحم میں جو کچھ ہے اللہ کے علم میں ہے۔  
﴿وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ﴾ ”اور (وہ جانتا ہے) جس قدر رحم سکڑتے ہیں یا بڑھتے ہیں۔“  
جب حمل ٹھہر جاتا ہے تو رحم سکڑتا ہے اور جب بچہ بڑھتا ہے تو اس کے بڑھنے سے رحم پھیلتا ہے۔ ایک ایک  
مادہ کے اندر ہونے والی اس طرح کی ایک ایک تبدیلی کو اللہ خوب جانتا ہے۔

﴿وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ﴾ ”اور ہر چیز اس کے ہاں اندازے کے مطابق ہے۔“  
اس کائنات کا پورا نظام ایک طے شدہ حکمت عملی کے تحت چل رہا ہے جہاں ہر چیز کی مقدار اور ہر کام کے  
لیے قاعدہ اور قانون مقرر ہے۔

**آیت ۹** ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرِ الْمُتَعَالِ﴾ ”وہ جاننے والا ہے غیب اور ظاہر کا“ (وہ)  
بہت بڑا، بہت بلندی والا ہے۔“

**آیت ۱۰** ﴿سَوَاءٌ مِنْكُمْ مَنْ أَسْرَ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ  
بِالنَّهَارِ﴾ ”(اس کے علم میں) برابر ہیں تم میں سے جو بات کو (دل میں) چھپائیں اور جو اسے (بلند

آواز سے) ظاہر کریں اور وہ جورات کی تاریکی میں چھپے ہوئے ہوں اور جودن کی روشنی میں چلتے پھرتے ہوں۔“  
غیاب کی صورت ہو یا ظہور کا عالم اللہ کے علم کے سامنے سب برابر ہے۔ ہر چیز اور اس کی ہر کیفیت ہر آن اس کے سامنے حاضر و موجود ہے۔

**آیت ۱۱ ﴿لَهُ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ يَحْفَظُونَهُ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ﴾** ”اس (انسان) کے لیے باری باری آنے والے (پہرے دار مقرر) ہیں وہ اس کے سامنے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں اللہ کے حکم سے۔“

یہ مضمون اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام (آیت ۶۱) میں بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿وَيُرْسِلْ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً﴾ کہ اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے تمہارے اوپر محافظ بھیجتا ہے۔ اللہ کے مقرر کردہ یہ فرشتے اللہ کی مشیت کے مطابق ہر وقت انسان کی حفاظت کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ اس کی موت کا وقت آپہنچتا ہے۔

**﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾** ”یقیناً اللہ کسی قوم کے حالات نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود نہیں بدل دیتے اُس (کیفیت) کو جو اُن کے دلوں میں ہے۔“

آپ اپنی باطنی کیفیت کو بدلیں گے اس کے لیے محنت کریں گے تو اللہ کی طرف سے بھی آپ کے معاملے میں تبدیلی کر دی جائے گی۔ مولانا ظفر علی خان نے اس آیت کی ترجمانی ان خوبصورت الفاظ میں کی ہے: خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

**﴿وَإِذَا آوَدَّ اللَّهُ بِقَوْمٍ سُوًّا ۖ فَلَا مَرَدَّ لَهُ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُونِهِ مِنْ ؕ وَال۝١١﴾** ”اور جب اللہ کسی قوم کے لیے کسی بری شے (عذاب) کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اس کو لوٹانے والا کوئی نہیں ہے اور نہیں ہے ان کے لیے اللہ کے سوا کوئی مددگار۔“

**آیت ۱۲ ﴿هُوَ الَّذِي يُرِيكُمْ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝۱۲﴾** ”وہی ہے جو تمہیں دکھاتا ہے بجلی (کی چمک) خوف سے بھی اور امید سے بھی اور وہ اٹھاتا ہے بڑے بوجھل بادل۔“

گہرے بادلوں کی گرج چمک میں خوف کے سائے بھی ہوتے ہیں اور امید کی روشنی بھی کہ شاید اس بارش سے فصلیں لہلہا اٹھیں اور ہماری قحط سالی خوشحالی میں بدل جائے۔ یعنی ایسی صورت حال میں خوف ورجاء کی کیفیت ایک ساتھ دلوں پر طاری ہوتی ہے۔

**آیت ۱۳ ﴿وَيَسْبِغُ الرُّعْدُ بِحَمِيدِهِ وَالْمَلائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ﴾** ”اور تسبیح کرتی ہے کُرک اُس کی حمد کے ساتھ اور فرشتے (بھی) اس کے خوف سے۔“

یہ گرج اور کُرک کی آواز دراصل اللہ کی تسبیح و تحمید ہی کا ایک انداز ہے۔

**﴿وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَن يَشَاءُ﴾** ”اور وہ بھیجتا ہے کُرک دار بجلیاں پھر وہ گرا دیتا ہے انہیں جس پر چاہتا ہے۔“

﴿وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللَّهِ ۖ وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ﴾ ﴿۱۳﴾ ”اور وہ (اُس وقت) اللہ کے بارے میں جھگڑ رہے ہوتے ہیں۔ اور اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔“

**آیت ۱۴** ﴿لَهُ دَعْوَةُ الْحَقِّ﴾ ”اُسی کا پکارنا حق ہے۔“

یعنی اللہ ہی ایک ہستی ہے جس کو پکارنا جس سے دعا کرنا برحق ہے کیونکہ ایک وہی ہے جو تمہاری پکار کو سنتا ہے تمہاری حاجت کو جانتا ہے تمہاری حاجت روائی کرنے پر قادر ہے اس لیے اس کو پکارنا حق بھی ہے اور سوومند بھی۔ اسے چھوڑ کر کسی اور کو پکارو گے چاہے وہ کوئی فرشتہ ہو ولی ہو یا نبی کوئی تمہاری پکار اور فریاد کو نہیں سنے گا اور جیسا کہ اگلی آیت میں فرمایا گیا ہے تمہاری ہر ایسی پکار اِکارت جائے گی۔ اس فقرے کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ ”اُسی کی دعوت حق ہے۔“ یعنی جس چیز کی دعوت وہ دے رہا ہے جس راستے کی طرف وہ بلا رہا ہے وہی حق ہے۔

﴿وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ لَهُمْ بِشَيْءٍ﴾ ”اور جن کو یہ لوگ پکار رہے ہیں اُس کے سوا وہ ان کی دعا کو کسی طرح بھی قبول نہیں کرتے“  
وہ ان کی کوئی بھی داورسی نہیں کر سکتے۔

﴿إِلَّا كِتَابِطٍ كَفَّيْهِ إِلَى الْمَاءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ﴾ ”مگر جیسے کوئی پھیلا دے اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف کہ وہ اُس کے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ اس (کے منہ) تک پہنچنے والا نہیں ہے۔“

جیسے اپنے ہاتھ پھیلا کر پانی کو اپنے منہ کی طرف بلانا ایک کارِ عبث ہے اسی طرح کسی غیر اللہ کو پکارنا اُس کے سامنے گزر گڑا نا اور اس سے داورسی کی امید رکھنا بھی کارِ عبث ہے۔

﴿وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ﴾ ﴿۱۴﴾ ”اور کافروں کی دعا تو بالکل بے کار ہے۔“  
یہ لوگ جو اللہ کے علاوہ کسی کو پکارتے ہیں ان کی یہ پکار لا حاصل ہے ایک تیر بے ہدف اور صدا بہ صحرا ہے۔  
**آیت ۱۵** ﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَظِلُّهُمْ بِالْعُدُوِّ وَالْاَصَالِ﴾ ﴿۱۵﴾ ”اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی بھی آسمانوں میں اور زمین میں ہے آمادگی کے ساتھ بھی اور مجبوراً بھی اور اُن کے سائے بھی صبح و شام (اُسی کو سجدہ کرتے ہیں)۔“

صبح کے وقت جب سورج نکلتا ہے اور سائے زمین پر لمبے ہو کر پڑے ہوتے ہیں وہ اس حالت میں اللہ کو سجدہ کر رہے ہوتے ہیں اور اسی طرح شام کو غروب آفتاب کے وقت بھی یہ سائے حالت سجدہ میں ہوتے ہیں۔

**آیت ۱۶** ﴿قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ قُلِ اللّٰهُ﴾ ”(ان سے) پوچھئے کون ہے آسمانوں اور زمین کا مالک؟ کہیے اللہ ہی ہے!“

﴿قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِنْ دُونِ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ اَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَلَا ضَرًا﴾ ”کہیے کیا تم نے

اُس کو چھوڑ کر ایسے حمایتی بنالیے ہیں جو خود اپنے لیے بھی کسی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے؟“  
 ﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ ۖ أَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمُتُ وَالنُّورُ ۚ﴾ ”(ان سے)

پوچھئے کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا؟ یا کیا برابر ہیں اندھیرے اور روشنی؟“  
 ﴿أَمْ جَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ خَلَقُوا كَخَلْقِهِ فَتَشَابَهُ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ﴾ ”کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھہرا لیے ہیں جنہوں نے تخلیق کی ہے اُس کی تخلیق کی طرح، تو یہ تخلیق اُن پر مشتبہ ہوگئی ہے؟“  
 یعنی ان مشرکین کا معاملہ تو یوں لگتا ہے جیسے اُن کے معبودوں نے بھی کچھ مخلوق پیدا کر رکھی ہے اور کچھ مخلوق اللہ کی ہے۔ اب وہ بے چارے اس شش و پنج میں پڑے ہوئے ہیں کہ کون سی مخلوق کو اللہ سے منسوب کریں اور کس کس کو اپنے ان معبودوں کی مخلوق مانیں! جب ایسا نہیں ہے اور وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اس کا خالق اور مالک اللہ ہے تو پھر اللہ کو اکیلا اور واحد معبود ماننے میں وہ کیوں شکوک و شبہات کا شکار ہو رہے ہیں؟

﴿قُلِ اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴾ ”کہہ دیجیے کہ اللہ ہی خالق ہے ہر شے کا“  
 اور وہ ہے یکتا، سب پر حاوی۔“

**آیت ۱۷** ﴿أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا﴾ ”وہ آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر تمام ندیاں بہنے لگتی ہیں اپنی اپنی وسعت کے مطابق“

قرآن چونکہ حجاز میں نازل ہوا تھا اس لیے اس میں زیادہ تر مثالیں بھی اسی سرزمین سے دی گئی ہیں۔ اس مثال میں بھی علاقہ حجاز کے پہاڑی سلسلوں اور وادیوں کا ذکر ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو ہر وادی میں اُس کی وسعت کے مطابق سیلابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ کسی وادی کا catchment area زیادہ ہے تو وہاں زیادہ زوردار سیلاب آ جاتا ہے اور جس کا کم ہے وہاں تھوڑا سیلاب آ جاتا ہے۔

﴿فَاَحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَابِعًا﴾ ”پھر اٹھالاتا ہے سیلاب اُبھرتے جھاگ کو۔“  
 پانی جب زور سے بہتا ہے تو اس کے اوپر جھاگ سا بن جاتا ہے۔ لیکن اس جھاگ کی کوئی حقیقت اور وقعت نہیں ہوتی۔

﴿وَمِمَّا يُوقِدُون عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُ﴾ ”(دھاتوں) کو یہ لوگ آگ پر تپاتے ہیں زیور یا دوسری چیزیں بنانے کے لیے ان پر بھی اسی طرح کا جھاگ اُبھرتا ہے۔“

﴿كَذٰلِكَ يَصْضِرِبُ اللَّهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ﴾ ”اسی طرح اللہ حق و باطل کو ٹکراتا ہے۔“  
 اس کا دوسرا ترجمہ یوں ہوگا: ”اسی طرح اللہ حق و باطل کی مثال بیان کرتا ہے۔“

﴿فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً﴾ ”تو جو جھاگ ہے وہ خشک ہو کر زائل ہو جاتا ہے۔“  
 جھاگ کی کوئی حقیقت اور حیثیت نہیں ہوتی، اصل نتائج کے اعتبار سے اس کا ہونا یا نہ ہونا گویا برابر ہے۔

﴿وَأَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُتُ فِي الْأَرْضِ﴾ ”اور جو چیز لوگوں کے لیے مفید ہوتی ہے وہ ٹھہر جاتی ہے زمین میں۔“

سیلاب کا پانی زمین میں جذب ہو کر فائدہ مند ثابت ہوتا ہے جبکہ جھاگ ضائع ہو جاتا ہے اسی طرح پکھلی ہوئی دھات کے اوپر پھولا ہوا جھاگ اور میل پکیل فضول چیز ہے اصل خالص دھات اس جھاگ کے نیچے کھائی کی تہہ میں موجود ہوتی ہے جس سے زیور یا کوئی دوسری قیمتی چیز بنائی جاتی ہے۔

﴿كَذَلِكَ يُضَرِّبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝۱۷﴾ ”اسی طرح اللہ مثالیں بیان کرتا ہے۔“

یہ آیت کارل مارکس کے dialectical materialism کے فلسفے کے حوالے سے بہت اہم ہے۔ اس فلسفے کا جتنا حصہ درست ہے وہ اس آیت میں موجود ہے۔ دورِ جدید کے یہ جتنے بھی نظریے (theories) ہیں ان میں سے ہر ایک میں کچھ نہ کچھ سچائی موجود ہے۔ ڈارون کا نظریہ ارتقاء ہویا فرانیز اور مارکس کے نظریات ان میں سے کوئی بھی سو فیصد غلط نہیں ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان نظریات میں غلط اور درست خیالات گڈڈ ہیں۔ جہاں تک مارکس کے نظریہ جدلیاتی مادیت (dialectical materialism) کا تعلق ہے اس کے مطابق کسی معاشرے میں ایک خیال یا نظریہ جنم لیتا ہے جس کو thesis کہا جاتا ہے۔ اس کے ردِ عمل کے طور پر اینٹی تھیسس (antithesis) وجود میں آتا ہے۔ پھر یہ تھیسس اور اینٹی تھیسس ٹکراتے ہیں اور ان کے ٹکرنے سے ایک نئی شکل پیدا ہوتی ہے جسے سن تھیسس (synthesis) کہا جاتا ہے۔ یہ اگرچہ اس نظریہ کی بہتر شکل ہوتی ہے مگر یہ بھی اپنی جگہ کامل نہیں ہوتی اس کے اندر بھی نقائص موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی سن تھیسس کی کوکھ سے ایک اور اینٹی تھیسس جنم لیتا ہے۔ ان کا پھر آپس میں اسی طرح ٹکراؤ ہوتا ہے اور پھر ایک نیا سن تھیسس وجود میں آتا ہے۔ یہ عمل (process) اسی طرح بتدریج آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اس تصادم میں جو چیز فضول غلط اور بیکار ہوتی ہے وہ ضائع ہوتی رہتی ہے مگر جو علم اور خیال معاشرے اور نسل انسانی کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے وہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہتا ہے۔

دورِ جدید کے بیشتر نظریے (theories) ایسے لوگوں کی تخلیق ہیں جن کے علم اور سوچ کا انحصار کلی طور پر مادے پر تھا۔ یہ لوگ روح اور اس کی حقیقت سے بالکل نا بلند تھے۔ بنیادی طور پر یہی وجہ تھی کہ ان لوگوں کے اخذ کردہ نتائج اکثر و بیشتر غلط اور گمراہ کن تھے۔ بہر حال اس سارے عمل (process) میں غلط اور باطل خیالات و مفروضات خود بخود چھٹتے رہتے ہیں اور نسل انسانی کے لیے مفید علوم کی تطہیر (purification) ہوتی رہتی ہے۔ سورۃ الانبیاء کی آیت ۱۸ میں یہ حقیقت اس طرح واضح کی گئی ہے: ﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَكْمُغُهُ فَإِذَا هُوَ دَاحِقٌ﴾ ”ہم دے مارتے ہیں حق کو باطل پر تو وہ بھیجا نکال دیتا ہے پھر وہ (باطل) غائب ہو جاتا ہے۔“ حق و باطل اور خیر و شر کی اس کش مکش کے ذریعے سے گویا نسل انسانی تدریجاً تمدن اور ارتقاء کے مراحل طے کرتے ہوئے رفتہ رفتہ بہتری کی طرف آرہی ہے۔

علامہ اقبال کے مطابق نسل انسانی کے لیے کامل بہتری یا حتمی کامیابی اللہ تعالیٰ کے اس پیغام کی تعمیل میں پوشیدہ ہے جس کا کامل عملی نمونہ اس دنیا میں پندرہ سو سال پہلے نبی آخر الزماں ﷺ نے پیش کیا تھا۔ ارتقاء فکر

انسانی کے سفر کے نام پر انسانی تمدن کے چھوٹے بڑے تمام قافلے شعوری یا غیر شعوری طور پر اسی مینارہ نور (light house) کی طرف رواں دواں ہیں۔ اگر کسی ماحول میں روشنی کی کوئی کرن اجالا نکھیرتی نظر آتی ہے تو وہ اسی منبع نور کی مرہون منت ہے۔ اور اگر کسی ماحول کے حصے کی تاریکیاں ابھی تک گہری ہیں تو جان لیجئے کہ وہ اپنی اس فطری اور حتمی منزل سے ہنوز دور ہے۔ اس سلسلے میں اقبال کے اپنے الفاظ ملاحظہ ہوں:

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو      زانکہ از خاش بروید آرزو  
یا ز نورِ مُصطفیٰ او را بہاست      یا ہنوز اندر تلاشِ مُصطفیٰ است

**آیت ۱۸** ﴿لِّلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ﴾ ”جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت پر لبیک کہا ان کے لیے بھلائی ہے۔“

﴿وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيزُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مِّثْلَ مَعَهُ لَا فُتِنُوا بِهِ﴾ ”اور جنہوں نے اُس کی دعوت کو قبول نہیں کیا، اگر ان کے پاس ہو جو کچھ ہے زمین میں سب کا سب اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی تو وہ (یہ سب کچھ) ضرور بدلے میں دے ڈالیں۔“

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن کے لیے بُرا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے۔“  
یعنی ان کے حساب کا جو نتیجہ نکلے والا ہے وہ ان کے حق میں بہت برا ہوگا۔

## آیات ۱۹ تا ۲۶

أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَن هُوَ أَعْمَىٰ ۖ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ۚ الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْبَيْثَاقَ ۚ وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ ۚ وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوْا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً وَيَدْرءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۚ جِئْتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا وَمَن صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ ۖ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۚ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ۚ  
اللَّهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا مَتَاعٌ ۚ

**آیت ۱۹** ﴿أَفَمَن يَعْلَمُ أَنَّمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَن هُوَ أَعْمَىٰ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) کیا

وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا وہ حق ہے، بھلا اُس جیسا ہو سکتا ہے جو اندھا ہے؟“

﴿اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ (۱۹)﴾ ”یقیناً نصیحت تو عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔“  
**آیت ۲۰** ﴿الَّذِينَ يُؤْفُونَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُونَ الْمِيثَاقَ (۲۰)﴾ ”وہ لوگ جو اللہ کے (ساتھ کیے گئے) عہد کو پورا کرتے ہیں اور قول و قرار کو توڑتے نہیں ہیں۔“

قبل ازیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷ میں بھی ہم ان سے ملتے جلتے یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿وَالْمُؤْفُونَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾۔ اللہ کے ساتھ کیے گئے معاہدوں میں سے ایک تو وہ عہد الست ہے (بحوالہ الاعراف: ۱۷۲) جو ہم نے عالم ارواح میں اللہ کے ساتھ کیا ہے، پھر ہر بندہ مومن کا میثاق شریعت ہے کہ میں اللہ کے تمام احکامات کی تعمیل کروں گا۔ پھر اللہ کا مومن کے ساتھ کیا گیا وہ سودا بھی ایک عہد ہے جس کا ذکر سورۃ التوبہ۔ آیت ۱۱۱ میں ہے اور جس کے مطابق اللہ نے مؤمنین کے جان و مال جنت کے بدلے خرید لیے ہیں۔ آیت زیر نظر میں یہ ان خوش قسمت لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ کے ساتھ کیے گئے تمام عہد درجہ بدرجہ پورے کرتے ہیں۔

**آیت ۲۱** ﴿وَالَّذِينَ يَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْءَ الْحِسَابِ (۲۱)﴾ ”اور جو لوگ جوڑتے ہیں اُس کو جس کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور جو ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور اندیشہ رکھتے ہیں بُرے حساب کا۔“

وہ لوگ قرابت کے رشتوں کو جوڑتے ہیں، یعنی صلہ رحمی کرتے ہیں اور حساب آخرت کے نتائج کی برائی سے ہمیشہ خوفزدہ رہتے ہیں کہ اس دن حساب کے نتائج منفی ہونے کی صورت میں کہیں ہماری شامت نہ آجائے۔  
**آیت ۲۲** ﴿وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلٰنِيَةً﴾ ”اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا جوئی کے لیے اور نماز قائم کی اور خرچ کیا اس میں سے جو ہم نے انہیں دیا تھا پوشیدہ طور پر بھی اور علانیہ بھی“

﴿وَيَذَرُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ (۲۲)﴾ ”اور وہ بھلائی سے بُرائی کو دور کرتے ہیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے دارِ آخرت کی کامیابی ہے۔“

وہ برائی کا جواب برائی سے نہیں دیتے، بلکہ کوئی شخص اگر ان کے ساتھ برائی کرتا ہے تو وہ جواباً اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آتے ہیں تاکہ اس کے اندر اگر نیکی کا جذبہ موجود ہے تو وہ جاگ جائے۔ (اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ اٰیۃً)  
**آیت ۲۳** ﴿جَحَّتْ عَدْنٌ يَدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ (۲۳)﴾ ”(آخرت کا گھر) وہ باغات ہیں ہمیشہ رہنے کے، جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو بھی صالح ہوں گے ان کے آباء، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے، اور ہر دروازے سے جنت کے فرشتے ان کے سامنے حاضر ہوں گے۔“



**آیت ۲۲** ﴿سَلِّمْ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ﴾ ”(اور کہیں گے) سلامتی ہو آپ پر بسبب اس کے جو آپ لوگوں نے صبر کیا، تو کیا ہی اچھا ہے یہ آخرت کا گھر!“

جنت میں اپنے آباء و اجداد اور اہل و عیال میں سے صالح لوگوں کی معیت گویا اللہ کی طرف سے اپنے نیک بندوں کے لیے ایک اعزاز ہوگا، اور اس کے لیے اگر ضرورت ہوئی تو ان کے ان رشتہ داروں کے درجات بھی بڑھا دیے جائیں گے۔ مگر یہاں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ اہل جنت کے جو قرابت دار کفار اور مشرکین تھے ان کے لیے رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی، بلکہ اس رعایت سے صرف وہ اہل ایمان مستفیض ہوں گے جو ”صالحین“ کی baseline پر پہنچ چکے ہوں گے۔ یعنی سورۃ النساء آیت ۶۹ میں جو مدارج بیان ہوئے ہیں ان کے اعتبار سے جو مسلمان کم سے کم درجے کی جنت میں داخلے کا مستحق ہو چکا ہوگا، اس کے مدارج اس کے کسی قرابت دار کی وجہ سے بڑھا دیے جائیں گے جو جنت میں اعلیٰ مراتب پر فائز ہوگا۔ مثلاً ایک شخص کو جنت میں بہت اعلیٰ مرتبہ عطا ہوا ہے اب اس کا باپ ایک صالح مسلمان کی baseline پر پہنچ کر جنت میں داخل ہونے کا مستحق تو ہو چکا ہے مگر جنت میں اس کا درجہ بہت نیچے ہے تو ایسے شخص کے مراتب بڑھا کر اسے اپنے بیٹے کے ساتھ اعلیٰ درجے کی جنت میں پہنچا دیا جائے گا۔

**آیت ۲۵** ﴿وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”اور (اس کے برعکس) وہ لوگ جو توڑتے ہیں اللہ کے عہد کو اس کو مضبوطی سے باندھنے کے بعد اور کاٹتے ہیں ان (رشتوں) کو جن کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور زمین میں فساد مچاتے ہیں۔“

قبل ازیں سورۃ البقرۃ آیت ۲۷ میں بھی ہم بعینہ یہ الفاظ پڑھ آئے ہیں: ﴿الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ وہاں اس حوالے سے کچھ وضاحت بھی ہو چکی ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن کے لیے لعنت ہوگی اور ان کے لیے بُرا گھر (جہنم) ہے۔“

**آیت ۲۶** ﴿اللَّهُ يَنْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ ”اللہ جس کے لیے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے پناہ رزق دیتا ہے۔“

﴿وَفَرِحُوا بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا لَأَمْتَاعٌ﴾ ”اور یہ لوگ مگن ہیں دنیا کی زندگی پر حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے سوائے تھوڑے سے فائدے کے۔“

جو لوگ اخروی زندگی کے انعامات کے اُمیدوار نہیں ہیں ان کی جُہد و کوشش کی جولان گاہ یہی دنیوی زندگی ہے۔ ان کی تمام تر صلاحیتیں اسی زندگی کی آسائشوں کے حصول میں صرف ہوتی ہیں اور وہ اس کی زیب و زینت

پرفریتہ اور اس میں پوری طرح گن ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنے اس طرز عمل پر بہت خوش اور مطمئن ہوتے ہیں؛ حالانکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں ایک متاعِ قلیل و حقیر کے سوا کچھ بھی نہیں۔

### آیات ۲۷ تا ۳۱

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أُنَابَهُ الَّذِينَ أُمِنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ الَّذِينَ أُمِنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَى لَهُمْ وَحُسْنُ مَا بَ كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لِيَتَلَكَّوْا عَلَىٰ هُمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابَ وَلَوْ أَن قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَةٌ بِهِ الْمَوْتُ بَلْ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا أَفَلَمْ يَأْتِ الَّذِينَ أُمِنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا وَلَا يَزَالِ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُصِيبَهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّى يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ

آیت ۲۷ ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ﴾ ”اور کہتے ہیں یہ کافر لوگ کہ کیوں نہیں اتاری گئی اس شخص پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے؟“

مشرکین مکہ کی ہٹ دھرمی ملاحظہ ہو بار بار ان کی اسی بات اور اسی دلیل کا ذکر ہو رہا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر کوئی حجتی مجزہ کیوں نہیں اتارا گیا؟

﴿قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أُنَابَهُ﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اپنی طرف ہدایت اُسی کو دیتا ہے جو خود (اس کی طرف) رجوع کرے۔“  
جو لوگ خود ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وہ انہیں نعمت ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔

آیت ۲۸ ﴿الَّذِينَ أُمِنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُمْ بِذِكْرِ اللَّهِ﴾ ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہوتے ہیں۔“

دل اور روح کے لیے تسکین کا سب سے بڑا ذریعہ اللہ کا ذکر ہے اس لیے کہ انسان کی روح اس کے دل کی مکین ہے اور روح کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۵ میں فرمایا گیا: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) یہ لوگ آپ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرمائیں کہ روح میرے پروردگار کے امر میں سے ہے۔“ لہذا جس

طرح انسانی جسم کی حیات کا منبع (source) یہ زمین ہے اور جسم کی نشوونما اور تقویت کا سارا سامان زمین ہی سے مہیا ہوتا ہے اسی طرح انسانی روح کا منبع ذات باری تعالیٰ ہے اور اس کی نشوونما اور تقویت کے لیے غذا کا سامان بھی وہیں سے آتا ہے۔ چنانچہ روح امر اللہ ہے اور اس کی غذا ذکر اللہ اور کلام اللہ ہے۔

﴿الَا يَذْكُرُ اللَّهُ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ! اللہ کے ذکر کے ساتھ ہی دل مطمئن ہوتے ہیں۔“

دنوی مال و متاع اور سامانِ عیش و آسائش کی بہتات سے نفس اور جسم کی تسکین کا سامان تو ہو سکتا ہے یہ چیزیں دل کے سکون و اطمینان کا باعث نہیں بن سکتیں۔ دل کو یہ دولت نصیب ہوگی تو اللہ کے ذکر سے ہوگی۔

**آیت ۲۹** ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ طُوبَى لَهُمْ وَحَسُنَ مَا أَجَبَ﴾ ”جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے مبارک باد ہے اور لوٹنے کا بہت اچھا مقام ہے۔“

**آیت ۳۰** ﴿كَذَلِكَ أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَا أُمَمٌ لَبَّسُوا عَلَىٰهِمُ الذِّكْرَ أَوْ حَبَّتِ إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَنِ﴾ ”(اے نبی ﷺ) اسی طرح ہم نے آپ کو بھیجا ہے ایک ایسی امت میں جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں تاکہ آپ تلاوت کر کے سنائیں ان لوگوں کو وہ (کتاب) جو ہم نے وحی کی ہے آپ کی طرف درآں حالیکہ یہ لوگ رُحمن کا انکار کر رہے ہیں۔“

اگرچہ اللہ تعالیٰ کا نام ”الرحمن“ عرب میں پہلے سے متعارف تھا مگر مشرکین کہہ ”اللہ“ ہی کو جانتے اور مانتے تھے اس لیے وہ اس نام سے بدکتے تھے اور عجیب انداز میں پوچھتے تھے کہ یہ رُحمن کون ہے؟ (الفرقان: ۶۰)

﴿قُلْ هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”کہہ دیجیے کہ وہ میرا رب ہے اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔“

﴿عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ﴾ ”اُسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اُسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔“

**آیت ۳۱** ﴿وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِعَتْ بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كَلِمَةٌ بِهِ الْمَوْتُ﴾ ”اور اگر ہوتا کوئی ایسا قرآن جس کے ذریعے سے پہاڑ چل پڑتے یا زمین کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے یا کلام کرتے اس کے ذریعے مُردے (تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے)۔“

یہاں پھر حسی معجزوں کے بارے میں مشرکین کے مطالبے کا جواب دیا جا رہا ہے۔ سورۃ الانعام میں یہ مضمون تفصیل سے گزر چکا ہے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم نے کوئی ایسا قرآن اتارا ہوتا جس کی تاثیر سے طرح طرح کے حسی معجزات کا ظہور ہوتا تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں تھے۔ یہ قرآن ہر اُس شخص کے لیے سراپا معجزہ ہے جو واقعی ہدایت کا خواہش مند ہے۔ یہ طالبانِ حق کے دلوں کو گداز کرتا ہے ان کی روح کو تازگی بخشتا ہے ان کے لاشعور کے اندر خوابیدہ ایمانی حقائق کو جگاتا ہے۔ ایسے لوگ اپنی ہدایت کا تمام سامان اس قرآن کے اندر موجود پاتے ہیں۔

﴿بَلِ لِلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا أَفَلَمْ يَأْتَسِرِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهْدَى النَّاسَ جَمِيعًا﴾

”بلکہ اختیار تو کل کا کل اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیا اہل ایمان اس پر مطمئن نہیں ہو جاتے کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ہدایت دے دیتا؟“

اہل ایمان کو تو یہ یقین ہے نہ کہ اگر اللہ چاہتا تو دنیا کے تمام انسانوں کو ہدایت دے سکتا تھا اور اگر اُس نے ایسا نہیں کیا تو یہ ضرور اسی کی مشیت ہے۔ لہذا اس یقین سے اُن کو تو دل جمعی اور اطمینان حاصل ہو جانا چاہیے۔

﴿وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُمْ بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ﴾ ”اور جو کافر ہیں ان کو برابر پہنچتی رہے گی ان کے اعمال کے سبب کوئی نہ کوئی آفت یا ان کے گھروں کے قریب اترتی رہے گی یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے۔“

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ ”یقیناً اللہ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔“  
ان لوگوں کے کرتوتوں کی پاداش میں ان پر کوئی نہ کوئی آفت اور مصیبت نازل ہوتی رہے گی۔ وہ مسلسل خوف کی کیفیت میں مبتلا رہیں گے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے۔

### آیات ۳۲ تا ۳۷

وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۚ أَمْ كُنْتُمْ هَؤُلَاءِ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۖ وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ ۚ أَمْ يَبْظَاهِرُ مِنَ الْقَوْلِ ۚ بَلْ زَيْنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرَهُمْ وَصَدُّوا عَنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ۖ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ ۖ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وَعَدَ الْمُتَّقُونَ ۚ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا ۚ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا ۖ وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ۖ وَالَّذِينَ اتَّيَهُمُ الْكِتَابُ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمِنْ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ قُلْ إِنَّمَا أَمُوتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكُ بِهِ ۚ إِلَهُهُ أَدْعُوا ۖ وَالْيَهُودُ مَأْبٍ ۖ وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۚ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَّاقٍ وَلَا وَاقٍ ۚ

ع

آیت ۳۲ ﴿وَلَقَدْ اسْتَهْزَيْتُمْ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا، تو میں نے ڈھیل دی (کچھ عرصہ کے لیے) کافروں کو پھر میں نے ان کو پکڑ لیا۔“

﴿فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ﴾ ”تو کیسا رہا میرا عذاب!“

ذرا تصور کریں قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح، قوم لوط، قوم شعیب اور آل فرعون کے انجام کا اور پھر سوچیں کہ ان نافرمان قوموں کی جب گرفت ہوئی تو وہ کس قدر عبرتناک تھی۔

**آیت ۳۳** ﴿أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ﴾ ”تو کیا وہ ہستی جو ہر جان سے محاسبہ کرنے والی ہے جو اُس نے کمائی کی ہے (اوروں کی طرح ہو سکتی ہے؟)“  
اللہ تعالیٰ ہر آن ہر شخص کے ساتھ موجود ہے اور اس کی ایک ایک حرکت اور اس کے ایک ایک عمل پر نظر رکھتا ہے۔ کیا ایسی قدرت کسی اور کو حاصل ہے؟

﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ﴾ ”اور انہوں نے اللہ کے شریک بنا لیے ہیں۔“  
انہوں نے ایسی بصیر، خیر اور علیٰ کُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ہستی کے مقابلے میں کچھ معبود گھڑ لیے ہیں، جن کی کوئی حیثیت نہیں۔

﴿قُلْ سَمُّوهُمْ أَمْ تُنَبِّئُونَهُ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ﴾ ”آپ کہیے! ذرا ان کے نام تو بتاؤ! کیا تم اللہ کو جتنا چاہتے ہو وہ شے جو وہ نہیں جانتا زمین میں؟“  
یعنی اللہ جو اس قدر علیم اور بصیر ہستی ہے کہ اپنے ہر بندے کے ہر خیال اور ہر فعل سے واقف ہے، تو تم لوگوں نے جو بھی معبود بنائے ہیں کیا اُن کے پاس اللہ سے زیادہ علم ہے؟ کیا تم اللہ کو ایک نئی بات کی خبر دے رہے ہو جس سے وہ ناواقف ہے؟

﴿أَمْ يَبْظَاهِرُ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ”یا تم صرف سطحی سی بات کرتے ہو؟“  
یعنی یونہی جو منہ میں آتا ہے تم لوگ کہہ ڈالتے ہو اور ان شریکوں کے بارے میں تمہارے اپنے دعوے کھوکھلے ہیں۔ تمہارے ان دعووں کی بنیادوں میں یقین کی پہچان نہیں ہے۔ ان کے بارے میں تمہاری ساری باتیں سطحی نوعیت کی ہیں، عقلی اور منطقی طور پر تم خود بھی اُن کے قائل نہیں ہو۔

﴿بَلْ زَيْنَ اللَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ وَصَدُّوا عَنِ السَّبِيلِ﴾ ”بلکہ ان کافروں کے لیے ان کی مکاریاں مزن کر دی گئی ہیں، اور وہ روک دیے گئے ہیں (سیدھے) راستے سے۔“  
﴿وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾ ”اور جسے اللہ گمراہ کر دے تو اُسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں ہے۔“

اب گویا ان کے دل اُلٹ دیے گئے ہیں، ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی ہے اور ان کے اعمال کو دیکھتے ہوئے اللہ نے ان کی گمراہی کے بارے میں آخری فیصلہ دے دیا ہے۔ اب ان کو کوئی راہِ راست پر نہیں لاسکتا۔

**آیت ۳۴** ﴿لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ﴾ ”ان کے لیے عذاب ہے دنیا کی زندگی میں بھی، اور آخرت کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ سخت ہوگا۔“

﴿وَمَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَاقٍ﴾ ”اور نہیں ہوگا کوئی بھی ان کو اللہ سے بچانے والا۔“

آیت ۳۵ ﴿مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظُلُّهَا﴾  
 ”مثال اُس جنت کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے متقیوں سے اس کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی اس کے پھل بھی ہمیشہ قائم رہنے والے ہوں گے اور اس کے سائے بھی۔“

﴿تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ﴾<sup>(۳۵)</sup> ”یہ ہے انجام ان لوگوں کا جنہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی اور کافروں کا انجام تو آگ ہے۔“

آیت ۳۶ ﴿وَالَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابُ يَفْرَحُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ ”اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی تھی وہ خوش ہو رہے ہیں اس (قرآن) سے جو (اے نبی ﷺ!) آپ کی طرف نازل کیا گیا ہے“  
 یہ مدینہ کے اہل کتاب میں سے نیک سرشت لوگوں کا ذکر ہے۔ اُن کو جب خبریں ملتی تھیں کہ مکہ میں آخری نبی ﷺ کا ظہور ہو چکا ہے تو وہ ان خبروں سے خوش ہوتے تھے۔

﴿وَمِنَ الْأَحْزَابِ مَنْ يُنْكِرُ بَعْضَهُ﴾ ”اور بعض گروہوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اس کے بعض حصوں کا انکار کرتے ہیں۔“

﴿قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُوا وَإِلَيْهِ مَابِ ۖ﴾ ”آپ کہیے کہ مجھے تو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی بندگی کروں اور اس کے ساتھ شرک نہ کروں اُسی کی طرف میں بلارہا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔“

آیت ۳۷ ﴿وَكَذَلِكَ أَنْزَلْنَاهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا﴾ ”اور اسی طرح ہم نے اس کو اتارا ہے عربی میں قولِ فیصل بنا کر۔“

”حکم“ بمعنی ”فیصلہ“ یعنی یہ قرآن عربی قولِ فیصل بن کر آیا ہے۔ جیسا کہ سورۃ الطارق میں فرمایا: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ فَصْلٍ﴾<sup>(۳۷)</sup> وَمَا هُوَ إِلَّا نَزْلٌ ”یہ کلام (حق کو باطل سے) جدا کرنے والا ہے اور کوئی بے ہودہ بات نہیں ہے۔“  
 ﴿وَلَكِنْ اتَّبَعَتِ أَهْوَاءَ هُمْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا وَاقٍ﴾<sup>(۳۸)</sup> ”اور (اے نبی ﷺ!) اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آچکا ہے تو نہیں ہوگا آپ کے لیے بھی اللہ کی طرف سے نہ کوئی حمایتی اور نہ کوئی بچانے والا۔“

## آیات ۳۸ تا ۴۳

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَنْوَابًا وَذُرِّيَّةً ۖ وَمَا كَانَ لِرُسُلِ أَنْ يَأْتِي بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ ۖ يَتَّبِعُوا اللَّهَ مَا يَشَاءُ وَيُعِيتُ ۚ وَعِنْدَ أَمْرِ الْكِتَابِ ۖ وَأَمَّا نُرِيكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتُوفِيكَ فَاثْبَاتُكَ عَلَيْكَ الْبَلَاءُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۖ

أَوْ لَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ وَهُوَ  
سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ  
نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ  
كُنِيَ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ۝

آیت ۳۸ ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا وَذُرِّيَّةً﴾ ”اور ہم نے بھیجا رسولوں

کو آپ سے پہلے بھی اور ہم نے بنائیں ان کے لیے بیویاں بھی اور اولاد بھی۔“

آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ہیں وہ سب عام انسانوں کی طرح پیدا ہوئے (سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے) ”پھر انہوں نے نکاح بھی کیے اور ان کی اولادیں بھی ہوئیں۔“

﴿وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ﴾ ”اور کسی رسول کے لیے ممکن نہیں تھا کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ) لے آتا مگر اللہ کے اذن سے۔ ہر شے کے لیے ایک مقرر وقت لکھا ہوا ہے۔“

آیت ۳۹ ﴿يَفْعَلُوا اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثَبِّتْ ۚ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ ”اللہ جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا

ہے اور (جس کو چاہتا ہے) قائم رکھتا ہے اور اُسی کے پاس ہے اُمُّ الکتاب۔“

اُمُّ الکتاب یعنی اصل کتاب اللہ کے پاس ہے۔ سورۃ الزخرف میں اس کے متعلق یوں فرمایا گیا ہے: ﴿وَاللَّهُ فِيهِ أُمُّ الْكِتَابِ لَدَيْنَا لَعَلِّي حَكِيمٌ﴾ ”اور یہ اصل کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں ہمارے پاس ہے جو بڑی فضیلت اور حکمت والی ہے۔“ آپ اسے لوح محفوظ کہیں، اُمُّ الکتاب کہیں یا کتابِ مکنون کہیں، اصل قرآن اس کے اندر ہے۔ یہ قرآن جو ہمارے پاس ہے یہ اُس کی مُصَدِّقہ نقل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت اور مہربانی سے حضور ﷺ کی وساطت سے ہمیں دنیا میں عطا کر دیا ہے۔

آیت ۴۰ ﴿وَإِنْ مَا تُرِيدُكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ تَتَوَقَّعُكَ﴾ ”اور خواہ ہم دکھا دیں آپ کو اس کا

کچھ حصہ جس کی ہم ان کو دھمکی دے رہے ہیں یا ہم آپ کو وفات دے دیں“

یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ کی زندگی ہی میں ان کو عذاب الہی میں سے کچھ حصہ مل جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی میں ان پر ایسا وقت نہ آئے بلکہ عذاب کے ظہور میں آنے سے پہلے ہم آپ کو وفات دے دیں۔

﴿فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ﴾ ”پس آپ کے ذمہ تو پہنچانا ہی ہے اور ہمارے

ذمہ حساب لینا ہے۔“

آپ ﷺ پر ہمارا پیغام پہنچانے کی ذمہ داری تھی سو آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری احسن طریقہ سے ادا کر دی۔ اب اُن کو ہدایت دینا یا نہ دینا اُن پر عذاب بھیجنا یا نہ بھیجنا اور ان کا حساب لینا یہ سب کچھ ہمارے

ذمے ہے اور ہم یہ فیصلے اپنی مشیت کے مطابق کریں گے۔

**آیت ۲۱** ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا﴾ ”کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو گھٹاتے چلے آ رہے ہیں اس کے کناروں سے؟“

﴿وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقَّبَ لِحُكْمِهِ ۖ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝﴾ ”اور اللہ ہی فیصلہ کرتا ہے کوئی نہیں پیچھے ڈالنے والا اس کے حکم کو اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔“

یہ مضمون سورۃ الانبیاء میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿أَفَلَا يَرَوْنَ أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا ۚ أَفَهُمُ الْغَالِبُونَ ۝﴾ ”کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آ رہے ہیں تو کیا اب یہ غالب آنے والے ہیں؟“ یہ اُس دور کی طرف اشارہ ہے جب مشرکین مکہ نے مکہ کے اندر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف دشمنی کی بھٹی پورے زور شور سے دہکا رکھی تھی اور وہ لوگ اس میں اپنے سارے وسائل اس اُمید پر جھونکے جارہے تھے کہ ایک دن محمد ﷺ اور آپ کی اس تحریک کو نیچا دکھا کر رہیں گے۔ اس صورت حال میں انہیں مکہ کے مضافاتی علاقوں (اُمّ القریٰ وَمِنْ حَوْلِهَا) کے معروضی حالات کے حوالے سے مستقبل کی ایک امکانی جھلک دکھائی جا رہی ہے کہ بے شک ابھی تک مکہ کے اندر تمہاری حکمت عملی کسی حد تک کامیاب ہے، لیکن کیا تم دیکھ نہیں رہے ہو کہ مکہ کے آس پاس کے قبائل کے اندر اس دعوت کے اثر و نفوذ میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے اور اس کے مقابلے میں تمہارا حلقہ اثر روز بروز سکڑتا چلا جا رہا ہے۔ جیسے قبیلہ بنی غفار کے ایک نوجوان ابوذر رضی اللہ عنہ یہ دعوت قبول کر کے اپنے قبیلے میں ایک مبلغ کی حیثیت سے واپس گئے ہیں اور آپ کی وساطت سے یہ دعوت اس قبیلے میں بھی پہنچ گئی ہے۔ یہی حال ارد گرد کے دوسرے قبائل کا ہے۔ ان حالات میں کیا تمہیں نظر نہیں آ رہا کہ یہ دعوت رفتہ رفتہ تمہارے چاروں طرف سے تمہارے گرد گھیرا تنگ کرتی چلی جا رہی ہے؟ اب وہ وقت بہت قریب نظر آ رہا ہے جب تمہارے ارد گرد کا ماحول اسلام قبول کر لے گا اور تم لوگ اس کے دائرہ اثر کے اندر محصور ہو کر رہ جاؤ گے۔

اس آیت میں جس صورت حال کا ذکر ہے اس کا عملی مظاہرہ ہجرت کے بعد بہت تیزی کے ساتھ سامنے آیا۔ حضور ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد ایک طرف قریش مکہ کے لیے ان کی تجارتی شاہراہوں کو خنڈ و خراب بنا دیا تو دوسری طرف مدینہ کے آس پاس کے قبائل کے ساتھ سیاسی معاہدات کر کے اس پورے علاقے سے قریش مکہ کے اثر و رسوخ کی بساط پلیٹ دی۔ مدینہ کے مضافات میں آباد بیشتر قبائل قریش مکہ کے حلیف تھے مگر اب ان میں سے اکثر یا تو مسلمانوں کے حلیف بن گئے یا انہوں نے غیر جانبدار رہنے کا اعلان کر دیا۔ قریش مکہ کی معاشی ناکہ بندی (economic blockade) اور سیاسی انقطاع (political isolation) کے لیے رسول اللہ ﷺ کے یہ اقدامات اس قدر موثر تھے کہ اس کے بعد انہیں اپنے ارد گرد سے سکڑتی ہوئی زمین بہت واضح انداز میں دکھائی دینے لگی۔

دراصل فلسفہ سیرت کے اعتبار سے یہ بہت اہم موضوع ہے مگر بہت کم لوگوں نے اس پر توجہ دی ہے۔ میں



نے اپنی کتاب ”منہج انقلاب نبوی ﷺ“ میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے۔

**آیت ۲۲ ﴿وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾** ”اور جو ان سے پہلے تھے انہوں نے بھی بڑی چالیں چلی تھیں“

اپنے اپنے دُور میں مکرین حق نے انبیاء و رسل کی دعوتِ حق کو روکنے کے لیے سازشوں کے خوب جال پھیلانے تھے اور بڑی بڑی منصوبہ بندیاں کی تھیں۔

**﴿فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا﴾** ”لیکن ساری کی ساری تدبیریں اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔“  
اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کی تدبیروں اور سازشوں کا مکمل طور پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس کی مشیت کے خلاف ان کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہو سکتی۔

**﴿يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفْرُ لِمَنْ عُقِبِيَ الدَّارِ ۖ﴾** ”وہ جانتا ہے ہر جان جو کچھ کماتی ہے۔ اور عنقریب معلوم ہو جائے گا ان کافروں کو کہ دارِ آخرت کی کامیابی کس کے لیے ہے!“  
دارِ آخرت کی بھلائی اور اس کا آرام کس کے لیے ہے انہیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔

**آیت ۲۳ ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسَتْ مُّرْسَلًا﴾** ”اور یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ (اللہ کے) رسول نہیں ہیں۔“

**﴿قُلْ كَفَى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾** ”آپ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان“

اللہ جانتا ہے کہ میں اس کا رسول ہوں اور اُس کا جانا میرے لیے کافی ہے۔  
**﴿وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ﴾** ”اور جن کے پاس کتاب کا علم ہے (وہ بھی اس پر شاہد ہیں)۔“  
میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے کہ میں اُس کا رسول ہوں اور پھر ہر اُس شخص کی گواہی جو کتابِ آسمانی کا علم رکھتا ہے۔ اللہ تو جانتا ہی ہے جس نے مجھے بھیجا ہے اور میرا معاملہ اُسی کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ یہ اہل کتاب بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ اہل کتاب کے اس معاملے کو البقرہ: ۱۴۶ اور الانعام: ۲۰ میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے: **﴿يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ﴾** کہ یہ آپ ﷺ کو بحیثیت رسول ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم، ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۰۰

# سُورَةُ اِبْرٰهِيْمَ

## تمہیدی کلمات

سورۃ ابراہیم کا سورۃ الرعد کے ساتھ جوڑے کا تعلق ہے۔ ان دونوں سورتوں میں کئی ایسی آیات ہیں جو سورۃ البقرۃ کی بعض آیات کے ساتھ مشابہت رکھتی ہیں۔ سورۃ الرعد میں کسی نبی یا رسول کا ذکر نام کے ساتھ نہیں آیا، اسی طرح سورۃ ابراہیم میں بھی انبیاء و رسل علیہم السلام کا تذکرہ قدرے مختلف انداز میں آیا ہے۔ شروع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر چند آیات میں کرنے کے بعد زمانہ قبل کے سب انبیاء و رسل علیہم السلام کا ذکر جمع کے صیغے میں ایک ساتھ کیا گیا ہے، جبکہ آخر میں اختصار کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے۔ اسی وجہ سے اس سورۃ کا نام بھی آپ سے منسوب ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

## آیات ۴ تا ۱۴

الرَّاسُ كَتَبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ إِلَى صِرَاطِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ ۝ اللَّهُ الَّذِي لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ وَوَيْلٌ لِلْكَافِرِينَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيدٍ ۝ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا ۖ أُولَٰئِكَ فِي ضَلٰلٍ بَعِيدٍ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانٍ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

آیت ۱ ﴿الرَّاسُ﴾ اے رے۔

اس مقام پر حروف مقطعات کے بارے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ کئی سورتوں کے اس سلسلے کے پہلے ذیلی گروپ کی تینوں سورتوں (یونس، ہود اور یوسف) کا آغاز الرَّاس سے ہو رہا ہے، جبکہ دوسرے ذیلی گروپ کی پہلی سورۃ (الرعد) الرَّاس سے اور دوسری دونوں سورتیں (ابراہیم اور الحجر) پھر الرَّاس سے ہی شروع ہو رہی ہیں۔

﴿كَتَبَ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِ رَبِّهِمْ﴾ ”(اے



مگر اُس کی قوم کی زبان ہی میں تاکہ وہ ان کے لیے (اللہ کے احکام) اچھی طرح واضح کر دے۔“  
یعنی ہر قوم کی طرف مبعوث رسول پر دجی اُس قوم کی اپنی ہی زبان میں آتی تھی تاکہ بات کے سمجھنے اور سمجھانے میں کسی قسم کا ابہام نہ رہ جائے اور ابلاغ کا حق ادا ہو جائے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی تو عبرانی زبان میں دی گئی جو آپ کی قوم کی زبان تھی۔

﴿فَيُضِلُّ اللَّهُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ ”پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے۔“

اس کا ترجمہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ گمراہ کرتا ہے اسے جو چاہتا ہے گمراہ ہونا اور ہدایت دیتا ہے اس کو جو چاہتا ہے ہدایت حاصل کرنا۔

﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”اور وہ زبردست ہے کمال حکمت والا۔“

## آیات ۵ تا ۸

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِنَا ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ ۖ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَلَكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيَدُبُّونَ آبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۖ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ۖ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ۖ وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا فَأِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۖ

**آیت ۵** ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا أَنْ أَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ وَذَكِّرْهُمْ بِآيَاتِنَا﴾ ”اور (اسی طرح) ہم نے بھیجا تھا موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ کہ نکالو اپنی قوم کو اندھیروں سے اُجالے کی طرف اور انہیں خبردار کرو اللہ کے دنوں کے حوالے سے۔“

یہ ”التذکیر بآیام اللہ“ کی دہی اصطلاح ہے جس کا ذکر شاہ دلی اللہ دہلوی رحمہ اللہ کے حوالے سے قبل ازیں بار بار آچکا ہے۔ شاہ دلی اللہ نے اپنی مشہور کتاب ”الفوز الکبیر“ میں مضامین قرآن کی تقسیم کے سلسلے میں ”التذکیر بآیام اللہ“ کی یہ اصطلاح استعمال کی ہے یعنی اللہ کے ان دنوں کے حوالے سے لوگوں کو خبردار کرنا جن دنوں میں اللہ نے بڑے بڑے فیصلے کیے اور ان فیصلوں کے مطابق کئی قوموں کو نیست و نابود کر دیا۔ اس کے ساتھ شاہ دلی اللہ نے دوسری اصطلاح ”التذکیر بآلاء اللہ“ کی استعمال کی ہے یعنی اللہ کی نعمتوں اور اس کی نشانیوں کے حوالے سے تذکیر اور یاد دہانی۔

﴿إِنَّ فِي ذَلِكْ لَآيَاتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُورٍ﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ہر اُس انسان کے

لیے جو بہت صبر کرنے والا اور بہت شکر کرنے والا ہے۔“

صَبَّار اور شَكُور دونوں مبالغے کے صیغے ہیں۔ صبر اور شکر یہ دونوں صفات آپس میں ایک دوسرے کے لیے تکمیلی (complementary) نوعیت کی ہیں۔ چنانچہ ایک بندہ مومن کو ہر وقت ان میں سے کسی ایک حالت میں ضرور ہونا چاہیے اور اگر وہ ان میں سے ایک حالت سے نکلے تو دوسری حالت میں داخل ہو جائے۔ اگر اللہ نے اس کو نعمتوں اور آسائشوں سے نوازا ہے تو وہ شکر کرنے والا ہو اور اگر کوئی مصیبت یا تنگی اسے پہنچی ہے تو صبر کرنے والا ہو۔

حضرت صہیب بن سنان رومی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((عَجَبًا لَأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَهُ كُلَّهُ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَلِكَ لِأَحَدٍ إِلَّا لِلْمُؤْمِنِ؛ إِنْ أَصَابَتْهُ

سَرَاءٌ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَاءٌ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ))<sup>(۱)</sup>

”مومن کا معاملہ تو بہت ہی خوب ہے اس کے لیے ہر حال میں بھلائی ہے، اور یہ بات مومن کے سوا کسی اور کے لیے نہیں ہے۔ اگر اسے کوئی آسائش پہنچتی ہے تو شکر کرتا ہے پس یہ اُس کے لیے بہتر ہے اور اگر اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو صبر کرتا ہے پس یہ اُس کے لیے بہتر ہے۔“

**آیت ۶** ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجَلَكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ﴾ ”اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے اوپر اللہ کی اُس نعمت کو یاد رکھو جب اُس نے تمہیں نجات دی آلِ فرعون سے“

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنْ سُوءِ الْعَذَابِ وَيَذَّبَحُونَ أَبْنَاءَ كُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَ كُمْ﴾ ”وہ تمہیں بتلا کیے ہوئے تھے بدترین عذاب میں اور وہ لوگ تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔“

﴿وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ﴾ ”اور اس میں یقیناً تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش تھی۔“

**آیت ۷** ﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ ”اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا تھا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا“

اگر تم لوگ میرے احکام مانو گے اور میری نعمتوں کا حق ادا کرو گے تو میرے خزانوں میں کوئی کمی نہیں ہے میں تم لوگوں کو اپنی مزید نعمتیں بھی عطا کروں گا۔

﴿وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ ”اور اگر تم کفر کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت سخت ہے۔“

(۱) صحیح مسلم، کتاب الزہد والرقائق، باب المؤمن امرہ کلہ خیر۔

لیکن اگر تم کفرانِ نعمت کرو گے، میری نعمتوں کی ناقدری اور ناشکری کرو گے اور میرے احکام سے روگردانی کرو گے تو یاد رکھو میری سزا بھی بہت سخت ہوگی۔

**آیت ۸** ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ إِنَّ تَكْفُرُوا أَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ حَمِيدٌ ۝﴾  
 ”اور موسیٰ نے کہا کہ اگر تم کفر کرو اور جو بھی لوگ زمین میں ہیں وہ (سب کے سب کافر ہو جائیں) تو یقیناً اللہ غنی اور اپنی ذات میں خود محمود ہے۔“

وہ بے نیاز ہے اس کو کسی کی احتیاج یا پروا نہیں۔ وہ اپنی ذات میں ستودہ صفات ہے۔

## آیات ۹ تا ۱۷

اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٍ وَهُمْ ذٰلِكَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۚ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَا اُرْسِلْتُمْ بِهِ وَاِنَّا لَكٰفِيْ شَاكٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مَرْيَبٌ ۝۱۰ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِى اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ ۖ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخَّرَكُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ قَالُوْا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۚ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا قَاتِلُوْنَا سُلٰطِيْنَ مُّبِيْنٍ ۝۱۱ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ تَحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ وَمَا كَانَ لَنَا اَنْ نَّآئِيْكُمْ سُلٰطِيْنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲ وَمَا لَنَا اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰنَا سُبُلَنَا ۚ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَا اَدْبٰتُمْوْنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۳ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلٰى رُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَاۤ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ فَاُوْحٰى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴ وَلَنُسَكِّنَنَّكُمْ اِلَى الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ ۚ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقٰمِىْ وَخَافَ وَعَبَدَ ۝۱۵ وَاسْتَغْنُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۚ مِنْ وَرَآيِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صٰدِيْدٍ ۝۱۶ يَّتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهُ وَيَأْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۚ وَمِنْ وَرَآيِهِ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝۱۷

**آیت ۹** ﴿اَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٍ وَهُمْ ذٰلِكَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۚ﴾  
 ”کیا تمہارے پاس انہیں پہلی خبریں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے، یعنی قومِ نوح اور عاد اور ثمود کی“

﴿وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۚ﴾ ”اور ان کی جو ان کے بعد ہوئے، انہیں اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔“

﴿جَاءَهُمْ رَسُولُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَرَدُّوا أَيْدِيَهُمْ فِي أَقْوَاهُمْ﴾ ”ان کے پاس آئے ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر تو انہوں نے اپنی انگلیاں اپنے مونہوں میں ٹھونس لیں“  
 ﴿وَقَالُوا إِنَّا كَفَرْنَا بِمَا أُرْسِلْتُمْ بِهِ وَإِنَّا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَنَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝۹﴾ ”اور کہا کہ ہم تو انکار کرتے ہیں اس کا جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو اور تم ہمیں جس چیز کی دعوت دے رہے ہو اُس کے بارے میں ہم سخت الجھن میں ڈال دینے والے شک میں مبتلا ہیں۔“

یہاں تمام رسولوں کو ایک جماعت فرض کر کے اُن کا ذکر اکٹھے کیا جا رہا ہے کیونکہ سب نے اپنی اپنی قوم کو ایک جیسی دعوت دی اور اُس دعوت کے جواب میں سب رسولوں کی قوموں کا ردِ عمل بھی تقریباً ایک جیسا تھا۔ ان سب اقوام نے اپنے رسولوں کی دعوت کو رد کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں تو ان باتوں کے متعلق بہت سے شکوک و شبہات لاحق ہیں جن کی وجہ سے ہم سخت الجھن میں پڑ گئے ہیں۔

**آیت ۱۰** ﴿قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِی اللّٰهِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۝۱۰﴾ ”ان کے رسولوں نے کہا کہ کیا تم لوگوں کو اللہ کی ذات کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے؟“

یہ searching question کا سا انداز ہے جس میں بات وہاں سے شروع کی جا رہی ہے جہاں تک خود فریق ثانی کو بھی اتفاق ہے۔ مذکورہ تمام اقوام کے کفار و مشرکین میں ایک عقیدہ ہمیشہ مشترک رہا ہے کہ وہ تمام لوگ نہ صرف اللہ کو مانتے تھے بلکہ اسے زمین و آسمان کا خالق بھی تسلیم کرتے تھے۔ چنانچہ جس قوم کے لوگوں نے بھی اپنے رسول کی دعوت کو شکوک و شبہات کی بنا پر رد کرنا چاہا ان کو ہمیشہ یہی جواب دیا گیا۔ یعنی سب سے پہلے اللہ کی ذات کا معاملہ ہمارے تمہارے درمیان واضح ہونا چاہیے کہ تمہیں اللہ کی ذات کے بارے میں شک ہے یا اس کے خالق ارض و سادات ہونے میں؟

﴿يَدْعُوكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۝۱۱﴾ ”وہ (اللہ) تمہیں بلا رہا ہے تاکہ تمہارے گناہوں کو بخش دے اور ایک وقتِ معین تک تمہیں مہلت دے۔“

﴿قَالُوا إِنِ أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۝۱۲﴾ ”انہوں نے جواب دیا کہ نہیں ہیں آپ لوگ مگر ہماری ہی طرح کے انسان۔“

﴿تُرِيدُونَ أَن تَصَدُّونَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا فَآتُونَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِينٍ ۝۱۳﴾ ”آپ چاہتے ہیں کہ روک دیں ہمیں ان (کی پرستش) سے جن کو پوجتے تھے ہمارے آباء تو لائیے آپ ہمارے سامنے کوئی کھلا معجزہ!“

سب قوموں کے لوگوں کا یہ جواب بھی ایک جیسا تھا سب نے رسولوں کے انسان ہونے پر اعتراض کیا اور سب نے حتیٰ معجزہ طلب کیا۔

**آیت ۱۱** ﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِن نَّحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَّشَاءُ مِنْ

عِبَادِهِ ۞” اُن کے رسولوں نے ان سے کہا کہ واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تمہاری ہی طرح کے انسان، لیکن اللہ احسان فرماتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے۔“

یہ اللہ کی مرضی کا معاملہ ہے، وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے نوازدیتا ہے۔ اس نے ہمیں اپنی رسالت کے لیے جن لیا ہے ہماری طرف وحی بھیجی ہے اور ہمیں مامور کیا ہے کہ ہم آپ لوگوں کو خبردار کریں اور اس کے احکام آپ تک پہنچائیں۔

﴿وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۝﴾  
”اور ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ ہم لے آئیں تمہارے پاس کوئی معجزہ اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے اہل ایمان کو۔“

آیت ۱۲ ﴿وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَمَمْنَا مَبْلَكًا ۝﴾ ”اور ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ پر توکل نہ کریں حالانکہ اُس نے ہمیں ہمارے راستوں کی ہدایت بخشی ہے۔“

اللہ نے ہمیں اپنے تقرب کے طریقے اور اپنی طرف آنے کے راستے بتائے ہیں، یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اس پر توکل نہ کریں؟

﴿وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا آذَيْتُمُونَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ۝﴾ ”اور ہم صبر ہی کریں گے اس ایذا پر جو تم ہمیں پہنچا رہے ہو، اور اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے تمام توکل کرنے والوں کو۔“

آیت ۱۳ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِرُسُلِهِمْ﴾ ”اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہوئے تھے اپنے رسولوں سے“  
رسولوں کی جماعت اور ان کی قوموں کے درمیان ہونے والے سوالات و جوابات کا تذکرہ جاری ہے۔  
یعنی اپنے اپنے زمانے میں اپنے اپنے رسولوں سے متعلقہ اقوام کے لوگوں نے کہا:

﴿لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ أَرْضِنَا أَوْ لَنَعُوذَنَّ فِي مَلِئْنَا﴾ ”ہم لازماً نکال باہر کریں گے تمہیں اپنی زمین سے یا تمہیں لوٹنا ہوگا ہمارے دین میں۔“

﴿فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظَّالِمِينَ ۝﴾ ”تو وحی کی ان کی طرف ان کے رب نے کہ ہم ان ظالموں کو اب لازماً ہلاک کر دیں گے۔“

آیت ۱۴ ﴿وَلَنَسْكَنَنَّكُمْ الْأَرْضَ مِنۢ بَعْدِهِمْ﴾ ”اور ہم آباد کریں گے زمین میں تم لوگوں کو ان کے بعد۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے رسولوں کی طرف وحی بھیجی کہ اب تمام کافروں کو ہلاک کر دیا جائے گا اور اس کے بعد رسول اور ان کے ساتھ بچ جانے والے تمام اہل ایمان کو پھر سے زمین میں آباد کرنے کا سامان کیا جائے گا۔

﴿ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعَبِدَ ۝﴾ ”یہ ان لوگوں کے لیے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے اور میری وعید سے ڈرتے ہیں۔“



جو لوگ عذاب کی وعیدوں سے ڈرتے ہیں اور روزِ محشر اللہ کی عدالت میں کھڑے ہونے کے تصور سے لرز جاتے ہیں۔

**آیت ۱۵** ﴿وَأَسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝۱۵﴾ ”اور انہوں نے فیصلہ طلب کیا اور نامراد ہو کر رہا ہر سرکش ضدی۔“

جو لوگ کفر و شرک پر ڈٹے رہتے وہ اس بات پر بھی اپنے رسولؐ سے اصرار کرتے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان آخری فیصلہ ہو جانا چاہیے۔ پھر جب اللہ کی طرف سے وہ آخری فیصلہ عذابِ استیصال کی صورت میں آتا تو اس کے نتیجے میں سرکش اور ہٹ دھرم قوم کو نیست و نابود کر دیا جاتا۔ ایسے منکرینِ حق کی تباہی و بربادی کا نقشہ قرآن حکیم میں اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيهَا﴾ (الاعراف: ۹۲) ”وہ ایسے ہو گئے جیسے کبھی تھے ہی نہیں“ اور ﴿فَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ الْاٰلَآءُ مَسْلِكُهَا﴾ (الاحقاف: ۲۵) ”یعنی وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے دیار و امصار میں صرف اُن کے محلات و مساکن ہی نظر آتے تھے جبکہ اُن کے مکینوں کا نام و نشان تک باقی نہ رہا۔ اور یہ سب کچھ تو ان لوگوں کے ساتھ اس دنیا میں ہوا جبکہ آخرت کی بڑی سزا اُس کے علاوہ ہے جس کو جھیلے ہوئے ان میں سے ہر ایک سرکش ضدی اس طرح نشانِ عبرت بنے گا:

**آیت ۱۶** ﴿مَنْ وَّرَاٰهُمْ جَهَنَّمُ وَيَسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صٰدِيْدٍ ۝۱۶﴾ ”اُس کے پیچھے جہنم ہے اور اس کو پلایا جائے گا پیپ والا پانی۔“

**آیت ۱۷** ﴿يَتَجَرَّعُوْهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهُ﴾ ”وہ اس کو گھونٹ گھونٹ پینے کی کوشش کرے گا لیکن اسے حلق سے اتار نہیں پائے گا۔“

﴿وَيَاٰتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۝۱۷﴾ ”اور اُسے ہر طرف سے موت (آتی ہوئی نظر) آئے گی لیکن مرنے نہیں سکے گا۔“

شدید تکلیف میں موت انسان کو راحت پہنچا دیتی ہے۔ بعض بیمار ایسے ہوتے ہیں کہ تکلیف کی شدت میں ایڑیاں رگڑ رہے ہوتے ہیں اور موت ان کے لیے راحت کا سامان بن جاتی ہے۔ لیکن جہنم ایسی جگہ ہے کہ جہاں انسان کو موت نہیں آئے گی۔ سورہ طہ میں اس کیفیت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: ﴿لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝۱۸﴾ ”نہ وہ اس میں مرے گا اور نہ جی پائے گا۔“ اہل جہنم شدید خواہش کریں گے کہ موت آجائے اور ان کا قصہ تمام ہو جائے مگر ان کی یہ خواہش پوری نہیں ہوگی۔

﴿وَمَنْ وَّرَاٰهُمْ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝۱۹﴾ ”اور اس کے بعد اُس کے لیے ایک اور سخت عذاب ہوگا۔“ یعنی اس سختی میں مسلسل اضافہ ہوتا جائے گا عذاب کی شدت درجہ بدرجہ بڑھتی ہی چلی جائے گی۔

## آیات ۱۸ تا ۲۱

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهٖمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اِسْتَدَّتْ بِهٖ الرِّيحُ فِى يَوْمٍ عَاصِفٍ ط

لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝ أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ خَلَقَ  
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ اِنْ يَّشَآءْ يُدْهِبْكُمْ وَيَخْلُقْ جَدِيدًا ۚ وَمَا ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ  
بِعَزِيزٍ ۝ وَيَرْزُقُ اللّٰهٖ جَمِيعًا فَقَالَ الضُّعَفَاۗءُ لِلَّذِيۡنَ اسْتَكْبَرُوۡا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فُهِلْ اَنْتُمْ  
مُّغْنُوۡنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ قَالُوۡا لَوْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَهَدٰیۡنٰكُمْ ۚ سَوَآءٌ عَلَيْنَا  
اَجَزَعْنَا اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ نَّجٍ ۚ

ع  
۱۵

آیت ۱۸ ﴿مَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي يَوْمٍ عَاصِفٍ﴾  
”مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ (ایسی ہے) کہ ان کے اعمال ہوں را کھ کی  
مانند جس پر زور دار ہوا چلے آندھی کے دن۔“

اللہ کے ہاں کسی بھی نیک عمل کی قبولیت کے لیے ایمان لازمی اور بنیادی شرط ہے۔ چنانچہ جو لوگ اپنے  
رب کا کفر کرتے ہیں ان کے نیک اعمال کو یہاں را کھ کے ایسے ڈھیر سے تشبیہ دی گئی ہے جس پر تیز آندھی چلی  
اور اس کا ایک ایک ذرہ منتشر ہو گیا۔ یعنی بظاہر تو وہ ڈھیر نظر آتا تھا مگر اللہ کے ہاں اس کی کچھ بھی حیثیت باقی نہ  
رہی۔ یہ بہت اہم مضمون ہے اور قرآن کریم میں مختلف مثالوں کے ساتھ اسے تین بار دہرایا گیا ہے۔ سورۃ النور  
کی آیت ۳۹ میں کفار کے اعمال کو سراب سے تشبیہ دی گئی ہے اور سورۃ الفرقان کی آیت ۲۳ میں منکرین آخرت  
کے اعمال کو ﴿هَبَاءٌ مُنْتَوِرَةٌ﴾ یعنی ”ہوا میں اڑتے ہوئے ذرات“ کی مانند قرار دیا گیا ہے۔

دراصل ہر انسان اپنی ذہنی سطح کے مطابق نیکی کا ایک تصور رکھتا ہے، کیونکہ نیکی ہر انسان کی روح کی ضرورت  
ہے، مگر نیکی کا تعلق چونکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کی قبولیت کے ساتھ ہے، چنانچہ اس کے لیے معیار  
بھی وہی قابل قبول ہوگا جو اللہ نے خود قائم کیا ہے، اور وہ معیار سورۃ البقرۃ کی آیت الہر کی روشنی میں یہ ہے:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَ ۚ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ  
وَابْنَ السَّبِيلِ ۚ وَاتَّبَعَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۚ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ  
إِذَا عٰهَدُوۡا ۚ وَالصَّٰبِرِيۡنَ فِى الْبَأْسَآءِ وَالصَّرَآءِ ۚ وَحِينَ الْبَأْسِ ۚ أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوۡا  
وَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ۝

”نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنے چہرے مشرق اور مغرب کی طرف پھیر دو، بلکہ اصل نیکی تو اس کی ہے جو  
ایمان لایا اللہ پر، یوم آخرت پر، فرشتوں پر، کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور اس نے خرچ کیا مال اس کی محبت  
کے باوجود قربت داروں، یتیموں، محتاجوں، مسافروں اور مانگنے والوں پر اور گردنوں کے چھڑانے میں۔  
اور قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ۔ اور جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کے جب کوئی عہد کر لیں۔ اور  
صبر کرنے والے فقر و فاقہ میں، تکالیف میں اور حالت جنگ میں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی  
حقیقت میں متقی ہیں۔“

اگر نیکی اس معیار کے مطابق ہے تو پھر یہ واقعی نیکی ہے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو نیکی کی شکل میں دھوکہ سراب اور فریب ہے، نیکی نہیں ہے۔ دراصل جب انسان کی فطرت مسخ ہو جاتی ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کا نیکی کا تصور بھی مسخ ہو جاتا ہے۔ نیکی چونکہ ایک برے سے برے انسان کے بھی ضمیر کی ضرورت ہے اس لیے بجائے اس کے کہ ایک برا انسان اپنی اصلاح کر کے اپنے اعمال و کردار کو نیکی کے مطلوبہ معیار پر لے آئے، وہ الٹا نیکی کے معیار کو گھسیٹ کر اپنے خیالات و نظریات کی گندگی کے ڈھیر کے اندر اس کی جگہ بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں چور ڈاکو اور لٹیرے صدقہ و خیرات کرتے اور خدمت خلق کے بڑے بڑے کام کرتے نظر آتے ہیں اور جسم فروش عورتیں مزاروں پر دھال ڈالتی اور نیاز بانٹی دکھائی دیتی ہیں۔ اس طرح یہ لوگ اپنے ضمیر کی تسکین کا سامان کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہمارے پیشے میں قدرے قباح کا عنصر پایا جاتا ہے تو کیا ہوا اس کے ساتھ ساتھ ہم نیکی کے فلاں فلاں کام بھی تو کرتے ہیں!

اسی طرح جب مذہبی مزاج رکھنے والے لوگوں کی فطرت مسخ ہوتی ہے تو وہ کبیرہ گناہوں کی طرف سے بے حس اور صغائر کے بارے میں بہت حساس ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگ صغائر کے بارے میں تو بڑے زوردار مباحثے اور مناظرے کر رہے ہوتے ہیں، مگر کبائر کو وہ لائق اعتناء ہی نہیں سمجھتے۔ اس پس منظر میں صحیح طرز عمل یہ ہے کہ پہلے کبائر سے کلی طور پر اجتناب کیا جائے اور پھر اس کے بعد صغائر کی طرف توجہ کی جائے۔ بہر حال قیامت کے دن بے شمار ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے زعم میں بہت زیادہ نیکیاں لے کر آئے ہوں گے، مگر اللہ کے نزدیک ان کی نیکیوں کی کوئی حیثیت اور وقعت نہیں ہوگی۔

﴿لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَى شَيْءٍ ۚ ذَلِكَ هُوَ الصَّلٰۤیُ الْبَعِیْدُ ۝۱۸﴾ ”انہیں کچھ بھی ہاتھ نہ آئے گا اُس میں سے جو کمائی انہوں نے کی ہوگی۔ یہی تو ہے دور کی گمراہی۔“

ان کو زعم ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں بہت نیک کام کیے تھے خدمت خلق کے بڑے بڑے پراجیکٹ شروع کر رکھے تھے، مگر اُس دن وہاں ان میں سے کوئی نیکی بھی ان کے کام آنے والی نہیں ہوگی۔

آیت ۱۹ ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ﴾ ”کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے؟“

﴿اِنَّ یَسْۤاِءُ لِّذٰہِبِکُمْ وِیَاۤتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝۱۹﴾ ”اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو لے جائے (ہلاک کر دے) اور ایک نئی مخلوق کو لے آئے۔“

اس کی قدرت، قوت تخلیق اور تخلیقی مہارت ختم تو نہیں ہوگئی، وہ اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہے ختم کر دے اور جب چاہے کوئی نئی مخلوق پیدا کر دے۔

آیت ۲۰ ﴿وَمَا ذٰلِكَ عَلَی اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ۝۲۰﴾ ”اور یہ کام اللہ پر کوئی بھاری نہیں ہے۔“

آیت ۲۱ ﴿وَبَرَزُوا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ الضُّعَفَاۗءُ لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا ۚ فَاٰتَمَّ مَغْنَمًا ۝۲۱﴾ ”اور وہ اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے سب کے سب، تو کہیں گے

کمزور لوگ متکبرین سے کہ ہم آپ لوگوں کے پیروکار تھے تو کیا آپ اللہ کے عذاب میں سے ہمارے لیے کچھ کمی کر سکتے ہیں؟“

کمزور لوگ طاقتور لوگوں سے، جنہیں وہ دنیا میں اپنے سردار اور لیڈر مانتے تھے، کہیں گے کہ ہم آپ کے فرمانبردار تھے، آپ کا ہر حکم مانتے تھے، آپ کی خدمت کرتے تھے، آپ کے جھنڈے اٹھاتے تھے، آپ کے لیے زندہ باد کے نعرے لگاتے تھے، تو کیا آپ ہماری اُن خدمات کے عوض آج اس عذاب سے ہمیں کچھ رعایت دلا سکتے ہیں؟ ﴿قَالُوا لَوْ هَدَانَا اللَّهُ لَهْدَيْنَاكُمْ ۖ﴾ ”وہ کہیں گے کہ اگر اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہوتی تو ہم تمہیں بھی ہدایت کی راہ دکھاتے۔“

وہ کو را جواب دے دیں گے کہ ہم خود گمراہ تھے سو ہم نے تمہیں بھی گمراہ کیا۔

﴿سَوَاءٌ عَلَيْنَا أَجْرُ غَنَاءٍ مَّا صَبَّوْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيصٍ ۝﴾ ”اب ہمارے حق میں برابر ہے خواہ ہم جزع فزع کریں یا صبر کریں، ہمارے لیے خلاصی کی کوئی صورت نہیں۔“  
اب تو یکساں ہے خواہ ہم بے قراری کا مظاہرہ کریں، چینیں چلائیں یا صبر کریں، ہمارے لیے کوئی مفر نہیں، ہمارے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

## آیات ۲۲ تا ۲۳

وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي ۖ فَلَا تَلُمُونِي وَلُومُوا أَنْفُسَكُمْ ۖ مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَا أَنْتُمْ بِمُصْرِخِي ۖ إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ ۚ إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ ۖ يُحَيِّيهِمْ فِيهَا سَلَامٌ ۝

آیت ۲۲ ﴿وَقَالَ الشَّيْطَانُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ﴾ ”اور شیطان کہے گا (اُس وقت) جب فیصلہ چکا دیا جائے گا“

جب تمام بنی نوع انسان کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا اور اہل جنت کو جنت کی طرف اور اہل جہنم کو جہنم کی طرف لے جایا جا رہا ہوگا تو شیطان کہے گا:

﴿إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ ۖ﴾ ”(دیکھو لوگو!) اللہ نے تم سے ایک وعدہ کیا تھا سچا وعدہ، اور میں نے بھی تم سے وعدے کیے تھے تو میں نے تم سے (اپنے وعدوں کی) خلاف ورزی کی۔“

﴿وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطَانٍ﴾ ”لیکن میرے پاس تم پر کوئی اختیار نہیں تھا“

میں تم پر کسی قسم کا جبر نہیں کر سکتا تھا اور تمہیں زبردستی برائی کی طرف نہیں لاسکتا تھا۔ یہ اختیار مجھے اللہ نے دیا ہی نہیں تھا۔

﴿إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي﴾ ”سوائے اس کے کہ میں نے تم لوگوں کو دعوت دی اور تم نے میری دعوت کو قبول کر لیا۔“

میں نے تم لوگوں کو اور غلامی، معصیت کی دعوت دی، اللہ کی نافرمانیوں اور بے حیائی کے کاموں کی ترغیب دی اور تم لوگوں نے میرا کہا مان لیا۔

﴿فَلَا تُلْهُمُونِي وَلَوْ مَوْأَنَفُسُكُمْ﴾ ”تو اب تم لوگ مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔“

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سارے احکام تمہارے سامنے تھے اس کے راستے کے تمام نشانات تم پر واضح تھے۔ ان سے روگردانی کر کے تم لوگوں نے اپنی مرضی سے میرے راستے کو اختیار کیا۔ میں تمہیں زبردستی کھینچ کر اس طرف نہیں لے کر آیا۔ چنانچہ آج مجھے کونے کے بجائے اپنے آپ کو لعن طعن کرو۔

﴿مَا أَنَا بِمُضِرِّ خُكُمٍ وَمَا أَنْتُمْ بِمُضِرِّ خِيَّتِي﴾ ”اب نہ میں تمہاری فریاد رسی کر سکتا ہوں نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو۔“

﴿إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِنْ قَبْلُ﴾ ”بلاشبہ میں انکار کرتا ہوں اس کا جو قبل ازیں تم مجھے (اللہ کا) شریک ٹھہراتے رہے تھے۔“

تم نے دنیا میں جو کچھ بھی کیا تھا انتہائی غلط کیا تھا۔ تم لوگوں کو اللہ کے احکام پر عمل کرنا چاہیے تھا اور اُس کے وعدے پر اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ تم لوگ نہ صرف اللہ کے احکام کو پس پشت ڈال کر میرا کہنا مانتے رہے بلکہ مجھے اس کے برابر کا درجہ بھی دیتے رہے۔ آج میں تمہارے ان سب اعتقادات سے اعلانِ براءت کرتا ہوں۔

﴿إِنَّ الظَّالِمِينَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”یقیناً ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

**آیت ۲۳** ﴿وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ﴾ ”اور داخل کیے جائیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ہوں گے اور جنہوں نے نیک عمل کیے ہوں گے ایسے باغات میں جن کے نیچے ندیاں بہتی ہوں گی وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش اپنے رب کے حکم سے۔ وہاں ان کی ملاقات کی دعا (ایک دوسرے پر) سلام ہوگی۔“

## آیات ۲۴ تا ۲۷

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلْبَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ۚ تُؤْتِي أُكْلَهَا كُلَّ حِينٍ ۖ بِإِذْنِ رَبِّهَا ۚ وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ

يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٥﴾ يُعَذِّبُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ ﴿٢٦﴾ وَيَفْعَلُ اللَّهُ مَا يَشَاءُ ﴿٢٧﴾

**آیت ۲۴** ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً﴾ ”کیا تم نے غور نہیں کیا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان کی ہے کلمہ طیبہ کی!“

کلمہ طیبہ سے عام طور پر تو کلمہ توحید ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ مراد لیا جاتا ہے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ افضل الذکر ہے، لیکن یہاں کلمہ طیبہ سے توحید پر مبنی عقائد و نظریات بھلائی کی ہر بات کلام طیب اور حق کی دعوت مراد ہے۔

﴿كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ﴾ ”(اس کی مثال ایسی ہے) جیسے ایک پاکیزہ درخت اس کی جڑ مضبوط اور شاخیں آسمان میں ہیں۔“

**آیت ۲۵** ﴿تَوْتَجَىٰ أَكْلُهَا كُلَّ حِينٍ يَأْذِنُ رَبُّهَا﴾ ”یہ (درخت) ہر فصل میں اپنا پھل لاتا ہے اپنے رب کے حکم سے۔“

اس درخت کی جڑیں زمین میں مضبوطی سے جمی ہوئی ہیں اس کی شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں اور اس کا پھل بھی متواتر آ رہا ہے۔

﴿وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ ”اور اللہ مثالیں بیان کرتا ہے لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت اخذ کریں۔“

کوئی بھلائی کا کام ہو نیکی کی دعوت ہو، راہ حق کی کوئی تحریک ہو جس نے بھی ایسی کسی نیکی کی ابتدا کی اس نے گویا اپنے لیے ایک بہت عمدہ پھلدار درخت لگا لیا۔ یہ درخت جب تک باقی رہے گا اپنے اثرات و ثمرات سے نہ معلوم کس کس کو فیض یاب کرے گا۔ جیسے کسی نے بھلائی کی دعوت دی اور اس دعوت کو کچھ لوگوں نے قبول کیا، انہوں نے اس دعوت کو مزید آگے پھیلا دیا، یوں اس نیکی کا حلقہ اثر وسیع سے وسیع تر ہوتا جائے گا اور نہ معلوم مستقبل میں ایسے نیک اثرات مزید کہاں کہاں تک پہنچیں گے۔ حضرت جریر بن عبد اللہ بن جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَأَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا بَعْدَهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَجْرِهِمْ شَيْءٌ، وَمَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً كَانَ عَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ))<sup>(۱)</sup>

”جس کسی نے اسلام میں کسی نیک کام کا آغاز کیا تو اُس کے لیے اس کام کا اجر بھی ہوگا اور بعد میں

جو کوئی بھی اس پر عمل کرے گا اس کا اجر بھی اس کو ملے گا، لیکن ان کے اجر و ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔ اور جس کسی نے اسلام میں کسی بری شے کا آغاز کیا تو اس پر اس کا گناہ بھی ہوگا اور بعد میں جو کوئی بھی اس پر عمل کرے گا اس کے گناہ کا بوجھ بھی اس پر ڈالا جائے گا، مگر ان کے گناہوں میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔“

**آیت ۲۶ ﴿وَمَثَلُ خَيْثِیْنِ کَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةٍ اَجْتَمَعَتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝۲۶﴾** ”اور کلمہ خیتھ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک گھٹیا درخت (جھاڑ جھکاڑ) جسے زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا جائے، اُس کے لیے کوئی قرار نہیں۔“

بھلائی اور اس کے اثرات کے مقابلے میں برائی برائی کی دعوت اور برائی کے اثرات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بہت عمدہ مضبوط اور پھلدار درخت کے مقابلے میں جھاڑ جھکاڑ۔ نہ اس کی جڑوں میں مضبوطی نہ وجود کو ثبات نہ سایہ نہ پھل۔ برائی بعض اوقات لوگوں میں رواج بھی پا جاتی ہے انہیں بھلی بھی لگتی ہے اور اس کی ظاہری خوبصورتی میں لوگوں کے لیے وقتی طور پر کشش بھی ہوتی ہے۔ جیسے مالِ حرام کی کثرت اور چمک دمک لوگوں کو متاثر کرتی ہے مگر حقیقت میں نہ تو برائی کو ثبات اور دوام حاصل ہے اور نہ اس کے اثرات میں لوگوں کے لیے فائدہ!

**آیت ۲۷ ﴿يَنْبَغِ اللَّهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ ۝۲۷﴾** ”اللہ ثبات عطا کرتا ہے اہل ایمان کو قولِ ثابت کے ذریعے سے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔“

یہاں قولِ ثابت سے مراد ایمان ہے۔ آخرت پر پختہ ایمان رکھنے والا شخص دنیا کے اندر اپنے کردار اور نظریات میں مضبوط اور ثابت قدم ہوتا ہے۔ اس کے حوصلے اس کے موقف اور اس کی صلاحیتوں کو اللہ تعالیٰ استقامت بخشتا ہے۔ ایسے لوگوں کو اسی طرح کا ثبات آخرت میں بھی عطا ہوگا۔

**﴿وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِیْنَ ۝۲۸﴾** ”اور گمراہ کر دیتا ہے اللہ ظالموں کو اور اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

## آیات ۲۸ تا ۳۴

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحْلَوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ۚ جَهَنَّمَ یَصْلَوْنَهَا ۖ وَنُسِ الْقُرَارُ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهِ ۖ قُلْ تَتَّبِعُوْا اَنَیْ مَّصِیْرَکُمْ اِلَى النَّارِ ۚ قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَعَلٰنِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاتِیَ یَوْمٌ لَاَ یَبِیْعُ فِیْهِ وَلَا یُخَلِّ ۚ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الشَّجَرِ رِزْقًا لَّکُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْفُلْکَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِیْ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْاَنْهَارَ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآبِّیْنَ ۚ وَسَخَّرَ لَکُمُ الْیَلَّ وَالنَّهَارَ ۚ وَاتَّبَعْتُ مِّنْ کُلِّ مَا سَأَلْتُمُوْهُ ۚ وَاِنْ تَعَدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۚ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ کَفَّارٌ ۝۳۴

**آیت ۲۸** ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا ۚ﴾ ”کیا تم نے غور نہیں کیا ان لوگوں کے حال پر جنہوں نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا کفر سے“

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت کی نعمت سے نوازا تھا مگر انہوں نے ہدایت ہاتھ سے دے کر ضلالت اور گمراہی خرید لی۔ اللہ اس کے رسول اور اس کی کتاب سے کفر کر کے انہوں نے اللہ کی نعمت سے خود کو محروم کر لیا۔

﴿وَاحْلُوْا قَوْلَهُمْ دَارَ الْبُؤَارِ ۝۲۹﴾ ”اور انہوں نے اپنی قوم کو لا اتارا تباہی کے گھر میں۔“  
جیسے سورہ ہود آیت ۹۸ میں فرعون کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ روزِ محشر وہ اپنی قوم کی قیادت کرتا ہوا آئے گا اور اس پورے جلوس کو لا کر جہنم کے گھاٹ اتار دے گا۔ اسی طرح تمام قوموں اور تمام معاشروں کے گمراہ لیڈر اپنے اپنے پیروکاروں کو جہنم میں پہنچانے کا باعث بنتے ہیں۔

**آیت ۲۹** ﴿جَهَنَّمَ يَصْلُوْنَهَا وَيَسَّ الْقَوَارِ ۝۳۰﴾ ”یہ (دار البوار) جہنم ہے وہ اس میں داخل ہوں گے، اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے ٹھہرنے کی۔“

**آیت ۳۰** ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهِ ۝۳۱﴾ ”اور انہوں نے اللہ کے مد مقابل (شریک) ٹھہرا دیے ہیں تاکہ گمراہ کریں لوگوں کو اس کے راستے سے۔“

یعنی انہوں نے جھوٹے معبودوں کا ڈھونگ اس لیے رچایا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کی بندگی سے ہٹا کر گمراہ کر دیں۔ ”انداد“ جمع ہے ”ند“ کی، اس کے معنی مد مقابل کے ہیں۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۲ میں بھی ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا﴾ ”تو اللہ کے مد مقابل نہ ٹھہرایا کرو“۔ اس معاملے کی نزاکت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک صحابیؓ نے حضور ﷺ سے محاورۃ عرض کیا: مَا شَاءَ اللّٰهُ وَمَا شِئْتُ ”جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں“ تو آپ ﷺ نے انہیں فوراً ٹوک دیا اور فرمایا: ((اَجْعَلْنِيْ لِلّٰهِ نِدًا؟ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهُ))<sup>(۱)</sup> ”کیا تو نے مجھے اللہ کا مد مقابل بنا دیا؟ (بلکہ وہی ہوگا) جو تنہا اللہ چاہے!“ یعنی مشیت تو اللہ ہی کی ہے جو ہوگا اسی کی مشیت اور مرضی سے ہوگا۔ اختیار صرف اُسی کا ہے، اور کسی کا کوئی اختیار نہیں۔

﴿قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝۳۲﴾ ”آپ کہیے کہ (دنیا کی زندگی میں) تم فائدہ اٹھاؤ پھر یقیناً تمہارا لوٹنا آگ ہی کی طرف ہے۔“

**آیت ۳۱** ﴿قُلْ لِّلْعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَقِيْمُوْا الصَّلٰوةَ﴾ ”آپ کہیے میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ وہ نماز قائم کریں“

یہاں یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ قُلْ لِّلْعِبَادِیَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے اہل ایمان کو بالواسطہ حکم دیا جا رہا ہے اور یٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے الفاظ سے اہل ایمان کو براہ راست مخاطب نہیں کیا

(۱) ان الفاظ میں یہ حدیث علامہ محمد بن عبد الوہاب نے ”کتاب التوحید“ میں نسائی کے حوالے سے درج کی ہے۔ مسند احمد میں الفاظ وارد ہوئے ہیں: ((اَجْعَلْنِيْ وَاللّٰهُ عَدَلًا)) ”کیا تو نے مجھے اور اللہ کو برابر کر دیا؟“ (مرتب)



گیا۔ اس سلسلے میں پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ پورے کی قرآن میں یٰٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے الفاظ سے براہ راست مسلمانوں سے خطاب نہیں کیا گیا۔ (سورۃ الحج میں ایک مقام پر یہ الفاظ آئے ہیں مگر اس سورۃ کے کسی یا مدنی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔) اس میں جو حکمت ہے وہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ جہاں تک مجھے اس کی وجہ سمجھ میں آئی ہے وہ میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ یٰٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کا طرز خطاب اُمت کے لیے ہے اور کئی دور میں مسلمان ابھی ایک اُمت نہیں بنے تھے۔ مسلمانوں کو اُمت کا درجہ مدینہ میں آکر تحویل قبلہ کے بعد ملا۔ پچھلے دو ہزار برس سے اُمتِ مسلمہ کے منصب پر یہودی فائز تھے۔ انہیں اس منصب سے معزول کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت کو اُمتِ مسلمہ کا درجہ دیا گیا اور تحویل قبلہ اس تبدیلی کی ظاہری علامت قرار پایا۔ یعنی یہودیوں کے قبلہ کی حیثیت بطور قبلہ ختم کرنے کا مطلب یہ قرار پایا کہ انہیں اُمتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ قرآن میں یٰٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا کے الفاظ کے ذریعے مسلمانوں سے خطاب اس کے بعد شروع ہوا۔

﴿وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَالٍ﴾ اور جو کچھ ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہیں خفیہ اور علانیہ اس سے پہلے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی اور نہ کوئی دوستی کام آئے گی۔“

یہ آیت سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۴ سے بہت ملتی جلتی ہے۔ وہاں بیع اور دوستی کے علاوہ شفاعت کی بھی نفی کی گئی ہے: ﴿يٰٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ وَلَا شَفَاعَةٌ﴾۔ یعنی اُس دن سے پہلے پہلے ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کر لو جس میں نہ کوئی بیع ہوگی نہ کوئی دوستی کام آئے گی اور نہ ہی کسی کی شفاعت فائدہ مند ہوگی۔

**آیت ۳۲** ﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَانَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ﴾ ”اللہ ہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی، پھر نکالا اس کے ذریعے سے پھلوں کی شکل میں تمہارے لیے رزق۔“

﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِٖٓ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهَارَ﴾ اور مسخر کر دیا تمہارے لیے کشتی کو کہ وہ چلے سمندر میں اس کے حکم سے، اور اس نے مسخر کر دیے تمہارے لیے دریا (اور نہریں وغیرہ)۔“

**آیت ۳۳** ﴿وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِٖٓ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَيَّلَ وَالنَّهَارَ﴾ اور مسخر کر دیا تمہارے لیے سورج اور چاند کو کہ مسلسل چل رہے ہیں، اور مسخر کر دیا تمہارے لیے رات کو اور دن کو۔“

ان تمام چیزوں کے گنوانے سے انسان کو یہ جتنا مقصود ہے کہ زمین کے دامن اور آسمان کی وسعتوں میں اللہ کی تمام تخلیقات اور فطرت کی تمام قوتیں مسلسل انسان کی خدمت میں اس کی نفع رسانی کے لیے مصروف کار ہیں اور وہ اس لیے کہ اس کائنات میں انسان ہی ایک ایسی مخلوق ہے جو سب مخلوقات سے اعلیٰ ہے۔ اللہ نے یہ

بساط کون و مکان انسان ہی کے لیے بچھائی ہے اور باقی تمام اشیاء کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ اس کی ضروریات پوری کریں۔ یہی بات سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۹ میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ یعنی یہ زمین میں جو کچھ بھی نظر آ رہا ہے یہ اللہ نے تمہارے (انسانوں کے) لیے پیدا کیا ہے۔ اور ان چیزوں کو تمہاری ضرورتیں پوری کرنے کے لیے مسخر کر دیا ہے۔

**آیت ۳۲** ﴿وَاللّٰهُمَّ مِنْ كُلِّ مَّا سَأَلْتُمُوهُ﴾ ”اور اُس نے تمہیں وہ سب کچھ دیا جو تم نے اُس سے مانگا۔“ یہ مانگنا شعوری بھی ہے اور غیر شعوری بھی۔ یعنی وہ تمام چیزیں بھی اللہ نے ہمارے لیے فراہم کی ہیں جن کا تقاضا ہمارا وجود کرتا ہے اور ہمیں اپنی زندگی کو قائم رکھنے کے لیے ان کی ضرورت ہے۔ کیونکہ انسان کو پوری طرح شعور نہیں ہے کہ اسے کس کس انداز میں کس کس چیز کی ضرورت ہے اور اس کی ضرورت کی یہ چیزیں اسے کہاں کہاں سے دستیاب ہوں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کی دنیوی زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے اسباب و نتائج کے ایسے ایسے سلسلے پیدا کر دیے ہیں جن کا احاطہ کرنا انسانی عقل کے بس میں نہیں ہے۔ اللہ نے بہت سی ایسی چیزیں بھی پیدا کر رکھی ہیں جن سے انسان کی ضرورتیں انجامانے میں پوری ہو رہی ہیں۔ مثلاً ایک وقت تک انسان کو کب پتا تھا کہ کون سی چیز میں کون سا وٹامن پایا جاتا ہے۔ مگر وہ وٹامنز مختلف غذاؤں کے ذریعے سے انسان کی ضرورتیں اس طرح پوری کر رہے تھے کہ انسان کو اس کی خبر تک نہ تھی۔ بہر حال اللہ ہمیں وہ چیزیں بھی عطا کرتا ہے جو ہم اس سے شعوری طور پر مانگتے ہیں اور وہ بھی جو ہماری زندگی اور بقا کا فطری تقاضا ہیں۔

﴿وَإِنْ تَعْلَمُوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ﴾ ”اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو گے تو نہیں گن سکو گے۔ یقیناً انسان بڑا ہی ظالم اور بہت ناشکر ہے۔“ انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اللہ کی نعمتوں کو گن سکے۔ کفار (ک کی زبر کے ساتھ) یہاں فَعَال کے وزن پر مبالغے کا صیغہ ہے یعنی ناشکری میں بہت بڑھا ہوا۔

## آیات ۳۵ تا ۴۱

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّونَ كَثِيرًا ۖ وَنَالُوا مِنَ النَّاسِ ۖ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۖ رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۖ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي ۖ وَمَا نُعْلِنُ ۖ وَمَا يَخْفَىٰ عَلَى اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۖ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۖ

إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ ۖ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلَاةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۖ  
رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ ۝

**آیت ۳۵** ﴿وَرَدُّ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ آمِنًا وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ۝﴾  
”اور یاد کرو جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب اس شہر (مکہ) کو بنادے امن کی جگہ اور بچائے رکھ مجھے اور میری اولاد کو اس سے کہ ہم بتوں کی پرستش کریں۔“

یہ مضمون سورۃ البقرۃ کے پندرہویں رکوع کے مضمون سے ملتا جلتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ماقبل زمانہ کی جو تاریخ ہمیں معلوم ہوئی ہے اس کے مطابق اس دور کی سب سے بڑی گمراہی بت پرستی تھی۔ آپ سے پہلے کی تمام اقوام اسی گمراہی میں مبتلا تھیں۔ آپ کی اپنی قوم کا اس سلسلے میں یہ حال تھا کہ انہوں نے ایک بہت بڑے بت خانے میں بہت سے بت سجا رکھے تھے۔ انہی بتوں کا سورۃ الانبیاء میں ذکر ملتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو توڑا تھا۔ اس کے علاوہ آپ کی قوم ستاروں کی پوجا بھی کرتی تھی، جبکہ نمرود نے انہیں سیاسی شرک میں بھی مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ اختیار مطلق کا دعویٰ کرتا تھا اور جس چیز کو وہ چاہتا جائز قرار دیتا اور جس کو چاہتا ممنوع۔

**آیت ۳۶** ﴿رَبِّ إِنَّهُمْ أَضَلُّنَا كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ ۖ فَمَنْ تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي ۖ﴾ ”اے میرے پروردگار! ان بتوں نے (پہلے بھی) بہت سے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ تو جو کوئی میری پیروی کرے وہ تو بلاشبہ مجھ سے ہے“ میں نے خود کو ہر قسم کے شرک سے پاک کر لیا ہے اب جو لوگ میری پیروی کریں، شرک سے دُور رہیں، توحید کے راستے پر چلیں، ایسے لوگ تو میرے ہی ساتھی ہیں، اُن کے ساتھ تو تیرا وعدہ پورا ہوگا۔

﴿وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَافِرٌ رَّحِيمٌ ۝﴾ ”اور جو میری نافرمانی کرے تو بلاشبہ تُو بخشنے والا مہربان ہے۔“

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طبیعت کے بارے میں ہم سورۃ ہود میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھ چکے ہیں: ﴿إِنَّا ابْرَاهِيمَ لَحَالِيمٌ ۝﴾ کہ آپ بہت ہی نرم دل، حلیم الطبع اور ہر وقت اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ چنانچہ جب گنہگاروں کا ذکر ہوا ہے تو آپ نے اللہ کی صفات غفاری اور رحیمی کا ذکر کرنے پر ہی اکتفا کیا ہے۔ بالکل اسی انداز میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی التجا کا ذکر سورۃ المائدہ میں آیا ہے: ﴿إِنَّا نَعْبُدُكَ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْغَفُورُ الْحَكِيمُ ۝﴾ یعنی پروردگار! اگر تو انہیں عذاب دے گا تو وہ تیرے ہی بندے ہیں، تو جس طرح چاہے انہیں عذاب دے، تیرا اختیار مطلق ہے۔ لیکن اگر تو انہیں معاف کر دے تو بھی تیرے اختیار اور تیری حکمت پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ہے۔

**آیت ۳۷** ﴿رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۖ﴾ ”اے ہمارے رب! میں نے اپنی اولاد (کی ایک شاخ) کو آباد کر دیا ہے اس بے آب و گیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس“

اے ہمارے پروردگار! تیرے حکم کے مطابق میں نے یہاں تیرے اس محترم گھر کے پاس اپنی اولاد کو لا کر آباد کر دیا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں پہلے رَبِّ، رَبِّ (اے میرے پروردگار!) کا صیغہ آ رہا تھا مگر اب ”رَبَّنَا“ جمع کا صیغہ آ گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آپ کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام بھی شامل ہو گئے ہیں۔ یہاں پر عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ کے الفاظ سے اُن روایات کو بھی تقویت ملتی ہے جن کے مطابق بیت اللہ کی تعمیر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی۔ ان روایات میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا تعمیر کردہ بیت اللہ ابتدائی زمانہ میں گر گیا اور سیلاب کے سبب اس کی دیواریں وغیرہ بھی بہہ گئیں، صرف بنیادیں باقی رہ گئیں۔ ان ہی بنیادوں پر پھر حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اس کی تعمیر کی جس کا ذکر سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۲۷ میں ملتا ہے: ﴿وَإِذْ يَوْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ﴾۔ بہر حال حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کر رہے ہیں:

﴿رَبَّنَا لَيَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اٰثِمَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! تاکہ یہ نماز قائم کریں، تو تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر دے“

لوگوں کے دلوں میں ان کے لیے محبت پیدا ہو جائے، لوگ اطراف و جوانب سے اُن کے پاس آئیں، تاکہ اس طرح اُن کے لیے یہاں رہنے اور بسنے کا بندوبست ہو سکے۔

﴿وَاَرْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ﴾ ”اور ان کو رزق عطا کر پھلوں سے، تاکہ وہ شکر ادا کریں۔“

**آیت ۳۸** ﴿رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! تو خوب جانتا ہے جو کچھ ہم چھپاتے ہیں اور جو کچھ ہم ظاہر کرتے ہیں۔“

﴿وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ﴾ ”اور اللہ پر تو کوئی شے مخفی نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں۔“

**آیت ۳۹** ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلٰی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاسْحَقَ﴾ ”کل شکر اور کل ثنا اس اللہ کے لیے ہے جس نے مجھے عطا فرمائے، باوجود بڑھاپے کے اسماعیل اور اسحاق (جیسے بیٹے)۔“

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر ۸۱ برس تھی اور اس کے کئی سال بعد حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔

﴿اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ﴾ ”یقیناً میرا پروردگار دعاؤں کا سننے والا ہے۔“

**آیت ۴۰** ﴿رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ﴾ ”اے میرے پروردگار! مجھے بنادے نماز قائم کرنے والا اور میری اولاد میں سے بھی“

یعنی مجھے توفیق عطا فرمادے کہ میں نماز کو پوری طرح قائم رکھوں اور پھر میری اولاد کو بھی توفیق بخش دے

کہ وہ لوگ بھی نماز قائم کرنے والے بن کر رہیں۔

﴿رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءَنَا﴾ ”اے ہمارے پروردگار! میری اس دعا کو قبول فرما۔“

آیت ۴۱ ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ﴾ ”اے ہمارے پروردگار! مجھے، میرے والدین اور تمام مؤمنین کو بخش دے، جس دن حساب قائم ہو۔“

## آیات ۴۲ تا ۵۲

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ۚ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ ۖ وَأَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ لَمْ تُحِبِّ دَعْوَتَكَ وَتَتَّبِعِ الرَّسُولَ ۖ أَوْ لَمْ تُكُونُوا أَفْسَستُمْ مِنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ ۖ وَسَكَنتُمْ فِي مَسْكِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ وَبَيَّنَّ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمْ الْأَمْثَالَ ۖ وَقَدْ مَكْرُوا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۖ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ خَافِلًا وَعْدِهِ رُسُلَهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ۖ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمُوتُ وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۖ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۖ سَرَابِلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشَى وُجُوهَهُمُ النَّارُ ۖ لِيُصْزَى اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۖ هَذَا بَلَاغٌ لِلنَّاسِ وَلِيُنذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرُوا أُولُوا الْأَلْبَابِ ۚ

آیت ۴۲ ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور آپ ہرگز نہ سمجھیں اللہ کو غافل اُس سے جو یہ ظالم کر رہے ہیں۔“

﴿إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ﴾ ”یقیناً وہ انہیں مہلت دے رہا ہے اُس دن تک جس میں نگاہیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔“

آیت ۴۳ ﴿مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَأَفْئِدَتُهُمْ هَوَاءٌ﴾ ”وہ دوڑتے ہوں گے (محشر کی طرف) اپنے سروں کو اوپر اٹھائے، نہیں لوٹے گی ان کی طرف ان کی نگاہ اور ان کے دل اڑے ہوئے ہوں گے۔“

خوف اور دہشت کے سبب نظریں ایک جگہ جم کر رہ جائیں گی اور ادھر ادھر حرکت کرنا بھی بھول جائیں گی۔ یہ میدانِ حشر میں لوگوں کی کیفیت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

**آیت ۲۴** ﴿وَأَنذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) خبردار کر دیجیے لوگوں کو اُس دن سے جب ان پر عذاب آئے گا“

﴿فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ نُّحِبِّ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرَّسُولَ﴾ ”تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے ظلم کی روش اختیار کی تھی: اے ہمارے پروردگار! ہمیں مہلت دے دے بس تھوڑی سی مدت تک ہم تیری دعوت قبول کر لیں گے اور رسولوں کی پیروی کریں گے۔“

﴿أَوَلَمْ تَكُونُوا أَفْسَسْتُمْ مِّنْ قَبْلِ مَا كُنتُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۚ﴾ ”(جواب میں کہا جائے گا) کیا تم وہی لوگ نہیں ہو جو پہلے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تمہارے لیے کوئی زوال نہیں ہے۔“

کہ ہمارا اقتدار ہماری یہ شان و شوکت ہماری یہ جاگیریں یہ سب کچھ ہماری بڑی سوچی سمجھی منصوبہ بندیوں کا نتیجہ ہے انہیں کہاں سے زوال آئے گا!

**آیت ۲۵** ﴿وَسَكُنْتُمْ فِي مَسْكِينَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ ”اور تم آباد تھے ان ہی لوگوں کے مسکنوں میں جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا“

تمہارے آس پاس کے علاقوں میں وہ قومیں آباد تھیں جو ماضی میں اللہ کے عذاب کا نشانہ بنیں۔ قوم عاد بھی اسی جزیرہ نمائے عرب میں آباد تھی، قوم ثمود کے مساکن بھی تمہیں دعوتِ عبرت دیتے رہے، قوم مدین کا علاقہ بھی تم سے کچھ زیادہ دور نہیں تھا اور قوم لوط کے شہروں کے آثار سے بھی تم لوگ خوب واقف تھے۔

﴿وَتَبَيَّنَ لَكُمُ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْآمَثَالَ ۚ﴾ ”اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا، اور ہم نے تمہارے لیے مثالیں بھی بیان کر دی تھیں۔“

ان کے حالات پوری طرح کھول کر تم لوگوں کو سنا دیے گئے تھے۔ یہ تذکیرِ بایام اللہ کی تفصیلات کی طرف اشارہ ہے جو قرآن میں بیان ہوئی ہیں اور اس سلسلے میں حضور ﷺ سے اسی سورت کی آیت ۵ میں خصوصی طور پر فرمایا گیا: ﴿وَذَكِّرْهُمْ بِأَيْمِ اللَّهِ﴾ ”کہ آپ اللہ کے دنوں (اقوامِ گزشتہ کے واقعاتِ عذاب) کے حوالے سے ان لوگوں کو خبردار کریں۔“

**آیت ۲۶** ﴿وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ﴾ ”اور انہوں نے اپنی سی چالیں چلیں“

اے قریش! جس طرح آج تم ہمارے نبی ﷺ کے خلاف اپنی چالیں چل رہے ہو، اسی طرح تم سے پہلے والے لوگوں نے بھی کچھ کی نہیں کی تھی۔ جہاں تک ان کا بس چلا تھا انہوں نے اپنی چالیں چلی تھیں۔ قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح اور قوم لوط کے سرداروں نے اپنے رسولوں کے خلاف جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا اس کی تفصیلات ہم تمہیں سنا چکے ہیں۔ اور قومِ شعیب کے سرداروں کی مجبوری کا ذکر بھی ہم کر چکے ہیں جو تم لوگوں کی مجبوری سے ملتی جلتی تھی۔ یعنی ان کا بے چارگی سے یہ کہنا کہ اگر تمہارا قبیلہ تمہاری پشت پر نہ ہوتا تو ہم اب تک تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے۔ چنانچہ ہمارے لیے اور ہمارے نبی ﷺ کے لیے تمہاری یہ چالیں یہ سازشیں اور یہ

ریشہ و انیاں کوئی انہونی نہیں ہیں۔ البتہ تم لوگ اپنی پیشرو اقوام کے واقعات کے آئینے میں اپنے مستقبل اور انجام کی جھلک دیکھنا چاہو تو صاف دیکھ سکتے ہو۔ تم لوگ اندازہ کر سکتے ہو کہ تم سے پہلے ان مشرکین حق کی چالیں کس حد تک کامیاب ہوئیں اور تم تجربہ کر سکتے ہو کہ ہر بار حق و باطل کی کش مکش کا آخری نتیجہ کیا نکلا۔

﴿وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ ۖ وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لَيَرْزُوقَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝﴾ ”اور اللہ ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں اُن کی تمام چالیں۔ اور ان کی چالیں ایسی تو نہ تھیں کہ اُن سے پہاڑ مل جاتے۔“ ☆

اللہ تعالیٰ ان کی تمام چالوں کا احاطہ کیے ہوئے تھا اور یہ ممکن نہیں تھا کہ اللہ کی مرضی اور مشیت کے خلاف ان کا کوئی منصوبہ کامیاب ہو جاتا۔ بہر حال ان کی چالیں اور منصوبہ بندیاں اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں کچھ ایسی نہیں تھیں کہ اُن کے سبب پہاڑ اپنی جگہ بدلنے پر مجبور ہو جاتے۔

آیت ۷۷ ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِيفَ وَعْدِهِ رُسُلُهُ﴾ ”تو آپ یہ مت سمجھیں کہ اللہ اپنے اس وعدے کے خلاف کرے گا جو اُس نے اپنے رسولوں سے کیا۔“

یہاں پر رسول کے بجائے رُسُل جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے، یعنی تمام رسولوں کے ساتھ اللہ کا یہ مستقل وعدہ رہا کہ تمہاری مدد کی جائے گی اور آخری کامیابی تمہاری ہی ہوگی۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ کی آیت ۲۱ میں فرمایا گیا: ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي﴾ یعنی اللہ نے طے کیا ہوا ہے، لکھ کر رکھا ہوا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آکر رہیں گے۔ درمیان میں کچھ اونچ نیچ ہوگی، تکلیفیں بھی آئیں گی، آزمائشوں کا سامنا بھی کرنا ہوگا، مگر فتح ہمیشہ حزب اللہ ہی کی ہوگی۔ آزمائشوں کے ان مراحل کے بارے میں سورۃ البقرۃ میں فرمایا:

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۖ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝﴾

”اور ہم ضرور تمہاری آزمائش کریں گے کسی قدر خوف اور بھوک سے اور مال اور جانوں اور ثمرات کے نقصان سے، تو آپ صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دیں۔“

اس کے بعد سورۃ البقرۃ میں ہی فرمایا:

﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخِلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مِّثْلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۖ مَسْتَهْزِئِينَ ۚ وَالصَّالِحِينَ وَرَزَقُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللَّهُ ۚ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ۝﴾

”کیا تم سمجھتے ہو کہ یوں ہی جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تم کو پہلے لوگوں جیسی (مشکلات) تو پیش

☆ اس آیت کا یہ ترجمہ ”وَإِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ“ میں ”إِنْ“ کو نافیہ مان کر کیا گیا ہے اور یہ حضرت شیخ الہند کے ترجمے کے موافق ہے۔ بعض مفسرین نے ”إِنْ“ شرطیہ اور واوِ اصلیہ مان کر ترجمہ یوں کیا ہے: ”اگرچہ ان کی یہ چالیں ایسی (زبردست) تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جاتے۔“ (اضافہ از مرتب)

آئی ہی نہیں۔ اُن کو تو (بڑی بڑی) سختیاں اور تکلیفیں پہنچی تھیں اور وہ ہلا ڈالے گئے تھے یہاں تک کہ پیغمبر اور اُن کے ساتھ جو مومنین تھے سب پکاراٹھے کہ کب آئے گی اللہ کی مدد آگاہ ہو جاؤ! اللہ کی مدد قریب ہے۔“

بہر حال اللہ تعالیٰ کا اپنے رسولوں سے یہ پختہ وعدہ رہا ہے کہ حق و باطل کی اس کش مکش میں بالآخر فتح انہی کی ہوگی اور انہیں جھٹلانے والوں کو اُن کے سامنے سزا دی جائے گی۔ یہ ساری باتیں تفصیل سے قرآن میں بیان کی جا چکی ہیں تاکہ ان لوگوں کو کوئی شک نہ رہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ﴾ ”یقیناً اللہ زبردست ہے انتقام لینے والا۔“

آیت ۲۸ ﴿يَوْمَ تَبْطُلُ الْأَرْضُ عَيْزُ الْأَرْضِ وَالسَّمُوتُ﴾ ”جس دن زمین بدل دی جائے گی اس زمین کے سوا (کسی اور شکل میں) اور آسمانوں کو بھی (بدل دیا جائے گا)۔“

یہ روز محشر کے منظر کی طرف اشارہ ہے۔ اس سلسلے میں قبل ازیں بھی کئی دفعہ ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کی فراہم کردہ تفصیلات کے مطابق یوں لگتا ہے جیسے محشر کا میدان اسی زمین کو بنایا جائے گا۔ اس کے لیے زمین کی شکل میں مناسب تبدیلی کی جائے گی جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا ہے۔ سورۃ الفجر میں اس تبدیلی کی ایک صورت اس طرح بتائی گئی ہے: ﴿إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا﴾ ”جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ہموار کر دیا جائے گا۔“ پھر سورۃ الانشقاق میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَإِذَا الْأَرْضُ مُدَّتْ﴾ ”اور جب زمین کو کھینچا جائے گا۔“ اس طرح تمام تفصیلات کو جمع کر کے جو صورت حال ممکن ہوتی محسوس ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ زمین کے تمام نشیب و فراز کو ختم کر کے اسے بالکل ہموار بھی کیا جائے گا اور وسیع بھی۔ اس طرح اسے ایک بہت بڑے میدان کی شکل دے دی جائے گی۔ جب زمین کو ہموار کیا جائے گا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے زمین کے پچکنے سے اس کے اندر کا سارا لاوا باہر نکل آئے گا اور سمندر بھاپ بن کر اڑ جائیں گے۔ اسی طرح نظامِ ساوی میں بھی ضروری رد و بدل کیا جائے گا جس کے بارے میں سورۃ القیامہ میں اس طرح بتایا گیا ہے: ﴿وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾ ”یعنی سورج اور چاند کو یکجا کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم!“

حال ہی میں ایک صاحب نے ”The Machanics of the Doom's Day“ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ یہ صاحب ماہر طبیعیات ہیں۔ میں نے اس کتاب کا پیش لفظ بھی لکھا ہے۔ اس میں انہوں نے بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جن کی طرف اس سے پہلے توجہ نہیں کی گئی۔ اس لحاظ سے ان کی یہ باتیں یقیناً قابلِ غور ہیں۔ انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ قیامت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس وقت پوری کائنات ختم ہو جائے گی بلکہ یہ واقعہ صرف ہمارے نظامِ شمسی میں رونما ہوگا۔ جس طرح اس کائنات کے اندر کسی گلیکسی یا کسی گلیکسی کے کسی حصے کی موت واقع ہوتی رہتی ہے اسی طرح ایک وقت آئے گا جب ہمارا نظامِ شمسی تباہ ہو جائے گا اور تباہ ہونے کے بعد کچھ اور شکل اختیار کر لے گا۔ ہماری زمین بھی چونکہ اس نظام کا حصہ ہے لہذا اس پر بھی ہر چیز تباہ ہو جائے گی اور یہی قیامت ہوگی۔ واللہ اعلم!

﴿وَبَرَزُوا لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾ ”اور یہ حاضر ہو جائیں گے اللہ کے سامنے جو واحد و قہار ہے۔“



سورۃ الفجر میں اس وقت کا منظر بایں الفاظ بیان ہوا ہے: ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۝۲۱﴾  
 وَجَاءَ یَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ..... ﴿اور اللہ تعالیٰ اس وقت نزول فرمائے گا فرشتے بھی قطار اور قطار آئیں گے اور  
 جہنم بھی سامنے پیش کر دی جائے گی.....﴾ اللہ تعالیٰ کے نزول فرمانے کی کیفیت کا ہم تصور نہیں کر سکتے۔ جس  
 طرح ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے، لیکن ہم یہ نہیں جانتے  
 کہ اس نزول کی کیفیت کیا ہوتی ہے اسی طرح آج ہم نہیں جان سکتے کہ روز قیامت جب اللہ تعالیٰ زمین پر نزول  
 فرمائے گا تو اس کی کیفیت کیا ہوگی۔ ممکن ہے تب اس کی حقیقت ہم پر منکشف کر دی جائے۔

آیت ۲۹ ﴿وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝۲۹﴾ ”اور تم دیکھو گے مجرموں کو اُس روز  
 کہ وہ جکڑے ہوئے ہوں گے باہم زنجیروں میں۔“

آیت ۵۰ ﴿سَوَّيْنَاهُمْ مِنْ قِطْرَانٍ وَتَعْشَىٰ جُجُوهُهُمْ النَّارُ ۝۵۰﴾ ”ان کے کرتے ہوں گے گندھک  
 کے اور ڈھانپے ہوئے ہوگی ان کے چہروں کو آگ۔“

آیت ۵۱ ﴿لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝۵۱﴾ ”تا کہ اللہ بدلہ دے  
 دے ہر جان کو جو کچھ بھی اُس نے کمایا۔ یقیناً اللہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔“  
 اُس دن اللہ تعالیٰ کو اتنے زیادہ لوگوں کا حساب لیتے ہوئے دیر نہیں لگے گی۔

آیت ۵۲ ﴿هَٰذَا بَلَدُ الْنَّاسِ ۝۵۲﴾ ”یہ پہنچا دینا ہے لوگوں کے لیے“  
 اس قرآن اور اس کے احکام کو لوگوں تک پہنچانے کی ذمہ داری ہم نے محمد رسول اللہ ﷺ پر ڈالی تھی۔  
 آپ ﷺ نے یہ ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کر دی ہے۔ اب یہ ذمہ داری آپ ﷺ کی امت کے ہر فرد  
 پر عائد ہوتی ہے کہ وہ یہ پیغام تمام انسانوں تک پہنچائے۔

﴿وَلْيُنْذَرُوا بِهِ﴾ ”تا کہ وہ اس کے ذریعے سے خبردار کر دیے جائیں“  
 یعنی اس قرآن کے ذریعے سے تمام انسانوں کی تذکیر و تنذیر کا حق ادا ہو جائے۔ اس حوالے سے سورۃ  
 الانعام کی آیت ۱۹ کے یہ الفاظ بھی یاد کر لیجیے: ﴿وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ لِأُنْذِرْكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغْ ۝۱۹﴾ ”یہ  
 قرآن میری طرف سے وحی کیا گیا ہے تا کہ میں خبردار کر دوں اس کے ذریعے سے تمہیں بھی اور (ہر اُس شخص کو)  
 جس تک بھی یہ پہنچ جائے۔“

﴿وَلْيَعْلَمُوا أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلْيَذْكُرُوا الْأَلْبَابَ ۝۶۱﴾ ”اور تا کہ وہ جان لیں کہ صرف  
 وہی معبود ہے اکیلا، اور اس لیے کہ نصیحت اخذ کریں عقل والے لوگ۔“

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم ۞

# سُورَةُ الْحَجَرِ

## تمہیدی کلمات

اسلوب کے اعتبار سے سورۃ الحجر اپنے گروپ کی باقی تینوں سورتوں سے بالکل منفرد ہے؛ بالکل اسی طرح جس طرح پچھلے ذیلی گروپ میں سورۃ یوسف باقی دونوں سورتوں سے منفرد تھی۔ چنانچہ اس ذیلی گروپ کی پہلی دونوں سورتوں (الرعد اور ابراہیم) کا نہ صرف مزاج اور اسلوب ایک سا ہے بلکہ دونوں میں نسبت زوجیت بھی ہے؛ جبکہ سورۃ الحجر کا مزاج، انداز اور اسلوب ان دونوں سورتوں سے مختلف ہے۔

اسلوب میں ایک بنیادی فرق تو آیات کی طوالت کے سلسلے میں ہے۔ دوسری دونوں سورتوں کی آیات کے مقابلے میں سورۃ الحجر کی آیات نسبتاً چھوٹی ہیں۔ سورۃ الرعد کے چھ رکوع ہیں اور اس کی آیات ۴۳ ہیں۔ گویا اوسطاً ایک رکوع میں سات آیات ہیں۔ اسی طرح سورۃ ابراہیم کے سات رکوع ہیں اور اس کی آیات ۵۲ ہیں۔ یعنی اس کے ایک رکوع میں بھی اوسطاً تقریباً سات آیات ہی ہیں۔ اب جب ہم اس حوالے سے سورۃ الحجر کو دیکھتے ہیں تو اس کے چھ رکوع میں ۹۹ آیات ہیں۔ یعنی ایک رکوع میں اوسطاً ۱۶ آیات ہیں۔ آیات کے چھوٹے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا اسلوب مکی دور کی ابتدائی سورتوں سے ملتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سورۃ الحجر ابتدائی چار سال میں نازل ہونے والی سورتوں میں سے ایک ہے۔

سورتوں کے اسلوب کے بارے میں ایک بنیادی نکتہ بہت اہم ہے کہ بالکل ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورتوں کی آیات چھوٹی اور ردھم (rhythm) بہت تیز ہے۔ ان میں صوتی آہنگ اور غنائیت بھی بہت واضح ہے۔ جبکہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں کے مزاج اور اسلوب میں اس لحاظ سے ہمیں بتدریج تبدیلی نظر آتی ہے اور یہ تبدیلی مدنی دور میں جا کر اپنی انتہا کو پہنچ جاتی ہے جہاں آیات نسبتاً طویل ہیں اور ردھم بہت دھیمہ۔ چنانچہ مدنی دور میں آیت دین، آیت الکریسی اور آیت البرجمی غیر معمولی طوالت کی حامل آیات بھی ہیں جو ابتدائی دور کی بعض سورتوں سے بھی زیادہ طویل ہیں۔ سورتوں کے اس اسلوب کی مثال ایک ایسے دریا کی سی ہے جو پہاڑوں سے ٹکلتا ہے اور بتدریج سفر کرتے ہوئے میدانی علاقے میں پہنچتا ہے۔ پہاڑی علاقے میں اس کا بہاؤ بہت تیز اور پاٹ مختصر ہوتا ہے؛ لیکن میدانی علاقے میں آ کر اس کے بہاؤ میں ٹھہراؤ اور پاٹ میں وسعت آ جاتی ہے۔ جیسے دریائے سندھ جو پہاڑی علاقوں سے گزرتے ہوئے ایک ندی کا منظر پیش کرتا ہے؛ میدانی علاقوں میں دریا خان وغیرہ کے قریب اس کا پانی میلوں میں پھیلا نظر آتا ہے۔

اس مثال کے مطابق ابتدائی دور کی سورتوں کا ردھم تیز اور آیات محکم ہیں؛ ان کے مضامین میں جامعیت

اور گہرائی زیادہ ہے، جبکہ بعد میں نازل ہونے والی سورتوں میں یہ مضامین بتدریج پھلتے گئے ہیں اور پھر اس نسبت سے عبارت کا ردھم بھی مدہم ہوتا گیا ہے۔ اس تدریجی تبدیلی کے حوالے سے دیکھیں تو کئی دور کی آخری سورتوں میں بھی ہمیں وہ ردھم نمایاں محسوس نہیں ہوتا جو ابتدائی زمانے کی سورتوں، مثلاً سورۃ ق، سورۃ النجم، سورۃ الرحمن، سورۃ الواقعة اور سورۃ الملک میں نظر آتا ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ ابتدائی دور میں نازل ہونے والی سورۃ الحجر کو مصحف کے وسط میں اور ایسی سورتوں کے درمیان میں کیوں رکھا گیا ہے جن کا زمانہ نزول بعد کا ہے، تو اس کا واضح اور حتمی جواب تو یہی ہے کہ اس معاملے کا تعلق توقیفی امور سے ہے اور اس کی اصل حکمت بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ مگر اس سلسلے میں میری ایک اپنی رائے ہے جس کا اظہار کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، اور وہ یہ کہ یہاں ایک جیسی کئی سورتوں کا ایک طویل سلسلہ ہے جو گیارہویں پارے سے شروع ہو کر اٹھارہویں پارے تک چلا گیا ہے۔ ان سورتوں میں ایک جیسے مضامین تکرار کے ساتھ آرہے ہیں۔ چنانچہ اس یکسانیت کو ختم کرنے اور ایک طرح کا تنوع پیدا کرنے کے لیے ابتدائی دور کی ایک سورت کو یہاں پر رکھا گیا ہے۔ ورنہ مزاج اور اسلوب کے اعتبار سے سورۃ الحجر کی بہت زیادہ مشابہت سورۃ الشعراء کے ساتھ ہے۔ واللہ اعلم!

یہاں پر سورۃ الحجر کی ایک آیت کو تیرہویں پارے میں اور باقی سورت کو چودھویں پارے میں دیکھ کر پاروں کی تقسیم کی بنیاد اور اس کے طریق کار کے بارے میں بھی سوال اٹھتا ہے۔ اس سلسلے میں بنیادی طور پر یہ بات اہم ہے کہ یہ تقسیم صحابہؓ کے زمانے میں نہیں تھی، بلکہ بعد میں کی گئی، اور بغرض تلاوت قرآن مجید کو تیس برابر اجزاء میں تقسیم کر دیا گیا، تاکہ روزانہ ایک پارے کی تلاوت سے مہینے بھر میں قرآن ختم کر لیا جائے۔ بہر حال اس تقسیم میں کوئی خاص حکمت نظر نہیں آتی اور نہ ہی اس میں مضمون کے تسلسل کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس تقسیم میں جا بجا سورتوں کی فصیلیں ٹوٹی نظر آتی ہیں۔ کئی مقامات پر کسی سورۃ کی چند آیات ایک پارے میں اور باقی سورۃ اگلے پارے میں شامل کی گئی ہے۔ جیسے سورۃ ہود کی ابتدائی پانچ آیات گیارہویں پارے میں ہیں جبکہ باقی پوری سورت بارہویں پارے میں ہے۔ اس کے برعکس قرآن حکیم کی منازل کی تقسیم صحابہؓ کے دور میں ہوئی اور اس تقسیم میں بڑا حسن نظر آتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۱ تا ۱۵

الرَّٰسِخَاتِ ۚ اٰیٰتِ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنِ مُبِیْنٍ ۝ رُبَّمَا یُوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا كَاٰنُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝ ذَرٰهُمْ یَاْكُلُوْا وَیَتَمَتَّعُوْا ۚ وَیُلٰهِيْهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ اِلَّا وَكَلَّمَا كِتٰبٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا یٰٰلَیْهَا الَّذِیْ نَزَّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَكَجْنُوْنٌ ۚ ۭ لَّوْ مَا تَاْتِنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝

مَا نُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوا إِذَا مُنْظَرِينَ ۝ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُوا أَوْامِرَ اللَّهِ وَارْجِعُوا إِلَى اللَّهِ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شِعْبِ الْأَوَّلِينَ ۝ وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ كَذَلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْجَائِمِينَ ۝ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ بَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۝ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكَّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَسْحُورُونَ ۝

ع

آیت ۱ (الرعد) ”ال“۔

حروف مقطعات کا یہ سلسلہ سورہ یونس سے شروع ہوا تھا۔ پانچ سورتوں کے آغاز میں ’الرا‘ کے حروف ہیں اور ایک سورہ (الرعد) میں ’المر‘۔ یہ اس سلسلہ کی چھٹی اور آخری سورت ہے۔

﴿تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ وَقُرْآنٍ مُبِينٍ ۝﴾ ”یہ (اللہ کی) کتاب اور قرآنِ مبین کی آیات ہیں۔“  
**آیت ۲** ﴿رَبِّمَا يَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝﴾ ”ایک وقت خواہش کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تھا کہ کاش وہ مسلمان ہوتے۔“

ایک وقت آئے گا کہ ان لوگوں کے لیے ان کا کفر موجبِ حسرت بن جائے گا۔  
**آیت ۳** ﴿ذَرَهُمْ يَافُكُوا وَيَتَمَتَّعُوا﴾ ”(اے نبی ﷺ!) چھوڑ دیجیے ان کو یہ کھاپی لیں اور فائدہ اٹھالیں“

زمین میں جو مہلت انہیں ملی ہوئی ہے اس میں خوب مزے کر لیں۔  
﴿وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ﴾ ”اور (لمبی لمبی) امیدیں ان کو غافل کیے رکھیں“  
الْهٰی، يُلْهِی، الْهٰیء کے معنی ہیں غافل کر دینا۔ سورہ التکاثر میں فرمایا گیا: ﴿الْهٰیكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتَّىٰ زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝﴾ ”غافل کیے رکھا تمہیں کثرت کی خواہش کے مقابلے نے، یہاں تک کہ تم نے قبریں جادیکھیں“۔ انسان کے لمبے لمبے منصوبے بنانے کو ”طولِ امل“ کہتے ہیں۔ جب انسان اس گورکھ دھندے میں پڑ جائے تو خواہشوں اور آرزوؤں کا یہ سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا، مگر زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے: ((مَا قَلَّ وَكَفَىٰ خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَالْهٰیء))<sup>(۱)</sup> یعنی اگر کوئی شے کم ہے لیکن آپ کو کفایت کر جائے، آپ کی ضرورت اس سے پوری ہو جائے تو یہ اس سے کہیں بہتر ہے جو آپ کی ضرورت سے زیادہ ہو اور آپ کو اپنے خالق اور مالک کی یاد سے غافل کر دے۔

اگر مال و دولت کی ریل پیل ہے، رزق اور سامانِ آسائش کی فراوانی ہے، کبھی کوئی حاجت پریشان نہیں کرتی، کوئی محرومی، کوئی نارسانائی اللہ کی یاد تازہ کرنے کا سبب نہیں بنتی تو ایسی حالت میں رفتہ رفتہ انسان کے بالکل غافل ہو جانے کے امکانات ہوتے ہیں۔ اس سے بہتر ہے کہ اتنا طے جس سے ضرورت پوری ہو جائے

اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہ کرنا پڑے۔ لیکن اس قدر فراوانی نہ ہو کہ غفلت غلبہ پالے۔

﴿فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝۳﴾ ”تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔“

آیت ۴ ﴿وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْرِيَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُومٌ ۝۴﴾ ”اور ہم نے کسی بھی بستی کو ہلاک نہیں کیا، مگر اس کے لیے ایک معین نوشتہ تھا۔“

ہر قوم پر آنے والے عذاب کا ایک وقت معین تھا جو پہلے سے لکھا ہوا تھا۔

آیت ۵ ﴿مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝۵﴾ ”کوئی اُمت نہ تو اپنے وقتِ معین سے آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے رہ سکتی ہے۔“

آیت ۶ ﴿وَقَالُوا يَا أَيُّهَا الَّذِي نَزَّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝۶﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ اے وہ شخص جس پر (اُس کے بقول) یہ ذکر نازل ہوا ہے (ہمارے نزدیک) تم تو یقیناً دیوانہ ہو۔“ معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ!! — مجنون ”جن“ سے مشتق ہے۔ عربی میں جن کے معنی مخفی چیز کے ہیں۔ اسی معنی میں رحمِ مادر میں بچے کو جنین کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ نظر سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے لفظ ”جنّت“ بھی اسی مادہ سے ہے اور اس سے مراد ایسی زمین ہے جو درختوں اور گھاس وغیرہ سے پوری طرح ڈھکی ہوئی ہو۔ سورۃ الانعام آیت ۷۶ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں یہ لفظ اس طرح آیا ہے: ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ﴾ یعنی جب رات کی تاریکی نے اسے ڈھانپ لیا۔ چنانچہ مجنون اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جس پر جن کے اثرات ہوں، آسیب کا سایہ ہو اور اس کو بھی جس کا ذہنی توازن درست نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ بات وحی کے بالکل ابتدائی دور میں کہی گئی تھی اور اس کے کہنے والوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اس طرح کے خیالات کا اظہار معاندانہ انداز میں نہیں بلکہ ہمدردی میں کر رہے تھے۔ یعنی جب ابتدا میں حضور ﷺ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور بتایا کہ غارِ حرا میں ان کے پاس فرشتہ آیا ہے تو بہت سے لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید آپ ﷺ کو کسی بدروح وغیرہ کا اثر ہو گیا ہے۔ چونکہ نبوت ملنے اور فرشتہ کے آنے کا دعویٰ ان کے لیے بالکل نئی بات تھی اس لیے ان کا واقعی یہ خیال تھا کہ اکیلے کئی کئی راتیں غارِ حرا میں رہنے کی وجہ سے ضرور آپ ﷺ پر کسی بدروح یا جن کے اثرات ہو گئے ہیں۔ چنانچہ سورۃ ن (اس کا دوسرا نام سورۃ القلم بھی ہے) جو کہ بالکل ابتدائی دور کی سورۃ ہے اس میں ان لوگوں کے خیالات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا: ﴿مَا أَنْتَ بِنِعْمَةٍ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝۱﴾ ”آپ اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں ہیں۔“

آیت ۷ ﴿لَوْ مَا تَأْتِينَا بِالْمَلَكَةِ إِن كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۷﴾ ”کیوں نہیں لے آتے ہمارے سامنے فرشتوں کو اگر تم سچے ہو؟“

اب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی ان باتوں کا جواب آرہا ہے:

آیت ۸ ﴿مَا نَنْزِلُ الْمَلَكَةَ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ”ہم نہیں اتارا کرتے فرشتوں کو مگر حق کے ساتھ“

یعنی یہ لوگ فرشتوں کو بلانا چاہتے ہیں یا اپنی شامت کو؟ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ عاد و ثمود اور قومِ لوط پر

فرشتے نازل ہوئے تو کس غرض سے نازل ہوئے! انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ فرشتے جب کسی قوم پر نازل ہوتے ہیں تو آخری فیصلے کے نفاذ کے لیے نازل ہوتے ہیں۔

﴿وَمَا كَانُوا إِذَا مُنْظَرِينَ ۝۸﴾ ”اور (اگر فرشتے نازل ہو گئے تو) پھر انہیں مہلت نہیں دی جائے گی۔“  
**آیت ۹** ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝۹﴾ ”یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر نازل کیا ہے اور بلاشبہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

یہ آیت مبارکہ بہت اہم ہے۔ جہاں تک اس کے پہلے حصے کا تعلق ہے تو یہ حکم تورات پر بھی صادق آتا ہے اور انجیل پر بھی۔ یعنی یہ دونوں کتابیں بھی اللہ ہی کی طرف سے نازل ہوئی تھیں۔ قرآن میں اس کی بار بار تصدیق بھی کی گئی ہے۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۴۴ میں تورات کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق اس طرح کی گئی ہے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ ۝۴﴾۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۳ میں ان دونوں کتابوں کا ذکر فرمایا گیا: ﴿وَأَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۝۵﴾۔ لیکن اس آیت کے دوسرے حصے میں جو حکم آیا ہے وہ صرف اور صرف قرآن کی شان ہے۔ اس سے پہلے کسی الہامی کتاب یا صحیفہ آسمانی کی حفاظت کی ضمانت نہیں دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سابقہ کتب کی ہدایات و تعلیمات حتمی اور ابدی نہیں تھیں۔ وہ تو گویا عبوری ادوار کے لیے وقتی اور عارضی ہدایات تھیں اور اس لحاظ سے انہیں ہمیشہ کے لیے محفوظ رکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اب جبکہ ہدایت کامل ہو گئی تو اسے تابعد محفوظ کر دیا گیا۔

یہ آیت ختم نبوت پر بھی بہت بڑی دلیل ہے۔ اگر سورۃ المائدہ کی آیت ۳ کے مطابق قرآن میں ہدایت درجہ کاملیت تک پہنچ گئی اور آیت زیر نظر کے مطابق وہ ابدی طور پر محفوظ بھی ہو گئی تو وحی کے جاری رہنے کی ضرورت بھی ختم ہو گئی۔ چنانچہ قادیانیوں کے پاس ان دونوں قرآنی حقائق کو تسلیم کر لینے کے بعد (اور ان کے لیے انہیں تسلیم کیے بغیر چار بھی نہیں) وحی کے جاری رہنے کے جواز کی کوئی عقلی و منطقی دلیل باقی نہیں رہ جاتی۔ وحی کی ضرورت ان دونوں میں سے کسی ایک صورت میں ہی ہو سکتی ہے کہ یا تو ابھی ہدایت کامل نہیں ہوئی تھی اور اس کی تکمیل کے لیے وحی کے تسلسل کی ضرورت تھی۔ یا پھر ہدایت کامل تو ہو گئی تھی مگر بعد میں غیر محفوظ ہو گئی یا گم ہو گئی اور اس وجہ سے پیدا ہو جانے والی کمی کو پورا کرنے کے لیے وحی کی ضرورت تھی۔ بہر حال اگر ان دونوں میں سے کوئی صورت بھی درپیش نہیں ہے تو سلسلہ وحی کے جاری رہنے کا کوئی جواز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) عبث کام نہیں کرتا کہ ضرورت کے بغیر ہی سلسلہ وحی کو جاری کیے رکھے۔

یہاں دو دفعہ (زیر نظر آیت سے قبل آیت ۶ میں بھی) قرآن حکیم کے لیے ”الذکر“ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اسی طرح سورہ ”ن“ کی آخری دو آیات میں بھی قرآن حکیم کے لیے یہ لفظ آیا ہے۔ ذکر کا مفہوم یاد دہانی ہے۔ قرآنی فلسفے کے مطابق قرآن مجید کا ”الذکر“ ہونا اس مفہوم میں ہے کہ ایمانی حقائق خصوصی طور پر اللہ کی ذات اور اس کی صفات کا علم انسانی روح کے اندر موجود ہے، مگر اس علم پر ڈھول (بھول اور غفلت) کا پردہ طاری ہو جاتا ہے۔ جیسے ایک وقت میں انسان کو ایک چیز یاد ہوتی ہے مگر بعد میں یاد نہیں رہتی۔ اس کا مطلب یہ

ہے کہ اس چیز کے بارے میں معلومات اس کی یادداشت کے تہہ خانے میں دب جاتی ہیں۔ پھر بعد میں کسی وقت جو بھی کوئی چیز ان معلومات سے متعلق سامنے آتی ہے تو انسان کے ذہن میں وہ بھولی بسری معلومات پھر سے تازہ ہو جاتی ہیں۔ اس طرح ذہن میں موجود معلومات کو پھر سے تازہ کرنے والی چیز گویا یاد دہانی (reminder) کا کام کرتی ہے۔ مثلاً ایک دوست سے آپ کی سالہا سال سے ملاقات نہیں ہوئی اور اس کا خیال بھی کبھی نہیں آیا، مگر ایک دن اچانک اس کا دیا ہوا ایک قلم یا رومال سامنے آنے سے اس دوست کی یاد یکدم ذہن میں تازہ ہو گئی۔ اس قلم یا رومال کی حیثیت گویا ایک نشانی (یا آیت) کی ہے جس سے آپ کے ذہن میں ایک بھولی بسری یاد پھر سے تازہ ہو گئی۔

اسی طرح اللہ کی ذات کا علم انسانی روح میں خفتہ (dormant) حالت میں موجود ہے۔ اس علم کو پھر سے جگا کر تازہ کرنے اور اس پر پڑے ہوئے ذہول اور نسیان کے پردوں کو ہٹانے کے لیے آیات آفاقیہ، آیات انفسیہ اور آیات قرآنیہ گویا یاد دہانی کا کام دیتی ہیں اور اللہ کی یاد کو انسان کے ذہن میں تازہ کرتی ہیں۔ اس لحاظ سے قرآن کو الذکر (یاد دہانی) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

**آیت ۱۰** ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِي شَيْعِ الْأَوَّلِينَ ۝۱۰﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ سے پہلے بھی رسول بھیجے تھے، پہلی جماعتوں میں۔“

شَیْعَ، شَیْعَة کی جمع ہے اور اس کے معنی الگ ہو کر پھیلنے والے گروہ کے ہیں۔ جیسے حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹوں کی سلیس بڑھتی گئیں تو ان کے قبیلے اور گروہ علیحدہ ہوتے گئے اور یوں تقسیم ہو ہو کر روئے زمین پر پھیلنے لگے۔ اردو الفاظ ”اشاعت“ اور ”شائع“ بھی اسی مادہ سے مشتق ہیں، چنانچہ ان الفاظ میں بھی پھیلنے اور پھیلانے کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

**آیت ۱۱** ﴿وَمَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝۱۱﴾ ”اور نہیں آیا ان کے پاس کوئی بھی رسول، مگر وہ اس کے ساتھ استہزاء ہی کرتے رہے۔“

**آیت ۱۲** ﴿كَذَلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ الْمُجْرِمِينَ ۝۱۲﴾ ”اسی طرح ہم اس کو چھو دیتے تھے مجرموں کے دلوں میں۔“

حق کی دعوت اپنی تاثیر کی وجہ سے ہمیشہ مخاطبین کے دلوں میں اتر جاتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ انبیاء کی دعوت کو ٹھکراتے رہے، وہ اس کی حقانیت کو خوب پہچان لینے کے بعد ٹھکراتے رہے۔ اس لیے کہ حق کو حق تسلیم کرنے سے اُن کے مفادات پرزدہنی تھی۔

**آیت ۱۳** ﴿لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ۝۱۳﴾ ”(تو اے نبی ﷺ!) یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور پہلے لوگوں کی سنت گزر چکی ہے۔“

انبیاء و رسل کے مخاطبین کا ہمیشہ سے یہی طریقہ رہا ہے۔ جس طرح ہم نے اپنے رسول محمد ﷺ پر یہ ”الذکر“ نازل کیا ہے اسی طرح پہلے بھی ہم اپنے رسولوں پر کتابیں اور صحیفے نازل کرتے رہے ہیں، مگر ان کی

قوموں کے لوگ اکثر انکار ہی کرتے رہے۔

**آیت ۱۴** ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ﴿۱۴﴾﴾ ”اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ کھول بھی دیتے اور وہ اس پر چڑھنے لگتے۔“

**آیت ۱۵** ﴿لَقَالُوا إِنَّمَا سُكَّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ ﴿۱۵﴾﴾ ”تب بھی وہ یہی کہتے کہ ہماری تو نظر بندی کر دی گئی ہے، بلکہ ہم پر تو جادو کر دیا گیا ہے۔“

## آیات ۱۶ تا ۲۵

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظِيرِينَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿۱۷﴾  
إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُّبِينٌ ﴿۱۸﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ  
وَآكُتْنَاهَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُونٍ ﴿۱۹﴾ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهُ  
بِلَازِقِينَ ﴿۲۰﴾ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ وَمَا نُنْزِلُهُ إِلَّا يَقْدِرُ مَعْلُومٍ ﴿۲۱﴾ وَارْسَلْنَا  
الرِّيْحَ لِنَفِثَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ ﴿۲۲﴾ وَإِلَّا لَخُنِ  
نُحْيِي وَيُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا  
الْمُتَأَخِّرِينَ ﴿۲۴﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۲۵﴾

**آیت ۱۶** ﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّظِيرِينَ ﴿۱۶﴾﴾ ”اور ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور ہم نے اسے (آسمانوں کو اور برجوں کو) مزین کر دیا ہے دیکھنے والوں کے لیے۔“  
ان برجوں کی اصل حقیقت کا ہمیں علم نہیں ہے اس لحاظ سے یہ آیت بھی آیاتِ تشابہات میں سے ہے۔  
البتہ رات کے وقت آسمان پر ستاروں کی بہار وہ دلکش منظر پیش کرتی ہے جس سے ہر دیکھنے والے کی آنکھ محفوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔

**آیت ۱۷** ﴿وَحَفِظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ﴿۱۷﴾﴾ ”اور ہم نے حفاظت کی ہے اس کی ہر شیطانِ مردود سے۔“  
یہ گویا ہمارے ایمان بالغیب کا حصہ ہے کہ ان ستاروں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں حفاظتی انتظامات کر رکھے ہیں۔ اس کائنات کی تخلیق کے بارے میں انسان کی جدید تحقیق ماضی قریب میں ہوئی ہے لیکن ابھی بھی اس سلسلے میں انسانی علم بہت محدود ہے۔ وائرس اور بیکٹیریا کے بارے میں کچھ ہی عرصہ پہلے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ بھی کوئی مخلوق ہے۔ اس وسیع و عریض کائنات میں یقیناً بہت سے ایسے حقائق ہوں گے جن کے بارے میں اب بھی انسان کچھ نہیں جانتا۔ بہر حال اب تک جتنی مخلوقات کے بارے میں ہمیں علم ہے ان میں صرف تین قسم کی مخلوقات ایسی ہیں جن میں خود شعوری (self consciousness) پائی جاتی ہے یعنی ملائکہ جنات اور انسان۔ ان میں سے پہلے ملائکہ کو پیدا کیا گیا پھر جنات کو اور پھر انسان کو۔ گویا انسان اس



کائنات کی تخلیق کے اعتبار سے Recent دور کی مخلوق ہے۔ البتہ انسانوں کی ارواح اسی دور میں پیدا کی گئیں جب ملائکہ کو پیدا کیا گیا۔ بہر حال خود شعوری صرف ان تین قسم کی مخلوقات میں ہی پائی جاتی ہے، باقی جو بھی مخلوقات اس کائنات میں موجود ہیں، چاہے وہ خشکی اور سمندر کے جانور ہوں یا ہوا میں اڑنے والے پرندے، ان میں شعور تو ہے مگر خود شعوری نہیں ہے۔

جنات کی تخلیق چونکہ آگ سے ہوئی ہے لہذا ان کے اندر مخفی قوت (potential energy) انسانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ میرا گمان ہے کہ جنات کو سورج کی آگ سے پیدا کیا گیا ہے اور اس لحاظ سے انہیں پورے نظام شمسی کے دائرے میں آمد و رفت کی طاقت اور استعداد حاصل ہے اور اس کے لیے انہیں کسی راکٹ یا مشینی ذرائع کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنی اسی استعداد سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ عالم بالا سے اللہ تعالیٰ کے احکام اور تدبیرات کی ترسیل کے دوران ملائکہ سے کچھ خبریں اُچکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ پھر وہ ایسی خبریں انسانوں میں اپنے دوست و ارباب اور کاہن لوگوں کو بتاتے ہیں تاکہ وہ اپنی دکانیں چکاکیں۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے ایوان صدر سے احکام کی ترسیل و تقسیم کے دوران کوئی شخص متعلقہ اہلکاروں سے ان احکام کے بارے میں خبریں حاصل کر کے قبل از وقت ان لوگوں تک پہنچا دے جو ان کے ذریعے سے اپنی دکانیں چکانا چاہتے ہیں۔ جنات کو نظام شمسی کی حدود پھلانگنے سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ستاروں میں میزائل نصب کر رکھے ہیں۔ جب بھی کوئی جن اپنی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے ممنوعہ علاقے میں داخل ہونے کی کوشش کرتا ہے تو اس پر میزائل پھینکا جاتا ہے جسے ہم شہابِ ثاقب کہتے ہیں۔ اس پورے نظام پر ہم ”کُلُّ مَنْ عِنْدَ رَبِّنَا“ کے اصول کے تحت یقین رکھتے ہیں جو ہمارے ایمان بالغیب کا حصہ ہے۔ بہر حال سائنسی ترقی کے سبب کائنات کے بارے میں اب تک سامنے آنے والی معلومات اور ایجادات کے ساتھ بھی ان قرآنی معلومات کا کسی نہ کسی حد تک تطابق (corroboration) موجود ہے۔

**آیت ۱۸ ﴿إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ﴾** ”ما سوائے اس کے کہ جو کوئی چوری چھپے سننا چاہے“  
جیسے ایک فرشتہ کچھ احکام لے کر آ رہا ہو اور کوئی جن اس سے کوئی سُن گُن لینے کی کوشش کرے۔ فرشتے نوری ہیں اور جن ناری مخلوق ہیں، چنانچہ نوروں اور نار کے درمیان زیادہ بُعد نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہونا ممکن ہے۔ عزازیل (ابلیس) کا بھی جن ہونے کے باوجود فرشتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا۔

**﴿فَاتَّبَعَهُ شِهَابٌ مُّبِينٌ﴾ (۱۹)** ”تو اُس کا پیچھا کرتا ہے ایک انگارہ چمکتا ہوا۔“  
ایسی خلاف ورزی کی صورت میں اس جن پر میزائل پھینکا جاتا ہے۔ یہ میزائل اللہ تعالیٰ نے اسی مقصد کے لیے ستاروں میں نصب کر رکھے ہیں۔

**آیت ۱۹ ﴿وَالْأَرْضُ مَدَدُهَا وَأَلْفَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ﴾** ”اور زمین کو ہم نے پھیلا دیا اور اس میں ہم نے لنگر ڈال دیے“

زمین کے یہ لنگر پہاڑ ہیں جن کے بارے میں قرآن بار بار کہتا ہے کہ یہ زمین کی حرکت کو متوازن

رکھنے (Isostasy) کا ایک ذریعہ ہیں۔

﴿وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ ۝۱۹﴾ ”اور اس میں اُگادی ہم نے ہر شے ٹھیک اندازے کے مطابق۔“

کائنات کے اس خدائی نظام میں ہر چیز کی مقدار اور تعداد اس حد تک ہی رکھی گئی ہے جس حد تک اس کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی چیز اس مقررہ حد سے بڑھے گی تو وہ اس نظام میں خلل کا باعث بنے گی۔ مثلاً بعض مچھلیوں کے انڈوں کی تعداد لاکھوں میں ہوتی ہے۔ یہ تمام انڈے اگر مچھلیاں بن جائیں تو چند ہی سالوں میں ایک مچھلی کی اولاد اس زمین کے حجم سے بھی کئی گنا زیادہ بڑھ جائے۔ بہر حال اس کائنات کے نظام کو درست رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر چیز کو ایک طے شدہ اندازے اور ضرورت کے مطابق رکھا گیا ہے۔

**آیت ۲۰** ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ۝۲۰﴾ ”اور ہم نے بنائے ہیں تمہارے لیے اس میں ذرائع معاش اور (ان کے لیے بھی) جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔“

کچھ مخلوق تو ایسی ہے جس کی روزی اور کھانے پینے کا انتظام بظاہر انسانوں کی ذمہ داری ہے جیسے پالتو جانور، مگر بہت سی مخلوقات ایسی ہیں جن کے رزق کی ذمہ داری انسانوں پر نہیں ہے، مگر اللہ ان سب کو ان کے حصے کا رزق بہم پہنچا رہا ہے۔

**آیت ۲۱** ﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ ۝۲۱﴾ ”اور نہیں ہے کوئی شے مگر ہمارے پاس ہیں اس کے خزانے“ کوئی شے ایسی نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ ہمارے خزانے اور وسائل لامحدود ہیں، لیکن: ﴿وَمَا نُنَزِّلُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ۝۲۲﴾ ”ہم نہیں نازل کرتے اس میں سے مگر ایک طے شدہ اندازے کے مطابق۔“

اُن لاشناہی اور لامحدود خزانوں سے صرف ضرورت کے مطابق اشیاء دنیا میں بھیجی جاتی ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں بڑے بڑے گوداموں سے ضرورت کے مطابق چیزوں کی ترسیل کی جاتی ہے۔

**آیت ۲۲** ﴿وَأَرْسَلْنَا الرِّيحَ لَوَاقِحَ ۝۲۲﴾ ”اور ہم بھیجتے ہیں ہوائیں جو بوجھل ہوتی ہیں (یا بوجھل کرنے والی ہوتی ہیں)۔“

لَوَاقِح کا مفہوم پہلے تو یہی سمجھا جاتا تھا کہ یہ ہوائیں بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں اور بارش کا سبب بنتی ہیں، لیکن اب جدید سائنسی تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ polen grains بھی ہواؤں کے ذریعے منتقل ہوتے ہیں جن سے پھولوں کی فرٹیلائزیشن ہوتی ہے، جس کے نتیجے میں فصلیں اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ یوں یہ سارا نباتاتی نظام بھی ہواؤں کی وجہ سے چل رہا ہے۔

﴿فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا كُفُّومَهُ ۝۲۳﴾ ”پس ہم نے اتارا آسمان سے پانی پھر وہ تم لوگوں کو پلایا۔“

پانی مبدأ حیات ہے۔ زمین پر ہر طرح کی زندگی کے وجود کا منبع اور سرچشمہ بھی پانی ہے اور پھر پانی پر ہی زندگی کی جھکا اٹھنا بھی ہے۔ پانی کی اس اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے اس کی تقسیم و ترسیل کا ایک لگا بندھا نظام وضع کیا ہے جسے آج کی سائنس نے واٹر سائیکل کا نام دیا ہے۔ واٹر سائیکل کا یہ عظیم الشان نظام اللہ تعالیٰ کے عجائبات میں سے ہے۔ سمندروں سے ہواؤں تک بخارات پہنچا کر بارش اور بر فباری کا انتظام گلیشیرز کی شکل میں بلند و بالا پہاڑوں پر واٹر سٹوریج کا اہتمام پھر چشموں، ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے سے اس پانی کی وسیع و عریض میدانی علاقوں تک رسائی اور زیر زمین پانی کا عظیم الشان ذخیرہ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وضع کردہ وہ واٹر سائیکل ہے جس پر پوری دنیا میں ہر قسم کی زندگی کا دار و مدار ہے۔

﴿وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ﴾ ”اور تم اس کے جمع کرنے والے نہیں ہو۔“

یہ تمہارے بس میں نہ تھا کہ تم پانی کے اس ذخیرے کو جمع کرتے۔

**آیت ۲۳** ﴿وَأَنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ﴾ ”اور یقیناً ہم ہی ہیں جو زندہ بھی رکھتے ہیں اور موت بھی وارد کرتے ہیں اور ہم ہی وارث ہوں گے۔“

یہ کائنات اور اس کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ ایک وقت آئے گا جب ظاہری ملکیت کا بھی کوئی دعویدار باقی نہیں رہے گا۔

**آیت ۲۴** ﴿وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ﴾ ”اور ہم جانتے ہیں تم میں سے آگے بڑھنے والوں کو بھی اور جانتے ہیں پیچھے رہنے والوں کو بھی۔“

چونکہ یہ نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے کی سورت ہے اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ ہم جانتے ہیں اُن لوگوں کو جو حق کی اس دعوت پر فوراً لبیک کہیں گے اور آگے بڑھ کر قرآن کو سینوں سے لگائیں گے۔ ہم جانتے ہیں کہ ﴿وَالشَّاقُونَ الْآلُونَ مِنَ الْمُهْجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ﴾ (التوبہ: ۱۰۰) کے مصداق کون لوگ ہوں گے۔ ہمیں معلوم ہے کہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) قبول حق کے لیے ایک لمحے کی دیر نہیں لگائے گا۔ ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) بھی اس دعوت کو فوراً قبول کر لے گا۔ یہ بھی ہمارے علم میں ہے کہ ابو بکر (رضی اللہ عنہ) کی تبلیغ سے طلحہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف اور سعید بن زید (رضی اللہ عنہم) جیسے لوگ فوراً ایمان لے آئیں گے اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ کون کون بد نصیب ہیں جو اس سعادت کو سینے میں پیچھے رہ جائیں گے۔

**آیت ۲۵** ﴿وَأَنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور یقیناً آپ کا رب ہی ہے جو ان سب کو جمع کرے گا۔ یقیناً وہ کمال حکمت والا، خوب علم رکھنے والا ہے۔“

## آیات ۲۶ تا ۲۸

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ۖ وَالْجَبَّارِ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ تَارِ السَّمُومِ ۖ وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ۖ

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٢٦﴾ فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٢٧﴾ إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٢٨﴾ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٢٩﴾ قَالَ لَمَّا كُنْتُ لَاسْجِدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ ﴿٣٠﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣١﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَى يَوْمِ الدِّينِ ﴿٣٢﴾ قَالَ رَبِّ فَأَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِينَ ﴿٣٤﴾ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٣٥﴾ قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأُزَيِّتَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٣٦﴾ إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٣٧﴾ قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ ﴿٣٨﴾ إِنَّ عِبَادِي لَكِ عَلَيْكَ سُلْطَانٌ إِلَّا مَنِ ابْتَعَكَ مِنَ الْغُيُوثِ ﴿٣٩﴾ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٠﴾ لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَقْسُومٌ ﴿٤١﴾ إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ﴿٤٢﴾ أَدْخُلُوهَا بِسَلَامٍ أُولَئِكَ الَّذِينَ نَزَّلْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُرُرٍ مُتَقَابِلِينَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْمَعُ فِيهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِينَ ﴿٤٤﴾

**آیت ۲۶﴾** ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِنْ حَمَإٍ مَسْنُونٍ﴾ اور یقیناً ہم نے بنایا ہے انسان کو سنے ہوئے گارے کی کھلکھاتی ہوئی مٹی سے۔“

حَمَإٍ مَسْنُون سے سنا ہوا گارامراد ہے جس سے بدبو بھی اُٹھ رہی ہو۔ اس رکوع میں یہ ثقیل اصطلاح تین مرتبہ استعمال ہوئی ہے۔ انسان کے مادہ تخلیق کے حوالے سے قرآن میں جو مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان پر غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے مرحلے پر تُرَاب یعنی مٹی کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَكُمْ مِنْ تُرَابٍ.....﴾ (الروم: ۲۰)۔ مٹی میں پانی مل کر گارابن جائے تو اس گارے کو عربی میں ”طین“ کہتے ہیں۔ لہذا انسان کی تخلیق کے سلسلے میں طین کا ذکر بھی قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔ سورۃ الاعراف میں ہم شیطان کا یہ قول پڑھا آئے ہیں: ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾ ﴿۱۳﴾ ”مجھے تو نے بنایا آگ سے اور اس (آدم) کو بنایا مٹی سے۔“ طین کے بعد ”طین لازب“ کا مرحلہ ہے۔ سورۃ الصُّفَّت میں فرمایا گیا: ﴿إِنَّا خَلَقْنَاهُمْ مِنْ طِينٍ لَازِبٍ﴾ ﴿۹﴾ ”طین لازب“ اصل میں وہ گاراہے جو عمل تخمیر (fermentation) کی وجہ سے لیس دار ہو چکا ہو۔ عام طور پر گارے میں کوئی organic matter بھوسہ وغیرہ ملانے سے اس کی یہ شکل بنتی ہے۔ ”طین لازب“ کے بعد اگلا مرحلہ ”حَمَإٍ مَسْنُون“ کا ہے۔ اگر لیس دار گارازیا دہ دیر تک پڑا رہے اور اس میں سٹرانڈ پیدا ہو جائے تو اس کو ”حَمَإٍ مَسْنُون“ کہا جاتا ہے۔ پھر اگر یہ سنا ہوا گار (حَمَإٍ مَسْنُون) خشک ہو کر سخت ہو جائے تو یہ کھلنے لگتا ہے۔ آپ نے کسی دریا کے ساحل کے قریب یا کسی دلدلی علاقے میں دیکھا ہوگا کہ زمین کے اوپر خشک پڑی سی آ جاتی ہے جس پر چلنے سے یہ آواز پیدا کر کے ٹوٹی ہے۔ ایسی مٹی کے لیے قرآن نے ”صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ“ (الرحمن: ۱۴) کی اصطلاح استعمال کی ہے یعنی ٹھیکرے جیسی کھلکھاتی مٹی۔

انسان کے مادہ تخلیق کے لیے مندرجہ بالا تمام الفاظ میں سے صرف ایک بنیادی لفظ ہی کفایت کر سکتا تھا کہ ہم نے انسان کو مٹی سے بنایا، لیکن اس ضمن میں ان مختلف الفاظ (تُرَابٌ، طِینٌ، طِینٌ لَازِبٌ، صَلْصَالٌ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ اور صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ) کے استعمال میں یقیناً کوئی حکمت کا فرما ہوگی۔ ممکن ہے یہ تخلیق کے مختلف مراحل (stages) کا ذکر ہو اور اگر ایسا ہے تو نظریہ ارتقاء (Evolution Theory) کے ساتھ بھی اس کی تطبیق (corroboration) ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔ انسان کی تخلیق اگر خصوصی طور پر بھی عمل میں آئی ہو تو ہو سکتا ہے کہ باقی حیوانات ارتقائی انداز میں پیدا کیے گئے ہوں۔ بہر حال زمین کی حیوانی حیات کے بارے میں سائنس بھی قرآن سے متفق ہے کہ یہ تمام مخلوق مٹی اور پانی سے بنی ہے۔ ادھر قرآن فرماتا ہے کہ مبدأ حیات پانی ہے اور اس سلسلے میں سائنس کا نظریہ بھی یہی ہے کہ ساحلی علاقوں میں مٹی اور پانی کے اتصال سے دلدل بنی پھر اس دلدل کے اندر عمل تخمیر (fermentation) کے ذریعے سڑاند پیدا ہوئی تو وہاں الطحی (Algae) یا امیبا (Amoeba) کی صورت میں نباتاتی یا حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ چنانچہ سائنسی تحقیق یہاں قرآن سے اتفاق کرتی نظر آتی ہے، گویا ہر ”متفق گردید رائے بوعلی بارائے من!“

**آیت ۲۷** ﴿وَالْجَانَّ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُومِ﴾ ”اور جنات کو ہم نے پیدا کیا تھا اس سے پہلے آگ کی لپٹ سے۔“

یہ لفظ ”سموم“ اردو میں بھی معروف ہے۔ موسم گرم یا صحر میں چلنے والی تیز گرم ہوا کو بادِ سموم کہتے ہیں۔ آگ کے شعلے کا وہ حصہ جو بظاہر نظر آتا ہے اس کے گرد ہالے کی شکل میں اس کا وہ حصہ ہوتا ہے جو عام طور پر نظر نہیں آتا۔ شعلے کے اس نظر نہ آنے والے حصے کا درجہ حرارت نسبتاً زیادہ ہوتا ہے۔ یہاں ”نارِ سموم“ سے مراد آگ کی وہی لپٹ یا لو مراد ہے جو شدید گرم ہوتی ہے اور اسی سے جنات کو پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں ایک نکتہ یہ بھی مدِ نظر ہونا چاہیے کہ جنات کو اگرچہ آگ سے پیدا کیا گیا ہے مگر وہ آگ نہیں ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ہمیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے مگر ہم مٹی نہیں ہیں۔ دوسری اہم بات یہاں یہ واضح ہوئی کہ جنات کو انسانوں سے بہت پہلے پیدا کیا گیا تھا۔

**آیت ۲۸** ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ ”اور یاد کرو جب کہا تھا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ میں بنانے والا ہوں ایک بشر کو سننے ہوئے گارے کی کھٹکھٹاتی مٹی سے۔“

یہاں پھر وہی ثقیل اصطلاح (صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ) استعمال ہوئی ہے۔ انسانی تخلیق کی ابتدا کے بارے میں ایک نکتہ یہ بھی لائقِ توجہ ہے کہ قرآن میں جہاں بھی تخلیق کے ان ابتدائی مراحل کا ذکر آیا ہے وہاں لفظ آدم استعمال نہیں ہوا، بلکہ بشر اور انسان کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ پورے قرآن میں صرف سورہ آل عمران کی آیت ۵۹ ایسی ہے جہاں اس ابتدائی تخلیق کے ضمن میں آدم کا ذکر اسی طرح آیا ہے: ﴿اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ کَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقْنٰهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ کُنْ فَيَکُوْنُ﴾ ”یقیناً عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے۔ اس کو مٹی سے بنایا، پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔“

آیت ۲۹ ﴿فَإِذَا سَوَّيْتُهُ﴾ ”پھر جب میں اسے پوری طرح درست کر دوں“

کسی بھی تخلیق کے بعد اس کا تسویہ ضروری ہوتا ہے۔ پہلے بنیادی ڈھانچہ بنایا جاتا ہے اور پھر اس کی نوک پلک سنواری جاتی ہے۔ جیسے ایک عمارت کا ڈھانچہ کھڑا کرنے کے بعد اس کی آرائش و زیبائش کی جاتی ہے اور رنگ و روغن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

﴿وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ﴾ (۲۹) ”اور پھونک دوں میں اس میں اپنی روح میں سے تو گر پڑنا اس کے لیے سجدے میں۔“

آیت ۳۰ ﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ﴾ (۳۰) ”تو سجدہ کیا تمام فرشتوں نے مل کر۔“  
 كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ میں بہت تاکید پائی جاتی ہے کہ سب کے سب نے اکٹھے ہو کر سجدہ کیا، اور ان میں سے کوئی بھی مستثنیٰ نہ رہا۔ جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل سمیت سب جھک گئے، کوئی بھی پیچھے نہ رہا۔ فرشتوں کے ساتھ ذکر آنے کی وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ جیسے ابلیس بھی فرشتہ تھا، مگر وہ فرشتہ نہیں تھا، جیسا کہ سورۃ الکہف کی آیت ۵۰ میں ”كَانَ مِنَ الْبَرِّ“ فرما کر واضح کر دیا گیا کہ وہ جنّات میں سے تھا۔

آیت ۳۱ ﴿أَلَا إِنَّ لِلنَّاسِ أَلْبَنَىٰ أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ﴾ (۳۱) ”سوائے ابلیس کے اُس نے انکار کیا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ ہونے سے۔“

آیت ۳۲ ﴿قَالَ يٰٓإِبْرٰهٖمُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السَّاجِدِيْنَ﴾ (۳۲) ”اللہ نے فرمایا: اے ابلیس کیا ہوا تجھے کہ تو نہیں ہوا سجدہ کرنے والوں کے ساتھ؟“

آیت ۳۳ ﴿قَالَ لَمْ اَكُنْ لِاَسْجُدْ لِبَشَرٍ خَلَقْتُهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ﴾ (۳۳) ”اُس نے کہا: میرے لیے روانہ نہیں ہے کہ سجدہ کروں اُس بشر کو جسے تُو نے پیدا کیا ہے سَنے ہوئے گارے کی کھلکھاتی مٹی سے۔“  
 آیت ۳۴ ﴿قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ﴾ (۳۴) ”اللہ نے فرمایا: بس نکل جاؤ اس میں سے تم یقیناً مردود ہو چکے ہو۔“

آدم کو سجدہ کرنے کے حکم الہی کا انکار کر کے تم راندہ درگاہ ہو چکے ہو۔ اب یہاں سے فی الفور نکل جاؤ!  
 آیت ۳۵ ﴿وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّیْنِ﴾ (۳۵) ”اور یقیناً تم پر لعنت رہے گی روز جزا تک۔“

آیت ۳۶ ﴿قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمٍ یُّعْتُوْنِ﴾ (۳۶) ”اس نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! مجھے مہلت دے دے اُس دن تک جب یہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔“

آیت ۳۷ ﴿قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ (۳۷) ”اللہ نے فرمایا (جاؤ) تمہیں مہلت دے دی گئی۔“

آیت ۳۸ ﴿اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ﴾ (۳۸) ”وقتِ معین کے دن تک۔“

یعنی روز قیامت تک تم زندہ رہو گے۔ ویسے تو جنوں کی عمریں انسانوں سے کافی زیادہ ہوتی ہوں گی مگر ایسا کوئی جن بھی نہیں ہے جو اس ابتدائی تخلیق کے وقت سے لے کر آج تک زندہ ہو، اسوائے اس ایک جن کے جس

کا نام عزرا زیل ہے۔ باقی اس کی اولاد اور ذریت اپنی جگہ ہے۔

**آیت ۳۹** ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي﴾ ”اُس نے کہا: اے میرے پروردگار! چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے“

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ ابلیس اپنی اس گمراہی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر رہا ہے۔  
﴿لَا زِيْنًا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَلَا نُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ ”میں یقیناً مزین کر دوں گا ان کے لیے زمین میں (دنیا کو) اور میں ضرور گمراہ کر دوں گا ان سب کو۔“

کہ میں اولادِ آدم کے لیے زمین میں دنیا کی رونقوں اور اس کی آرائش و زیبائش کو اس حد تک پُرکشش بنا دوں گا کہ وہ اس میں گم ہو کر آپ کو اور آپ کے احکام کو بھول جائیں گے۔ اس طرح میں ان سب کو آپ کے سیدھے راستے سے گمراہ کر کے چھوڑوں گا۔

**آیت ۴۰** ﴿إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ﴾ ”سوائے تیرے اُن بندوں کے جن کو تو ان میں سے (اپنے لیے) خالص کر لے۔“

مُخْلِصِينَ (لام کی زبر کے ساتھ) سے مراد وہ بندے ہیں جنہیں اللہ خاص اپنے لیے چُن لے یعنی اللہ کے محبوب اور برگزیدہ بندے۔ اللہ کے ایسے بندوں کے بارے میں شیطان کا اعتراف ہے کہ ان پر میرا زور نہیں چلے گا۔

**آیت ۴۱** ﴿قَالَ هَذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ﴾ ”اللہ نے فرمایا کہ یہ ایک سیدھا راستہ ہے جو مجھ تک پہنچانے والا ہے۔“

یعنی میرے اور تمہارے درمیان یہ معاملہ طے ہو گیا، تمہیں مہلت دے دی گئی۔ مجھ تک پہنچنے کا راستہ بالکل واضح ہے۔ تم اولادِ آدم کو اس راستے سے بہکانے کے لیے اپنا زور آزماؤ۔

**آیت ۴۲** ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ﴾ ”یقیناً میرے بندوں پر تجھے کچھ اختیار نہیں ہوگا“  
یعنی صرف ”مُخْلِصِينَ“ ہی کی تخصیص نہیں ہے بلکہ کسی انسان پر بھی تجھے اختیار نہیں ہوگا۔

﴿إِلَّا مَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ﴾ ”سوائے اُن کے جو خود تیری پیروی کریں گمراہوں میں سے۔“  
جو لوگ ”غَاوِينَ“ میں سے ہوں گے خود ان کے اندر سرکشی ہوگی وہ خود اپنی نفس پرستی کی طرف مائل ہو کر تیری پیروی کریں گے ان کو لے جا کر تو گمراہی کے جس گڑھے میں چاہے پھینک دے اور جہنم کی جس وادی میں چاہے ان کو گرا دے مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لیکن میرے کسی فرمانبردار بندے پر تجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہوگا۔

**آیت ۴۳** ﴿وَأَنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ﴾ ”اور یقیناً جہنم ہی ان سب کا موعود ٹھکانہ ہے۔“  
جو لوگ بھی تیری پیروی کریں گے ان سب کے لیے جہنم کا وعدہ ہے۔

**آیت ۴۴** ﴿لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ لِّكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ﴾ ”اس (جہنم) کے سات

دروازے ہیں ان میں سے ہر دروازے کا ایک حصہ ہے مقرر شدہ۔“

جنہم کے ہر دروازے میں سے داخل ہونے والے جنوں اور انسانوں کو مخصوص کر دیا گیا ہے۔ ممکن ہے دروازوں کی یہ تقسیم و تخصیص گناہوں کی نوعیت کے اعتبار سے ہو۔ واللہ اعلم!

اہل جہنم کے ذکر کے بعد اب اہل جنت کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ موازنے اور فوری تقابل (simultaneous contrast) کا یہ انداز و اسلوب قرآن میں ہمیں جگہ جگہ ملتا ہے۔

**آیت ۲۵ ﴿لَإِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَعُيُونٍ﴾** ”(اس کے برعکس) یقیناً متقی لوگ ہوں گے باغات اور چشموں میں۔“

**آیت ۲۶ ﴿أَدْخُلُوْهَا بِسَلَامٍ اٰمِنٍ﴾** ”(ان سے کہا جائے گا کہ) تم داخل ہو جاؤ ان (باغات) میں سلامتی کے ساتھ بے خوف و خطر۔“

یہاں تم ہر طرح سے امن میں رہو گے، تمہیں کسی قسم کا کوئی اندیشہ نہیں ہوگا۔

**آیت ۲۷ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ﴾** ”اور ہم نکال دیں گے ان کے سینوں میں سے جو کچھ بھی کدورت ہوگی،“

یہ مضمون بالکل انہی الفاظ میں سورۃ الاعراف (آیت ۴۳) میں بھی آچکا ہے۔ اہل ایمان کی آپس کی رنجشیں، کدورتیں اور شکایتیں ختم کر کے ان کے دلوں کو ہر قسم کے تکدر سے پاک کر دیا جائے گا۔

**﴿اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقَابِلِيْنَ﴾** ”بھائی بھائی (بن کر وہ بیٹھے ہوں گے) تختوں پر آمنے سامنے۔“ جب کسی سے ناراضگی ہو تو آدمی آنکھیں چار نہیں کرتا، لیکن اہل جنت کے دل چونکہ ایک دوسرے کی طرف سے بالکل صاف ہوں گے اس لیے وہ آمنے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے سے باتیں کر رہے ہوں گے۔

**آیت ۲۸ ﴿لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ﴾** ”نہیں پہنچے گی انہیں اس میں کوئی تھکان اور نہ ہی وہ اس میں سے نکالے جائیں گے۔“

اہل جنت کو جنت میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے نکالے جانے کا کھکا نہیں ہوگا اور نہ ہی اس میں انہیں کسی قسم کی کوئی تکلیف یا پریشانی ہوگی۔

## آیات ۲۹ تا ۸۴

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّىْ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۝ وَتَبْتَغُوْنَ عَنْ ضَعِيفِ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ۙ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجَلُوْنَ ۙ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نَبِّشُرُكَ بِخَيْرٍ ۙ عَلِيْمٌ ۙ قَالَ اَبَشِّرْنٰمُوْنِىْ عَلٰى اَنْ مَّسَّنِى الْكَبَدُ فَيَمَّ تَبٰرَكُوْنَ ۙ قَالُوْا بَشِّرْكَ بِالْحَقِّ ۙ فَلَا تُكُنْ مِنَ الْفٰنِيْنَ ۙ قَالَ وَمَنْ يَّقْنُطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖ



إِلَّا الصَّالُّونَ ۖ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ۖ قَالُوا إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَىٰ قَوْمٍ مُّجْرِمِينَ ۖ  
 إِلَّا آلَ لُوطٍ ۖ إِنَّا كَتَبْنَاهُمْ آمُجْعِينَ ۖ إِلَّا أَمْرًا تَقْدَرْنَا ۖ إِنَّا كَاوْنُ الْغَيْرِينَ ۖ فَلَمَّا جَاءَ  
 آلَ لُوطٍ الْمُرْسَلُونَ ۖ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ ۖ قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَسْتَبْشِرُونَ ۖ  
 وَآتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ وَلَا  
 يَلْبِثْ مِنْكُمْ أَحَدٌ وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ۖ وَفَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَؤُلَاءِ  
 مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ۖ وَجَاءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ ۖ قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ ضَيْفِي فَلَا  
 تَفْضَحُون ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْن ۖ قَالُوا أَوْ كَمْ نَنهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ ۖ قَالَ هَؤُلَاءِ  
 بَنَاتِي إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۖ لَعَنَّا لَعْنَةً كُفًى لِّعَمْرِكَ إِنَّهُمْ كُفًى سَكَرَتُهُمْ يَعْمَهُونَ ۖ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ  
 مُشْرِقِينَ ۖ فَجَعَلْنَا عَلَيْهِمَا سَافِلًا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَابًا ۖ وَمِنْ سَجِيلٍ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ  
 لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّلِينَ ۖ وَإِنَّا لَبَسِيلٌ مُّقِيمٌ ۖ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَإِنْ كَانَ  
 أَصْحَبُ الْأَيْكَةِ ظَالِمِينَ ۖ فَاتَّقِنَا مِنْهُمْ ۖ وَإِنَّا لَيَا مَأْمُومِينَ ۖ وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ  
 الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ۖ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۖ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا  
 آمِنِينَ ۖ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۖ فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۖ

**آیت ۴۹** ﴿يَسْبِي عِبَادِي آتَيْتُ أَنَا الْعَفْزُ الرَّحِيمُ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) میرے بندوں کو بتادیتے  
 کہ میں یقیناً بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہوں۔“

**آیت ۵۰** ﴿وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ﴾ ”اور یہ کہ میرا عذاب بھی بہت دردناک عذاب ہے۔“  
 یقیناً میں غفور اور رحیم ہوں، مگر دوسری طرف میرا عذاب بھی بہت سخت ہوتا ہے۔ لہذا کوئی شخص نڈر اور  
 نچت بھی نہ ہو جائے بلکہ میرے بندوں کو ہر وقت ”بین الخوف والرجا“ کی کیفیت میں رہنا چاہیے۔ وہ میری  
 رحمت اور مغفرت کی امید بھی رکھیں اور میرے عذاب سے ڈرتے بھی رہیں۔

**آیت ۵۱** ﴿وَيَسْأَلُهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرَاهِيمَ﴾ ”اور انہیں ذرا بتائیے ابراہیمؑ کے مہمانوں کے بارے میں۔“  
 یہ واقعہ تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ہم سورہ ہود کے ساتویں رکوع میں بھی پڑھ چکے ہیں۔

**آیت ۵۲** ﴿إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجَلُونَ﴾ ”جب وہ داخل ہوئے آپؐ  
 کے ہاں تو انہوں نے سلام کیا، آپؐ نے کہا کہ ہمیں تو تم سے خوف آ رہا ہے۔“  
 آپ کے اجنبی ہونے کی وجہ سے ہمیں آپ سے خدشہ ہے۔ لہذا بہتر ہوگا اگر آپ لوگ اپنی شناخت  
 کروادیں۔

**آیت ۵۳** ﴿قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ عَلِيمٍ﴾ ”انہوں نے کہا کہ ڈریئے نہیں، ہم آپ کو ایک صاحب علم بیٹے کی بشارت دیتے ہیں۔“

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت کی خوشخبری دی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت اس سے چند برس قبل ہو چکی تھی۔ واضح رہے کہ قرآن حکیم میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لیے ”غلامِ حلیم“ اور حضرت اسحاق علیہ السلام کے لیے ”غلامِ علیم“ کے الفاظ آتے ہیں۔

**آیت ۵۴** ﴿قَالَ اَبَشِّرْهُمُوْنِیْ عَلٰی اَنْ مَّسْنٰی الْکِبَرُ فِیْمَ تَبَشِّرُوْنِ﴾ ”آپ نے کہا کہ کیا تم مجھے خوشخبری دے رہے ہو باوجود اس کے کہ مجھ پر بڑھاپا طاری ہو چکا ہے تو تم مجھے یہ کیسی خوشخبری دے رہے ہو!“

علیٰ یہاں پر ”علیٰ الرغم“ کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے کہ میرے بڑھاپے کے باوجود تم مجھے جو بیٹے کی خوشخبری دے رہے ہو تو کہیں تم لوگوں کو کوئی مغالطہ تو نہیں ہو رہا؟

**آیت ۵۵** ﴿قَالُوا بَشِّرْنَا بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْفٰطِنِیْنَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو حق کے ساتھ بشارت دے رہے ہیں تو آپ ناامید لوگوں میں سے نہ ہوں۔“

انہوں نے بتایا کہ ہم آپ کے رب کی طرف سے بھیجے گئے ہیں اور یہ جو بشارت ہم نے آپ کو دی ہے یہ حقیقی اور قطعی بات ہے بالکل ایسا ہی ہوگا۔

**آیت ۵۶** ﴿قَالَ وَمَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهِ اِلَّا الضَّالُّوْنَ﴾ ”آپ نے کہا کہ کون ہوگا جو اپنے رب کی رحمت سے مایوس ہو، سوائے گمراہوں کے!“

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ستاسی (۸۷) برس کی عمر میں بیٹا عطا کیا۔ اسی طرح کا معاملہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ بھی پیش آیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی زوجہ محترمہ ساری عمر بانجھ رہیں، مگر جب وہ دونوں میاں بیوی بہت بوڑھے ہو چکے تھے تو اللہ نے انہیں بیٹا (حضرت یحییٰ علیہ السلام) عطا کیا۔

**آیت ۵۷** ﴿قَالَ فَمَا خَطْبُکُمْ اَیُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ﴾ ”آپ نے پوچھا: اے فرستادو! تمہاری کیا ہم ہے؟“

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے پوچھ ہی لیا کہ آپ لوگوں کے یہاں آنے کا کیا مقصد ہے؟

آپ کو کیا ہم درپیش ہے؟

**آیت ۵۸** ﴿قَالُوا اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ﴾ ”انہوں نے کہا کہ ہمیں بھیجا گیا ہے ایک مجرم قوم کی طرف۔“

**آیت ۵۹** ﴿اَلَا اِلَ لُوْطٍؕ اِنَّا لَمَنْجُوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ ”سوائے آلِ لوط کے ان سب کو ہم ضرور بچا لیں گے۔“

**آیت ۶۰** ﴿اِلَّا امْرَاَتَهُ قَدْ رَزَقْنٰهَا مِنْ غَیْرِیْنِ﴾ ”سوائے اُن کی بیوی کے ہم نے اندازہ ٹھہرا لیا ہے کہ وہ یقیناً پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔“

**آیت ۶۱** ﴿فَلَمَّا جَاءَ اِلَ لُوْطٍ اِلِ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ ”تو جب لوط کے گھر پہنچے وہ بھیجے ہوئے۔“

آیت ۶۲ ﴿قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُونَ﴾ ”اُس (لوٹ) نے کہا کہ یقیناً تم اجنبی لوگ ہو۔“

حضرت لوط علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بالکل اجنبی لوگ ہیں، تو انہوں نے پوچھا کہ آپ لوگ کون ہیں اور کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ آپ کی تشریف آوری کا مقصد کیا ہے؟

آیت ۶۳ ﴿قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا فِيهِ يَمْتَرُونَ﴾ ”انہوں نے کہا: بلکہ ہم تو آپ کے پاس وہ شے لے کر آئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک میں پڑے ہوئے تھے۔“

حضرت لوط علیہ السلام جب اپنی قوم کو متنبہ کرتے تھے کہ اگر تم لوگ شرک سے اور اس فعل خبیث سے باز نہیں آؤ گے تو تم پر اللہ کا عذاب آئے گا تو وہ آپ کا مذاق اڑاتے تھے کیونکہ انہیں یقین نہیں تھا کہ ان پر واقعی عذاب آجائے گا۔ فرشتوں نے کہا کہ آج ہم وہی عذاب لے کر آگئے ہیں جس کے بارے میں یہ لوگ شک میں تھے۔

آیت ۶۴ ﴿وَاتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَانَّا لَصَادِقُونَ﴾ ”اور ہم آئے ہیں آپ کے پاس حق (قطعی فیصلے) کے ساتھ اور یقیناً ہم سچے ہیں۔“

آیت ۶۵ ﴿فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أذْبَارَهُمْ وَلَا يَلْبَسْ مِنْكُمْ أَحَدٌ﴾ ”تو آپ اپنے گھر والوں کو لے جائیے رات کے ایک حصے میں اور آپ ان کے پیچھے پیچھے جائیے اور آپ لوگوں میں سے کوئی بھی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے“

یعنی آپ لوگ صبح ہونے سے پہلے پہلے یہاں سے نکل جائیں۔ پیچھے رہ جانے والوں کے لیے اب دوستی اور ہمدردی جیسے جذبات کا اظہار کسی بھی شکل میں نہیں ہونا چاہیے۔

﴿وَأَمْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ﴾ ”اور آپ چلے جائیے جہاں آپ کو حکم ہوا ہے۔“

آیت ۶۶ ﴿وَقَضَيْنَا إِلَيْهِ ذَلِكَ الْأَمْرَ أَنَّ دَابِرَ هَؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ﴾ ”اور ہم نے لوط کو اپنے اس فیصلے سے آگاہ کر دیا کہ صبح ہوتے ہی ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔“

وہاں سے نکلنے سے پہلے حضرت لوط علیہ السلام کو بتا دیا گیا کہ اس پوری قوم کو تیس نہس کر دیا جائے گا اور یہاں کوئی ایک تنفس بھی نہیں بچے گا۔

آیت ۶۷ ﴿وَجَاءَ أَهْلَ الْمَدِينَةِ يَسْتَبْشِرُونَ﴾ ”اور آئے اہل شہر خوشیاں مناتے ہوئے۔“

حضرت لوط علیہ السلام کے ہاں خوبصورت لڑکوں کو دیکھ کر بدقماش قسم کے لوگوں نے خوشی خوشی آپ کے گھر پر یلغار کر دی۔

آیت ۶۸ ﴿قَالَ إِنَّ هَؤُلَاءِ صَنِيفِي فَلَا تَفْضَحُونِ﴾ ”لوٹ نے کہا: یہ میرے مہمان ہیں، چنانچہ تم لوگ مجھے رسوا نہ کرو۔“

آیت ۶۹ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزَوْنِ﴾ ”اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو مت کرو۔“

آیت ۷۰ ﴿قَالُوا أَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعَالَمِينَ﴾ ”انہوں نے کہا: کیا ہم نے آپ کو سب دنیا والوں

(کی حمایت میں کھڑے ہونے) سے منع نہیں کیا تھا؟“

کیا ہم آپ کو منع نہیں کر چکے کہ آپ ہر کسی کی طرف داری کرتے ہوئے ہمارے معاملے میں دخل اندازی نہ کیا کریں۔ ہم جس کے ساتھ جو چاہیں کریں، آپ بیچ میں آنے والے کون ہوتے ہیں؟

**آیت ۱۷** ﴿قَالَ هُوَ لِآءِ بَنِيَّ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝۱۷﴾ ”آپ نے کہا: یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کچھ کرنا ہی ہے۔“

قبل ازیں اس فقرے کی وضاحت ہو چکی ہے۔ یعنی میری قوم کی بیٹیاں جو تمہارے گھروں میں موجود ہیں ان کی طرف رجوع کرو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے لیے فطری ساکھی بنایا ہے۔ اس فقرے کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے اتمام حجت کے لیے ان میں سے دوسرا دروں کو یہاں تک کہہ دیا ہو کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو میں اپنی بیٹیوں کا نکاح تم سے کیے دیتا ہوں۔

**آیت ۱۸** ﴿لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۸﴾ ”قسم ہے آپ کی جان کی، وہ لوگ اپنی اس بدستی میں بالکل اندھے ہو گئے تھے۔“

عمہ کے مادہ میں دل کے اندھے پن کا مفہوم پایا جاتا ہے، یعنی ان لوگوں کے دل بھلائی اور برائی کی تمیز سے بالکل عاری ہو گئے تھے۔

**آیت ۱۹** ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ الصَّيْحَةَ مُشْرِقِيْنَ ۝۱۹﴾ ”تو انہیں آ پکڑا ایک چنگھاڑ نے اجالا ہونے کے وقت۔“  
یعنی پو پھٹتے ہی ان پر اللہ کے عذاب کا کوڑا ایک زبردست چنگھاڑ کے ساتھ ٹوٹ پڑا۔

**آیت ۲۰** ﴿فَجَعَلْنٰا عَلٰیہَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنٰا عَلَیْہِمۡ حِجَارَةً مِّنۡ سِجِّیْلٍ ۝۲۰﴾ ”پھر ہم نے اس کے اوپر والے حصے کو بنادیا اس کے نچلے والا اور ہم نے برسائے ان کے اوپر کچی ہوئی مٹی کے کنکر۔“  
یعنی ان آبادیوں کو پوری طرح تپک کر دیا گیا اور ان پر سنگ گیل کی بارش برسائی گئی۔

**آیت ۲۱** ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ ۝۲۱﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو حق کے متلاشی ہوتے ہیں۔“

”متوسمین“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو آیات آفاقہ، آیات تاریخیہ، آیات انفسیہ یا آیات قرآنیہ کے ذریعے سے حقیقت کو جاننا اور پہچاننا چاہیں۔ اسم (اصل مادہ ”س م و“ ہے، الف اس کے حروف اصلیہ میں سے نہیں ہے) کے معنی علامت کے ہیں۔ اردو میں لفظ ”اسم“ کو نام کے مترادف کے طور پر جانا جاتا ہے، اس لیے کہ کسی چیز یا شخص کا نام بھی ایک علامت کا کام دیتا ہے، جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے۔ لہذا جو اصحاب بصیرت علامتوں سے متوسم (باب تفعل) ہوتے ہیں، ان کے لیے ایسے واقعات میں سامان عبرت موجود ہے۔

**آیت ۲۲** ﴿وَاِنَّہَا لَیْسَبِیْلٌ مُّقِیْمٌ ۝۲۲﴾ ”اور یہ بستیاں ایک سیدھی راہ پر واقع تھیں۔“  
قوم لوط کی یہ بستیاں اس شاہراہ عام پر واقع تھیں جو یمن (بحیرہ عرب) اور شام (بحیرہ روم) کے ساحلوں کو آپس میں ملاتی تھی۔ مشرقی ممالک (ہندوستان، چین، جاوا، ملایا وغیرہ) سے یورپ جانے کے لیے جو

سامان آتا تھا وہ یمن کے ساحل پر اتاراجاتا تھا اور پھر اس راستے سے تجارتی قافلے اسے شام اور فلسطین کے ساحل پر پہنچا دیتے تھے۔ اسی طرح یورپ سے مشرقی ممالک کے لیے آنے والا سامان شام کے ساحل پر اترتا تھا اور یہی قافلے اسے یمن کے ساحل پر پہنچانے کا ذریعہ بنتے تھے۔ اُس وقت نہر سویر بھی نہیں بنی تھی اور ”راس امید“ والا راستہ (Around the Cape of Good Hope) بھی دریافت نہیں ہوا تھا جو واسکو ڈے گاما نے ۱۴۹۸ء میں تلاش کیا۔ چنانچہ یہ شاہراہ اس زمانے میں مشرق اور مغرب کے درمیان تجارتی رابطے کا واحد ذریعہ تھی۔

**آیت ۷۷** ﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ ”یقیناً اس میں نشانی ہے اہل ایمان کے لیے۔“

**آیت ۷۸** ﴿وَإِنْ كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ لَظَالِمِينَ﴾ ”اور بے شک بنو ایل بھی ظالم تھے۔“

”اصحاب الایکہ“ سے اہل مدین مراد ہیں۔ یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی مگر یہاں اس قوم کا ذکر کرتے ہوئے آپ کا نام نہیں لایا گیا۔ ان سب اقوام کا تذکرہ یہاں پر انباء الرسل کے انداز میں ہو رہا ہے۔

**آیت ۷۹** ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۖ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ﴾ ”تو ان سے بھی ہم نے انتقام لیا۔ اور یہ دونوں بستیاں بھی کھلے راستے پر واقع تھیں۔“

اس سے مراد وہی تجارتی شاہراہ ہے جس کا ذکر ابھی ہوا ہے۔ یہ اصحاب حجر کے مساکن سے بھی ہو کر گزرتی تھی جبکہ اہل مدین کی آبادیاں اور قوم لوط کی بستیاں بھی اسی شاہراہ پر واقع تھیں۔

**آیت ۸۰** ﴿وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور (اسی طرح) حجر والوں نے بھی مرسلین کو جھٹلایا۔“

اصحاب الحجر سے مراد قوم ثمود ہے۔ قوم ثمود حجر کے علاقے میں آباد تھی اور ان کی طرف حضرت صالح علیہ السلام مبعوث کیے گئے تھے۔ جیسے حضرت ہود علیہ السلام کی قوم عاد کا ذکر ”احقاف“ کے حوالے سے بھی ہوا ہے (ملاحظہ ہو سورۃ الاحقاف) جو اس قوم کا علاقہ تھا اسی طرح قوم ثمود کا ذکر یہاں ”اصحاب الحجر“ کے نام سے ہوا ہے۔ یہاں پر ”مرسلین“ کے لفظ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم میں پہلے بہت سے انبیاء آئے اور پھر آخر میں رسول کی حیثیت سے حضرت صالح علیہ السلام تشریف لائے۔

**آیت ۸۱** ﴿وَاتَيْنَهُمُ الْبَيْتَ فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ﴾ ”اور انہیں ہم نے اپنی آیات عطا کیں لیکن وہ ان سے اعراض ہی کرتے رہے۔“

قوم ثمود کو بطور خاص اونٹنی کی صورت میں حسی معجزہ دکھایا گیا تھا کہ ایک چٹان شق ہوئی اور اس کے اندر سے ایک خوبصورت گاہن اونٹنی برآمد ہو گئی۔

**آیت ۸۲** ﴿وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ﴾ ”اور وہ پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے امن و سکون کے ساتھ۔“

قوم ثمود کے یہ گھر آج بھی موجود ہیں اور دیکھنے والوں کو دعوتِ عبرت دے رہے ہیں۔ میں نے خود بھی ان کا مشاہدہ کیا ہے۔

آیت ۸۳ ﴿فَاخَذَتْهُمْ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۝﴾ ”تو انہیں آپکڑا ایک چنگھاڑنے صبح کے وقت۔“

آیت ۸۴ ﴿فَمَا أَغْنَىٰ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۝﴾ ”تو کچھ کام نہ آسکا اُن کے جو وہ کماتے تھے۔“

وہ خوشحال قوم تھی مگر انہوں نے جو مال و اسباب جمع کر رکھا تھا وہ انہیں عذاب الہی سے بچانے کے لیے کچھ بھی مفید ثابت نہ ہو سکا۔

اس سورہ مبارکہ میں اب تک تین رسولوں کا ذکر ”انباء الرسل“ کے انداز میں ہوا ہے۔ ان میں سے حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہ السلام کا نام لیے بغیر ان کی قوموں کا ذکر کیا گیا ہے جب کہ حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر نام لے کر کیا گیا ہے۔ اس کے برعکس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر یہاں بھی قصص النبیین کے انداز میں آیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح سورہ ہود میں آیا تھا۔

اس سورہ کی آخری پندرہ آیات دعوتِ دین کے اعتبار سے بہت اہم ہیں۔

### آیات ۸۵ تا ۹۹

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَأْتِيَةٌ ۖ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَبِيلَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ ۚ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ۚ لَا تَتَدَنَّ عَيْنُكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَخَفَضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ۚ وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ۚ كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ۚ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۚ فَوَرَبِّكَ لَنَسْتَلْهُمْ أَجْمَعِينَ ۚ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۚ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۚ إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۚ الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۚ وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۚ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۚ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۚ

آیت ۸۵ ﴿وَمَا خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ﴾ ”اور ہم نے نہیں تخلیق کیا

آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ۔“

یہ کائنات ایک بامقصد تخلیق ہے، کوئی کھیل تماشا نہیں۔ ہندو ماتھا لوجی کی طرز پر یہ کوئی رام کی لیلہ نہیں ہے کہ رام جی جس کو چاہیں راجہ بنا کر تخت پر بٹھادیں اور جسے چاہیں تخت سے نیچے پٹخ دیں، بلکہ یہ کائنات اور اس کی ایک ایک چیز کی تخلیق بامعنی اور بامقصد ہے۔ اس حقیقت کو سورہ آل عمران میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

﴿وَبَنَّا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝﴾ ”اے ہمارے رب! تو نے یہ کائنات بے مقصد نہیں بنائی، تیری ذات اس سے بہت اعلیٰ اور پاک ہے لہذا ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔“

﴿وَإِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ﴾ ”اور یقیناً قیامت آکر رہے گی“

چونکہ یہ کائنات اور اس کی ہر چیز حق کے ساتھ تخلیق کی گئی ہے، لہذا اس حق کا منطقی تقاضا ہے کہ ایک یوم حساب آئے لہذا قیامت آکر رہے گی۔ اس کائنات کا بغور جائزہ لینے سے یہ حقیقت عیاں ہوتی ہے کہ اس کی تمام چیزیں انسان کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ اگر واقعی ایسا ہے تو منطقی سوال اٹھتا ہے کہ پھر انسان کو کس لیے پیدا کیا گیا ہے؟ اور انسان کے اندر جو اخلاقی حس پیدا کی گئی ہے، اسے پیدائشی طور پر نیکی اور بدی کی جو تمیز دی گئی ہے یہاں دنیا میں اس سے کیا نتائج برآمد ہو رہے ہیں؟ اس دنیا میں تو اخلاقیات کے اصولوں کے برعکس نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہاں چور ڈاکو اور لیرے عیش کرتے نظر آتے ہیں اور نیک سیرت لوگ فاقے کرنے پر مجبور ہیں۔ لہذا اس صورت حال کا منطقی تقاضا ہے کہ اس دنیا کے بعد ایک اور دنیا ہو جس میں ہر شخص کا پورا پورا حساب ہو اور ہر شخص کو ایسا صلہ اور بدلہ ملے جو اس کے اعمال کے عین مطابق ہو۔

﴿فَاصْفَحْ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ﴾ ”تو (اے نبی ﷺ) آپ ان سے خوبصورتی کے ساتھ

درگزر کریں۔“

یہ مجرم لوگ ہماری پکڑ سے بچ نہیں سکیں گے۔ قیامت آئے گی اور یہ لوگ ضرور کفر کردار کو پہنچیں گے، مگر ابھی ہم انہیں ڈھیل دینا چاہتے ہیں، مزید کچھ دیر کے لیے مہلت دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ فی الحال ان کی دل آزار باتیں برداشت کریں، ان کی معاندانہ سرگرمیوں کے جواب میں صبر کریں اور احسن انداز میں اس سب کچھ کو نظر انداز کر دیں۔ اس رویے اور ایسے طرز عمل سے آپ ﷺ کے درجات بلند ہوں گے۔

**آیت ۸۶** ﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلْقُ الْعَلِيمُ﴾ ”یقیناً آپ کا رب پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے۔“

وہ جو پیدا کرنے والا ہے، اپنی مخلوق کو خوب جانتا بھی ہے۔ سورۃ الملک میں فرمایا گیا: ﴿الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ ”جو علم میں نہیں ہوگا جس نے پیدا کیا؟ بلکہ وہ تو نہایت باریک بین باخبر ہے۔“ کسی مشین کو بنانے والا اس کے تمام کل پرزوں سے خوب واقف ہوتا ہے۔

**آیت ۸۷** ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِي وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ﴾ ”اور ہم نے آپ کو دی ہیں

سات بار بار پڑھی جانے والی آیات اور عظمت والا قرآن۔“

اس پر تقریباً تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں سات بار بار دہرائے جانے والی آیات سے مراد سورۃ الفاتحہ ہے۔ حدیث میں سورۃ الفاتحہ کو نماز کا لازمی جزو قرار دیا گیا ہے: ((لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ)) (متفق علیہ) یعنی جو شخص (نماز میں) سورۃ الفاتحہ نہیں پڑھتا اس کی نماز نہیں۔ قبل ازیں سورۃ الفاتحہ کے مطالعے کے دوران ہم وہ حدیث قدسی بھی پڑھ چکے ہیں جس میں سورۃ الفاتحہ ہی کو نماز قرار دیا گیا ہے: ((قَسَمْتُ الصَّلَاةَ بَيْنِي وَبَيْنَ عَبْدِي نِصْفَيْنِ.....)) (رواہ مسلم) اب جبکہ ہر نمازی اپنی نماز کی ہر رکعت میں سورۃ الفاتحہ کی تلاوت کر رہا ہے تو اندازہ کریں کہ دنیا بھر میں ان سات آیات کی تلاوت کتنی مرتبہ ہوتی ہوگی۔ اس کے علاوہ آیت زیر نظر میں اس سورۃ کو ”قرآن عظیم“ کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یعنی اہمیت اور فضیلت کے اعتبار

سے سورۃ الفاتحہ قرآن عظیم کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی بنیاد پر اس سورت کو اساس القرآن اور اُم القرآن قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اسے الکافیہ (کفایت کرنے والی) اور الشافیہ (شفادینے والی) جیسے نام بھی دیے گئے ہیں۔ ایک حدیث کے مطابق سورۃ الفاتحہ جیسی کوئی سورت نہ تورات میں ہے نہ انجیل میں اور نہ ہی قرآن میں۔ چنانچہ یہاں حضور ﷺ کی دلجوئی کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی دیکھیں ہم نے آپ کو اتنا بڑا خزانہ عطا فرمایا ہے۔ ابو جہل اگر خود کو مالدار سمجھتا ہے، ولید بن مغیرہ اپنے زعم میں اگر بہت بڑا سردار ہے تو آپ (ﷺ) مطلق پروانہ کریں۔ ان لوگوں کی سوچ کے اپنے پیمانے ہیں۔ ان بد بختوں کو کیا معلوم کہ ہم نے آپ کو کتنی بڑی دولت سے نوازا ہے!

**آیت ۸۸ ﴿لَا تَمْلِكُنَّ عُيُنُكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِنْهُمْ﴾** ”آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اُس مال و متاع کی طرف جو ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے“

ابو جہل کی دولت و شوکت، ولید بن مغیرہ کے باغات اور ان جیسے دوسرے کافروں کی جاگیریں آپ کو ہرگز متاثر نہ کریں۔ آپ ان کی ان چیزوں کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ اگر دینا و مافیہا کی حیثیت اللہ کی نگاہ میں چمچر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی تک نہ دیتا۔ چنانچہ ان کفار کو جو مال و متاع اس دنیا میں دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کچھ اہمیت نہیں ہے۔ اہل ایمان کو بھی چاہیے کہ وہ بھی مال و دولت دنیا کو اسی نظر سے دیکھیں۔

**﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ﴾** ”اور آپ ان کی حالت پر غم نہ کریں“

یہ لوگ آپ کی دعوت کو ٹھکرا کر عذاب کے مستحق ہو رہے ہیں۔ ان میں آپ کے قبیلے کے افراد بھی شامل ہیں اور ابولہب جیسے عزیز و اقارب بھی مگر آپ اب ان لوگوں کے انجام کے بارے میں بالکل پریشان نہ ہوں۔ **﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾** ”اور اہل ایمان کے لیے اپنے بازو جھکا کر رکھیں۔“

اہل ایمان کے ساتھ آپ (ﷺ) شفقت اور مہربانی سے پیش آئیں۔ ان لوگوں میں فقراء و مساکین بھی ہیں اور غلام بھی۔ یہ لوگ جب آپ کے پاس حاضر ہوں تو کمال تواضع سے ان کا استقبال کیجیے اور ان کی دلجوئی فرمائیے۔ اس سے قبل یہی بات اس انداز میں بیان فرمائی گئی ہے: **﴿فَقُلْ سَلِّمْ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾** (الانعام: ۵۴)۔ سورۃ الشعراء میں بھی اس مضمون کو ان الفاظ میں دہرایا گیا ہے: **﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾** کہ اہل ایمان جو آپ (ﷺ) کی پیروی کر رہے ہیں آپ اپنے کندھے ان کے لیے جھکا کر رکھیے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں والدین کے ادب و احترام کے سلسلے میں بھی یہی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں کہ اولاد اپنے والدین کے ساتھ ادب، محبت، عاجزی اور انکساری کا معاملہ کرے۔

**آیت ۸۹ ﴿وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ﴾** ”اور کہہ دیجیے کہ میں تو کھلم کھلا خبردار کرنے والا ہوں۔“

میری اس کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں ہے کہ آپ لوگوں کو واضح طور پر خبردار کر دوں۔

**آیت ۹۰ ﴿كَمَا أَنزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ﴾** ”جیسے کہ ہم نے نازل کیا ان تقسیم کرنے والوں پر۔“



**آیت ۹۱** ﴿الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ۙ﴾ ”جنہوں نے (اپنے) قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔“ اس آیت کے مفہوم کے سلسلے میں مفسرین نے مختلف آراء بیان کی ہیں۔ اس ضمن میں زیادہ قرین قیاس رائے یہ ہے کہ یہاں لفظ ”قرآن“ کا اطلاق تورات پر ہوا ہے۔ جیسا کہ سورہ سبا کی آیت ۳۱ میں فرمایا گیا: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِهَذَا الْقُرْآنِ وَلَا بِالَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ یعنی کفار کہتے ہیں کہ نہ اس قرآن پر ایمان لاؤ اور نہ اس پر جو اس سے پہلے تھا۔ تو گویا تورات بھی قرآن ہی تھا اور یہود نے اپنے مفادات کے لیے اپنے اس قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ ان کے اس کارنامے کا تذکرہ سورۃ الانعام کی آیت ۹۱ میں اس طرح ہوا ہے: ﴿تَجْعَلُونَهُ قَرَاطِيسَ تُبْدُونَهَا وَتُخْفُونَ كَثِيرًا﴾ ”تم نے اس (تورات) کو ورق ورق کر دیا ہے ان میں سے کسی حصے کو ظاہر کرتے ہو اور اکثر کو چھپا کر رکھتے ہو۔“

**آیت ۹۲** ﴿فَرَدَّكَ لَنَسْتَعْلَمَهُمْ أَجْمَعِينَ ۙ﴾ ”تو (اے محمد ﷺ!) آپ کے رب کی قسم! ہم ان سب سے پوچھ کر رہیں گے۔“

اس آیت کا مضمون اور انداز وہی ہے جو اس سے پہلے ہم سورۃ الاعراف میں پڑھ چکے ہیں: ﴿فَلَنَسْتَعْلَمَ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْتَعْلَمَ الْمُرْسَلِينَ ۙ﴾ ”ہم لازماً پوچھ کر رہیں گے ان سے بھی جن کی طرف رسول کو بھیجا گیا اور ان سے بھی جن کو رسول بنا کر بھیجا گیا۔“ چنانچہ اے نبی (ﷺ) یہ تھوڑے وقت کی بات ہے، ہم ان سے ایک ایک چیز کا حساب لے کر رہیں گے۔

**آیت ۹۳** ﴿عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۙ﴾ ”جو کچھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔“

**آیت ۹۴** ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ۙ﴾ ”اب آپ علی الاعلان بیان کریں جس کا آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اور ان مشرکوں کی ذرا پروا نہ کریں۔“

اس حکم کو رسول اللہ ﷺ کی دعوتی تحریک میں ایک نئے موڑ کی حیثیت حاصل ہے۔ اس سے قبل آپ ﷺ اپنے قریبی ساتھیوں اور رشتہ داروں کو انفرادی طور پر دعوت دے رہے تھے جیسے آپ ﷺ نے اپنی زوجہ محترمہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے بات کی، اپنے پرانے دوست حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دعوت دی، اپنے چچا زاد بھائی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اعتماد میں لیا جو آپ کے زیر کفالت بھی تھے اور اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے بھی بات کی۔ آپ ﷺ کی اس انفرادی دعوت کا سلسلہ ابتدائی طور پر تقریباً تین سال پر محیط نظر آتا ہے۔ بعض لوگ اس دور کی دعوت کو ایک خفیہ (underground) تحریک سے تعبیر کرتے ہیں مگر یہ درست نہیں۔ اعلان نبوت کے بعد آپ ﷺ کی سیرت میں کوئی دن بھی ایسا نہیں آیا جس میں آپ ﷺ نے اپنی اس دعوت کو خفیہ رکھا ہو، مگر ایسا ضرور ہے کہ آپ ﷺ کی دعوت فطری اور تدریجی انداز میں آگے بڑھی اور آہستہ آہستہ ارتقا پذیر ہوئی۔

اس دعوت کا آغاز گھر سے ہوا، پھر آپ ﷺ تعلق اور قرابت داری کی بنیاد پر مختلف افراد کو انفرادی انداز میں دعوت دیتے رہے اور پھر تقریباً تین سال کے بعد آپ ﷺ کو حکم ہوا کہ اب آپ ﷺ علی الاعلان یہ دعوت

دینا شروع کر دیں۔ اس حکم کے بعد آپ ﷺ نے ایک دن عرب کے رواج کے مطابق کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو اونچی آواز سے اپنی طرف بلانا شروع کیا۔ عرب میں رواج تھا کہ کسی اہم خبر کا اعلان کرنا ہوتا تو ایک آدمی اپنا پورا لباس اتارتا، بالکل ننگا ہو کر کسی اونچی جگہ پر چڑھ جاتا اور ”وَاصْبَا حَا“ کا نعرہ لگاتا کہ ہائے وہ صبح جو آیا چاہتی ہے! یعنی میں تم لوگوں کو آنے والی صبح کی خبر دینے والا ہوں! اس زمانے میں ایسی خبر عام طور پر کسی مخالف قبیلہ کے شب خون مارنے کے بارے میں ہوتی تھی کہ فلاں قبیلہ آج صبح سویرے تم پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کو ”نذیرِ عریاں“ کہا جاتا تھا۔ اس رواج کے مطابق (لباس اتارنے کی بیہودہ رسم کو چھوڑ کر) آپ ﷺ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر ”وَاصْبَا حَا“ کا نعرہ لگایا۔ جس جس نے آپ ﷺ کی آواز سنی وہ بھاگ بھاگ آپ ﷺ کے پاس آ پہنچا کہ آپ ﷺ کوئی اہم خبر دینے والے ہیں۔ جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ ﷺ نے ان کے سامنے اللہ کا پیغام پیش کیا جس کے جواب میں آپ کے بد بخت چچا ابولہب نے کہا: تَبَّا لَكَ الْكَلْبُذَا جَمَعْتَنَا؟ ☆ ”تمہارے لیے ہلاکت ہو (نعوذ باللہ) اس کام کے لیے تم نے ہمیں جمع کیا تھا؟“ دعوت کو ڈنکے کی چوٹ بیان کرنے کے اس حکم اور اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت نبوت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی۔

**آیت ۹۵ ﴿إِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۚ﴾** ”ہم آپ کی طرف سے کافی ہیں ان استہزا کرنے والوں (سے نمٹنے) کے لیے۔“

آپ ان کی مخالفت کی پروا نہ کریں، ہم ان سے اچھی طرح نمٹ لیں گے۔ یہ لوگ آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکیں گے۔

**آیت ۹۶ ﴿الَّذِينَ يَجْعَلُونَ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۙ﴾** ”جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود گھڑے بیٹھے ہیں۔ تو عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا۔“

ایسے لوگوں کو بہت جلد معلوم ہو جائے گا کہ اصل حقیقت کیا تھی اور وہ کن گمراہیوں میں پڑے ہوئے تھے۔

**آیت ۹۷ ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّكَ يَصْنِقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُولُونَ ۙ﴾** ”اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے ان کی باتوں سے۔“

علی الاعلان دعوت کی وجہ سے مخالفت کا ایک طوفان آپ پر اُمڈ آیا تھا۔ پہلے مرحلے میں یہ مخالفت اگرچہ زبانی طعن و تشنیع اور بدگوئی تک محدود تھی مگر بہت تکلیف دہ تھی۔ کسی نے مجنون اور کاہن کہہ دیا، کسی نے شاعر کا خطاب دے دیا۔ کوئی دور کی کوڑی لایا کہ آپ نے گھر میں ایک عجمی غلام چھپا رکھا ہے، اس سے معلومات لے کر ہم پردھونس جاتے ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو واقعی سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ پر آسیب وغیرہ کے اثرات ہو گئے ہیں۔ ایسے لوگ ازراہ ہمدردی ایسی باتوں کا اظہار کرتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ نے اسی طرح آپ ﷺ سے اظہارِ ہمدردی کیا۔ وہ قبیلے کا معمر بزرگ تھا۔ اس نے کہا: اے میرے بھتیجے، بڑے بڑے عاملوں ☆ ابولہب کے اس قول کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایک پوری سورہ ”الطہ“ نازل فرمائی، جس کی پہلی آیت میں ہی فرمایا: ﴿تَبَّتْ يُدَا أَيْمُنُ لَهَا وَتَبَّ ۙ﴾ ”ابولہب کے ہاتھ ٹوٹیں اور وہ ہلاک ہو۔“ (مرتب)

اور کاہنوں سے میرے تعلقات ہیں، آپ (ﷺ) کہیں تو میں ان میں سے کسی کو بلا لاؤں اور آپ کا علاج کراؤں؟ ان سب باتوں سے آپ کو بہت تکلیف ہوتی تھی اور آپ کی اسی تکلیف اور دل کی گھٹن کا یہاں تذکرہ کیا جا رہا ہے کہ اے نبی! ان لوگوں کی بیہودہ باتوں سے آپ کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ ہمارے علم میں ہے۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۳۳ میں بھی گزر چکا ہے۔

**آیت ۹۸** ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِنَ السَّاجِدِينَ ۝۹۸﴾ ”پس آپ تسبیح کیجیے اپنے رب کی حمد کے ساتھ اور سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جائیے۔“

آپ اپنے رب کی تسبیح و تحمید میں مشغول رہیں۔ اسی کے آگے جھکے رہیں اور اس طرح اپنے تعلق مع اللہ کو مزید مضبوط کریں۔ اللہ سے اپنے اس قلبی اور ذہنی رشتے کو جتنا مضبوط کریں گے اسی قدر آپ (ﷺ) کے دل کو سکون و اطمینان ملے گا اور صبر و استقامت کے رستے پر چلنا اور ان سختیوں کو بھیلنا آپ کے لیے آسان ہوگا۔

**آیت ۹۹** ﴿وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتَّىٰ يَأْتِيَكَ الْيَقِينُ ۝۹۹﴾ ”اور اپنے رب کی بندگی میں لگے رہیں یہاں تک کہ یقینی شے وقوع پذیر ہو جائے۔“

عام طور پر یہاں ”یقین“ سے موت مراد لی گئی ہے۔ یعنی اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک اس کی بندگی میں لگے رہیے اور اس سلسلے میں لمحہ بھر کے لیے بھی غفلت نہ کیجیے:

تا دم آخر دمے فارغ مباش

اندریں رہے تراش و مے خراش!

بعض لوگ یہاں ”یقین“ سے اللہ تعالیٰ کی نصرت بھی مراد لیتے ہیں کہ کفار کے خلاف اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آجائے، اُس کی مدد اہل حق کے شامل حال ہو جائے اور انہیں کفار پر غلبہ حاصل ہو جائے۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم، ونفعنی وإیاکم بالآیات والذکر الحکیم ۰۰

# سُورَةُ النَّحْلِ

## تمہیدی کلمات

سورہ یونس سے شروع ہونے والے کئی سورتوں کے طویل سلسلے کی اب تک ہم چھ سورتوں کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ ان چھ سورتوں کو بھی ہم نے تین تین سورتوں کے مزید دو ذیلی گروپس میں تقسیم کیا تھا۔ پہلے گروپ میں شامل تین سورتیں (یونس، ہود اور یوسف) نسبتاً طویل ہیں جبکہ دوسرے گروپ کی سورتیں (الرعد، ابراہیم اور الحجر) نسبتاً چھوٹی ہیں۔ دوسرے گروپ کی ان سورتوں میں پہلی دو یعنی سورۃ الرعد اور سورۃ ابراہیم میں نسبت زوجیت ہے جبکہ سورۃ الحجر بالکل منفرد نوعیت کی سورۃ ہے۔ اب سورۃ النحل سے کئی سورتوں کے اس طویل سلسلے کے تیسرے ذیلی گروپ کا آغاز ہو رہا ہے۔ اس گروپ میں سورۃ النحل، سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف شامل ہیں۔ یہ تینوں سورتیں بھی نسبتاً طویل ہیں۔ ان میں سورۃ النحل منفرد ہے جبکہ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف میں جوڑے کا تعلق ہے۔

سورۃ النحل کا زمانہ نزول مکہ کا آخری دور معلوم ہوتا ہے۔ اس سورۃ کی خاص اہمیت یہ ہے کہ اس میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر بہت جامعیت کے ساتھ ہوا ہے اور اس کے مضامین کی سورۃ الانعام اور سورۃ الروم کے مضامین کے ساتھ گہری مشابہت پائی جاتی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۱ تا ۹

اَنۡیۡ اَمَرَ اللّٰہِ فَلَآ تَسۡتَعۡجِلُوۡہٗ ط سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرَکُوۡنَ ۝ یُنۡزِلُ الْمَکِیۡکَہَ بِالرُّوۡحِ مِنْ اَمۡرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ اَنْ اُنۡذِرُوۡا اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاتَّقُوۡنَ ۝ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرۡضَ بِالْحَقِّ ط تَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرَکُوۡنَ ۝ خَلَقَ الْاِنۡسَانَ مِنْ تُطۡفَۃٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیۡمٌ مُّبِیۡنٌ ۝ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَہَا لَکُمۡ فِیہَا دِفٌّ وَّمِنَافِعٌ وَمِنۡہَا تَاۡکُلُوۡنَ ۝ وَلَکُمۡ فِیہَا جَمَآلٌ حِیۡنَ تُرۡجَوۡنَ وَحِیۡنَ تَسۡرَحُوۡنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَنْۡقَالَکُمۡ اِلٰی بَلَدٍ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا لِبَغِیۡہِ اِلَّا بِیۡشَقٍ الْاَنۡفِیۡسِ ط اِنَّ رَکۡبَکُمۡ لَرَّعُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۝ وَالْخِیۡلَ وَالۡبِغَالَ وَالْحَمِیۡرَ لِتَرْکَبُوۡہَا وَزِیۡنَۃٌ وَیَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝ وَعَلٰی اللّٰہِ قَصۡدُ السَّیۡلِ وَمِنۡہَا جَابِطٌ وَکُوۡشٌ لَّہٰدِکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ۝

**آیت ۱** ﴿أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ﴾ ”اللہ کا حکم آن پہنچا ہے، پس تم جلدی مت مچاؤ۔“

جب ہم نے اپنا رسول بھیج دیا اور اس پر اپنا کلام بھی نازل کرنا شروع کر دیا ہے تو گویا فیصلہ کن وقت آن پہنچا ہے۔ اب معاملہ صرف مہلت کے دورانیے کا ہے کہ ہمارے رسول اور ہمارے پیغام کا انکار کرنے والوں کو مشیت الہی کے مطابق کس قدر مہلت ملتی ہے۔ بہر حال اب جلدی مچانے کی ضرورت نہیں۔ اللہ کا عذاب بس اب آیا ہی چاہتا ہے اس کے لیے اب بہت زیادہ وقت نہیں رہ گیا۔

﴿سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝۱﴾ ”وہ پاک اور بلند و بالا ہے اُس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔“

**آیت ۲** ﴿يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنْزِلُوا أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ۝۲﴾ ”وہ اتارتا ہے فرشتوں کو اپنے امر کی روح کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے کہ خبردار کر دو (میرے بندوں کو) کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تم میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔“

بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ سے مراد اللہ کی وحی ہے۔ یعنی حضرت محمد ﷺ کو اللہ نے اپنی وحی کے لیے چُن لیا اور آپ ﷺ کی طرف حضرت جبرائیلؑ وحی لے کر آئے۔ یہاں پر لفظ ”امر“ کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ میں فرمایا گیا: ﴿إِلَّا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ ”آگاہ ہو جاؤ اُسی کے لیے خلق ہے اور اُسی کے لیے امر“ یعنی عالم خلق اور عالم امر دو الگ الگ عالم ہیں۔ عالم امر کا معاملہ یہ ہے کہ اُس میں وقت کا عامل بالکل کارفرما نہیں۔ اس عالم میں کسی کام کے کرنے یا کوئی واقعہ وقوع پذیر ہونے میں وقت درکار نہیں ہوتا۔ بس اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے اور اس کے ”کُنْ“ فرمانے سے وہ کام ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ یس میں فرمایا گیا: ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۝۳۶﴾ ”اُس کا امر تو یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس یہی ہوتا کہ وہ اسے کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔“

اس کے برعکس عالم خلق میں کسی کام کے پایہ تکمیل تک پہنچنے میں وقت درکار ہوتا ہے۔ جیسے قرآن میں متعدد بار فرمایا گیا کہ اللہ نے زمین و آسمان چھ دنوں میں تخلیق کیے۔ اسی طرح دنیا کا سارا نظام عالم خلق کے اصولوں پر چل رہا ہے۔ مثلاً آم کی کھٹھلی سے کوئلیں پھوٹی ہیں، پھر بڑھتی ہیں اور پھر آہستہ آہستہ ایک تناور درخت بن جاتا ہے۔ اس سارے عمل میں وقت درکار ہوتا ہے۔

یہاں پر روح کے ذکر کے حوالے سے یہ بات اہم ہے کہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے۔ عالم امر کی صرف تین چیزیں ہی ہمارے علم میں ہیں۔ ملائکہ روح اور وحی۔ قرآن میں ملائکہ کو بھی روح کہا گیا ہے۔ جیسے حضرت جبرائیلؑ کے لیے روح القدس اور روح الامین کے الفاظ آئے ہیں۔ سورۃ الشعراء میں فرمایا گیا: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝۱۶﴾ جبکہ سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۷ میں ارشاد ہوا: ﴿وَإِذْ نَفَخْنَا فِيهِ مِنْ رُوحِنَا﴾ ”اُسی طرح قرآن میں وحی کو بھی روح کہا گیا ہے، اور یہ وحی نازل بھی روح پر ہوتی ہے۔ جب محمد رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو آپ ﷺ اس کا ادراک طبعی حواسِ خمسہ سے نہیں کرتے تھے بلکہ وحی براہِ راست آپ ﷺ کے قلب مبارک پر نازل ہوتی تھی۔ اس لیے کہ قلب محمدیؐ روح محمدیؐ کا مسکن تھا: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝۱۶﴾

عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴿۳۸﴾ (اشعراء)۔ چنانچہ وحی بھی روح ہے، اس کو لانے والے جبرائیل امین بھی روح ہیں اور اس کا نزول بھی روح محمدی ﷺ پر ہو رہا ہے۔ اس سلسلے میں جگر مراد آبادی کا یہ شعر ان کی کسی خاص کیفیت کا مظہر معلوم ہوتا ہے۔

نغمہ وہی ہے نغمہ کہ جس کو روح سنے اور روح سُنائے!

**آیت ۳** ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ تَعٰلٰی عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳﴾﴾ ”اُس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ۔ وہ بہت بلند ہے اس شرک سے جو وہ کرتے ہیں۔“

**آیت ۴** ﴿خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ ۖ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴﴾﴾ ”اُس نے پیدا کیا انسان کو گندے پانی کی بوند سے، پھر یکا یک وہ بن گیا کھلا جھگڑالو۔“

انسان اپنے خود ساختہ نظریات کے حق میں خوب بحثیں کرتا ہے، عقلی و نقلی دلیلیں دیتا ہے اور زور و خطابت سے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔

**آیت ۵** ﴿وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَمَنْفَعٌ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۵﴾﴾ ”اور چوپایوں کو بھی اُس نے پیدا کیا، ان میں تمہارے لیے گرمی کا سامان اور کئی دوسرے فائدے بھی ہیں، اور ان میں سے تم کھاتے بھی ہو۔“

بعض جانوروں کی اون سے تم لوگ لباس بننے ہو، جو سردی کے موسم میں تمہیں گرمی پہنچاتا ہے، بعض جانوروں کے بالوں سے بہت سی دوسری چیزیں بناتے ہو۔ اسی طرح یہ جانور اور بھی بہت سی صورتوں میں تمہارے لیے مفید اور مددگار ہوتے ہیں، حتیٰ کہ تمہاری خوراک کی بیشتر ضروریات بھی انہی سے پوری ہوتی ہیں۔

**آیت ۶** ﴿وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ ۚ حٰنِيْنَ قُرِيْضُوْنَ وَّحٰنِيْنَ تَسْرٰحُوْنَ ﴿۶﴾﴾ ”اور تمہارے لیے ان میں بڑی شان و شوکت ہے جب تم شام کو انہیں چرا کر لاتے ہو اور جب (صبح کے وقت) چرانے کے لیے لے جاتے ہو۔“

دیہاتی ماحول میں مویشیوں کی حیثیت بہت قیمتی سرمائے کی سی ہوتی ہے، اسی لیے انہیں مال مویشی کہا جاتا ہے۔ یہ جانور جب صبح چرنے کے لیے جاتے ہیں یا شام کے وقت جنگل سے چر کر واپس آرہے ہوتے ہیں تو ان کے مالکوں کے لیے یہ بڑا خوش کن منظر ہوتا ہے۔ جانوروں کا غلہ یا ریوڑ جتنا بڑا ہوگا، اس کے مالک کی حیثیت اور شان و شوکت اسی قدر زیادہ سمجھی جائے گی۔

**آیت ۷** ﴿وَتَحْمِلْ اَنْفَاكُمُ الْاِلٰی بَلَدٍ ۚ لَّمْ تَكُوْنُوْا بِالْغَيْهِ ۚ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۚ﴾ ”اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں ایسی بستیوں کی طرف جن تک تم نہیں پہنچنے والے ہوتے مگر جان توڑ کر۔“

ان میں ایسے جانور بھی ہیں جو سارے سامان کے نقل و حمل میں تمہارے کام آتے ہیں اور ان کے بغیر تم یہ بھاری چیزیں اٹھا کر دور دراز علاقوں تک نہیں پہنچا سکتے۔

﴿إِنَّ رَبَّكُمْ لَكَرِيمٌ ذُو فَضْلٍ ۝۸﴾ ”یقیناً تمہارا رب شفقت فرمانے والا مہربان ہے۔“  
**آیت ۸** ﴿وَالْخَيْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِيرِ لَتَكُنَّ لَهَا زِينَةً ۝۹﴾ ”اور (اسی نے پیدا کیے) گھوڑے اور ٹخڑ اور گدھے کہ تم ان پر سواری کرو اور (تمہارے لیے ہے اُن میں) زینت بھی۔“  
 ان مویشیوں سے انسان کو بہت سے فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں اور یہ اس کے لیے باعثِ زیب و زینت بھی ہیں۔ خصوصی طور پر گھوڑا بہت حسین اور قیمتی جانور ہے اور اس کا مالک اسے اپنے لیے باعثِ فخر و تمکنت سمجھتا ہے۔

﴿وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝۱۰﴾ ”اور (ایسی چیزیں بھی) وہ پیدا کرتا ہے جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔“  
 یعنی یہ تو چند وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں تم لوگ جانتے ہو مگر اللہ تعالیٰ تو بے شمار ایسی چیزیں بھی تخلیق فرماتا ہے جن کے بارے میں تمہیں کچھ بھی علم نہیں۔  
**آیت ۹** ﴿وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَاؤُا ۝۱۱﴾ ”اور اللہ تک پہنچانے والا سیدھا راستہ ہے اور ان میں کچھ ٹیڑھے بھی ہیں۔“

یہ سیدھا راستہ تو حید کا راستہ ہے۔ یہاں اس راستے کو ”قصد السبیل“ کا نام دیا گیا ہے۔ قرآن میں اسے صراطِ مستقیم بھی کہا گیا ہے اور سو آء السبیل بھی۔ یہی ایک راستہ ہے جو انسان کو اللہ تک پہنچاتا ہے، مگر بہت سے لوگ اس راستے سے بھٹک کر ٹیڑھی میڑھی پگھلنڈیوں پر مڑ جاتے ہیں جو انہیں گمراہی کے گڑھوں میں گرا دیتی ہیں۔

﴿وَلَوْ شَاءَ لَهَدَيْنَاكُمْ أَجْمَعِينَ ۝۱۲﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت دے دیتا۔“  
 اللہ اگر چاہتا تو سب انسانوں کو اسی ایک سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق اور سمجھ بوجھ دے دیتا۔

## آیات ۱۰ تا ۲۳

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ ۝۱۰ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝۱۱ يُنْزِلُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ ۝۱۲ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۝۱۳ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّأَكْفِكَ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝۱۴ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝۱۵ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۝۱۶ وَالنَّجْمُ مَسَاحِرٌ ۝۱۷ بِأَمْرِهِ ۝۱۸ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝۱۹ وَمَا ذَرَأَ لَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ ۝۲۰ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذْكُرُونَ ۝۲۱ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا ۝۲۲ وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حُلِيَةً تَلْبَسُونَهَا ۝۲۳ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاجِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۝۲۴ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۲۵ وَالْفُيُ فِي الْأَرْضِ رَوَاسِي أَنْ تُمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝۲۶ وَعَلَمَاتٌ ۝۲۷ وَالنَّجْمُ هُمْ يَهْتَدُونَ ۝۲۸ أَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ ۝۲۹

أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ وَإِنْ تَعْدُوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصَوْهَا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَعَفُوفٌ رَحِيمٌ ۝ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تَعْلِنُونَ ۝ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ۚ أَمْواتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُونَ ۚ أَتَيَّانَ يَبْعَثُونَ ۚ إِنَّهُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ فَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ قُلُوبُهُمْ مُنْكِرَةٌ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسْرُونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ ۝

**آیت ۱۰** ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ تُسِيمُونَ ۝﴾ ”وہی ہے جس نے اتارا ہے آسمان سے تمہارے لیے پانی، اسی سے ہے (تمہارا) پینا اور اسی سے ہیں درخت (نباتات وغیرہ) جن میں تم (اپنے جانوروں کو) چراتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ ہی بارش اور برف کی صورت میں بادلوں سے پانی برساتا ہے جس پر انسانی زندگی کا براہ راست انحصار ہے اور پھر یہی پانی بے شمار نباتاتی اور حیوانی مخلوقات کو زندگی بخشتا ہے جو انسان ہی کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

**آیت ۱۱** ﴿يُنَبِّئُكُمْ بِهِ الزُّرْعَ وَالزَّيْتُونَ وَالنَّخِيلَ وَالْأَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ وَهُوَ الْغَاثُ ۚ﴾ ”وہ اگاتا ہے تمہارے لیے اس (پانی) سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے پھل۔“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝﴾ ”یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کی شانِ خلاقی کے بے شمار انداز ہیں اس کی تخلیق میں لامحدود تنوع، بوقلمونی اور رنگارنگی ہے۔ چنانچہ اب ایک دوسرے پہلو سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر ہونے جا رہا ہے:

**آیت ۱۲** ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ ”اور اُس نے مسخر کر دیا تمہارے لیے رات اور دن کو“

انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں رات اپنی جگہ اہم ہے اور دن کی اپنی اہمیت ہے۔ رات میں مجموعی طور پر ایک سکون ہے۔ یہ انسانوں اور دوسرے جانداروں کے لیے باعثِ راحت ہے اس میں وہ آرام کرتے ہیں، سوتے ہیں اور صبح تازہ دم ہو کر اٹھتے ہیں۔ دوسری طرف دن میں بھاگ دوڑ، محنت، جدوجہد اور مختلف النوع انسانی سرگرمیاں ممکن ہوتی ہیں۔ اگر اس پہلو سے دنیا کے اجتماعی نظام کو دیکھا جائے تو یہ پورا نظام رات اور دن کے وجود کا مرہونِ منت نظر آتا ہے۔ نباتاتی نظام کو ہی لے لیجیے۔ اس کے لیے رات اور دن دونوں ہی ناگزیر ہیں۔ دن کو سورج کی روشنی اور تمنازت سے نباتات کے لیے Photosynthesis کا عمل ممکن ہوتا ہے جو ان کی نشوونما کے لیے ناگزیر ہے۔ فصلوں اور پھلوں کو بھی پکنے کے لیے سورج کی روشنی اور حرارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسری طرف رات کو نباتات respiration کے عمل کے ذریعے سے آکسیجن حاصل کرتے ہیں۔ گویا رات اور دن کے بغیر نباتات کا وجود ممکن ہی نہیں ہے اور انسانی زندگی میں نباتات کے عمل دخل کا تصور کریں تو اس ایک مثال سے ہی یہ حقیقت سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا دن اور رات کو انسان کے لیے مسخر کر دینا کتنی



بڑی نعمت ہے۔

﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسَخَّرَاتٌ بِأَمْرِهِ﴾ ”اور سورج اور چاند کو اور ستارے بھی مسخر ہیں اسی کے حکم سے۔“

پورا نظام شمسی اور تمام اجرام فلکی اللہ تعالیٰ کے حکم سے انسان کی نفع رسانی میں مصروف ہیں۔  
﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے۔“  
آیت ۱۳ ﴿وَمَا ذَرَأَاكُمْ فِي الْأَرْضِ مُخْتَلِفًا أَلْوَانُهُ﴾ ”اور جو چیزیں اُس نے پھیلا دی ہیں تمہارے لیے زمین میں اُن کے مختلف رنگ ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے زمین میں رنگارنگ قسم کے حیوانات، نباتات اور جمادات پیدا کیے ہیں۔  
﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ﴾ ”یقیناً اس میں بھی نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو نصیحت اخذ کریں۔“

آیت ۱۴ ﴿وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا﴾ ”اور وہی ہے جس نے سمندر کو تمہاری ضروریات پوری کرنے میں لگا دیا ہے تاکہ تم کھاؤ اس سے تازہ گوشت“  
سمندری خوراک ہمیشہ سے انسانی زندگی میں بہت اہم رہی ہے۔ دورِ جدید میں اس کی افادیت مزید نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے جس کی وجہ سے اس کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے۔  
﴿وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حَبْلًا مِّنْ قَبْضَتَيْهِ﴾ ”اور تاکہ تم نکالو اس میں سے بناؤ سنگھار کا سامان جو تم پہنتے ہو۔“

سمندر سے موتی اور بہت سی دوسری ایسی اشیاء نکالی جاتی ہیں جن سے زیورات اور آرائش و زیبائش کا سامان تیار ہوتا ہے۔

﴿وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاحِجَ فِيهِ﴾ ”اور تم دیکھتے ہو کشتیوں کو کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں اس (سمندر) میں“

﴿وَلْيَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ ”اور تاکہ تم اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم شکر کرو۔“  
آیت ۱۵ ﴿وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَن تَمِيدَ بِكُمْ وَأَنْهَارًا وَوَسْبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ ”اور اُس نے زمین میں لنگر ڈال دیے ہیں کہ تمہیں لے کر لڑھک نہ جائے اور اس میں (ندیاں بہاؤی ہیں) اور راستے (بنادیے ہیں) تاکہ تم اپنی منزلوں تک پہنچا کرو۔“

یہاں اَنْهَارًا وَوَسْبُلًا کے اکٹھے ذکر کے حوالے سے اگر دیکھا جائے تو عملی طور پر بھی ان کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ پہاڑی سلسلوں میں عام طور پر ندیوں کی گزرگاہوں کے ساتھ ساتھ ہی راستے بنتے ہیں۔ اسی طرح پہاڑوں کے درمیان قدرتی وادیاں انسانوں کی گزرگاہیں بھی بنتی ہیں اور پانی کے ریلوں کو راستے بھی فراہم کرتی ہیں۔

آیت ۱۶ ﴿وَعَلَّمَتْهُمُ بِالْجُمْحِ يَهُتَدُونَ﴾ اور دوسری علامتیں بھی ہیں۔ اور وہ ستاروں سے بھی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی مدد کے لیے زمین میں طرح طرح کی علامتیں بنائیں تاکہ مختلف علاقوں اور راستوں کی پہچان ہو سکے۔ اسی طرح آسمان کے ستاروں کو بھی سمتوں اور راستوں کے تعین کا ایک ذریعہ بنا دیا۔ پرانے زمانے میں سمندری اور صحرائی سفر رات کے وقت ستاروں کی مدد سے ہی ممکن ہوتے تھے۔

آیت ۱۷ ﴿اَفَمَنْ يَخْلُقُ كَمَنْ لَا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُونَ﴾ ”تو کیا جو (یہ سب کچھ) پیدا کرتا ہے اُن کی طرح ہے جو (کچھ بھی) پیدا نہیں کرتے؟ تو کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟“

مشرکین عرب نے مختلف ناموں سے جو بت بنا رکھے تھے اُن کے بارے میں اُن کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے ہاں ان کی سفارش کریں گے۔ سورہ یونس کی آیت ۱۸ میں ان کے اس عقیدے کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے: ﴿وَيَقُولُونَ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔“ اللہ کے بارے میں ان کا ماننا تھا کہ وہ کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا خالق ہے اور وہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ ان کے معبودوں کا اس تخلیق میں کوئی حصہ نہیں اور نہ ہی وہ کوئی چیز تخلیق کر سکتے ہیں۔ قرآن میں ان کے اس عقیدے کا بھی بار بار ذکر آیا ہے: ﴿وَلَكِنَّ سَأَلَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ﴾ (لقمان: ۲۵) ”اگر آپ اُن سے پوچھیں گے کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو تو لازماً یہی کہیں گے کہ اللہ نے!“ ان لوگوں کے اسی عقیدے کی بنیاد پر یہاں یہ سوال پوچھا گیا ہے کہ تمہارے یہ خود ساختہ معبود جو کچھ بھی تخلیق کرنے کی قدرت نہیں رکھتے، کیا اُس اللہ کی مانند ہو سکتے ہیں جو اس کائنات اور اس میں موجود ہر چیز کا خالق ہے؟ اور اگر تم تسلیم کرتے ہو کہ اس سوال کا جواب نفی میں ہے تو کیا پھر بھی تم لوگ نصیحت نہیں پکڑتے ہو؟

آیت ۱۸ ﴿وَاِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا﴾ ”اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو تو اُن کا احاطہ نہیں کر سکو گے۔“ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی گنتی تو کجا اس کی بے شمار نعمتیں ایسی ہیں جن سے انسان فیض یاب تو ہو رہا ہے لیکن ان تک انسان کے علم اور شعور کی ابھی پہنچ ہی نہیں۔

﴿اِنَّ اللَّهَ لَغَفُورٌ رَّحِيْمٌ﴾ ”یقیناً اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

آیت ۱۹ ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُسْرُونَ وَمَا تَعْلَنُونَ﴾ ”اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو۔“

آیت ۲۰ ﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾ ”اور جن کو یہ پکارتے ہیں اللہ کے سوا وہ کچھ پیدا نہیں کرتے، بلکہ وہ تو خود پیدا کیے گئے ہیں۔“

انبیاء و رسل ہوں، ملائکہ ہوں یا اولیاء اللہ سب مخلوق ہیں، خالق صرف اللہ کی ذات ہے۔

آیت ۲۱ ﴿اَمْوَاتٌ غَيْرٌ اَحْيَاءُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۚ اَيٰٓاَنَ يُّعْيَتُوْنَ﴾ ”مردہ ہیں، زندہ نہیں ہیں۔ اور وہ

نہیں جانتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔“

جن اولیاء اللہ کے ناموں پر انہوں نے بت بنا رکھے ہیں وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں، وہ فوت ہو چکے ہیں اور انہیں کچھ معلوم نہیں کہ قیامت کب برپا ہوگی اور کب انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔

**آیت ۲۲ ﴿الْهٰكُمُ الْاِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾** ”تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔“

**﴿فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْآخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكَرَةٌ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ﴾** ”تو وہ لوگ جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اُن کے دل منکر ہیں اور وہ تکبر کرتے ہیں۔“

اس نکتے کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں آخرت کا یقین نہیں ہے وہ حق بات کو قبول کرنے سے کیوں جھجکتے ہیں اور ان کے اندر استکبار کیوں پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن کا فلسفہ یہ ہے کہ جو شخص فطرتِ سلیمہ کا مالک ہے اس کے اندر اچھائی اور برائی کی تمیز موجود ہوتی ہے۔ اس کا دل اس حقیقت کا قائل ہوتا ہے کہ اچھائی کا اچھا بدلہ ملنا چاہیے اور برائی کا برا۔ ”گندم از گندم بروید، جوزِ جو!“

یہی فلسفہ یا تصور منطقی طور پر ایمان بالآخرت کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ مگر دنیا میں جب پوری طرح نیکی کی جزا اور برائی کی سزا ملتی ہوئی نظر نہیں آتی تو ایک صاحبِ شعور انسان لازمًا سوچتا ہے کہ اعمال اور اس کے نتائج کے اعتبار سے دنیوی زندگی ادھوری ہے اور اس دنیا میں انصاف کی فراہمی کما حقہ ممکن ہی نہیں۔ مثلاً اگر ایک ستر سالہ بوڑھا ایک نوجوان کو قتل کر دے تو اس دنیا کا قانون اسے کیا سزا دے گا؟ ویسے تو یہاں انصاف تک پہنچنے کے لیے بہت سے ٹکھن مراحل طے کرنے پڑتے ہیں، لیکن اگر یہ تمام مراحل طے کر کے انصاف مل بھی جائے تو قانون زیادہ سے زیادہ اس بوڑھے کو پھانسی پر لٹکا دے گا۔ لیکن کیا اس بوڑھے کی جان واقعی اس نوجوان مقتول کی جان کے برابر ہے؟ نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے۔ وہ نوجوان تو اپنے خاندان کا واحد سہارا تھا، اس کے چھوٹے چھوٹے بچے یتیم ہوئے، ایک نوجوان عورت بیوہ ہوئی، خاندان کا معاشی سہارا چھن گیا۔ اس طرح اس کے لواحقین اور خاندان کے لیے اس قتل کے اثرات کتنے گھمبیر ہوں گے اور کہاں کہاں تک پہنچیں گے، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ دوسری طرف وہ بوڑھا شخص جو اپنی طبعی عمر گزار چکا تھا، جس کے بچے خود مختار زندگیاں گزار رہے ہیں، جس کی کوئی معاشی ذمہ داری بھی نہیں ہے، اس کے پھانسی پر چڑھ جانے سے اس کے پس ماندگان پر ویسے اثرات مرتب نہیں ہوں گے جیسے اس نوجوان کی جان جانے سے اس کے پس ماندگان پر ہوئے تھے۔ ایسی صورت میں دنیا کا کوئی قانون مظلوم کو پورا پورا بدلہ دے ہی نہیں سکتا۔ ایسی مثالیں عقلی اور منطقی طور پر ثابت کرتی ہیں کہ یہ دنیا نامکمل ہے۔ اس دنیا کے معاملات اور افعال کا ادھور اپن ایک دوسری دنیا کا تقاضا کرتا ہے جس میں اس دنیا کے تشنہ تکمیل رہ جانے والے معاملات پورے انصاف کے ساتھ اپنے اپنے منطقی انجام کو پہنچیں۔ اب ایک ایسا شخص جو فطرتِ سلیمہ کا مالک ہے، اس کے شعور میں نیکی اور بدی کا ایک واضح اور غیر مبہم تصور موجود ہے، وہ لازمی طور پر آخرت کے بارے میں مذکورہ منطقی نتیجے پر پہنچے گا اور پھر وہ قرآن کے تصورِ آخرت کو قبول کرنے میں بھی پس و پیش نہیں کرے گا، مگر اس کے مقابلے میں ایک ایسا شخص جس کے شعور میں نیکی اور بدی کا واضح تصور موجود نہیں، وہ قرآن کے تصورِ آخرت پر بھی دل سے یقین نہیں رکھتا اور فکرِ آخرت سے بے نیاز ہو کر غرور اور تکبر

میں بھی مبتلا ہو چکا ہے، اُس کا دل پیغام حق کو قبول کرنے سے بھی منکر ہوگا۔ ایسے شخص کے سامنے حکیمانہ درس اور عالمانہ وعظ سب بے اثر ثابت ہوں گے۔

**آیت ۲۳** ﴿لَا جَرَمَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ ”کوئی شک نہیں کہ اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ ظاہر کرتے ہیں اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں۔“  
 ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ﴾ ”یقیناً وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

### آیات ۲۴ تا ۳۲

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أُنْزِلَ رَبُّكُمْ لَا قَالُوا إِلَّا سَاطِرُ الْأَوَّيْنِ ۖ لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۖ وَمَنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ أَكَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ۖ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَلَّ اللَّهُ بَنِيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۖ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ ۖ قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ۖ الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَالِبِينَ أَنْفُسِهِمْ ۖ فَأَلْقَوْا السَّلَامَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوءٍ ۖ بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۖ فادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَلَيْسَ مَكْنًى الْمُتَكَبِّرِينَ ۖ وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوا خَيْرٌ ۖ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۖ وَلِكُلِّ دَارٍ آخِرَةٌ خَيْرٌ ۖ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ۖ جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا يُجْرَى مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۖ كَذَلِكَ يُخْزِي اللَّهُ الْمُتَكَبِّرِينَ ۖ الَّذِينَ تَتَوَفَّوهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۖ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۖ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ۖ

**آیت ۲۴** ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ مَاذَا أُنْزِلَ رَبُّكُمْ﴾ ”اور جب اُن سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا ہے؟“

نبی اکرم ﷺ کی دعوت کا چرچا جب مکہ کے اطراف و اکناف میں ہونے لگا تو لوگ اہل مکہ سے پوچھتے کہ محمد (ﷺ) جو کہہ رہے ہیں کہ مجھ پر اللہ کا کلام نازل ہوتا ہے، تم لوگوں نے تو یہ کلام سنا ہے، چنانچہ تمہاری اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟ اس کے مضامین کیا ہیں؟

﴿قَالُوا إِلَّا سَاطِرُ الْأَوَّيْنِ﴾ ”وہ کہتے ہیں کہ پہلے لوگوں کے قصے ہیں۔“

کہ یہ کلام تو بس پرانے قصے کہانیوں پر مشتمل ہے۔ یہ سب گزشتہ قوموں کے واقعات ہیں جو ادھر ادھر

سے سن کر ہمیں سنا دیتے ہیں اور پھر ہم پر دھونس جماتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔

**آیت ۲۵ ﴿لِيَحْمِلُوا أَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ﴾** ”تاکہ یہ اٹھائیں اپنے (گناہوں کے) بوجھ پورے کے پورے قیامت کے دن“

یوں ان کے دل حق کی طرف مائل نہیں ہو رہے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ روز قیامت وہ اپنی اس گمراہی اور سرکشی کے وبال میں گرفتار ہوں گے۔

**﴿وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يَضِلُّونَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾** ”اور کچھ اُن لوگوں کے بوجھ بھی جنہیں یہ گمراہ کر رہے ہیں لاعلمی میں۔“

یعنی قیامت کے دن وہ نہ صرف اپنی گمراہی کا خمیازہ بھگتیں گے بلکہ بہت سے دوسرے لوگوں کی گمراہی کا وبال بھی ان پر ڈالا جائے گا جنہیں اپنے نام نہاد دانشورانہ مشوروں سے انہوں نے گمراہ کیا ہوگا۔ جیسے قرب و جوار کے لوگ جب اہل مکہ سے اس کلام کے بارے میں پوچھتے تھے یا مکہ کے عام لوگ قرآن سے متاثر ہو کر اپنے سرداروں سے پوچھتے تھے کہ اُن کی اس کلام کے بارے میں کیا رائے ہے؟ ایسی صورت میں یہ لوگ اپنے عوام کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے تھے کہ ہاں ہم نے بھی یہ کلام سنا ہے اس میں کوئی خاص بات نہیں ہے بس سنی سنائی باتیں ہیں اور پرانے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔

**﴿الْأَسَاءَ مَا يَرْذُونَ﴾** ”آگاہ رہو! بہت بُرا ہوگا جو بوجھ وہ اٹھائے ہوں گے۔“

**آیت ۲۶ ﴿قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾** ”(اسی طرح کی) چالیں چلی تھیں انہوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے“

ان سے پہلے بھی مختلف اقوام کے لوگوں نے ہمارے انبیاء و رسل کی مخالفت کی تھی اور ان کی دعوت کو ناکام کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے آزمائے تھے اور سازشیں کی تھیں۔

**﴿فَاتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُمْ مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ قَوْنِهِمْ﴾** ”تو اللہ حملہ آور ہوا ان کے قلعوں پر بنیادوں سے پھر گر پڑیں ان پر چھتیں ان کے اوپر سے“

جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ آیا تو مخالفین کی تمام سازشوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینکا گیا اور ان کی بستیوں کو تپکٹ کر دیا گیا۔ سدوم اور عامورہ کی بستیوں کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں: **﴿فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا﴾** (ہود: ۸۲) ”پھر جب آگیا ہمارا حکم تو ہم نے کر دیا اس کے اوپر والے حصے کو اس کا نیچے والا۔“ یعنی اس کو تہ و بالا کر دیا۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم کے اندر تو صرف انہی چند اقوام کا ذکر آیا ہے جن سے اہل عرب واقف تھے ورنہ رسول تو ہر علاقے اور ہر قوم میں آتے رہے ہیں از روئے الفاظ قرآنی: **﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾** (الرعد) ”اور ہر قوم کے لیے ایک راہنما ہے۔“

خود ہندوستان کے علاقے میں بھی بہت سے انبیاء و رسل کے مبعوث ہونے کے آثار ملتے ہیں۔ ہریانہ ضلع حصار جس علاقے میں میرا بچپن گزرا وہاں مختلف مقامات پر سیاہ رنگ کی راکھ کے بڑے بڑے ٹیلے موجود

تھے، جن کی کھدائی کے دوران بستیوں کے آثار ملتے تھے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے جیسے یہ اپنے زمانے کی پُرواق بستاں تھیں، ان کے باشندوں نے اپنے رسولوں کی نافرمانیاں کیں اور انہیں عذابِ خداوندی نے جلا کر بھسم کر ڈالا، جس طرح پومپیا کی پرلاوے کی بارش ہوئی اور پوری بستی جلتے ہوئے لاوے کے اندر دب گئی۔ اس علاقے میں دریائے سرسوتی بہتا تھا جو ہندوستان کا ایک بہت بڑا دریا تھا اور اسے مقدس مانا جاتا تھا (دریائے گنگا بہت بعد کے زمانے میں وجود میں آیا)۔ آج دریائے سرسوتی کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ یہ کہاں کہاں سے گزرتا تھا اور ماہرینِ آثارِ قدیمہ اس کی گزرگاہ تلاش کر رہے ہیں۔ یہ سب آثار بتاتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر مختلف زمانوں میں انبیاء و رسل آئے اور ان کی نافرمانیوں کے سبب اُن کی قومیں اللہ کے عذاب کا شکار ہوئیں۔ ان آثار کی شہادتوں کے علاوہ کچھ ایسے مکاشفات بھی ہیں کہ مشرقی پنجاب کے جس علاقے میں شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کا دفن ہے اس علاقے میں تیس انبیاء مدفون ہیں۔ واللہ اعلم!

﴿وَأَنَّهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ﴾ اور اُن پر عذاب وہاں سے آیا جہاں سے انہیں گمان تک نہ تھا۔“

**آیت ۲۷** ﴿ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ يُخْزِيهِمْ وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَاءِى الَّذِينَ كُنْتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ﴾ ”پھر قیامت کے دن اللہ انہیں رسوا کرے گا اور کہے گا: کہاں ہیں میرے وہ شریک جن کی حمیت میں تم جھگڑتے تھے؟“

قیامت کے دن انہیں مزید رسوا کرنے کے لیے ان سے پوچھا جائے گا کہ آج تمہارے وہ من گھڑت معبود کہاں ہیں جن کی حمایت اور حمیت کی وجہ سے تم بڑی بڑی جنگیں لڑنے پر تیار ہو جاتے تھے؟

﴿قَالَ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالْشُّوْءَ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ”کہیں گے وہ لوگ جن کو علم دیا گیا ہے کہ یقیناً آج کے دن رسوائی اور بدبختی کافروں ہی کے لیے ہے۔“

**آیت ۲۸** ﴿الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِيْ أَنفُسِهِمْ﴾ ”جن (کی روحوں) کو قبض کرتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے“

ایسے لوگ جنہیں اپنی زندگی میں اللہ یاد ہے نہ آخرت، نیکی کی رغبت ہے نہ برائی سے نفرت، بس اپنی عیش کوشی اور نفس پرستی میں مگن ہیں۔ اسی حالت میں جب فرشتے ان کے پاس پروانہ موت لے کر آدھکیں گے:

﴿فَالْقُوا السَّلَامَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ شَوْءٍ﴾ ”(تو اُس وقت) وہ اطاعت پیش کریں گے کہ ہم تو کوئی بُرے کام نہیں کر رہے تھے۔“

﴿بَلَىٰ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”(تو فرشتے کہیں گے) کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے اسے جو کچھ تم کر رہے تھے۔“

موت کے فرشتوں کے سامنے وہ سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنے اسلام اور اطاعت کا اظہار کریں گے اور

اس طرح ان کے سامنے بھی جھوٹ بولنے کی کوشش کریں گے۔

**آیت ۲۹ ﴿فَادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا﴾** ”اب تم داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں اسی میں ہمیشہ ہمیش رہنے کے لیے۔“

﴿فَلَيْسَ مَفْوًى الْمُتَكَبِّرِينَ﴾ (۲۹) ”پس کیا ہی برا ٹھکانہ ہے متکبرین کا!“

**آیت ۳۱ ﴿وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنْزَلَ رَبُّكُمْ﴾** ”اور (جب) پوچھا جاتا ہے اہل تقویٰ سے کہ یہ کیا نازل کیا ہے تمہارے رب نے؟“

دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں جن کے دلوں میں اخلاقی حس بیدار اور جن کی روحیں زندہ ہیں جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کلام آپ لوگوں کو سناتے ہیں وہ کیا ہے؟

﴿قَالُوا خَيْرٌ﴾ ”وہ کہتے ہیں بھلائی۔“

یعنی یہ کلام خیر ہی خیر ہے اور ہماری ہی بھلائی کے لیے نازل ہوا ہے۔

﴿لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَكِنَّ الْأَخِرَةَ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ﴾ (۳۱) ”جن لوگوں نے نیکی کی روش اختیار کی ان کے لیے اس دنیا میں بھی بھلائی ہے اور آخرت کا گھر تو کہیں بہتر ہے۔ اور کیا ہی اچھا ہے وہ گھر متقیوں کا!“

**آیت ۳۲ ﴿جَعَلْتُ عَذْنِي يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ﴾** ”باغات ہمیشہ رہنے والے جن میں وہ داخل ہوں گے ان کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی ان کے لیے وہاں ہر وہ شے ہوگی جو وہ چاہیں گے۔“

﴿كَذَلِكَ يَجْزِي اللَّهُ الْمُتَّقِينَ﴾ (۳۲) ”اسی طرح اللہ بدلہ دے گا اپنے متقی بندوں کو۔“

**آیت ۳۳ ﴿الَّذِينَ تَتَوَفَّيْهُمْ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ﴾** ”ان (کی روحوں) کو فرشتے قبض کرتے ہیں در آنحالیکہ وہ پاک ہوتے ہیں“

جن کی روحیں پاکیزہ اور جن کی زندگیاں تقویٰ کی آئینہ دار ہوتی ہیں جب ان کے پاس موت کے فرشتے آتے ہیں تو:

﴿يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (۳۳) ”کہتے ہیں سلام ہو آپ پر داخل ہو جائیے جنت میں اپنے اعمال کے بدلے میں۔“

## آیات ۳۳ تا ۴۰

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرٌ رِيكٌ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ

قَبْلِهِمْ ۖ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٤﴾ فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۚ وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۚ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللَّهُ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۚ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ ۚ إِنَّ تَحْرُصَ عَلَى هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۚ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَنْ يَمُوتُ ۚ بَلَى وَعُودًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۚ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ ۚ إِنَّا كَوْلْنَا لَشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ۚ ﴿٣٥﴾

آیت ۳۳ ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرٌ رَبِّكَ ۚ﴾ ”اب یہ لوگ کس شے کے

منتظر ہیں سوائے اس کے کہ آدمکیں ان پر فرشتے یا آجائے فیصلہ آپ کے رب کا!“

گزشتہ بارہ برس سے رسول اللہ ﷺ قریش مکہ کو دعوت دے رہے ہیں، دو تہائی کے قریب قرآن بھی اب تک نازل ہو چکا ہے۔ چنانچہ ان لوگوں کو اب مزید کس چیز کا انتظار ہے؟ اب تو بس یہی مرحلہ باقی رہ گیا ہے کہ فرشتے اللہ کا فیصلہ لے کر پہنچ جائیں اور وہ نقشہ سامنے آجائے جس کی جھلک سورۃ الفجر میں اس طرح دکھائی گئی ہے: ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ۚ وَجِئَئَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّى لَهُ الذِّكْرَى ۚ﴾ ”اور آئے گا آپ کا رب اور فرشتے صف بہ صف۔ اور لائی جائے گی اُس دن جہنم اُس دن ہوش آئے گا انسان کو، مگر کیا فائدہ ہوگا تب اسے اس ہوش کا!“

﴿كَذَلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۚ﴾ ”یہی روش اختیار کی تھی انہوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا، بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔“

جن گزشتہ اقوام کے عبرت ناک انجام کے بارے میں تفصیلات قرآن میں بتائی جا رہی ہیں انہیں ان کے اپنے کرتوتوں کی سزا ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قطعاً ظلم نہیں ہوا تھا۔

آیت ۳۴ ﴿فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۚ﴾ ”پھر ان پر واپس ہو کر رہیں وہ برائیاں جو وہ کرتے تھے اور گھیر لیا ان کو اسی نے جس کا وہ استہزا کرتے تھے۔“

آیت ۳۵ ﴿وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا ۚ



”اور کہتے ہیں یہ مشرک لوگ کہ اگر اللہ چاہتا تو اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہ کرتے، نہ ہم اور نہ ہمارے آباء و اجداد“ ان کی دلیل یہ تھی کہ اس دنیا میں تو جو اللہ چاہتا ہے وہی کچھ ہوتا ہے، وہ علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ہے۔ اگر وہ چاہتا کہ ہم کوئی دوسرے معبود نہ بنائیں اور ان کی پرستش نہ کریں، تو کیسے ممکن تھا کہ ہم ایسا کر پاتے؟ چنانچہ اگر اللہ نے ہمیں اس سے روکا نہیں ہے تو اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس میں اس کی مرضی شامل ہے اور اس کی طرف سے ہمیں ایسا کرنے کی اجازت ہے۔

﴿وَلَا حَٰزِمُنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَیْءٍ ۚ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ﴾ ”اور نہ حرام قرار دیتے ہم اس کے (حکم کے) بغیر کسی بھی چیز کو۔ اسی طرح کیا تھا اُن لوگوں نے بھی جو ان سے پہلے تھے۔“  
﴿فَهَلْ عَلٰی الرَّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝۳۵﴾ ”پس نہیں ہے رسولوں پر کچھ ذمہ داری سوائے واضح طور پر پہنچا دینے کے۔“

ہمارے رسولؐ اس قسم کی کٹ جتنی اور کج بحثی میں نہیں الجھتے۔ ان کی ذمہ داری ہمارا پیغام واضح طور پر پہنچا دینے کی حد تک ہے اور یہ ذمہ داری ہمارے رسولؐ ہمیشہ سے پوری کرتے آئے ہیں۔ پیغام پہنچ جانے کے بعد اسے تسلیم کرنا یا نہ کرنا متعلقہ قوم کا کام ہے، جس کے لیے ان کا ایک ایک فرد ہمارے سامنے جوابدہ ہے۔

**آیت ۳۶** ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنْ اَعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ﴾ ”اور ہم نے تو ہر امت میں ایک رسولؐ بھیجا (اس پیغام کے ساتھ) کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور طاغوت سے بچو!“

طاغوت کا لفظ ’طغی‘ سے مشتق ہے جس کے معنی سرکشی کے ہیں۔ لہذا جو کوئی اللہ کی بندگی اور اطاعت سے سرکشی اور سرتابی کر رہا ہو وہ طاغوت ہے، چاہے وہ انسان ہو یا جن، کسی ریاست کا کوئی ادارہ ہو، آئین ہو یا خود ریاست ہو۔ بہر حال جو بھی اللہ کی اطاعت سے سرتابی کر کے اس کی بندگی سے باہر نکلنے کی کوشش کرے گا، وہ گویا اللہ کے مقابلے میں حاکمیت کا دعویدار ہوگا اور اسی لیے طاغوت کے زمرے میں شمار ہوگا۔ طاغوت سے کنارہ کشی کا حکم سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۵۶ میں اس طرح آیا ہے: ﴿فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتَ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدْ اِسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۚ لَا اِنْفَصَامَ لَهَا ۚ﴾ ”جس کسی نے کفر کیا طاغوت سے اور ایمان لایا اللہ پر تو یقیناً اس نے تمام لیا ایک مضبوط حلقہ جس کو ٹوٹنا نہیں ہے۔“

﴿فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدٰی اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ۚ﴾ ”تو اُن میں کچھ ایسے بھی تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دے دی اور کچھ وہ بھی تھے جن پر مسلط ہو گئی گمراہی۔“

﴿فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الْمُكْذِبِیْنَ ۝۳۷﴾ ”تو تم گھومو پھر وزمین میں اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا!“

تم اپنے تجارتی قافلوں کے ساتھ اصحابِ حجر کی بستیوں سے بھی گزرتے ہو، تم نے تو قومِ شمود کے محلات کے کھنڈرات بھی دیکھے ہیں۔ تم قومِ مدین کے انجام سے بھی واقف ہو اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ سدوم اور عامورہ کی بستیوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا۔ یہ تمام تاریخی حقائق تمہارے علم میں ہیں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ان سب کو

کس جرم کی سزا بھگتنا پڑی تھی۔

**آیت ۳۷** ﴿إِنْ تَخَرَضْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ لُّصِرِينَ ۝۳۷﴾  
 ”(اے نبی ﷺ!) اگر آپ کو بہت خواہش ہے ان کی ہدایت کی تو یقیناً اللہ ہدایت نہیں دیتا اُسے جس کو وہ گمراہ کر دیتا ہے اور ان کے لیے نہیں ہوں گے کوئی مددگار۔“

اس سلسلے میں اللہ کا قانون اٹل ہے۔ اللہ کی طرف سے لوگوں تک حق کی دعوت پہنچانے کا پورا بندوبست کیا جاتا ہے ان پر ہدایت منکشف کی جاتی ہے اور بار بار انہیں موقع دیا جاتا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر آجائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص حق کو واضح طور پر پہچان لینے کے بعد ہر بار اسے رد کر دے تو اس سے ہدایت کی توفیق سلب کر لی جاتی ہے۔ پھر وہ حق کو پہچاننے کی صلاحیت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کی گمراہی پر مہر تصدیق ثبت ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں ہی کے متعلق سورۃ البقرۃ کی آیت ۷ میں فرمایا گیا ہے: ﴿حَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۚ﴾ ”اللہ نے مہر لگا دی ہے ان کے دلوں اور ان کے کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑ چکا) ہے۔“ چنانچہ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں آیت زیر نظر میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی ﷺ! آپ کی شدید خواہش ہے کہ یہ لوگ ایمان لا کر راہ ہدایت پر آجائیں، مگر چونکہ یہ حق کو اچھی طرح پہچان لینے کے بعد اس سے روگردانی کر چکے ہیں اس لیے ان کی گمراہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو چکا ہے اور اللہ کا اٹل قانون ہے کہ وہ ایسے گمراہوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ سورۃ القصص کی آیت ۵۶ میں اسی اصول کو واضح تر انداز میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۚ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) بے شک آپ ہدایت نہیں دے سکتے جس کو آپ چاہیں بلکہ اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے۔“

**آیت ۳۸** ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۖ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مَن يَمُوتُ ۚ﴾ ”اور وہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں اپنی کئی قسمیں کہ اللہ ہرگز نہیں اٹھائے گا اُس کو جو مر جائے گا۔“

مشرکین مکہ اگرچہ عمومی طور پر مرنے کے بعد دوسری زندگی کے قائل تھے مگر ان کا اس سلسلہ میں عقیدہ یہ تھا کہ جن بتوں کی وہ پوجا کرتے ہیں وہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے ان کے سفارشی ہوں گے اور اس طرح روزِ حشر کی تمام سختیوں سے وہ انہیں بچالیں گے۔ لیکن ان کے ہاں ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو بعثتِ بعد الموت کا منکر تھا۔ ان لوگوں کے اس عقیدہ کا تذکرہ قرآن میں متعدد بار ہوا ہے۔ سورۃ الانعام میں ان لوگوں کا قول اس طرح نقل کیا گیا ہے: ﴿وَقَالُوا إِن هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ۝۳۸﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ ہماری زندگی مگر صرف دنیا کی اور ہم (دوبارہ) اٹھائے نہیں جائیں گے۔“

﴿بَلَىٰ وَعَدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝۳۹﴾ ”کیوں نہیں یہ وعدہ ہے اُس کے ذمہ سچا (کہ تم ضرور اٹھائے جاؤ گے) لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔“

**آیت ۳۹** ﴿لَيْسَ لَّهُمُ اللَّذِي يَخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلَيْعَلَّمُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَذِبِينَ ۝۳۹﴾  
 ”تاکہ وہ واضح کر دے اُن پر وہ تمام چیزیں جن میں وہ لوگ اختلاف کرتے تھے اور اس لیے بھی کہ کفار

جان لیں کہ وہی جھوٹے تھے۔“

اللہ تعالیٰ پوری نوعِ انسانی کے ایک ایک فرد کو دوبارہ اٹھائے گا اور انہیں ایک جگہ جمع کرے گا۔ پھر ان کے تمام اختلافی نظریات و عقائد کے بارے میں حتمی طور پر انہیں بتا دیا جائے گا۔ چنانچہ اس وقت تمام منکرینِ حق کو اقرار کیے بغیر چارہ نہ رہے گا کہ ان کے خیالات و نظریات واقعی جھوٹ اور باطل پر مبنی تھے۔

**آیت ۴۰ ﴿إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾** ”ہمارا قول تو کسی چیز کے

بارے میں بس یہ ہوتا ہے جب ہم اس کا ارادہ کرتے ہیں کہ ہم فرماتے ہیں اُسے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔“ اس نکتے کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ حکم عالمِ امر کے بارے میں ہے جبکہ عالمِ خلق میں یوں نہیں ہوتا (عالمِ امر اور عالمِ خلق کے بارے میں وضاحت اس سورۃ کی آیت ۲ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ کے ضمن میں گزر چکی ہے)۔ عالمِ امر میں کسی واقعے یا کسی چیز کے ظہور پذیر ہونے کے لیے اسباب و وسائل اور وقت درکار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ارادہ فرما کر کن فرماتے ہیں تو وہ چیز وجود میں آ جاتی ہے۔ عالمِ خلق میں بھی کلی اختیار تو اللہ ہی کا ہے مگر اس عالم کو عام طبعی قوانین کے مطابق چلایا جاتا ہے۔ چنانچہ عالمِ خلق میں کسی چیز کو وجود میں آنے اور مطلوبہ معیار تک پہنچنے کے لیے اسباب و وسائل اور وقت کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ کائنات اپنے تمام طبعی موجودات کے ساتھ عالمِ خلق کا اظہار ہے۔ آیت زیرِ نظر کے موضوع کی مناسبت سے یہاں میں کائنات کی تخلیق کے آغاز سے متعلق اپنی سوچ اور فکر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں۔

کائنات کی تخلیق کے بارے میں ایک طرف تو پرانے فلسفیانہ تصورات ہیں اور دوسری طرف جدید سائنسی نظریات (theories)۔ فلسفیانہ تصورات کے مطابق سب سے پہلے وجودِ باری تعالیٰ سے عقلِ اول وجود میں آئی۔ عقلِ اول سے پھر فلکِ اول اور پھر فلکِ اول سے فلکِ ثانی وغیرہ۔ یہ مشائخ کے فلسفے ہیں جو اسطوار اس کے شاگردوں کے نظریات کے ساتھ دنیا میں پھیلے اور ہمارے ہاں بھی بہت سے متکلمین ان سے متاثر ہوئے۔ بہر حال جدید سائنسی انکشافات کے ذریعے ان میں سے کسی بھی نظریے کی کہیں کوئی تائید و تصدیق نہیں ہوئی۔

دوسری طرف جدید فزکس کے میدان میں اعلیٰ علمی سطح پر اس سلسلے میں جتنے بھی نظریات (theories) ہیں اُن میں ”عظیم دھماکے“ (Big Bang) کا تصور پایا جاتا ہے۔ اس تصور کے تحت Big Bang کے نتیجے میں ارب ہا ارب درجہ حرارت کے حامل بے شمار ذرات وجود میں آئے۔ یہ ذرات تیزی سے حرکت کرتے ہوئے مختلف forms میں اکٹھے ہوئے تو کہکشائیں (galaxies) وجود میں آئیں اور چھوٹے بڑے بے شمار ستاروں کا ایک جہان آباد ہو گیا۔ انہی ستاروں میں ایک ہمارا سورج بھی تھا جس کے اندر مزید ٹوٹ پھوٹ کے نتیجے میں اس کے سیارے (planets) وجود میں آئے۔ سورج کے ان سیاروں میں سے ایک سیارہ ہماری زمین ہے جو وقت کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی ہوتی رہی اور بالآخر اس پر نباتاتی اور حیوانی زندگی کے لیے سازگار ماحول وجود میں آیا۔ آج کی سائنس فی الحال ”بگ بینگ“ سے آگے کوئی نظریہ قائم کرنے سے قاصر ہے۔ اس نظریے سے جو معلومات سائنس نے اخذ کی ہیں وہ ان تمام حقائق کے ساتھ مطابقت (corroboration) رکھتی ہیں جن کا علم

اس موضوع پر ہمیں قرآن سے ملتا ہے۔ اس سے پہلے مادے کے بارے میں سائنس قانون بقائے مادہ (Law of conservation of mass) کی قائل تھی کہ مادہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، مگر نئے نظریے کو اپنا کر سائنس نے نہ صرف بگ بینک کو کائنات کا نقطہ آغاز تسلیم کر لیا ہے بلکہ یہ بھی مان لیا ہے کہ مادہ ایک خاص وقت تک کے لیے ہے اور ایک خاص وقت کے بعد ختم ہو جائے گا۔

جہاں تک کائنات کی تخلیق کے آغاز کے بارے میں میری اپنی سوچ کا تعلق ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی تخلیق اللہ تعالیٰ کے ایک امر ”کن“ سے ہوئی (اللہ کے حکم سے، نہ کہ اس کی ذات سے)۔ پھر اس امر ”کن“ کا ظہور ایک خنک نور یا ٹھنڈی روشنی کی صورت میں ہوا (یہ خنک نور حرف کن کا ظہور تھا نہ کہ ذات باری تعالیٰ کا)۔ اس روشنی میں حرارت نہیں تھی، گویا یہ مادی روشنی (material light) کے وجود میں آنے سے پہلے کا دور تھا۔ آج جس روشنی کو ہم دیکھتے یا پہچانتے ہیں اس میں حرارت ہوتی ہے اور اسی حرارت کی وجہ سے یہ material light ہے۔

امر ”کن“ سے ظہور پانے والے اس خنک نور سے پہلے مرحلے پر ملائکہ کی پیدائش ہوئی۔ جیسے کہ مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو نور سے پیدا کیا۔ اسی نور سے انسانی ارواح پیدا کی گئیں اور سب سے پہلے روح محمدی ﷺ پیدا کی گئی، جیسا کہ حدیث میں الفاظ آئے ہیں: ((أَوَّلُ مَا خَلَقَ اللَّهُ نُورِي)) (۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا۔ ”نوری“ اور ”رُوحی“ گویا دو مترادف الفاظ ہیں، کیونکہ روح کا تعلق بھی نور سے ہے۔ بہر حال یہ کائنات کی تخلیق کا مرحلہ اول ہے جس میں فرشتوں اور انسانی ارواح کی تخلیق ہوئی۔

اس کے بعد کسی مرحلے پر اس خنک نور میں کسی نوعیت کا زوردار دھماکہ (explosion) ہوا جس کو آج کی سائنس ”بگ بینک“ کے نام سے پہچانتی ہے۔ اس دھماکے کے نتیجے میں حرارت کا وہ گولا وجود میں آیا جو بہت چھوٹے چھوٹے ذرات پر مشتمل تھا۔ ان ذرات کا درجہ حرارت ناقابل تصور حد تک تھا۔ یہ گویا طبعی دنیا (Physical World) کا نقطہ آغاز تھا۔ اسی دور میں اس آگ کی لپٹ سے جنات پیدا کیے گئے اور انہی انتہائی گرم ذرات سے کہکشائیں، ستارے اور سیارے وجود میں آئے۔

ان سیاروں میں سے ایک سیارہ یا گزہ ہماری زمین ہے جو ابتدا میں انتہائی گرم تھی۔ اس کے ٹھنڈا ہونے پر اس کے اندر سے بخارات نکلے جو اس کے گرد ایک ہالے کی شکل میں جمع ہو گئے۔ ان بخارات سے پانی وجود میں آیا جو ہزار ہا برس تک زمین پر بارش کی صورت میں برستار ہا۔ اس کے نتیجے میں تمام روئے زمین پر ہر طرف پانی ہی پانی بھیل گیا۔ اس وقت تک زمین پر پانی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ یہی وہ دور تھا جس کا ذکر قرآن میں بایں الفاظ کیا گیا ہے: ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾ (ہود: ۷) ”کہ اُس کا عرش (اُس وقت) پانی پر تھا“۔ پھر زمین جب مزید ٹھنڈا ہونے پر سکڑی تو اس کی سطح پر نشیب و فراز نمودار ہوئے۔ کہیں پہاڑ وجود میں آئے تو کہیں سمندر۔ اس کے بعد نباتاتی اور حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ اس حیات کے ارتقاء کے بلند ترین مرحلے پر انسان کی

تخلیق ہوئی اور حضرت آدمؑ کی روح ان کے وجود کو سونپی گئی۔ حضرت آدمؑ کی تاجپوشی کا یہی واقعہ ہے جہاں سے قرآن آدمؑ کی تخلیق کا تذکرہ کرتا ہے۔ اس لحاظ سے انسان اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا اعلیٰ ترین شاہکار بھی ہے اور اس پوری کائنات کی تخلیق کا اصل مقصود و مطلوب بھی۔

یہاں ایک نکتہ یہ بھی سمجھ لیں کہ عالم خلق اور عالم امر بالکل الگ الگ نہیں ہیں۔ یعنی یوں نہیں کہا جاسکتا کہ یہاں تک تو عالم خلق ہے اور یہاں سے آگے عالم امر ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ دونوں عالم ایک دوسرے کے ساتھ غلط ملط اور باہم گندھے ہوئے ہیں۔ مثلاً اس عالم خلق میں تمام انسانوں کی ارواح موجود ہیں جن کا تعلق عالم امر سے ہے: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵) یہ آیت واضح کرتی ہے کہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بعض نیک بندوں کی ارواح کو فرشتوں کے طبقہ اسفل میں شامل کر لیتے ہیں چنانچہ یہ نیک ارواح ان فرشتوں کے ساتھ سرگرم عمل رہتی ہیں جو اللہ کے احکام کی تعمیل و تنفیذ میں مصروف ہیں۔ اسی طرح فرشتے جو کہ عالم امر کی مخلوق ہیں وہ بھی یہاں عالم خلق میں ہمارے ارد گرد موجود ہیں۔ دود و فرشتے تو ہم میں سے ہر انسان کے ساتھ بطور نگران مقرر کیے گئے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(( مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ )) (۱)

”اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں کچھ لوگ کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے جمع نہیں ہوتے مگر یہ کہ ان کے اوپر سکینت نازل ہوتی ہے اللہ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مقربین (ملا اعلیٰ) میں ان کا ذکر کرتا ہے۔“

اس حدیث کی رو سے درس قرآن کی اس محفل میں یقیناً فرشتے موجود ہیں وہ عالم امر کی شے ہیں ہم نہ انہیں دیکھ سکتے ہیں نہ ان سے خطاب کر سکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اہل ایمان جنات بھی موجود ہوں اور قرآن سن رہے ہوں۔ چنانچہ ارواح فرشتے اور وحی تینوں کا تعلق اگرچہ عالم امر سے ہے مگر ان کا عمل دخل عالم خلق میں بھی ہے۔ اس طرح عالم خلق اور عالم امر کو بالکل الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔

یہاں میں مرزا عبدالقادر بیدل کے ایک مشہور شعر کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو تخلیق کائنات اور تخلیق آدمؑ کے اس فلسفہ کو بہت خوبصورتی سے واضح کرتا ہے:

ہر دو عالم خاک شد تا بست نقش آدمی اے بہار نیستی از قدر خود ہشیار باش!

مرزا عبدالقادر بیدل ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں تھے۔ وہ عظیم فلسفی اور فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے۔ ان کا شمار دنیا کے چوٹی کے فلسفیوں میں ہوتا تھا۔ ان کی شاعرانہ عظمت کے سامنے مرزا غالب (۱) صحیح مسلم کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن وعلی الذکر۔

بھی پانی بھرتے اور ان کی طرز کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے نظر آتے ہیں:۔

طرزِ بیدل میں ریختہ لکھنا اسد اللہ خاں قیامت ہے!

موضوع کی اہمیت کے پیش نظر یہاں مرزا بیدل کے مندرجہ بالا شعر کی وضاحت ضروری ہے۔ اس شعر میں وہ فرماتے ہیں ”ہر دو عالم خاک شد“ یعنی دونوں عالم خاک ہو گئے۔ شاعر کے اپنے ذہن میں اس کی وضاحت کیا تھی اس کے بارے میں شاعر خود جانتا ہے یا اللہ تعالیٰ — لیکن میں اس سے یہ نکتہ سمجھا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے عالمِ امر کو تنزل کے مختلف مراحل سے گزار کر عالمِ خلق کی شکل دی۔ پھر اس کے مزید تنزلات کے نتیجے میں زمین (مٹی) پیدا کی گئی۔ گویا دونوں جہانوں نے خاک کی صورت اختیار کر لی، تب جا کر کہیں حیات ارضی کا سلسلہ شروع ہوا اور پھر اس سلسلے میں ارتقا کا وہ بلند ترین مرحلہ آیا: ”تابست نقش آدمی!“ جب آدمی کا نقش بننا شروع ہوا۔

دوسرے مصرعے میں (اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش!) ”نیست“ کے فلسفے کو بھی اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ”وحدت الوجود“ کے فلسفے کے مطابق حقیقی وجود صرف اللہ کا ہے باقی جو کچھ بھی ہمیں نظر آتا ہے اس میں سے کسی چیز کا وجود حقیقی نہیں ہے۔ گویا اللہ کے علاوہ اس کائنات کی ہر چیز ”نیست“ ہے ”ہست“ نہیں ہے:

كُلُّ مَا فِي الْكَوْنِ وَهُمْ أَوْ خَيَالٌ أَوْ عَكُوسٌ فِي الْمَرَايَا أَوْ ظِلَالٌ

یعنی اللہ کے وجود کے علاوہ جو وجود بھی نظر آتے ہیں وہ وہم ہیں یا خیالی تصویریں۔ اس طرح یہ تمام عالم گویا ”نیست“ ہے اور اس عالمِ نیست کی ”بہار“ انسان ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خَلَقْتُ بَيْنَهُمَا﴾ (ص: ۷۵) کہ میں نے اسے اپنے دونوں ہاتھوں سے بنایا ہے۔ اللہ کا ایک ہاتھ گویا عالمِ امر اور دوسرا ہاتھ عالمِ خلق ہے۔ اس طرح انسان اللہ تعالیٰ کے عملِ تخلیق کا کلاںکس، مسجودِ ملائک اور خلیفۃ اللہ ہے۔ چنانچہ مرزا بیدل فرماتے ہیں (اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش!) کہ اے انسان! اے اس عالمِ نیستی کی بہار! ذرا اپنے مقام و مرتبہ کو پہچانو! تمہیں وجود میں لانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دو عالم کو نہ جانے تنزلات کی کن کن منازل سے نیچا اتار کر خاک کیا، تب کہیں جا کر تمہارا نقش بنا۔

## آیات ۴۱ تا ۵۰

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنَنبُوَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَا جَزَٰئُ  
الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ۝ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ وَمَا أَرْسَلْنَا  
مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجُلًا نُوحِي إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝ بِالْبَيِّنَاتِ  
وَالزُّبُرِ ۝ وَانزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝  
أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ  
حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۝ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقْلِبِهِمْ فَهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۝ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَى  
تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّءُوفُ الرَّحِيمُ ۝ أَوْ لَمْ يَرَوْا إِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَكَّرُونَ

ظِلُّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ ذَاخِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا  
فِي الْاَرْضِ مِنْ دَابَّةٍ وَالْهٰكِكَةِ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ۝ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ  
وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝

آیت ۲۱ ﴿وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظَلَمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ ”اور جن لوگوں نے اللہ کے لیے ہجرت کی، اس کے بعد کہ اُن پر ظلم کیا گیا، ہم انہیں دُنیا میں بھی ضرور اچھی جگہ دیں گے۔“

﴿وَلَا جَزَاءَ لَاحِرَةٍ اَكْثَرُ﴾ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾﴾ ”اور (اُن کے لیے) آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے۔ کاش کہ اُن کو معلوم ہوتا۔“

آیت ۲۲ ﴿الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ ﴿۲۳﴾﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور وہ اپنے رب پر توکل کرنے والے ہیں۔“

آیت ۲۳ ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ﴾ ﴿۲۴﴾﴾ ”اور (اے نبی ﷺ) ہم نے نہیں بھیجا آپ سے پہلے مگر مردوں ہی کو (رسول بنا کر) جن کی طرف ہم وحی کیا کرتے تھے“  
یعنی آپ ﷺ پہلے نبی یا رسول نہیں ہیں بلکہ آپ ﷺ سے پہلے ہم بہت سے رسول بھیج چکے ہیں۔ وہ سب کے سب آدمی ہی تھے اور ان کی طرف ہم اسی طرح وحی بھیجتے تھے جس طرح آج آپ کی طرف وحی آتی ہے۔

﴿فَسْتَلْزِمُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ ﴿۲۵﴾﴾ ”تو تم لوگ اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم خود نہیں جانتے ہو۔“

یعنی اے اہل مکہ! اگر تم لوگوں کو اس بارے میں کچھ شک ہے تو تمہارے پڑوس مدینہ میں وہ لوگ آباد ہیں جو سلسلہ وحی و رسالت سے خوب واقف ہیں اُن سے پوچھ لو کہ اب تک جو انبیاء و رسل علیہم السلام اس دنیا میں آئے ہیں وہ سب کے سب انسان تھے یا فرشتے؟

آیت ۲۴ ﴿بِالنَّبِیِّیْنَ وَالزُّبُرِ﴾ ﴿۲۶﴾﴾ ”(ہم نے انہیں بھیجا) کھلی نشانیوں اور کتابوں کے ساتھ۔“  
﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَفْكُرُونَ﴾ ﴿۲۷﴾﴾ ”اور ہم نے نازل کیا آپ کی طرف الذکر تاکہ آپ واضح کر دیں لوگوں کے لیے جو کچھ نازل کیا گیا ہے اُن کی جانب اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔“

یہاں قرآن کے لیے پھر لفظ ”الذکر“ استعمال ہوا ہے یعنی یہ قرآن ایک طرح کی یاد دہانی ہے۔ یہ آیت منکرین سنت و حدیث کے خلاف ایک واضح دلیل فراہم کرتی ہے۔ اس کی رو سے قرآن کی ”تبیین“ رسول کا فرض منصبی ہے۔ قرآن کے اسرار و رموز کو سمجھانا اس میں اگر کوئی کلتہ مجمل ہے تو اس کی تفصیل بیان کرنا اگر کوئی حکم مبہم ہے تو اس کی وضاحت کرنا رسول اللہ ﷺ کا فرض منصبی تھا۔ یہ فرض اس آیت کی رو سے خود اللہ تعالیٰ نے

آپ ﷺ کو تفویض کیا ہے، مگر مکرین سنتِ آج آپ ﷺ کو یہ حق دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق یہ اللہ کی کتاب ہے جو اللہ کے رسولؐ نے ہم تک پہنچا دی ہے، اب ہم خود اس کو پڑھیں گے، خود سمجھیں گے اور خود ہی عمل کی جہتیں متعین کریں گے۔ حضور ﷺ کے سمجھانے کی اگر کچھ ضرورت تھی بھی تو وہ اپنے زمانے کی حد تک تھی۔ فیما للعجب!

**آیت ۲۵ ﴿اَفَاَمَنَ الَّذِينَ مَكَّرُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ﴾** ”تو کیا بے خوف ہو گئے ہیں وہ لوگ جنہوں نے بُری چالیں چلیں اس بات سے کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے“  
یہ لوگ ہمارے رسولؐ کے خلاف سازشوں کے جال بننے میں لگن ہیں اور حق کی دعوت کا راستہ روکنے کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں۔ کیا یہ ڈرتے نہیں کہ اگر اللہ چاہے تو انہیں اس جرم کی پاداش میں زمین میں دھنسا دے؟

**﴿اَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ﴾** (۲۵) ”یا (انہیں یہ خوف بھی نہیں رہا کہ) اُن پر آدھمکے کوئی عذاب جہاں سے انہیں گمان تک نہ ہو۔“  
**آیت ۲۶ ﴿اَوْ يَأْخُذْهُمْ فِي تَقْلُبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ﴾** (۲۶) ”یا وہ انہیں پکڑ لے ان کی چلت پھرت میں پھروہ (اللہ کو) عاجز کرنے والے نہیں ہیں۔“

یوں بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی روزمرہ زندگی میں، معمول کی سرگرمیوں کے دوران ہی ان کی پکڑ کا حکم آجائے اور پھر اللہ کے اس حکم کے مقابلے میں ان کی کوئی تدبیر بھی کامیاب نہ ہو سکے۔  
**آیت ۲۷ ﴿اَوْ يَأْخُذْهُمْ عَلَى تَخَوُّفٍ ۚ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَوَدُّ وَفَّ رَحْمَةً﴾** (۲۷) ”یا انہیں پکڑے خوف دلا کر۔ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بہت بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

اگرچہ اللہ تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو اچانک بھی پکڑ سکتا ہے، مگر چونکہ وہ بہت شفیق اور نہایت رحم فرمانے والا ہے، اس لیے اس کا عذاب یونہی بے خبری میں نہیں آتا بلکہ متعلقہ قوم کو پہلے پوری طرح آگاہ کیا جاتا ہے، ان پر اتمامِ حجت کے تمام تقاضے پورے کیے جاتے ہیں، تب کہیں جا کر عذاب کا فیصلہ ہوتا ہے۔ جیسے سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا﴾ (۱۵) ”اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ ہم رسولؐ نہ بھیجیں۔“ یعنی ہمیشہ ایسا ہوتا رہا ہے کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے رسولؐ بھیجا گیا، جس نے اُن پر حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا خوب اچھی طرح واضح کر دیا، یہاں تک کہ متعلقہ قوم پر حجت تمام ہونے میں کوئی کسر باقی نہ رہی۔ اس کے بعد بھی جو لوگ کفر اور ظلم پر اڑے رہے، اُن پر گرفت کی گئی اور عذاب کے ذریعے انہیں نیست و نابود کر دیا گیا۔

**آیت ۲۸ ﴿اَوْ لَمْ يَرَوْا اِلَىٰ مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَتَفَتَّوْنَ ظِلَّهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالْشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ دَاخِرُونَ﴾** (۲۸) ”کیا یہ دیکھتے نہیں ہیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہر شے کی طرف، کہ جھکتے ہیں اس کے سائے دائیں اور بائیں اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے اور وہ سب عاجزی (کی کیفیت) میں ہوتے ہیں۔“



اس آیت میں ہمارے ارد گرد کی اشیاء سے پیدا ہونے والے ماحول کی تصویر کشی کی گئی ہے جسے دیکھتے ہوئے ہم اللہ کی کبریائی کا ایک نقشہ اپنے تصور میں لا سکتے ہیں۔ جب سورج نکلتا ہے تو تمام چیزوں کے سائے زمین پر بچھے ہوئے اللہ کو سجدہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پھر سورج کے بلند ہونے کے ساتھ ہی ساتھ یہ سائے سمٹنے چلے جاتے ہیں۔ سورج کے ڈھلنے کے ساتھ دوسری سمت میں پھیلنے ہوئے یہ سائے پھر اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

**آیت ۴۹ ﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ ذٰلَبَةٍ وَّالْمَلٰئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ﴾ ۴۹** ”اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں آسمانوں اور زمین میں جتنے جاندار ہیں اور فرشتے بھی“ اور وہ تکبر سے کام نہیں لیتے۔“

**آیت ۵۰ ﴿يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ قُوَّتِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ ۵۰** ”وہ ڈرتے رہتے ہیں اپنے رب سے اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“

یہ خصوصی طور پر فرشتوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ جیسے سورۃ التحریم میں فرمایا گیا: ﴿لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ ۶ ”وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم وہ انہیں دیتا ہے اور وہی کرتے ہیں جو حکم انہیں دیا جاتا ہے۔“

## آیات ۵۱ تا ۶۰

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَخِذُوْا الْهٰٓئِنِ الْاٰثِنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ الْاِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاٰتٰىهَا فَاَرْهَبُوْنَ ۝ وَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاَصْبٰطُ اَفْعٰی اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝ وَمَا يَكْمُرُ مِنْ رِّمَّةٍ مِّنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَالْيَہٗ تَجْرُوْنَ ۝ ثُمَّ اِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّہُمْ یُشْرِكُوْنَ ۝ لِّیَكْفُرُوْا بِمَا اٰتٰیہُمْ ۚ فَتَمْتَعُوْا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَیَجْعَلُوْنَ لَهَا لَا یَعْلَمُوْنَ نَصِیْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰہُمْ ۚ تَاللّٰهِ لَتَسْتَخْلَنَ عَنَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝ وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَہٗ ۚ وَلَهُمْ مَا یَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُہُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْہُہٗ مُسْوَدًّا ۚ وَہُوَ كَاطِیْمٌ ۝ یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَہٗ ۚ اَیُّسَکَ عَلٰی هٰٓؤُنِ اَمْ یَدُسُّہٗ فِی الْغُرٰبِ ۚ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ۚ وَہُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝

**آیت ۵۱ ﴿وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَخِذُوْا الْهٰٓئِنِ الْاٰثِنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ الْاِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاٰتٰىهَا فَاَرْهَبُوْنَ﴾ ۵۱** ”اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو معبود مت بناؤ یقیناً وہ تو ایک ہی معبود ہے پس تم مجھ ہی سے ڈرو۔“

**آیت ۵۲** ﴿وَكُلُّ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكُلُّ الدِّیْنِ وَاصْبَا۟ اَفْعٰیۡزَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝۵۲﴾ ”اور اُسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اُسی کے لیے اطاعت ہے ہمیشہ ہمیش، تو کیا تم اللہ کے سوا کسی اور کا تقویٰ اختیار کرتے ہو؟“

**آیت ۵۳** ﴿وَمَا بِكُم مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْعَرُوْنَ ۝۵۳﴾ ”اور جو نعمت بھی تمہیں میسر ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کے سامنے تم فریاد کرتے ہو۔“

تکلیف کی کیفیت میں تم اللہ کو ہی یاد کرتے ہو اسی کی جناب میں گر گزرتے، آہ و زاری کرتے اور دعائیں مانگتے ہو۔ اس حالت میں تمہیں کوئی دوسرا معبود یاد نہیں آتا۔

**آیت ۵۴** ﴿ثُمَّ اِذَا كُشِفَ الضُّرُّ عَنْكُمۡ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّہُمْ یُشْرِکُوْنَ ۝۵۴﴾ ”پھر جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو جی بھی تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شرک کرنا شروع کر دیتا ہے۔“

**آیت ۵۵** ﴿لَیَكْفُرُوْۤا بِمَاۤ اٰتٰیہُمْ فَتَمَتَّعُوْۤا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝۵۵﴾ ”تا کہ ناشکری کریں ان (نعمتوں) کی جو ہم نے ان کو دی ہیں۔ تو چند روزہ مزے اڑالو پس عنقریب تم جان لو گے۔“

کچھ دنوں کی بات ہے دنیا میں تم لوگ مزے اڑالو۔ بہت جلد اصل حقیقت کھل کر تمہارے سامنے آ جائے گی۔

**آیت ۵۶** ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ نَصِیۡبًا مِّمَّا رَزَقْنٰہُمْ ۝۵۶﴾ ”اور وہ بنا دیتے ہیں ان کے لیے جن کے بارے میں انہیں کوئی علم ہی نہیں، ایک حصہ اس میں سے جو رزق ہم نے انہیں دیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہی کے عطا کردہ رزق میں سے وہ لوگ اللہ کے ان شریکوں کے لیے بھی حصے نکالتے تھے جن کے بارے میں کوئی علمی سند یا واضح دلیل بھی ان کے پاس موجود نہیں تھی۔ یہ مضمون سورۃ الانعام کی آیت ۱۳۶ میں بھی آچکا ہے کہ وہ لوگ اپنی کھیتوں کی پیداوار اور جانوروں میں سے جہاں اللہ کے لیے حصہ نکالتے تھے وہاں اپنے جھوٹے معبودوں کے حصے کے لیے بھی خاص اہتمام کرتے تھے۔

﴿تَاللّٰہِ لَیَسْتَسْلَنَّ عَلَیۡمَا کُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۷﴾ ”اللہ کی قسم! ضرور سوال کیا جائے گا تم سے اس بارے میں جو افترائے تم لوگ کرتے تھے۔“

**آیت ۵۸** ﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَہٗ ۚ وَلَهُمْ مَا یَشْتٰہُوْنَ ۝۵۸﴾ ”اور وہ بتاتے ہیں اللہ کے لیے بیٹیاں وہ پاک ہے (اس سے)“ اور خود ان کے لیے وہ کچھ جو انہیں پسند ہے!“

اللہ تعالیٰ کی اولاد کے طور پر وہ لوگ اس سے بیٹیاں منسوب کرتے ہیں جبکہ خود اپنے لیے وہ بیٹے پسند کرتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کے لیے اولاد تجویز بھی کی تو بیٹیاں تجویز کیں جو خود اپنے لیے پسند نہیں کرتے۔

**آیت ۵۹** ﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُہُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْہُہٗ مُسْوَدًّا وَہُوَ کٰظِمٌ ۝۵۹﴾ ”اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اُس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے اور وہ (اندر ہی اندر) رنج و غم سے گھٹتا

رہتا ہے۔“

**آیت ۵۹** ﴿يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ﴾ ”وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اس بُری خبر کی وجہ سے جو اُسے دی گئی۔“

جب اسے خوشخبری دی جاتی ہے کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن گیا ہے تو اسے ایک منحوس خبر خیال کرتا ہے اور یوں محسوس کرتا ہے کہ اب وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ شرم کے مارے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور ہر وقت اسی شش و پنج میں رہتا ہے کہ:

﴿أَيْمُسْكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ﴾ ”کیا وہ اسے ذلت کے باوجود روکے رکھے یا مٹی میں دفن کروے؟“

﴿أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ﴾ ”آگاہ رہو، بہت ہی بُرا ہے جو فیصلہ وہ کرتے ہیں۔“

**آیت ۶۰** ﴿لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ مَثَلُ السُّوءِ﴾ ”ان لوگوں کے لیے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بُری مثال ہے۔“

﴿وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”اور اللہ کی صفت نہایت بلند ہے۔ اور وہ زبردست ہے کمال حکمت والا۔“

عقیدہ آخرت کے حوالے سے یہ حقیقت لائق توجہ ہے کہ یہ عقیدہ دنیوی زندگی میں انسانی اعمال پر تمام عوامل سے بڑھ کر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں آخرت اور ایمان بالآخرت کے بارے میں بہت تکرار پائی جاتی ہے۔

## آیات ۶۱ تا ۶۵

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۚ وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ السَّبِيحَةُ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ ۚ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُّفْرَطُونَ ۚ تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ وَليَهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۚ وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۚ

**آیت ۶۱** ﴿وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللَّهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ وَلَكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ”اور اگر اللہ (فوراً) پکڑ کرتا لوگوں کی ان کے گناہوں کے سبب تو نہ چھوڑتا اس (زمین) پر

کوئی بھی جاندار لیکن وہ مہلت دیتا ہے انہیں ایک وقت معین تک۔“  
یہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ وہ لوگوں کے ظلم و معصیت کی پاداش میں فوری طور پر ان کی گرفت نہیں کرتا بلکہ ڈھیل دے کر انہیں اصلاح کا پورا پورا موقع دیتا ہے۔

﴿فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ ﴿۶۱﴾ ”پھر جب ان کا وقت معین آجائے گا تو نہ وہ اس سے ایک ساعت پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔“

آیت ۶۲ ﴿وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ مَا يَكْرَهُونَ﴾ ”اور وہ ٹھہراتے ہیں اللہ کے لیے جو وہ خود پسند نہیں کرتے“  
یعنی ان میں سے کوئی بھی خود بیٹی کا باپ بننا پسند نہیں کرتا مگر اللہ کے ساتھ بیٹیاں منسوب کرتے ہوئے یہ لوگ ایسا کچھ نہیں سوچتے۔

﴿وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكُذْبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ﴾ ”اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کر رہی ہیں کہ ان کے لیے یقیناً بھلائی ہے۔“

یہ لوگ اس زعم میں ہیں کہ دنیا میں انہیں عزت، دولت اور سرداری ملی ہوئی ہے تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ ان سے خوش ہے اور انہیں یہ خوش فہمی بھی ہے کہ اگر اس نے یہاں انہیں یہ سب کچھ دیا ہے تو آخرت میں بھی وہ ضرور انہیں اپنی نعمتوں سے نوازے گا۔ چنانچہ دنیا ہو یا آخرت ان کے لیے تو بھلائی ہی بھلائی ہے۔

﴿لَا جَزَاءَ لَهُمُ النَّارُ وَانَّهُمْ مُفْرَطُونَ﴾ ﴿۶۳﴾ ”اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے لیے آگ ہے اور یہ کہ وہ بڑھائے جا رہے ہیں۔“

دنیا میں ان کی رتی دراز کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی میں جس حد تک جری ہو کر آگے بڑھ سکتے ہیں بڑھتے چلے جائیں۔

آیت ۶۳ ﴿تَاللَّهِ لَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَرَزَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانَ أَعْمَالَهُمْ﴾ ”اللہ کی قسم! ہم نے بھیجا (اپنے رسولوں کو) بہت سی امتوں کی طرف آپ سے پہلے لیکن شیطان نے ان کے لیے اُن کے اعمال کو مزین کیے رکھا“

شیطان کے بہکاوے کے سبب وہ لوگ اس خوش فہمی میں رہے کہ ان کا کچھ ان کی تہذیب اور ان کی روایات سب سے اعلیٰ ہیں۔

﴿فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”تو آج وہی ان کا ساتھی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

آیت ۶۴ ﴿وَمَا أُنزِلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فِيهِ﴾ ”اور انہیں اُناری (اے محمد ﷺ!) ہم نے آپ پر یہ کتاب مگر اس لیے کہ آپ واضح کر دیں ان کے لیے وہ سب کچھ جس میں انہوں نے اختلاف کیا“

﴿وَهْدَىٰ وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ اور یہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لانے والے ہیں۔“

اس آیت کو پڑھتے ہوئے سورہ یونس کی یہ دو آیات بھی ذہن میں رکھیے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۖ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ يُفَضِّلُ اللَّهُ وَرَحْمَتَهُ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا ۖ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَكْتُمُونَ ۝

”اے لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے جو روگ ہیں ان) کی شفا اور ہدایت اور اہل ایمان کے حق میں (بہت بڑی) رحمت۔ (اے نبی ﷺ! ان سے) کہہ دیجیے کہ یہ (قرآن) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (نازل ہوا) ہے، تو چاہیے کہ لوگ اس پر خوشیاں منائیں، وہ بہتر ہے ان چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں۔“

آیت ۶۵ ﴿وَاللَّهُ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْبَتَ بِهِ الْأَرْضُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ﴾ اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے زندہ کر دیا زمین کو اُس کے مُردہ ہو جانے کے بعد۔“

﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُونَ﴾ ”یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو سنتے ہوں۔“

یہ نشانی ان لوگوں کے لیے ہے جن کا سننا حیوانوں کا سا سننا نہ ہو، بلکہ انسانوں کا سا سننا ہو۔ علامہ اقبال نے ”زبورِ عجم“ میں کیا خوب کہا ہے:

دم چیست؟ پیام شنیدی، شنیدی! در خاک تو یک جلوهٔ عام است ندیدی؟  
دیدن دگر آموز! شنیدن دگر آموز!

یعنی سانس جو تم لیتے ہو یہ بھی اللہ کا ایک پیغام ہے، یہ الگ بات ہے کہ تم اس پیغام کو سنتے ہو یا نہیں سنتے ہو۔ یہ درست ہے کہ تم خاک سے بنے ہو، مگر تمہارے اسی خاک کی وجود کے اندر ایک نور اور جلوهٔ ربانی بھی موجود ہے۔ یہ روح ربانی جو تمہارے وجود میں پھونکی گئی ہے یہ جلوهٔ ربانی ہی تو ہے جسے تم دیکھتے ہی نہیں ہو۔ تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ تمہارے اندر کیا کیا کچھ موجود ہے: ﴿وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ﴾ (الذاریات) ”اور تمہارے اندر (کیا کچھ ہے) کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟“ ذرا دوسری طرح کا دیکھنا اور دوسری طرح کا سننا سیکھو! ایسا دیکھنا سیکھو جو چیزوں کی اصلیت کو دیکھ سکے اور ایسا سننے کی صلاحیت حاصل کرو جس سے تمہیں حقیقت کی پہچان نصیب ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر یہ دیکھنا اور یہ سننا محض حیوانوں کا سا دیکھنا اور سننا ہے۔

اے اہل نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!  
اس سورۃ میں تکرار کے ساتھ اہل فکر و دانش کو دعوت دی گئی ہے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر سن کر اور سمجھ کر سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ (آیت زیرِ نظر کے علاوہ ملاحظہ ہوں آیات ۱۲، ۱۶، ۲۹ اور ۷۹)

## آیات ۶۶ تا ۷۰

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ۝ وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ۖ ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۚ يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۖ وَمِنْكُمْ مَنْ يُدْأَىٰ إِلَىٰ أَرْدَلٍ الْعُمَرُ لَكِنَّهَا لَا يَعْلَمُ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ ۝

ع ۱۵

آیت ۶۶ ﴿وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً﴾ ”اور یقیناً تمہارے لیے چوپایوں میں بھی عبرت ہے۔“

چوپایوں کی تخلیق میں بھی تمہارے لیے بڑا سبق ہے۔ ان کو دیکھو غور کرو اور اللہ کی حکمتوں کو پہچانو!

﴿نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ﴾ ﴿۳۱﴾ ”ہم پلاتے ہیں تمہیں اُس میں سے جو اُن کے پیٹوں میں ہوتا ہے، گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پینے والوں کے لیے نہایت خوشگوار۔“

آیت ۶۷ ﴿وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا﴾ ”اور کھجوروں

اور انگوروں کے پھلوں سے بھی اُن سے تم نشہ آور چیزیں بھی بناتے ہو اور اچھا رزق بھی۔“

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ﴾ ﴿۳۲﴾ ”یقیناً اس میں نشانی ہے اُن لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیں۔“

آیت ۶۸ ﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا

يَعْرِشُونَ﴾ ﴿۳۳﴾ ”اور آپ کے رب نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف، کہ گھر بنا پہاڑوں میں، درختوں میں

اور لوگ (انگوروں کی بیلوں کے لیے) جو چھتیاں بناتے ہیں ان میں۔“

یعنی شہد کی مکھی کی فطرت میں یہ چیز ودیعت کر دی گئی ہے۔

آیت ۶۹ ﴿ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا﴾ ”پھر ہر طرح کے میووں میں

سے کھا اور اپنے رب کے ہموار کیے ہوئے راستوں پر چلتی رہ۔“

﴿يَخْرُجُ مِنْ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُخْتَلِفٌ أَلْوَانُهُ فِيهِ شِفَاءٌ لِلنَّاسِ﴾ ”نکلتی ہے ان کے پیٹوں

سے پینے کی ایک شے (شہد) جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔“

شہد کی مکھی جن جن جڑی بوٹیوں اور پودوں کے پھولوں کا رس چوستی ہے اُن کے خواص اور اُن کی تاثیرات کو گویا وہ کشید کرتی ہے۔ اس طرح شہد میں مختلف ادویات کے اثرات بھی شامل ہو جاتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس میں بہت سی بیماریوں کے لیے شفا ہے۔

﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ﴾ ”یقیناً اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں۔“

**آیت ۷۰** ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفَّاكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ أَرْدَلِ الْعُمْرِ﴾ ”اور اللہ ہی نے تمہیں پیدا کیا، پھر وہی تمہیں وفات دے گا، اور تم میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ناکارہ عمر کو لوٹا دیے جاتے ہیں“ ایسی عمر جس میں آدمی ناکارہ ہو کر دوسروں پر بوجھ بن جاتا ہے۔

﴿لَكِنِّي لَا يَعْزِمُكَ عَلَيْهِمْ شَيْئًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ قَدِيرٌ﴾ ”کہ نہ جانے علم رکھنے کے بعد کچھ بھی۔ یقیناً اللہ جاننے والا قدرت والا ہے۔“

بڑھاپے میں اکثر لوگوں کی قوتِ فکر متاثر ہو جاتی ہے اور زیادہ عمر رسیدہ لوگوں کو تو dementia ہو جاتا ہے جس سے ذہنی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں اور یادداشت جواب دے جاتی ہے۔ اس کیفیت میں بڑے بڑے فلسفی اور دانشور بچوں جیسی باتیں کرنے لگتے ہیں۔

## آیات ۷۱ تا ۷۶

وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۖ فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَادِّي رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ ۖ أَفَبِعِزَّةِ اللَّهِ يَتَّخِذُونَ ۖ وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا ۖ وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً ۖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبَاتِ ۚ أَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِعِزَّةِ اللَّهِ هُمُ يُكْفَرُونَ ۖ وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ ۖ فَلَا تَضْرِبُوا لِلَّهِ الْأَمْثَالَ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۖ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَمَن رَّزَقْنَاهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًا ۖ هَلْ يَسْتَوُونَ ۖ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۚ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۖ وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ كَلٌّ عَلَىٰ مَوْلَاهُ ۖ لَا آيِنَا يُوجِّهُهُ ۚ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ۚ هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۖ وَهُوَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۚ

**آیت ۷۱** ﴿وَاللَّهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ﴾ ”اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔“

رزق سے مراد صرف مادی اسباب و وسائل ہی نہیں بلکہ اس میں انسان کی جسمانی و ذہنی صلاحیتیں بھی شامل ہیں۔ مادی وسائل کی کمی بیشی کے بارے میں تو کوئی سوشلسٹ یا کمیونسٹ اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ غلط تقسیم اور غلط نظام کا نتیجہ ہے، جس کا ذمہ دار خود انسان ہے، مگر یہ امر اپنی جگہ اٹل حقیقت ہے کہ ہر انسان کی ذہنی استعداد اور جسمانی طاقت ایک سی نہیں ہوتی۔ جنیز (genes) کے ذریعے وراثت میں ملنے والی تمام صلاحیتیں بھی سب انسانوں میں برابر نہیں ہوتیں، پھر اس میں کسی کے اختیار و انتخاب کو بھی کوئی دخل نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مادی اسباب و وسائل کے علاوہ ذاتی صلاحیتوں میں بھی مختلف انسانوں کو مختلف اعتبار سے ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔

﴿فَمَا لِلدِّينِ فَضْلٌ لِّبَرِّآدَىٰ رِزْقِهِمْ عَلَىٰ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيهِ سَوَاءٌ﴾ ”تو نہیں ہیں وہ لوگ جنہیں (رزق میں) فضیلت دی گئی ہے لوٹانے والے اپنا رزق اپنے غلاموں کو کہ وہ ہو جائیں اس میں برابر۔“

یعنی ایسا تو نہیں ہوتا کہ اُمراء اپنی دولت اور جائیدادیں اپنے غلاموں میں تقسیم کر دیں اور انہیں بھی اپنے ساتھ ان جائیدادوں کا مالک بنالیں۔ تو اگر تم لوگ اپنے غلاموں کو اپنے ساتھ اپنی ملکیت میں شریک نہیں کرتے تو کیا اللہ تمہارے چھوٹے معبودوں کو اپنے برابر کر لے گا؟ اور یہ جو ان لوگوں کا خیال ہے کہ ایک بڑا خدا ہے اور کچھ چھوٹے چھوٹے خدا ہیں اور یہ چھوٹے خدا بڑے خدا سے ان کی سفارش کریں گے تو کیا اللہ پر ان میں سے کسی کی دھونس چل سکے گی یا اللہ ان میں سے کسی کو یہ اختیار دے گا کہ وہ اس سے اپنی کوئی بات منوالے؟

﴿أَفَيْنَعِمَةُ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ ”تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمت کا انکار کر رہے ہیں؟“

**آیت ۲۷** ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا﴾ ”اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری ہی نوع سے بیویاں بنائیں“

عربی میں ”زوج“، شریک حیات (spouse) کو کہتے ہیں اور یہ لفظ بیوی اور خاوند دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ عورت کے لیے مرد زوج ہے اور مرد کے لیے عورت۔

﴿وَجَعَلَ لَكُمْ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِينَ وَحَفَدَةً وَرَزَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ ”اور بنائے تمہارے لیے تمہاری بیویوں سے بیٹے اور پوتے اور رزق دیا تمہیں پاکیزہ چیزوں سے۔“

﴿أَفَالْبَاطِلِ يُؤْمِنُونَ وَبِنِعْمَتِ اللَّهِ هُمْ يَكْفُرُونَ﴾ ”تو کیا یہ لوگ باطل پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کی نعمت کا وہ انکار کرتے ہیں؟“

یعنی کفران نعمت کرتے ہیں۔ یہاں یہ اہم بات لائق توجہ ہے کہ اس سورۃ میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر بہت تکرار کے ساتھ آ رہا ہے۔

**آیت ۷۳** ﴿وَيُعْبَدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَلَا يَسْتَطِيعُونَ﴾ ”اور یہ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا ان کی جنہیں کچھ اختیار نہیں ان کے لیے کسی



رزق کا نہ آسمانوں سے اور نہ زمین سے اور نہ وہ اس کی قدرت ہی رکھتے ہیں۔“

مشرکین عرب ایام جاہلیت میں جو تلبیہ پڑھتے تھے اس میں توحید کے اقرار کے ساتھ ساتھ شرک کا اثبات بھی موجود تھا۔ ان کا تلبیہ یہ تھا: لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِلَّا شَرِيكَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ لِعَنِي مِثْلُ حَاضِرِ هَوْنِ اَللّٰهِ مِثْلِ حَاضِرِ هَوْنِ۔ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں ہے، میں حاضر ہوں۔ سوائے اُس شریک کے کہ اُس کا اور جو کچھ اس کا اختیار ہے سب کا مالک تو ہی ہے۔ یعنی بالآخر اختیار تیرا ہی ہے اور تیرا کوئی شریک تجھ سے آزاد ہو کر خود مختار (autonomous) نہیں ہے۔ چنانچہ جس طرح عیسائیوں نے توحید کو تثلیث میں بدلا اور پھر تثلیث کو توحید میں لے آئے (One in three and three in One) اسی طرح مشرکین عرب بھی توحید میں شرک پیدا کرتے اور پھر شرک کو توحید میں لوٹا دیتے تھے۔

**آیت ۴۷** ﴿فَلَا تَضُرُّوْا لِلّٰهِ اَلْاُمُكَالَۙ﴾ ”تو اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کیا کرو۔“

قبل ازیں اسی سورت (آیت ۶۰) میں ہم پڑھ چکے ہیں: ﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰیۙ﴾ ”اور اللہ کی مثال سب سے بلند ہے“، لیکن اس کا ترجمہ بالعموم یوں کیا جاتا ہے: ”اللہ کی صفت بہت بلند ہے“۔ یا ”اللہ کی شان بہت بلند ہے“۔ اس لیے کہ اللہ کے لیے کوئی مثال بیان نہیں کی جاسکتی۔ انسانی سطح پر بات سمجھنے اور سمجھانے کے لیے کچھ نہ کچھ تمثیلی الفاظ تو استعمال کرنے پڑتے ہیں، مثلاً اللہ کا چہرہ اللہ کا ہاتھ اللہ کا تخت اللہ کی کرسی اللہ کا عرش وغیرہ، لیکن ایسے الفاظ سے ہم نہ تو حقیقت کا اظہار کر سکتے ہیں اور نہ ہی اللہ کی صفات اور اس کے افعال کی حقیقت کو جان سکتے ہیں۔ اسی لیے منع کر دیا گیا ہے کہ اللہ کے لیے مثالیں بیان نہ کیا کرو۔ اس کی منطقی وجہ یہ ہے کہ ہم اگر اس ہستی کے لیے کوئی مثال لائیں گے تو عالم خلق سے لائیں گے، جس کی ہر چیز محدود ہے۔ یا پھر ایسی کوئی مثال ہم اپنے ذہن سے لائیں گے، جبکہ انسانی سوچ، قوتِ تخیل اور تصورات بھی سب محدود ہیں۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی ذات مطلق (Absolute) ہے اور اس کی صفات بھی مطلق ہیں۔ چنانچہ انسان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ ایسی مطلق ہستی کے لیے کوئی مثال بیان کر سکے۔ اسی لیے سورۃ الشوریٰ کی آیت ۱۱ میں دو ٹوک انداز میں فرما دیا گیا: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌۙ﴾ کہ اس کی مثال کی سی بھی کوئی شے موجود نہیں۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَۙ﴾ ”بے شک اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔“

**آیت ۵۷** ﴿صَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًَا لَا يَقْدِرُ عَلٰی شَيْءٍۙ﴾ ”اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک

غلام مملوک کی، جو اختیار نہیں رکھتا کسی چیز پر بھی“

اللہ تعالیٰ ان کے شرک کی نفی کے لیے یہ مثال بیان کر رہا ہے کہ ایک بندہ وہ ہے جو کسی کا غلام اور مملوک ہے، اس کا کچھ اختیار نہیں، وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی کر سکتا۔

﴿وَمَنْ رَزَقْنٰهُ مِمَّا رَزَقْنَا حَسَنًا فَهُوَ يَنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَجَهْرًاۙ﴾ ”اور (ایک وہ ہے) جس کو ہم

نے اپنے پاس سے بہت اچھا رزق دیا ہے اور وہ اس میں سے خرچ کرتا ہے چھپ کر بھی اور علانیہ بھی۔“

رزق میں مال، علم اور صلاحیتیں سب شامل ہیں۔ یعنی وہ شخص مال بھی خرچ کر رہا ہے، لوگوں کو تعلیم بھی

دے رہا ہے اور کئی دوسرے طریقوں سے بھی لوگوں کو مستفید کر رہا ہے۔

﴿هَلْ يَسْتَوْنَ ۖ الْحَمْدُ لِلَّهِ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝۷۵﴾ ”کیا یہ (دونوں) برابر ہیں؟ کل تعریف اور شکر اللہ کے لیے ہے، لیکن ان کی اکثریت علم نہیں رکھتی۔“

ایک طرف اللہ کا وہ بندہ ہے جو اُس کے دین کی خدمت میں مصروف ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فرائض سرانجام دے رہا ہے، لوگوں میں دین کی تعلیم کو عام کر رہا ہے یا اگر صاحب ثروت ہے تو اپنا مال اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے خرچ کر رہا ہے اور محتاجوں کی مدد کر رہا ہے۔ جب کہ دوسری طرف ایک ایسا شخص ہے جس کے پاس کچھ اختیار و قدرت نہیں ہے وہ اپنی مرضی سے کچھ کر ہی نہیں سکتا۔ تو یہ دونوں برابر کیسے ہو سکتے ہیں؟

آیت ۷۶ ﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا أَبْنُكُم لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ وَهُوَ كَلٌّ عَلَى مَوْلَاهُ ۝﴾ ”اور اللہ نے (اب ایک اور) مثال بیان کی دو اشخاص کی، ان میں سے ایک گونگا ہے وہ قدرت نہیں رکھتا کسی بھی چیز پر اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے“

﴿اَيْنَمَا يُوَجِّهْ لَا يَأْتِ بِخَيْرٍ ۝﴾ ”جہاں کہیں بھی وہ (آقا) اسے بھیجتا ہے وہ کوئی خیر لے کر نہیں آتا۔“ ایک شخص کے دو غلام ہیں۔ ایک غلام گونگا ہے کسی کام کی کوئی صلاحیت نہیں رکھتا، الٹا اپنے مالک پر بوجھ بنا ہوا ہے۔ کام وغیرہ کچھ نہیں کرتا، صرف روٹیاں توڑتا ہے۔ اگر اس کا آقا اسے کسی کام سے بھیج دے تو وہ کام خراب کر کے ہی آتا ہے۔

﴿هَلْ يَسْتَوِي هُوَ وَمَنْ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ ۖ وَهُوَ عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝۷۷﴾ ”کیا برابر ہوگا وہ اور وہ جو حکم دیتا ہے عدل کا، اور وہ سیدھی راہ پر قائم ہے؟“

اللہ تعالیٰ نے یہاں ایک شخص کے دو غلاموں کے حوالے سے دو طرح کے انسانوں کی مثال بیان فرمائی ہے کہ سب انسان میرے غلام ہیں۔ لیکن میرے ان غلاموں کی ایک قسم وہ ہے جو میری نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں مگر میرا کوئی کام نہیں کرتے، میرے دین کی کچھ خدمت نہیں کرتے، میری مخلوق کے کسی کام نہیں آتے۔ یہ لوگ اس غلام کی مانند ہیں جو اپنے آقا پر بوجھ ہیں۔ دوسری طرف میرے وہ بندے اور غلام ہیں جو دن رات میری رضا جوئی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں، نیکی کا حکم دے رہے ہیں اور برائی سے روک رہے ہیں، میرے دین کو قائم کرنے کی جدوجہد میں وہ اپنے تین، من اور دھن کی قربانیاں پیش کر رہے ہیں۔ تو کیا یہ دونوں طرح کے انسان برابر ہو سکتے ہیں؟

## آیات ۷۷ تا ۸۳

وَلِلَّهِ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَمَا أَمْرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ وَاللَّهُ أَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ شَيْئًا ۖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ ۚ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝ أَلَمْ يَدْعُوا إِلَى الظُّلُمِ مَسْحَرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ ۖ مَا يُبْسِكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ۚ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ يُّوْمَتِكُمْ سَكَتًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ يُّوْمًا تَسْلَخُوْنَهَا يَوْمَ  
ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۚ وَمِنْ اَصْوَابِهَا وَاَوْبَارُهَا وَاَشْعَارُهَا اَنَّا كُنَّا اِلَىٰ حَبِيْن ۝  
وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا وَجَعَلَ لَكُم مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَجَعَلَ لَكُم سَرَائِلَ  
تَقِيْكُمْ الْحَرَّ وَسَرَائِلَ تَقِيْكُمْ بَاسَكُمْ ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ  
كُوَلِّوْا فَاَنْتُمْ عَلَيْكَ الْبَلَاءُ الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَةَ اللّٰهِ ثُمَّ يَنْكُرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُوْنَ ۝

آیت ۷۷ ﴿وَاللّٰهُ غَيَّبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”اور آسمانوں اور زمین کی ساری چھپی باتیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔“

﴿وَمَا اَمَرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمَحِ الْبَصْرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ”اور قیامت کا معاملہ تو ایسے ہے جیسے نگاہ کا لپکنا یا (ممكن ہے) وہ اس سے بھی قریب تر ہو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“

آیت ۷۸ ﴿وَاللّٰهُ اٰخَرُ جَنَّتُمْ مِّنْ يُّبُطُوْنَ اُمِّهْتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا﴾ ”اور اللہ نے تمہیں نکالا تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے جبکہ تم کچھ نہیں جانتے تھے“

نوزائیدہ بچہ عقل و شعور اور سمجھ بوجھ سے بالکل عاری ہوتا ہے، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کا بچہ تمام حیوانات کے بچوں سے زیادہ کمزور اور زیادہ محتاج (dependent) ہوتا ہے۔

﴿وَجَعَلَ لَكُم السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ﴾ ”اور تمہارے لیے سماعت، بصارت اور عقل بنائی۔“

اَفْئِدۃ کا ترجمہ عام طور پر ”دل“ کیا جاتا ہے، مگر میرے نزدیک اس سے مراد عقل اور شعور ہے۔ اس پر تفصیلی گفتگو ان شاء اللہ سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ﴿اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْنُوْلًا﴾ کے ضمن میں ہوگی۔ آیت زیر نظر میں کانوں اور آنکھوں کا ذکر انسانی حواس (senses) کے طور پر ہوا ہے اور ان حواس کا تعلق عقل (اَفْئِدۃ) کے ساتھ وہی ہے جو کمپیوٹر کے input devices کا اس کے پراسیسنگ یونٹ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس طرح کمپیوٹر کا پراسیسنگ یونٹ مختلف ذرائع سے حاصل ہونے والی معلومات (data) کو پراسس کر کے اس سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اسی طرح حواس خمسہ سے حاصل ہونے والی معلومات سے انسانی دماغ سوچ بچار کر کے کوئی نتیجہ نکالتا ہے۔ انسان کی اسی صلاحیت کو ہم عقل کہتے ہیں اور میرے نزدیک اَفْئِدۃ سے مراد انسان کی یہی عقل ہے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ”تا کہ تم شکر کرو۔“

یہ تمام صلاحیتیں انسان کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں اور اللہ نے یہ نعمتیں انسان کو اس لیے عطا کی ہیں کہ وہ ان پر اللہ کا شکر ادا کرے اور اس سلسلے میں اللہ کے شکر کا تقاضا یہ ہے کہ انسان ان نعمتوں کا استعمال درست طور

پر کرے اور ان سے کوئی ایسا کام نہ لے جس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا کوئی پہلو نکلتا ہو۔

**آیت ۷۹ ﴿لَمْ يَرَوْا إِلَى الظَّيْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوْ السَّمَاءِ ۖ مَا يُمَسِّكُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ﴾** ”کیا یہ دیکھتے نہیں پرندوں کو کہ وہ آسمان کی فضا میں مسخر ہیں، انہیں نہیں تھا ماہوا کسی نے سوائے اللہ کے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کے قانون کے مطابق یہ پرندے فضا میں تیر رہے ہیں۔

**﴿إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾** ”یقیناً اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو

ایمان رکھتے ہوں۔“

**آیت ۸۰ ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّنْ بُيُوتِكُمْ مَسْكَناً﴾** ”اور اللہ نے تمہارے گھروں میں تمہارے لیے سکونت کی جگہ بنائی ہے“

**﴿وَجَعَلَ لَكُم مِّنْ جُلُودِ الْأَنْعَامِ بُيُوتًا تَسْتَخِفُّونَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ إِقَامَتِكُمْ﴾** ”اور اُس نے بنادیے تمہارے لیے چوپایوں کی کھالوں سے ایسے گھر (خیمے) جنہیں تم بہت ہلکا پھلکا پاتے ہو اپنے کوچ اور قیام کے دن“

جانوروں کی کھالوں سے بنائے گئے خیمے بہت ہلکے پھلکے ہوتے ہیں۔ چنانچہ دورانِ سفر بھی انہیں اٹھانا آسان ہوتا ہے اور اسی طرح جب اور جہاں چاہیں انہیں آسانی سے گاڑ کر آرام دہ قیام گاہ بنائی جاسکتی ہے۔

**﴿وَمِنْ أَصْوَابِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ﴾** ”اور (اُس نے بنایا تمہارے لیے) اُن (بھیڑوں) کی اُون سے اور ان (اونٹوں اور بکریوں) کے بالوں سے سامان اور برتنے کی چیزیں ایک خاص وقت تک کے لیے۔“

قبل ازیں آیت ۵ میں جانوروں کے بالوں کی افادیت کے حوالے سے ”ذِفَّ“ کا لفظ استعمال ہوا تھا جس میں سردی کی شدت سے بچنے کے لیے کپڑا تیار کرنے کی طرف اشارہ تھا۔ یہاں اس سلسلے میں وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ مختلف جانوروں کی اون اور ان کے بالوں کی صورت میں اللہ نے تمہارے لیے قدرتی ریشہ (fiber) پیدا کر دیا ہے جس سے تم لوگ کپڑے بننے ہو اور دوسری بہت سی مفید اشیاء بناتے ہو۔ ایک مدت تک انسان کے پاس کپڑا بنانے کے لیے جانوروں سے حاصل ہونے والے اس ریشے کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں تھی۔ کپاس کی دریافت بہت بعد میں ہوئی۔ موجودہ زمانے میں اس مقصد کے لیے اگرچہ مصنوعی ریشے کی رنگارنگ اقسام موجود ہیں مگر اس قدرتی ریشے کی اہمیت و افادیت سے آج بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔

**آیت ۸۱ ﴿وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّمَّا خَلَقَ ظِلَالًا﴾** ”اور اللہ ہی نے بنایا تمہارے لیے اپنی پیدا کردہ

چیزوں سے سایہ“

اللہ نے درختوں اور بہت سی دوسری چیزوں سے سائے کا نظام وضع فرمایا ہے جو انسانی زندگی کے لیے

بہت مفید ہے۔

﴿وَجَعَلْ لَكُمْ مِنَ الْجِبَالِ أَكْنَآءً﴾ ”اور اسی نے بنائیں تمہارے لیے پہاڑوں کے اندر پناہ گاہیں“  
پہاڑوں کے اندر قدرتی غاریں پائی جاتی ہیں جن میں لوگ طوفانی ہواؤں وغیرہ کی شدت سے بچنے کے لیے پناہ لے سکتے ہیں۔ پرانے زمانے میں تو اس حوالے سے ان غاروں کی بہت اہمیت تھی۔  
﴿وَجَعَلْ لَكُمْ سَرَآئِلَ تَقِيْكُمْ الْحَرَّ وَسَرَآئِلَ تَقِيْكُمْ بَأْسَكُمْ ط﴾ ”اور بنائے تمہارے لیے ایسے لباس جو تمہیں بچاتے ہیں گرمی سے اور ایسے لباس (زر ہیں) جو تمہیں بچاتے ہیں تمہاری لڑائی میں“  
﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝۸﴾ ”اسی طرح وہ اتمام فرماتا ہے اپنی نعمت کا تم پر تاکہ تم اطاعت کی روش اختیار کرو۔“

جیسا کہ قبل ازیں بھی اشارہ کیا گیا ہے اس سورت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے ذکر کی تکرار بہت زیادہ ہے۔ (مزید ملاحظہ ہوں آیات ۱۸، ۳۵، ۷۲، ۸۳ اور ۱۱۴)۔

**آیت ۸۲** ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ الْمُبِينُ ۝۸﴾ ”تو (اے نبی ﷺ!) اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو آپ پر تو صرف صاف صاف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے۔“  
**آیت ۸۳** ﴿يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ۝۹﴾ ”یہ لوگ اللہ کی نعمت کو پہچانتے ہیں پھر منکر ہو جاتے ہیں اور ان میں اکثر ناشکرے ہیں۔“

### آیات ۸۲ تا ۸۹

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُذْنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْا الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ وَإِذَا رَأَوْا الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَائُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ ۖ فَأَلْقُوا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ ۖ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۖ وَأَلْقُوا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَامَ وَصَلَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا أَلْوَقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ ط وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ۝

**آیت ۸۴** ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا﴾ ”اور جس دن ہم اٹھائیں گے ہر امت میں سے ایک گواہ“  
شہادت حق کا یہ مضمون اس سورت میں دو مرتبہ (مزید ملاحظہ ہو آیت ۸۹) آیا ہے جبکہ قبل ازیں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ اور سورۃ النساء کی آیت ۴۱ میں بھی اس کا ذکر ہے۔ آیت زیر نظر میں ہر امت میں سے جس گواہ کا ذکر ہے وہ اس امت کا نبی یا رسول ہوگا۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا: ﴿فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۝﴾ ”ہم ضرور پوچھیں گے ان سے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ہم رسولوں

سے بھی پوچھیں گے۔“ روز محشر ہر امت کی پیشی کے وقت اس امت کا رسول عدالت کے سرکاری گواہ (prosecution witness) کی حیثیت سے گواہی دے گا کہ اے اللہ! تیری طرف سے جو پیغام مجھے اس قوم کے لیے ملا تھا وہ میں نے بے کم و کاست ان تک پہنچا دیا تھا۔ اب یہ لوگ جو ابده ہیں ان سے محاسبہ ہو سکتا ہے۔ اس طرح تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اپنی اپنی امت کے خلاف گواہی دیں گے۔

﴿ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ﴾ (۸۵) ”پھر کافروں کو نہ (بولنے کی) اجازت ملے گی اور نہ ہی ان کو عذر پیش کرنے کا موقع دیا جائے گا۔“

اُس وقت انہیں ایسا موقع فراہم نہیں کیا جائے گا کہ وہ عذر تراش کر اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر سکیں۔

**آیت ۸۵** ﴿وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ﴾ (۸۶) ”اور جب یہ ظالم دیکھ لیں گے عذاب کو تو پھر اسے ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی انہیں کوئی مہلت دی جائے گی۔“

**آیت ۸۶** ﴿وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَائُونَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ﴾ (۸۷) ”اور جب مشرک لوگ دیکھیں گے اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں کو تو کہیں گے کہ اے ہمارے رب! یہی ہیں ہمارے وہ شریک جنہیں ہم تیرے سوا پکارا کرتے تھے۔“

﴿فَالْقَوْلُ إِلَيْهِمُ الْقَوْلُ لَكِذِبُونَ﴾ (۸۸) ”تو وہ پھینک دیں گے یہ بات انہی کی طرف کہ تم لوگ یقیناً جھوٹ بول رہے ہو۔“

شُرکاء کا ارتکاب کرنے والے یہ لوگ محشر میں جب اُن مقدس ہستیوں کو دیکھیں گے جن کے نام کی وہ دنیا میں دہائی دیا کرتے تھے تو پکارا نہیں گے کہ اے اللہ! یہ ہیں وہ ہستیاں جنہیں ہم پکارا کرتے تھے آپ کو چھوڑ کر۔ مثلاً حضرت عبدالقاور جیلانی علیہ السلام کے نام کی دہائی دینے والے جب وہاں آپ کو بلند مراتب پر فائز دیکھیں گے تو آپ کو پہچان کر ایسے کہیں گے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا شریک ٹھہرانے والے جب آپ کو دیکھیں گے تو پکارا نہیں گے کہ یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم جنہیں ہم اللہ کا چہیتا بیٹا سمجھتے تھے اور ہمارا عقیدہ تھا کہ وہ سولی پر چڑھ کر ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر چکے ہیں۔

یہ تمام مقدس ہستیاں وہاں مشرکین کے مشرکانہ عقائد سے اظہارِ براءت کریں گی کہ ہمارا تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہمیں کچھ معلوم نہیں ہے کہ تم لوگ دنیا میں ہماری عبادت کیا کرتے تھے اور اللہ کے سوا ہمیں پکارا کرتے تھے۔ قبل ازیں یہ مضمون سورہ یونس کی آیت ۱۲۸ اور ۲۹ میں بھی گزر چکا ہے۔

**آیت ۸۷** ﴿وَالْقَوْلُ إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَامُ وَصَلَّى عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ (۸۹) ”اور وہ (سب کے سب) اُس روز اللہ کے حضور عاجزی پیش کریں گے اور گم ہو جائیں گے اُن سے (وہ عقائد) جو وہ گھڑا کرتے تھے۔“

ایسی مقدس ہستیوں کے بارے میں جو عقائد اور نظریات انہوں نے گھڑ رکھے تھے کہ وہ انہیں عذاب سے

بچالیں گے اور اللہ کی پکڑ سے چھڑالیں گے، ایسے تمام خود ساختہ عقائد میں سے اس دن انہیں کچھ بھی یاد نہیں رہے گا اور عذاب کو دیکھ کر ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ جائیں گے۔

**آیت ۸۸** ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَلُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ﴾<sup>(۸۸)</sup> ”وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور روکتے رہے (دوسروں کو) اللہ کے راستے سے، ہم ان کے عذاب پر عذاب کا اضافہ کرتے جائیں گے، بسبب اس فساد کے جو وہ کرتے تھے۔“

اُن لوگوں کا عذاب بتدریج بڑھتا ہی چلا جائے گا جنہوں نے نہ صرف حق کو جھٹلایا بلکہ اس کے خلاف سازشیں کیں اور لوگوں کو اور غلام کر اللہ کے رستے سے روکتے رہے۔

**آیت ۸۹** ﴿وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ ”اور (ذرا تصور کرو اُس دن کا) جس دن ہم ہر امت میں کھڑا کریں گے ایک گواہ ان پر ان ہی میں سے“

یہ وہی الفاظ ہیں جو ہم آیت ۸۴ میں پڑھ آئے ہیں۔ قیامت کے دن تمام رسول اپنی اپنی امت پر گواہ ہوں گے۔ سورۃ الاحزاب میں محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں اس حوالے سے فرمایا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾<sup>(۸۹)</sup> وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِأَذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا﴾ ”اے نبی! یقیناً ہم نے آپ کو بھیجا ہے گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر اور بلانے والا اللہ کی طرف اس کے حکم سے اور ایک روشن چراغ۔“ اسی طرح سورۃ المزمل میں حضور ﷺ کے بارے میں فرمایا: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَا إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَهِيدًا عَلَيْكُمْ كَمَا أَرْسَلْنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا﴾<sup>(۹۰)</sup> ”یقیناً ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک رسول، گواہی دینے والا تم پر جیسے ہم نے بھیجا تھا فرعون کی طرف ایک رسول۔“

﴿وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَؤُلَاءِ﴾ ”اور آپ کو کھڑا کریں گے گواہ (بنا کر) ان کے خلاف۔“ قبل ازیں ہم سورۃ النساء میں بھی اس سے ملتی جلتی یہ آیت پڑھ چکے ہیں: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾<sup>(۹۱)</sup> ”پھر کیا حال ہوگا جب ہم لائیں گے ہر امت میں سے ایک گواہ اور آپ کو لائیں گے ان پر گواہ۔“ یہاں هَؤُلَاءِ کے لفظ میں قریش مکہ کی طرف اشارہ ہے جن تک حضور ﷺ نے براہ راست اللہ کی دعوت پہنچادی تھی۔ لہذا قیامت کے دن آپ ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ اے اللہ میں نے آپ کا پیغام بے کم و کاست ان تک پہنچا دیا تھا اور اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ میں نے اس ضمن میں برس ہا برس تک ان کے درمیان ہر طرح کی مشقت اٹھائی۔ انہیں تنہائی میں فردا فردا بھی ملا اور علی الاعلان اجتماعی طور پر بھی اُن سے مخاطب ہوا۔ میں نے اس سلسلے میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا یہ پیغام اہل عرب تک براہ راست پہنچا دیا اور باقی دنیا تک قیامت تک کے لیے یہ پیغام پہنچانے کی ذمہ داری آپ ﷺ نے امت کو منتقل فرمادی۔ اب اگر امت اس فرض میں کوتاہی کرے گی تو لوگوں کی گمراہی کا وبال افراد امت پر آئے گا۔ چنانچہ یہ بہت بھاری اور نازک ذمہ داری ہے جو امت مسلمہ کے افراد ہونے کے سبب ہمارے کندھوں پر آپڑی ہے۔ سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۴۳ میں امت مسلمہ کی اس ذمہ داری

کا ذکر تحولِ قبلہ کے ذکر کے فوراً بعد اس طرح فرمایا گیا: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ ”اسی طرح ہم نے تمہیں ایک اُمتِ وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے۔“ اس بھاری ذمہ داری کی ادائیگی کے دوران بہت مشکل اور جاس گسل مراحل کا آنا گزیر ہے۔ اس طرح کے مشکل مراحل سے گزرنے کا طریقہ سورۃ البقرہ ہی میں آگے چل کر اس طرح واضح کیا گیا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ ”اے اہل ایمان تم مدد طلب کرو نماز اور صبر کے ساتھ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ اور پھر اس راہ میں جان کی بازی لگانے والے خوش نصیب اہل ایمان کی دلجوئی اس طرح فرمائی گئی: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ ”اور مت کہو انہیں مُردہ جو اللہ کے رستے میں قتل کر دیے جائیں بلکہ وہ زندہ ہیں مگر تمہیں (ان کی زندگی کا) شعور نہیں۔“

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ بَيِّنَاتٍ لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ﴾ ”(اے نبی ﷺ!) ہم نے اُتار دی ہے آپ پر یہ کتاب وضاحت کرتی ہوئی ہر شے کی اور یہ ہدایت، رحمت اور بشارت (بن کر آئی) ہے مسلمانوں کے لیے۔“

یعنی حیاتِ انسانی کے تمام مسائل کا حل قرآن میں موجود ہے۔ قرآن ان لوگوں کے لیے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے جو مسلم یعنی اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں۔

## آیات ۹۰ تا ۱۰۰

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۹۰﴾ وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿۹۱﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ إِنَّمَا يَبْهَتُكُمْ اللَّهُ بِهِ وَلِيُبَيِّنَ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۹۲﴾ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَكِنْ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَنْ يَشَاءُ وَلِيُخَلِّفَ فِيكُمْ مَنْ شَاءَ وَلَسْتَ لَكُمْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَتَّخِذُوا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوتِهَا وَتَذُوقُوا السُّوْءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۹۴﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۵﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيَاتٍ طَيِّبَةً



وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۰﴾ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿۹۱﴾ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿۹۲﴾ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُونَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ﴿۹۳﴾

**آیت ۹۰** ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَايَ ذِي الْقُرْبَى﴾ ”یقیناً اللہ حکم دیتا ہے عدل کا احسان کا اور قربت داروں کو (ان کے حقوق) ادا کرنے کا“

﴿وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ﴾ ”اور وہ روکتا ہے بے حیائی، برائی اور سرکشی سے۔“  
﴿يُعْظَمُ لَكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ ”وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق حاصل کرو۔“

یہ آیت اس لحاظ سے بہت مشہور ہے کہ اکثر جمعہ المبارک کے خطبات میں شامل کی جاتی ہے۔ یہ بہت ہی جامع آیت ہے اور اس میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے انداز میں تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے اور تین ہی چیزوں سے منع کیا گیا ہے۔ پہلا حکم عدل کا ہے اور دوسرا احسان کا۔ عدل تو یہ ہے کہ جس کا جس قدر حق ہے عین اسی قدر آپ اسے دے دیں، لیکن احسان ایک ایسا عمل ہے جو عدل سے بہت اعلیٰ وارفع ہے۔ یعنی احسان یہ ہے کہ آپ کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیں اور یہ عمل اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ چنانچہ اللہ محسنین کو محبوب رکھتا ہے۔ تیسرا حکم قربت داروں کے حقوق کا خیال رکھنے کے بارے میں ہے، یعنی ان سے حسن سلوک سے پیش آنا، صلہ رحمی کے تقاضے پورے کرنا اور انفاق مال کے سلسلے میں ان کو ترجیح دینا۔ یہ تین احکام ان اعمال کے بارے میں ہیں جو ایک اچھے معاشرے کی بنیاد کا کام دیتے ہیں۔

جن چیزوں سے یہاں منع فرمایا گیا ہے ان میں سب سے پہلے بے حیائی ہے۔ حیا گویا انسان اور ہر بُرے کام کے درمیان پردہ ہے۔ جب تک یہ پردہ قائم رہتا ہے انسان عملی طور پر برائی سے بچا رہتا ہے اور جب یہ پردہ اٹھ جاتا ہے تو پھر انسان بے شرم ہو کر آزاد ہو جاتا ہے۔ پھر وہ مع ”بے حیاباش و ہرچہ خواہی کن!“ کا مصداق بن کر جو چاہے کرتا پھرتا ہے۔ بے حیائی کے بعد منکر سے منع کیا گیا ہے۔ منکر ہر وہ کام ہے جس کے برے ہونے پر انسان کی فطرت گواہی دے۔ تیسرا ناپسندیدہ عمل یا جذبہ البغی یعنی سرکشی ہے۔ یہ سرکشی اگر اللہ کے خلاف ہو تو بغاوت ہے اور یوں کفر ہے اور اگر یہ انسانوں کے خلاف ہو تو اسے ”عُدوان“ کہا جاتا ہے یعنی ظلم اور زیادتی۔ بہر حال ان دونوں سطحوں پر یہ انتہائی ناپسندیدہ اور مذموم جذبہ ہے۔

اگلی چند آیات مشکلات القرآن میں سے ہیں۔ ان کی تفسیر کے بارے میں بہت سی آراء ہیں جو سب کی سب یہاں بیان نہیں کی جاسکتیں۔ میں یہاں صرف وہ رائے بیان کروں گا جس سے مجھے اتفاق ہے۔ میری رائے کے مطابق ان آیات میں روئے سخن اہل کتاب کی طرف ہے۔ مکی سورتوں میں اگرچہ اہل کتاب سے ”یَسْبِي اسْرَائِيل“ یا ”يَا اَهْلَ الْكِتَابِ“ کے الفاظ سے براہ راست خطاب نہیں کیا گیا، لیکن سورۃ الانعام اور اس کے بعد (مکی دور کے آخری سالوں میں) نازل ہونے والی سورتوں میں اہل کتاب کو بالواسطہ انداز میں

مخاطب کرنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک محمد رسول اللہ ﷺ کے دعوائے نبوت کے بارے میں خبریں مدینہ پہنچ چکی تھیں اور یہود مدینہ ان خبروں کو سن کر بہت متحسنا نہ انداز میں مزید معلومات کی ٹوہ میں تھے۔ ان میں سے کچھ لوگ تو نبی آخر الزماں ﷺ کو پہچان بھی چکے تھے اور وہ اس انتظار میں تھے کہ مزید معلومات سے آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق ہو جائے تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ دوسری طرف یہود مدینہ ہی میں سے کچھ لوگوں کے دلوں میں آپ ﷺ کے خلاف حسد کی آگ بھی بھڑک چکی تھی۔ اس قسم کے لوگ آپ ﷺ کی مخالفت کے لیے قریش مکہ سے مسلسل رابطے میں تھے اور آپ کی آزمائش کے لیے قریش مکہ کو مختلف قسم کے سوالات بھیجتے رہتے تھے۔ ان سوالات میں ایک اہم سوال یہ بھی تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسحاق علیہ السلام تو فلسطین میں آباد تھے لیکن ان کی اولاد یعنی بنی اسرائیل کے لوگ وہاں سے مصر کیسے پہنچے؟ ان کا یہی سوال تھا جس کے جواب میں پوری سورہ یوسف نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ وہ معروضی صورت حال تھی جس کی وجہ سے مکی دور کی آخری سورتوں میں کہیں کہیں اہل کتاب کا ذکر بھی موجود ہے اور بالواسطہ طور پر ان سے خطاب بھی ہے۔ اس پس منظر میں میری رائے یہی ہے کہ آئندہ آیات میں روئے سخن اہل کتاب کی طرف ہے۔

**آیت ۹۱ ﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّكُمْ لَفِي عَهْدٍ﴾** ”اور اللہ کے عہد کو پورا کرو جب کہ تم عہد کر چکے ہو“

یہاں بنی اسرائیل کا وہ وعدہ مراد ہے جس کی تفصیل بعد میں مدنی سورتوں میں آئی۔ مدنی سورتوں میں ان کے اس عہد کا بار بار ذکر کیا گیا ہے: ﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ .....﴾ (البقرہ: ۶۳)۔ یہاں پر اس عہد کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اس کا تذکرہ کر دیا گیا کہ ”عاقلاں را اشارہ کافی است“۔ مقصد یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے صاحبان علم و بصیرت بات کو سمجھنا چاہیں تو سمجھ لیں۔

**﴿وَلَا تَنْفُضُوا الْإِيمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا﴾** ”اور اپنی قسموں کو

مت توڑ و مضبوطی سے باندھنے کے بعد جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ ٹھہرا چکے ہو۔“

**﴿إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾** ”یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو۔“

یعنی یہ عہد تم نے اللہ کو گواہ بنا کر اور اللہ کی قسمیں کھا کر باندھا ہوا ہے۔

**آیت ۹۲ ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَقَضَتْ غَزْلَهُمَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا﴾** ”اور مت ہو جاؤ اُس

(دیوانی) عورت کی مانند جس نے اپنا سوت توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (مضبوطی سے کاٹنے) کے بعد۔“

دیکھو تم تو ایک مدت سے نبی آخر الزماں ﷺ کے منتظر چلے آ رہے تھے اور اہل عرب کو اس حوالے سے دھکایا بھی کرتے تھے کہ نبی آخر الزماں آنے والے ہیں جب وہ تشریف لے آئے تو ہم ان کے ساتھ مل کر تم لوگوں پر غالب آ جائیں گے۔ اب جب کہ وہ نبی آ گئے ہیں تو تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ تم اُن کو جھٹلانے کے لیے بہانے ڈھونڈ رہے ہو! تو کیا اب تم لوگ اپنے منصوبوں اور افکار و نظریات کے تانے بانے خود اپنے ہی ہاتھوں تار تار کر دینے پر تمل گئے ہو؟ کیا اُس دیوانی عورت کی طرح تمہاری بھی مت ماری گئی ہے جو بڑی محنت اور مشقت کے ساتھ کاتے ہوئے اپنے ٹوت کی تار تار ادھیڑ کے رکھ دے؟

﴿تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ﴾ ”تم اپنی قسموں کو اپنے مابین دخل دینے کا ذریعہ بناتے ہو تا کہ نہ ہو جائے ایک قوم بڑھی ہوئی دوسری قوم سے۔“

یعنی تم نے تو اس معاملے کو گویا دو قوموں کا تنازعہ بنا لیا ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ وہی نبی (ﷺ) ہیں جن کی بشارت تمہاری کتاب میں موجود ہے، تم آپس میں عہد و پیمان کر رہے ہو، قسمیں کھا رہے ہو کہ ہم ہرگز آپ (ﷺ) پر ایمان نہیں لائیں گے۔ تمہاری اس ہٹ دھرمی کی وجہ اس کے سوا اور کوئی نہیں کہ تم قومی عصبيت میں مبتلا ہو چکے ہو۔ چونکہ اس آخری نبی ﷺ کا تعلق بنی اسماعیل یعنی اُمّیّین سے ہے، اس لیے تم لوگ نہیں چاہتے کہ بنی اسماعیل کو اب ویسی ہی فضیلت حاصل ہو جائے جو پچھلے دو ہزار سال سے تم لوگوں کو حاصل تھی۔

﴿إِنَّمَا يَنْلِزُكُمُ اللَّهُ بِهِ﴾ ”یقیناً اللہ تمہیں آزار مار رہا ہے اس کے ذریعے سے۔“

اس میں تمہاری آزمائش ہے۔ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ تم لوگ حق پرست ہو یا نسل پرست؟ اگر تم لوگ اس معاملے میں نسل پرستی کا ثبوت دیتے ہو تو جان لو کہ اللہ سے تمہارا کوئی تعلق نہیں اور اگر حق پرست بننا چاہتے ہو تو تمہیں سوچنا چاہیے کہ ایک مدت تک اللہ تعالیٰ نے نبوت تمہاری نسل میں رکھی اور اب اللہ تعالیٰ نے بنی اسماعیل کے ایک فرد کو اس کے لیے جن لیا ہے۔ لہذا اسے اللہ کا فیصلہ سمجھتے ہوئے تمہیں قبول کر لینا چاہیے۔ تمہیں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ بنی اسماعیل بھی تو آخر تمہاری ہی نسل میں سے ہیں۔ وہ بھی تمہارے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد ہیں، مگر تم لوگ ہو کہ تم نے اس معاملے کو باہمی خصامت اور ضد ﴿بَغْيًا بَيْنَهُمْ﴾ کی بھیئت چڑھا دیا ہے اور اس طرح تم لوگ اللہ کی اس آزمائش میں ناکام ہو رہے ہو۔

﴿وَلَيَسِّتَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ ﴿۹۷﴾ ”اور وہ ضرور ظاہر کرے گا تم پر قیامت کے دن وہ سب کچھ جس میں تم لوگ اختلاف کرتے تھے۔“

**آیت ۹۳** ﴿وَأَوْشَاءَ اللَّهُ لَبِغْلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو تمہیں ایک ہی اُمت بنا دیتا“ اللہ تعالیٰ یہ بھی کر سکتا تھا کہ پوری انسانیت کو ایک ہی اُمت بنا دیتا تا کہ نسلوں اور قوموں کی یہ تفریق ہی نہ ہوتی اور نہ ہی ایک اُمت کو معزول کر کے دوسری اُمت کو نوازنے کی ضرورت پیش آتی۔ پھر جس اللہ نے جنتِ نصر کے ہاتھوں تمہاری بربادی کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام کی دعوتِ توبہ کے ذریعے تمہاری نشاۃ ثانیہ کی تھی، وہ یہ بھی کر سکتا تھا کہ ایک دفعہ پھر کسی اصلاحی تحریک کے ذریعے تمہیں اپنی ہدایت اور رحمت سے نواز دیتا۔ اس طرح آخری نبی بھی تم ہی میں آتے اور یہ قرآن بھی تم ہی کو ملتا۔ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ سب کچھ ممکن تھا۔

﴿وَلَكِنْ يَفْضَلُ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي مَنْ يَشَاءُ﴾ ”لیکن وہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے۔“

آیت کے اس حصے کا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ ”وہ گمراہ کرتا ہے اُسے جو (گمراہی) چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے اُسے جو (ہدایت) چاہتا ہے۔“

﴿وَلَكِنْ سَنَلْنٰ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ﴿۹۴﴾ ”اور تم سے ضرور پوچھا جائے گا اُس بارے میں جو کچھ تم

کرتے تھے۔“

یعنی اس وقت تم لوگ ایک بہت بڑے امتحان سے دوچار ہو۔ تمہارے پاس نبی آخر الزماں ﷺ کے بارے میں واضح نشانیوں کے ساتھ علم آچکا ہے اور تم اللہ کی کتاب کے وارث بھی ہو۔ اس کے باوجود اگر تم نے ہمارے نبی ﷺ کی تصدیق نہ کی اور آپ کو جھٹلانے پر نکلے رہے تو اس بارے میں تم سے ضرور جواب طلبی ہوگی۔

اب ذرا سورۃ البقرۃ کی ان آیات کو ذہن میں تازہ کیجئے:

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِیْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ وَاِیَّایْ فَاَرْھُبُوْنَ ۝ وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كٰفِرٍ بِہٖ ۝ وَلَا تَسْتُرُوْا بِالْبَیِّنٰتِ مِمَّا قَلِیْلًا ۝ وَاِیَّایْ فَاَتَّقُوْنَ ۝ وَلَا تَلْسُوْا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

”اے بنی اسرائیل! یاد کرو تم میری وہ نعمت جو میں نے تم پر انعام کی، اور پورا کرو میرا عہد میں پورا کروں گا تمہارے (ساتھ کیے گئے) عہد کو اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اور ایمان لاؤ اُس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے جو تصدیق کرتے ہوئے آئی ہے اُس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے اور مت ہو جاؤ تم ہی سب سے پہلے اس کا کفر کرنے والے اور مت پیچو میری آیات کو تھوڑی سی قیمت کے عوض اور میرا ہی تقویٰ اختیار کرو۔ اور نہ ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور نہ چھپاؤ حق کو جانتے ہو جیسے۔“

ان آیات کو پڑھ کر یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہاں سورۃ النحل میں جو بات اَوْفُوا بِعَہْدِ اللہ سے شروع ہوئی ہے یہ گویا تمہید ہے اُس مضمون کی جو سورۃ البقرۃ کی مندرجہ بالا آیات کی شکل میں مدینہ جا کر نازل ہونے والا تھا۔

**آیت ۹۴ ﴿وَلَا تَنْتَحِذُوا اٰیْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمُ بَعْدُ بُرُیْہَا﴾** ”اور مت بناؤ اپنی قسموں کو اپنے درمیان دھوکے کا ذریعہ کہ پھسل جائے کوئی قدم پختگی کے بعد“

دیکھو حقیقت یہ ہے کہ تم ہمارے نبی ﷺ کو اچھی طرح پہچان چکے ہو: ﴿يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ﴾ (البقرۃ: ۱۴۶)۔ اب اس حالت میں اگر تم پھسلو گے تو یاد رکھو سیدھے جہنم کی آگ میں جا کر گرو گے:

﴿فَاَنْهَارٌ بِہٖ فِیْ نَارٍ جَہَنَّمَ﴾ (التوبہ: ۱۰۹)

﴿وَتَذُوْقُوا السُّوْءَ بِمَا صَدَدْتُمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ﴾ ”اور تمہیں عذاب کا مزہ چکھنا پڑے بسبب اس کے کہ تم نے (لوگوں کو) روکا اللہ کے راستے سے اور تمہارے لیے (اس کی پاداش میں) بہت بڑا عذاب ہے۔“

تمہیں تو چاہیے تھا کہ سب سے پہلے کھڑے ہو کر گواہی دیتے کہ ہم نے محمد (ﷺ) کو اپنی کتاب میں دی گئی نشانیوں سے ٹھیک ٹھیک پہچان لیا ہے آپ (ﷺ) واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ اور تمہیں نصیحت بھی کی گئی تھی: ﴿وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كٰفِرٍ بِہٖ﴾ (البقرۃ: ۴۱) ”اور تم اس کے پہلے منکر نہ بن جانا“۔ اس سب کچھ کے باوجود تم لوگ اس گواہی کو چھپا رہے ہو: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَہَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ (البقرۃ: ۱۴۰) ”اور اُس

شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے چھپائی وہ گواہی جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے!“  
**آیت ۹۵** ﴿وَلَا تَشْتَرُوا بِعَهْدِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ”اور اللہ کے اُس عہد کو حقیر سی قیمت کے عوض فروخت نہ کرو۔“

﴿إِنَّمَا عِنْدَ اللَّهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ”یقیناً اللہ کے پاس جو کچھ ہے وہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم علم رکھتے ہو۔“

تمہیں دنیا کے چھوٹے چھوٹے مفادات بہت عزیز ہیں اور ان حقیر مفادات کے لیے تم لوگ اللہ کی ہدایت کو ٹھکرا رہے ہو، مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اگر تم لوگ اس ہدایت کو قبول کر لو گے تو اللہ کے ہاں اخروی انعامات سے نوازے جاؤ گے۔ اللہ کے ہاں جنت کی دائمی نعمتیں تمہارے ان مفادات کے مقابلے میں کہیں بہتر ہیں جن کے ساتھ تم لوگ آج چٹے ہوئے ہو۔

**آیت ۹۶** ﴿مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ بَاقٍ﴾ ”جو تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔“

﴿وَلَتَجْزِيَنَّ الَّذِينَ صَبَرُوا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”اور ہم لازماً دیں گے صبر کرنے والوں کو ان کا اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق۔“

ہر نیکو کار شخص کے تمام اعمال ایک درجے کے نہیں ہوتے، کوئی نیکی اعلیٰ درجے کی ہوتی ہے اور کوئی نسبتاً چھوٹے درجے کی۔ مگر جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں گے ان کی اعلیٰ درجے کی نیکیوں کو سامنے رکھ کر ان کے اجر و ثواب کا تعین کیا جائے گا۔

**آیت ۹۷** ﴿مَنْ عَمِلْ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ اُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً﴾ ”جس کسی نے بھی نیک عمل کیا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مؤمن تو ہم اسے (دنیا میں) ایک پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے۔“

ایسے لوگ بے شک دنیا میں روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کریں مگر انہیں سکون قلب کی دولت نصیب ہوگی، ان لوگوں کے دل غنی ہوں گے، کیونکہ حضور ﷺ کا فرمان ہے: ((الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ)) (۱) کہ اصل امیری تو دل کی امیری ہے۔ اگر انسان کا دل غنی ہے تو انسان واقعتاً غنی ہے اور اگر ڈھیروں دولت پا کر بھی دل لالچ کے پھندے میں گرفتار رہے تو ایسا شخص دراصل غنی یا امیر نہیں، فقیر ہے۔ چنانچہ نیکو کار انسانوں کو دنیوی زندگی میں ہی غنا اور سکون قلب کی نعمت سے نوازا جائے گا، کیونکہ یہ نعمت تو شمر ہے اللہ کی یاد کا: ﴿اَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لَيْسَ الْغِنَى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ وَلَكِنَّ الْغِنَى غِنَى النَّفْسِ)) (صحیح البخاری، کتاب الرقاق، باب الغنى

غنى النفس۔ و صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب ليس الغنى عن كثرة العرض)

”دولت مندی اسباب دنیوی کی کثرت سے نہیں ہوتی، بلکہ اصل دولت مند (غنی) تو وہ ہے جس کا دل غنی ہے۔“

الْقُلُوبُ ۳۸ ﴿﴾ (الرعد) ”آگاہ رہو! دل تو اللہ کے ذکر ہی سے مطمئن ہوتے ہیں۔“ ایسے لوگوں کا شمار اللہ کے دوستوں اور اولیاء میں ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ خصوصی شفقت کا معاملہ فرمایا جاتا ہے اور انہیں حزن و ملال کے سایوں سے محفوظ رکھا جاتا ہے: ﴿لَا يَأْتِيَنَّ اللَّهُ لَآخَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۳۹﴾ (یونس) ”آگاہ رہو! یقیناً اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

﴿وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۴۰﴾ ”اور (آخرت میں) ہم انہیں ضرور دیں گے ان کے اجر اُن کے بہترین اعمال کے مطابق۔“

آیت ۹۸ ﴿فَإِذَا قُرَأَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ۹۸﴾ ”تو جب آپ قرآن پڑھیں تو اللہ کی پناہ طلب کر لیجیے شیطانِ مردود سے۔“

اس حکم کی رو سے قرآن کی تلاوت شروع کرنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھنا ضروری ہے۔

آیت ۹۹ ﴿إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۹۹﴾ ”اس کا کچھ بھی زور نہیں چلتا ان لوگوں پر جو ایمان لائے ہیں اور جو اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔“

آیت ۱۰۰ ﴿إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ ۱۰۰﴾ ”اُس کا زور تو انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور جو اس کو (اللہ کے ساتھ) شریک ٹھہرانے والے ہیں۔“ شیطان کا زور انہی لوگوں پر چلتا ہے جو اُس کو اپنا رفیق اور سرپرست بنا لیتے ہیں اور اللہ کی اطاعت کے بجائے اُس کی اطاعت کرتے ہیں۔ گویا اس کو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرا لیتے ہیں یا اُس کے بہکانے سے دوسری ہستیوں کو اللہ کا شریک بنا لیتے ہیں۔

## آیات ۱۰۱ تا ۱۱۱

وَإِذَا بَدَّلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَنْزِلُ قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتِرٌ ۖ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۝ قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ ۝ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَبِي ۖ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ ۝ إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ لَا يَهْدِيَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ لَا يَهْدِيَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

الْكَافِرِينَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمِعَتْ لَهُمْ ۝ وَأَبْصَارُهُمْ ۝ وَأُولَٰئِكَ هُمُ  
الْغَافِلُونَ ۝ لَا جَرَمَ لَهُمْ فِي الْأُخْرَةِ ۝ هُمُ الْخَاسِرُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنَّا  
بَعْدَ مَا قُتِلُوا لَكُمْ جُهْدًا وَصَبْرًا ۖ إِنَّا بِكَ مِن بَعْدِهَا لَعَافُونَ رَحِيمٌ ۝ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ  
نَفْسٍ مُّجَادِلٌ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝

**آیت ۱۰۱** ﴿وَإِذَا بَدَلْنَا آيَةً مَّكَانَ آيَةٍ﴾ ”اور جب ہم بدلتے ہیں ایک آیت کی جگہ دوسری آیت“  
قبل ازیں یہ مضمون سورۃ البقرہ میں بیان ہو چکا ہے: ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ  
مِثْلَهَا﴾ (آیت ۱۰۶)۔ چنانچہ سورۃ البقرہ کے مطالعے کے دوران اس آیت کے تحت اس مضمون کی وضاحت  
بھی ہو چکی ہے۔

﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَنْزِلُ﴾ ”اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ نازل کرتا ہے“  
قرآن کا نزول اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کے عین مطابق ہو رہا ہے۔ اگر کوئی مخصوص حکم کسی ایک دور  
کے لیے تھا اور پھر بدلے ہوئے حالات میں اس حکم میں تبدیلی کی ضرورت ہے تو یہ سب کچھ اللہ کے علم کے مطابق  
ہے اور کسی خاص ضرورت اور حکمت کے تحت ہی کسی حکم میں تبدیلی کی جاتی ہے۔ مگر ایسی تبدیلی کو دیکھتے ہوئے:  
﴿قَالُوا إِنَّمَا أَنْتَ مُفْتِرٌ﴾ ”یہ (مشرکین) کہتے ہیں کہ آپ خود ہی (اسے) گھڑنے والے ہیں“  
کہ پہلے یوں کہا گیا تھا ”اب اسے بدل کر یوں کہہ رہے ہیں۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو اس میں اس طرح  
کی تبدیلی کیسے ممکن تھی؟

﴿بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”بلکہ ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔“  
حقیقت یہ ہے کہ ان کی اکثریت علم سے عاری ہے۔  
**آیت ۱۰۲** ﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ ”آپ کہیے کہ اسے نازل کیا ہے روح القدس  
نے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ“  
یہاں پر روح القدس کا لفظ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے لیے آیا ہے کہ ایک پاک فرشتہ اس کلام کو لے کر  
آیا ہے۔

﴿لَيَسِّرَ اللَّهُ لِيَأْتِيَ الْبَشَرِ﴾ ”تا کہ وہ ثابت قدم رکھے اہل ایمان کو“  
سورۃ الفرقان میں یہی مضمون اس طرح بیان کیا گیا ہے: ﴿كَذَٰلِكَ ۖ لِيُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ  
تَرْتِيلًا﴾ ”تا کہ ہم مضبوط کریں اس کے ساتھ آپ کے دل کو اور (اسی لیے) ہم نے پڑھنا یا اسے ٹھہر کر۔“  
﴿وَهَدَىٰ وَبَشَّرَ الْمُسْلِمِينَ﴾ ”اور یہ ہدایت اور خوشخبری ہو فرماں برداروں کے لیے۔“  
جیسے جیسے حالات میں تبدیلی آ رہی ہے ویسے ویسے اس قرآن کے ذریعے مسلمانوں کے لیے ہدایت و

راہنمائی کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ مثلاً قصہ آدمؑ و ابلیس جب پہلی دفعہ بیان کیا گیا تو اس میں وہ تفصیلات بیان کی گئیں جو اس وقت کے مخصوص معروضی حالات میں حضور ﷺ اور مسلمانوں کے لیے جاننا ضروری تھیں۔ پھر جب حالات میں تبدیلی آئی تو یہی قصہ کچھ مزید تفصیلات کے ساتھ پھر نازل کیا گیا اور اسی اصول اور ضرورت کے تحت اس کا نزول بار بار ہوا تا کہ ہر دور کے حالات کے مطابق اہل حق اس میں سے اپنی راہنمائی کے لیے سبق حاصل کر سکیں۔

**آیت ۱۰۳** ﴿وَلَقَدْ نَعْلَمُ أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ﴾ ”اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اس کو تو ایک انسان سکھاتا ہے۔“

مشرکین رسول اللہ ﷺ پر ایک الزام یہ لگا رہے تھے کہ آپ نے کسی عجمی غلام کو یا اہل کتاب میں سے کسی آدمی کو اپنے گھر میں چھپا رکھا ہے جو تو رات کا عالم ہے۔ اس سے آپ یہ ساری باتیں سیکھتے ہیں اور پھر وحی کے نام پر ہمیں سناتے ہیں اور ہم پر دھونس جماتے ہیں۔

﴿لِسَانَ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾ ”یہ لوگ جس کی طرف غلط طور پر منسوب کر رہے ہیں اُس کی زبان تو (ان کے بقول) عجمی ہے اور یہ (قرآن) فصیح عربی زبان ہے۔“ چنانچہ یہ الزام لگاتے ہوئے ان کو خود سوچنا چاہیے کہ کوئی عجمی ایسی فصیح و بلیغ عربی زبان کیسے بول سکتا ہے!

**آیت ۱۰۴** ﴿إِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ لَا يَهْدِيهِمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”یقیناً جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے اللہ انہیں ہدایت نہیں دے گا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ اللہ کا یہ طریقہ نہیں کہ کسی کو زبردستی کھینچ کر ہدایت کی طرف لے آئے۔

**آیت ۱۰۵** ﴿إِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَذِبُونَ﴾ ”جھوٹ تو وہی لوگ گھڑتے ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے، اور وہی لوگ ہیں جو جھوٹے ہیں۔“

**آیت ۱۰۶** ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ﴾ ”اور جو کوئی کفر کرے اللہ کا اپنے ایمان لانے کے بعد“ اس کا اطلاق ایمان کی دونوں کیفیتوں پر ہوگا۔ ایک یہ کہ دل میں ایمان آگیا، بات پوری طرح دل میں بیٹھ گئی، دل میں یقین کی کیفیت پیدا ہوگئی کہ ہاں یہی حق ہے مگر زبان سے ابھی اقرار نہیں کیا۔ ایمان کی دوسری کیفیت یہ ہے کہ دل بھی ایمان لے آیا اور زبان سے ایمان کا اقرار بھی کر لیا۔ چنانچہ ان دونوں درجوں میں سے کسی بھی درجے میں اگر انسان نے حق کو حق جان لیا، دل میں یقین پیدا ہو گیا مگر پھر کسی مصلحت کا شکار ہو گیا اور حق کا ساتھ دینے سے کئی کترا گیا تو اس پر اس حکم کا اطلاق ہوگا۔

﴿إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ ”سوائے اس کے کہ کوئی شخص مجبور کر دیا گیا ہو اور اُس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو“

کسی کی جان پر بنی ہوئی تھی اور اس حالت میں کوئی کلمہ کفر اس کی زبان سے ادا ہو گیا، مگر اس کا دل بدستور حالت ایمان میں مطمئن رہا تو ایسا شخص اللہ کے ہاں معذور سمجھا جائے گا۔



﴿وَلَكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكَفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”مگر جس نے کھول دیا کفر کے ساتھ (اپنا) سینہ تو ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔“

اوپر بیان کیے گئے استثناء کے مطابق مجبوری کی حالت میں تو کلمہ کفر کہنے والے کو معاف کر دیا جائے گا (بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر پوری طرح مطمئن ہو) مگر جو شخص کسی وجہ سے پورے شرع صدر کے ساتھ کفر کی طرف لوٹ گیا، وہ اللہ کے غضب اور بہت بڑے عذاب کا مستحق ہو گیا۔

**آیت ۱۰۷** ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ اسْتَحْبَبُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْآخِرَةِ ۚ﴾ ”یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو محبوب رکھا آخرت کے مقابلے میں“

﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ ”اور یہ (اللہ کا قاعدہ ہے) کہ اللہ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“

**آیت ۱۰۸** ﴿أَوَلَيْكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَسَمِعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں، کانوں اور آنکھوں پر اللہ نے مہر کر دی ہے۔“

﴿وَأَوَلَيْكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ﴾ ”اور یہی لوگ ہیں جو غافل ہیں۔“

**آیت ۱۰۹** ﴿لَا جَزَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ ”اب اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی لوگ ہیں جو آخرت میں خسارے والے ہوں گے۔“

یہ وہ لوگ ہیں جو دنیوی زندگی کی محبت میں حق سے منہ موڑ کر غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اب ان کے اس طرز عمل کا منطقی نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت کی بھلائیوں میں ان کے لیے کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ اگلی آیت میں پھر ہجرت کا ذکر آ رہا ہے جو اس سے پہلے آیت ۴۱ میں بھی آچکا ہے۔

**آیت ۱۱۰** ﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ هَاجَرُوا مِنَّا بَعْدَ مَا قُتِلُوا وَصَبَرُوا إِنَّ رَبَّكَ مِنَّا بَعْدَهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”پھر یقیناً آپ کا رب ان کے حق میں جنہوں نے ہجرت کی، اس کے بعد کہ انہیں تکالیف پہنچائی گئیں پھر انہوں نے جہاد کیا اور صبر کیا، یقیناً آپ کا رب اس (سب کچھ) کے بعد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

جن مومنین پر مکہ میں مصائب کے پہاڑ توڑے گئے، ان حالات میں انہوں نے ہجرت کی، پھر وہ جہاد بھی کرتے رہے، اس طرح راہِ حق میں آنے والی آزمائشوں کے تمام مراحل انہوں نے کمال صبر سے طے کیے، اللہ تعالیٰ انہیں ان کی ان قربانیوں اور سرفروشیوں کا ضرور اجر دے گا۔ انہیں بخشش عطا فرمائے گا اور ان کی طرف نظرِ رحمت فرمائے گا۔

**آیت ۱۱۱** ﴿يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا﴾ ”جس دن آئے گی ہر جان اپنی طرف سے

مدافعت کرتے ہوئے“

روزِ قیامت ہر شخص چاہے گا کہ کسی نہ کسی طرح جہنم کی سزا سے اس کی جان چھوٹ جائے۔ لہذا اس کے لیے وہ مختلف عذر پیش کرے گا۔

﴿وَتَوَلَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۝﴾ ”اور (بدلہ میں) پورا پورا دیا جائے گا ہر جان کو جو کچھ اس نے کمایا ہوگا اور اُن پر ذرا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

## آیات ۱۱۲ تا ۱۱۹

وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ ۝ فَكُلُوا مِنَّمَا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا ۚ وَاشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ۚ إِنَّهَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَحُمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهْلَ بَعْدِ ذَلِكَ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلْيَنِ اللَّهُ عَفْوَ ۚ رَحِيمٌ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِمَا يُصِفُ السُّوءَ أَلَيْسَتْ لَكُمُ الْكُذِبُ هَذَا حَلَلٌ ۚ وَهَذَا حَرَامٌ لِّتُفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا الشُّوْءَ سِجًّا لَّهُ لَوْ كُنتُمْ تَأْمِنُونَ ۚ بَعْدَ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۚ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَعَفُو ۚ رَحِيمٌ ۝

۱۱۹  
ع

آیت ۱۱۲ ﴿وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ﴾ ”اور اللہ نے مثال بیان کی ہے ایک بستی کی جو بالکل امن و اطمینان کی حالت میں تھی، آتا تھا اس کے پاس اس کا رزق ہر طرف سے“

﴿فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ۝﴾ ”تو اُس نے ناشکری کی اللہ کی نعمتوں کی، تو اسے چکھا (پہنا) دیا اللہ نے لباسِ بھوک اور خوف کا، اُن کے کرتوتوں کی پاداش میں۔“

اس تمثیل کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ ایک رائے تو یہ ہے کہ یہ ایک عام تمثیل ہے اور کسی خاص بستی سے متعلق نہیں۔ کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ یہ قومِ سبا کی مثال ہے جس کے بارے میں تفصیل آگے چل کر سورہ سبا میں آئے گی۔ ایک تیسری رائے یہ ہے کہ اس مثال کے آئینے میں مکہ اور اہل مکہ کا ذکر ہے کہ یہ شہر ہمیشہ سے امن و

سکون کا گہوارہ چلا آ رہا تھا اور یہاں اہل مکہ کی تجارتی سرگرمیوں اور حج و عمرہ کے اجتماعات کے باعث خوشحالی اور فارغ البالی بھی تھی۔ دنیا بھر سے انواع و اقسام کا رزق فراوانی سے ان کے پاس چلا آتا تھا، مگر حضور ﷺ کی بعثت کے بعد آپ کی دعوت کا انکار کرنے کی پاداش میں اس شہر کے باشندوں پر خط کا عذاب مسلط کر دیا گیا تھا۔ مکہ میں یہ خط اسی قانونِ خداوندی کے تحت آیا تھا جس کا ذکر سورۃ الانعام کی آیت ۴۲ اور سورۃ الاعراف کی آیت ۹۴ میں ہوا ہے۔ اس اصول یا قانون کے تحت ہر رسول کی بعثت کے بعد متعلقہ قوم پر چھوٹے چھوٹے عذاب آتے ہیں تاکہ انہیں خوابِ غفلت سے جاگنے اور سنبھلنے کا موقع مل جائے اور وہ رسول پر ایمان لا کر بڑے عذاب سے بچ جائیں۔

تاویل خاص کے اعتبار سے اس مثال میں یقیناً مکہ ہی کی طرف اشارہ ہے مگر اس کی عمومی حیثیت بھی مد نظر رہنی چاہیے کہ کوئی بستی بھی اس قانونِ خداوندی کی زد میں آسکتی ہے۔ جیسے پاکستان کے عروس البلاد کراچی کے حالات کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ایک وقت وہ تھا جب کراچی میں امن و امان و وسائلِ رزق کی فراوانی اور خوشحالی کی کیفیت ملک بھر کے لوگوں کے لیے باعثِ کشش تھی، مگر پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ شہر وہی نقشہ پیش کرنے لگا جس کی جھلک اس آیت میں دکھائی گئی ہے۔ یعنی کفرانِ نعمت کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے اس کے باشندوں کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا دیا۔

**آیت ۱۱۳** ﴿وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوهُ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظَالِمُونَ﴾ اور آیا ان کے پاس ایک رسول انہی میں سے تو انہوں نے اس کو جھٹلادیا، پس آپ کو انہیں عذاب نے اور وہ خود ہی ظالم تھے۔“

**آیت ۱۱۴** ﴿فَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ ”پس (اے اہل ایمان) تم کھایا کرو اُس میں سے جو اللہ نے تمہیں رزق دیا ہے حلال اور پاکیزہ چیزیں“  
﴿وَأَشْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ إِنَّ كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم واقعتاً اُسی کی بندگی کرتے ہو۔“

نوٹ کیجیے کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر مختلف انداز میں اس سورت میں بار بار آ رہا ہے۔  
**آیت ۱۱۵** ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ ”اُس نے تو بس حرام کیا ہے تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا۔“  
﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”پھر جو کوئی مجبور ہو جائے (لیکن) نہ وہ طالب ہو نہ حد سے بڑھنے والا تو اللہ یقیناً بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔“

یعنی انتہائی مجبوری کی حالت میں جان بچانے کے لیے وقتی طور پر بقدر ضرورت ان حرام اشیاء کو استعمال میں لا کر جان بچائی جاسکتی ہے مگر نہ تو دل میں ان کی طلب ہو نہ اللہ سے سرکشی کا ارادہ اور نہ ہی ایسی حالت میں وہ چیز ضرورت سے زیادہ کھائی جائے۔

**آیت ۱۱۶** ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ﴾ ”اور مت کہو جس

کے متعلق تمہاری زبانیں جھوٹ گھڑتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے“

حلال اور حرام کا فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہ ایک سنجیدہ معاملہ ہے اس لیے اس بارے میں غیر محتاط رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے کہ بغیر علم، دلیل اور سند کے جو منہ میں آیا کہہ دیا۔

﴿تَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ﴾ ”تا کہ تم اللہ کی طرف جھوٹ منسوب کرو۔“

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ﴾ ”یقیناً جو لوگ اللہ کی طرف جھوٹ

منسوب کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پائیں گے۔“

**آیت ۱۱۷** ﴿مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”برتنے کا سامان ہے (دُنیوی زندگی میں) تھوڑا

سا، اور پھر ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔“

**آیت ۱۱۸** ﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَمًا مَّا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”اور ان لوگوں پر جو یہودی

ہوئے ہم نے حرام کی تھیں (وہ چیزیں) جو ہم بیان کر چکے ہیں آپ پر اس سے پہلے۔“

اس بارے میں تفصیل سورہ آل عمران: ۹۳، النساء: ۱۴۰ اور الانعام: ۱۴۶ میں گزر چکی ہے۔ حضرت

یعقوب علیہ السلام نے اپنی مرضی سے اپنے اوپر اونٹ کا گوشت حرام کر لیا تھا، جس کی تعمیل بعد میں وہ پوری قوم کرتی

رہی۔ اس کے علاوہ مختلف حیوانات کی چربی بھی بنی اسرائیل پر حرام کر دی گئی تھی۔

﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ”اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود

اپنی جانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔“

**آیت ۱۱۹** ﴿ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا الشُّوَاءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ

مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ”پھر یقیناً آپ کا رب ان لوگوں کے حق میں جو جہالت سے کوئی بُرا کام

کر بیٹھیں، پھر اس کے بعد وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں، تو یقیناً آپ کا رب اس کے بعد بہت بخشنے والا

نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

جو لوگ جذبات کی رو میں بہہ کر یا نادانی میں کوئی گناہ کر بیٹھیں، پھر توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیں اور غلط

روش سے باز آجائیں تو ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ ضرور غفور و رحیم ہے۔

## آیات ۱۲۰ تا ۱۲۸

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۖ

اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ وَاتَّبَعَهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَآتَاهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ

الضَّالِّينَ ۖ ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ

إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَكْتُمُ يَنَّهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝ اُدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِبِئْسَ مَا عُوِّقْتُمْ بِهِ ۖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَلَالٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ ۝

**آیت ۱۲۰** ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا ۖ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾ ”یقیناً ابراہیم ایک امت تھے اللہ کے لیے فرمانبردار اور ایکسوار آپ مشرکین میں سے نہیں تھے۔“

آم کے لغوی معنی قصد کرنے کے ہیں۔ سورہ یوسف (آیت ۲۵) میں اُمّة کا لفظ وقت اور مدت کے لیے بھی استعمال ہوا ہے (وَأَذْكُرْ بَعْدَ أُمَّةٍ)۔ وقت اور زمانے کے بھی ہم پیچھے چلتے ہیں تو گویا اس کا قصد کرتے ہیں۔ اسی طرح راستے پر چلتے ہوئے بھی انسان اس کا قصد کرتا ہے۔ اس حوالے سے لفظ اُمّة وقت اور راستے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح جب بہت سے لوگ ایک نظریے کا قصد کر کے اکٹھے ہو جائیں تو انہیں بھی اُمّة کہا جاتا ہے، یعنی ہم مقصد لوگوں کی جماعت۔ چنانچہ اسی معنی میں سورۃ البقرہ کی آیت ۱۴۳ میں فرمایا گیا: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾۔ اس لحاظ سے آیت زیر نظر میں لفظ اُمّت کا مفہوم یہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک راستہ بنانے والے اور ایک ریت ڈالنے والے تھے اور اس طرح آپ اپنی ذات میں گویا ایک امت تھے۔ جب دنیا میں کوئی مسلمان نہ تھا اور پوری دنیا کفر کے راستے پر گامزن تھی تو آپ تنہا اسلام کے علمبردار تھے۔

**آیت ۱۲۱** ﴿شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ ۖ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝﴾ ”شکر گزار تھے اُس کی نعمتوں کے۔ اللہ نے ان کو پسند کر لیا تھا اور اُن کو ہدایت دی تھی سیدھی راہ کی طرف۔“

**آیت ۱۲۲** ﴿وَاتَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۖ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝﴾ ”اور ان کو ہم نے دنیا میں بھی بھلائی عطا کی تھی اور یقیناً آخرت میں بھی وہ نیک بندوں میں سے ہوں گے۔“

**آیت ۱۲۳** ﴿ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝﴾ ”پھر (اے محمد ﷺ) ہم نے وحی کی آپ کی طرف کہ پیروی کیجئے ملت ابراہیم کی یکسو ہو کر، اور وہ ہرگز مشرکین میں سے نہ تھے۔“

**آیت ۱۲۴** ﴿إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ﴾ ”ہفتہ کا دن تو انہی لوگوں کے لیے معین کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں اختلاف کیا تھا۔“

دراصل بنی اسرائیل کے لیے اللہ تعالیٰ نے عبادت کے لیے جمعہ کا دن ہی مقرر فرمایا تھا، مگر انہوں نے اپنی شرارت کی وجہ سے اس کی نافرمانی کی اور اسے چھوڑ کر ہفتہ کا دن اختیار کر لیا۔ چنانچہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس حیثیت میں ہفتہ کا دن ہی مقرر کر دیا۔

﴿وَإِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۝﴾ ”اور یقیناً آپ کا رب اُن کے مابین فیصلہ کرے گا قیامت کے دن اُن چیزوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔“

**آیت ۲۵** ﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ ”آپ دعوت دیجیے اپنے رب کے راستے کی طرف دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ“

یہ دعوت الی الحق کا طریقہ اور اس کے آداب کا ذکر ہے، جیسا کہ سورہ یوسف، آیت ۱۰۸ میں فرمایا گیا:

﴿قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي﴾ ”اے نبی ﷺ! آپ کہہ دیجیے کہ یہ میرا راستہ ہے میں اللہ کی طرف بلا رہا ہوں پوری بصیرت کے ساتھ“ میں خود بھی اور میرے پیروکار بھی (اس راستے پر گامزن ہیں)۔“

﴿وَجَادِلْهُمْ بَالْبَيِّنَاتِ﴾ ”اور ان سے بحث کیجیے بہت اچھے طریقے سے۔“

﴿إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْثِدِينَ ۝﴾ ”یقیناً آپ کا رب خوب واقف ہے اُن سے جو اُس کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے اُن کو بھی جو راہ ہدایت پر ہیں۔“

اپنے موضوع کے حوالے سے یہ بہت عظیم آیت ہے۔ اس میں انسانی معاشرے کے اندر انسانوں کی تین بنیادی اقسام کے حوالے سے دعوت دین کے تین مدارج بیان کیے گئے ہیں، مگر عام طور پر اس آیت کا ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے اس پہلو کو اجاگر نہیں کیا جاتا۔

کسی بھی معاشرے میں علم و دانش کی بلند ترین سطح پر وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اس معاشرے کا دانشور طبقہ (intelligentsia) یا ذہین اقلیت (intellectual minority) کہا جاتا ہے۔ اس طبقے کی حیثیت اس معاشرے یا قوم کے دماغ کی سی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد کے لحاظ سے بہت چھوٹی اقلیت پر مشتمل ہوتے ہیں مگر کسی معاشرے کی مجموعی سوچ اور اس کے مزاج کا رخ متعین کرنے میں اُن کا کردار یا حصہ فیصلہ کن حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو جذباتی تقاریر اور خوش کن وعظ متاثر نہیں کر سکتے، بلکہ ایسے لوگ کسی سوچ یا نظریے کو قبول کرتے ہیں تو مصدقہ علمی و منطقی دلیل سے قبول کرتے ہیں اور اگر رد کرتے ہیں تو ایسی ہی ٹھوس دلیل سے رد کرتے ہیں۔

آیت زیر نظر میں بیان کردہ پہلا درجہ ایسے ہی لوگوں کے لیے ہے اور وہ ہے ”حکمت“۔ یہ علم و عقل کی پختگی کی بہت اعلیٰ سطح ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیت ۲۶۹ میں اللہ تعالیٰ نے حکمت کو ”خیر کثیر“ قرار دیا ہے: ﴿وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾۔ قرآن میں تین مقامات (البقرہ ۱۲۹، آل عمران ۱۶۴ اور الجمعہ ۲) پر ان مراحل اور درجات کا ذکر کیا گیا ہے جن کے تحت حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی تربیت

فرمائی۔ ان میں بلند ترین مرحلہ یا درجہ حکمت کا ہے۔ حکمت کے سبب کسی انسان کی سوچ اور علم میں پختگی آتی ہے؛ اس کی گفتگو میں جامعیت پیدا ہوتی ہے اور اس کی تجزیاتی اہلیت بہتر ہو جاتی ہے۔ اس طرح وہ کسی سے بات کرتے ہوئے یا کسی کو دین کی دعوت دیتے ہوئے معروضی صورتِ حال، مخاطب کے ذہنی رجحان اور ترجیحات کا درست تجزیہ کرنے کے بعد اپنی گفتگو کے نکات اور دلائل کو ترتیب دیتا ہے۔ اسے خوب اندازہ ہوتا ہے کہ کس وقت اسے کیا پیش کرنا ہے اور کس انداز میں پیش کرنا ہے۔ کون سا نکتہ بنیادی حیثیت کا درجہ رکھتا ہے اور کون سی دلیل ثانوی اہمیت کی حامل ہے۔ بہر حال کسی بھی معاشرے کے وہ لوگ جو علم، عقل اور شعور میں غیر معمولی اہلیت کے حامل ہوں، ان کو دعوت دینے کے لیے بھی کسی ایسے داعی کی ضرورت ہے جو خود بھی علم و حکمت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو اور ان سے برابری کی سطح پر کھڑے ہو کر بات کر سکے۔ کیونکہ جب قرآن اپنے مخالفین کو چیلنج کرتا ہے: ﴿هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۱۱۱﴾ (البقرہ) ”اپنی دلیل لاؤ اگر تم واقعی سچے ہو“۔ تو ایسی صورت میں ہمارے مخالفین کو بھی حق ہے کہ وہ بھی ہم سے دلیل مانگیں اور ہمارا فرض ہے کہ ہم عقل اور منطق کی اعلیٰ سے اعلیٰ سطح پر ان کی تسلی و تشفی کا سامان فراہم کریں۔ لہذا آیت زیر نظر میں دعوت و تبلیغ کا پہلا درجہ حکمت بیان کیا گیا ہے جس کا حق ادا کرنے کے لیے داعی کا صاحبِ حکمت اور حکیم ہونا لازمی ہے۔

حکمت کے بعد دوسرا درجہ ”موعظہ حسنہ“ کا ہے، یعنی اچھا خوبصورت وعظ۔ یہ درجہ عوام الناس کے لیے ہے۔ کسی بھی معاشرے میں اکثریت ایسے لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے جن کے ذہنوں میں عقل اور منطق کی چھلنیاں نہیں لگی ہوتیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے لیے منطقی مباحث اور فلسفیانہ تقاریر ”تکلیف مالا یطاق“ کے مترادف ہیں۔ ان کے دل کھلی کتاب اور ذہن صاف سلیٹ کی مانند ہوتے ہیں، آپ ان پر جو کھنا چاہیں لکھ لیں۔ ایسے لوگوں کو دعوت دینے کے لیے ان کے جذبات کو اپیل کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ پُر تاثیر وعظ اور خلوص و ہمدردی سے کی گئی بات سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان کو احساس ہو جاتا ہے کہ داعی ہم پر اپنے علم کا رعب نہیں ڈالنا چاہتا، ہم پر دھونس نہیں جمانا چاہتا، وہ ہم سے اظہارِ نفرت نہیں کر رہا، ہماری تحقیر نہیں کر رہا، بلکہ اس کے پیش نظر ہماری خیر خواہی ہے۔ چنانچہ داعی کے دل سے نکلی ہوئی بات ”از دل خیزد بر دل ریزد“ کے مصداق سیدھی ان کے دلوں میں اتر جاتی ہے۔ دعوتِ حق کا تیسرا درجہ ﴿جَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ اُن عناصر کے لیے ہے جو کسی معاشرے میں خلقِ خدا کو گمراہ کرنے کے مشن کے علمبردار ہوتے ہیں۔ آج کل بہت سی تنظیموں کی طرف سے باقاعدہ پیشہ وارانہ تربیت سے ایسے لوگ تیار کر کے میدان میں اتارے جاتے ہیں۔ یہ لوگ خلوص و اخلاص سے کی گئی بات کو کسی قیمت پر ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ ہر حال میں اپنے نظریے اور موقف کی طرف داری کرنا ان لوگوں کی مجبوری ہوتی ہے، چاہے وہ کسی علمی و عقلی دلیل سے ہو یا ہٹ دھرمی سے۔ ایسے لوگوں کو مُسکِت جواب دے کر لا جواب کرنا ضروری ہوتا ہے، ورنہ بعض اوقات عوامی سطح کے اجتماعات میں اُن کی بحث برائے بحث کی پالیسی بہت خطرناک ہو سکتی ہے، جس سے عوام الناس کے ذہن منفی طور پر متاثر ہو سکتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے بحث و مباحثہ کے عمل کو ہمارے ہاں ”مناظرہ“ کہا جاتا ہے، جبکہ قرآن نے اسے ”مجادلہ“ کہا ہے۔ بہر حال قرآن نے اپنے پیروکاروں کے لیے اس میں بھی اعلیٰ معیار مقرر کر دیا ہے کہ مخالفین سے مجادلہ بھی ہو تو احسن

انداز میں ہو۔ اگر آپ کا مخالف کسی طور سے گھسپا پن کا مظاہرہ بھی کرے تب بھی آپ کو جواب میں اچھے اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے کی اجازت نہیں، جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۰۸ میں حکم دیا گیا: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ”اور جن کو یہ (مشرک) اللہ کے سوا پکارتے ہیں انہیں برا بھلا نہ کہو کہ کہیں یہ بھی بغیر سوچے سمجھے مخالفت میں اللہ کو برا بھلا کہنے لگ جائیں“۔ آج کل مختلف مذاہب کی تنظیمیں مثلاً عیسائی مشنریز باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت اسلام کو ہدف بنانے کے لیے کچھ خاص موضوعات اور مسائل کو ایک مخصوص انداز میں پیش کرتی ہیں۔ یہ لوگ ایسے موضوعات و مسائل پر مناظرے کرنے کے لیے باقاعدہ ٹریننگ کے ذریعے سپیشلسٹ (specialist) تیار کرتے ہیں۔ ایسے پیشہ وارانہ لوگوں کے مقابلے اور مجادلے کے لیے داعیانِ حق کو خصوصی تعلیم و تربیت دینے کی ضرورت ہے۔

**آیت ۱۲۶** ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ ”اور (اے مسلمانو!) اگر تم بدلہ لو تو اسی قدر جس قدر تمہیں تکلیف دی گئی ہو۔“

﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهَوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾ ”اور اگر تم صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر ہے۔“  
**آیت ۱۲۷** ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر تو اللہ ہی کے سہارے پر ہے“

یہ حکم براہِ راست رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور آپ ﷺ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کے لیے بھی۔ اس سلسلے میں حقیقت یہ ہے کہ اللہ پر جس قدر اعتماد ہوگا، جیسا اس پر توکل ہوگا، جتنا پختہ اس کے وعدوں پر یقین ہوگا، اسی انداز میں انسان صبر بھی کر سکے گا۔

﴿وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ﴾ ”اور آپ ان پر غم نہ کریں اور نہ آپ تنگی میں پڑیں اس بارے میں جو سازشیں یہ لوگ کر رہے تھے۔“

یہ لوگ اپنے کرتوتوں کے سبب عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ چنانچہ آپ ان کے انجام کے بارے میں بالکل رنجیدہ اور فکر مند نہ ہوں اور نہ ہی ان کی سازشوں اور گھسپا معاندانہ سرگرمیوں کے بارے میں سوچ کر آپ اپنا دل میلا کریں۔

**آیت ۱۲۸** ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ﴾ ”یقیناً اللہ اہل تقویٰ اور نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔“

جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کرتے ہوئے درجہٴ احسان پر فائز ہو گئے ہیں، اللہ کی معیت، نصرت اور تائید ان کے شامل حال رہے گی۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کے ساتھ ہوگا تو یہ مشرکین آپ کو کچھ گزند نہیں پہنچا سکتے۔

کیا ڈر ہے اگر ساری خدائی ہے مخالف کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے!



# سُورَةُ بَنِي إِسْرَائِيلَ

## تمہیدی کلمات

سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف دونوں مل کر ایک حسین و جمیل جوڑا بناتی ہیں۔ قرآن عظیم کے وسط میں یہ دو سورتیں حکمتِ قرآنی کے دو عظیم خزانے ہیں۔ ان دونوں کے مابین کئی حوالوں سے مشابہت بھی پائی جاتی ہے اور کئی پہلوؤں سے ان کی آپس میں نسبت زوجیت بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہ دونوں سورتیں کس کس اعتبار سے complementary حیثیت رکھتی ہیں یہ بات ان کے مطالعہ کے دوران واضح ہو جائے گی، تاہم اس سلسلے میں اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) سورۃ بنی اسرائیل کا آغاز اللہ کی تسبیح ﴿سُبْحَنَ الَّذِي.....﴾ سے ہوتا ہے جبکہ سورۃ الکہف بھی اللہ کی تحمید ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي.....﴾ سے شروع ہوتی ہے۔ ان دونوں کلمات کا باہمی تعلق اس حدیث سے واضح ہوتا ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا ہے: ﴿الَّتَسْبِيحُ نِصْفُ الْمِيزَانِ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ يَمْلُؤُهُ﴾<sup>(۱)</sup> ”تسبیح نصف میزان ہے اور الحمد لله اسے بھر دیتا ہے“۔ یعنی سبحان اللہ کہنے سے معرفتِ خداوندی کی میزان آدمی ہو جاتی ہے اور الحمد لله کہنے سے یہ میزان مکمل طور پر بھر جاتی ہے۔ گویا یہ دونوں کلمات مل کر کسی انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کے اثاثے کی تکمیل کرتے ہیں۔ آگے چل کر الْمُسَبِّحَاتِ (وہ سورتیں جن کا آغاز اللہ کی تسبیح سے ہوتا ہے) کے مطالعہ کے دوران اس مضمون پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے گی۔

(۲) سورۃ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں مذکور ہے کہ ”اللہ اپنے بندے کو لے گیا“ جبکہ سورۃ الکہف کی پہلی آیت میں فرمایا کہ ”اللہ نے اپنے بندے پر کتاب اتاری“۔ گویا دونوں مقامات کی باہم متلازم (reciprocal) نسبت ہے۔

(۳) دونوں سورتوں کی ابتدائی آیات میں نبی اکرم ﷺ کے لیے رسول کے بجائے عبد کا لفظ استعمال ہوا ہے۔  
(۴) سورۃ بنی اسرائیل کی آخری دو آیات کا آغاز لفظ ”قُلْ“ سے ہوتا ہے اور اسی طرح سورۃ الکہف کی آخری دو آیات بھی لفظ ”قُلْ“ سے شروع ہوتی ہیں۔ نیز ان دونوں مقامات کی دو دو آیات کے مضامین میں باہم متلازم (reciprocal) نسبت ہے۔

(۵) یہ دونوں سورتیں ریل کے ڈبوں کی طرح آپس میں جڑی ہوئی (inter locked) ہیں۔ وہ اس طرح

کہ سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت ایک حکم پر ختم ہو رہی ہے: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي.....﴾ اور کہیے کہ کل حمد اور کل تعریف اس اللہ کے لیے ہے..... جبکہ سورہ الکہف کی پہلی آیت کے مضمون سے یوں لگتا ہے جیسے یہ اس حکم کی تعمیل میں نازل ہوئی ہے: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي.....﴾۔

مضمون اور موضوع کے اعتبار سے سورہ بنی اسرائیل کا پہلا رکوع بہت اہم اور عظیم ہے۔ اس رکوع میں بنی اسرائیل کی تاریخ کے اُن چار ادوار کا تذکرہ ہے جو حضور ﷺ کی بعثت تک گزر چکے تھے۔ یہاں بنی اسرائیل کی دو ہزار سالہ تاریخ کو چار آیات کے اندر سمو کر گویا امت مسلمہ کے لیے ایک آئینہ فراہم کر دیا گیا ہے۔ اس آئینے کو سامنے رکھ کر ہم اپنے ماضی، حال اور مستقبل کا جائزہ لے سکتے ہیں۔ اس کی وضاحت اس حدیث نبوی ﷺ میں ملتی ہے جس میں حضور ﷺ نے فرمایا:

((لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذَوِ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ.....)) (۱)

”میری امت پر بھی وہ تمام حالات وارد ہو کر رہیں گے جو بنی اسرائیل پر وارد ہوئے بالکل اسی طرح جیسے ایک جوتی دوسری جوتی کے مشابہ ہوتی ہے.....“

اس حدیث میں جوتی کے دونوں پاؤں کی مشابہت کی یہ مثال اس اٹل حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ عروج و زوال کے جو چار ادوار بنی اسرائیل پر گزر چکے ہیں بالکل ایسے ہی چار ادوار امت مسلمہ پر بھی وارد ہوں گے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو سورہ بنی اسرائیل کی ان چار آیات (۳ تا ۷) میں علم و معرفت اور معلومات کا ایک خزانہ پوشیدہ ہے جبکہ مذکورہ بالا حدیث اس خزانے کی چابی ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے اس چابی کی مدد سے اس خزانے تک رسائی ملی ہے جس کے نتیجے میں میرے لیے ان بیش بہا علمی و تاریخی معلومات کو ضبط تحریر میں لانا ممکن ہوا ہے۔ چنانچہ اس موضوع پر میرا ایک مختصر کتابچہ ”تنظیم اسلامی کا تاریخی پس منظر“ کے نام سے اور ایک مفصل کتاب ”سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل“ کے عنوان سے دستیاب ہیں۔

ان دونوں مطبوعات کے انگلش تراجم بھی Rise and Decline of the Muslim Ummah اور Lessons from Histroy کے عنوان سے طبع ہوتے ہیں۔ (اس موضوع کو سمجھنے کے لیے ان کتب کا مطالعہ مفید ہوگا۔)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## آیات ۱۰ تا ۱۰

سُبْحَنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بُرِکْنَا حَوْلَهٗ لِذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِنَا ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ وَاَتٰنَا مُوسٰی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَبِئْسَ إِسْرَءِيلَ الَّذِي تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكَيْلًا ۚ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۚ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۝ وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَكَبِينَ وَلَتَتَلَوَّنَ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَنَا أُولَىٰ بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ ۚ وَكَانَ وَعْدًا مَفْعُولًا ۝ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَا لَكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۚ إِنَّ أَحْسَنَكُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوءُوا وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيرًا ۚ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَسْحَكَمَ ۚ وَإِنْ عُثِرْتُمْ عَنْدَنَا ۖ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًا ۚ إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًا ۚ وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۚ

بِ

**آیت ۱۷** ﴿سُبْحَنَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا﴾ ”پاک ہے وہ ذات جو لے گئی راتوں رات اپنے بندے (ﷺ) کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ (دور کی مسجد) تک“ یہ رسول اللہ ﷺ کے سفر معراج کے پہلے مرحلے کی طرف اشارہ ہے جو مسجد حرام (مکہ مکرمہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک کے زمینی سفر پر مشتمل تھا۔ ”سُبْحَنَ“ تزیہہ کا کلمہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات ہر نقص و عیب سے پاک و منزہ ہے۔ اس کلمہ سے بات کا آغاز کرنا خود دلالت کرتا ہے کہ یہ کوئی بہت بڑا خارق عادت واقعہ تھا جو اللہ تعالیٰ کی غیر محدود قدرت سے رونما ہوا۔ یہ محض ایک روحانی تجربہ نہ تھا، بلکہ ایک جسمانی سفر اور یعنی مشاہدہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو کرایا۔

﴿الَّذِي بَرَكْنَا حَوْلَهُ﴾ ”جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنایا“

اس علاقے کی برکت دنیوی اعتبار سے بھی ہے اور روحانی اعتبار سے بھی۔ دنیوی اعتبار سے یہ علاقہ بہت زرخیز ہے اور یہاں کی آب و ہوا خصوصی طور پر بہت اچھی ہے۔ روحانی اعتبار سے دیکھیں تو یہ علاقہ بہت سے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کا مسکن رہا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سمیت بہت سے انبیاء یہاں مدفون ہیں۔ ہیکل سلیمانی بنی اسرائیل کی مرکزی عبادت گاہ تھی۔ اس لحاظ سے نہ معلوم اللہ کے کیسے کیسے نیک بندے کس کس انداز میں یہاں عبادت کرتے رہے ہوں گے۔ اس کے علاوہ بیت المقدس کو بنی اسرائیل کے قبلہ کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ چنانچہ مادی و روحانی دونوں اعتبار سے اس علاقے کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ برکتوں سے نوازا ہے۔

سفر معراج کے پہلے مرحلے میں رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ سے یروشلم لے جایا گیا، وہاں بیت المقدس میں تمام انبیاء کی ارواح کو جمع کیا گیا، انہیں جسد عطا کیے گئے (ہمارے حواس اس کیفیت کا ادراک کرنے سے قاصر ہیں) اور وہاں حضور ﷺ نے تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ حضور ﷺ کے سفر معراج کے اس حصے کا ذکر جس انداز

میں یہاں ہوا ہے اس کی ایک خصوصی اہمیت ہے۔ یہ گویا اعلان ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ اور آپ کی امت کو توحید کے ان دونوں مراکز (بیت اللہ اور بیت المقدس) کا متولی بنایا جا رہا ہے۔ اسی حوالے سے آپ ﷺ کو پہلے بیت المقدس لے جایا گیا اور پھر وہاں سے آپ ﷺ کے آسمانی سفر کا مرحلہ شروع ہوا۔ سفر معراج کے اس دوسرے مرحلے کا ذکر بہت اختصار کے ساتھ سورۃ النجم میں کیا گیا ہے۔

﴿لَنُرِيَهُ مِنْ أَيْنَأْتَنَّا إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ①﴾ ”تا کہ ہم دکھائیں اُس (بندے محمد ﷺ) کو اپنی نشانیاں۔ یقیناً وہی ہے سب کچھ سننے والا دیکھنے والا۔“

بنی اسرائیل کے اہم ترین تاریخی مقام کا ذکر کرنے کے بعد اب آئندہ آیات میں بات کو آگے بڑھاتے ہوئے اُن کی تاریخ کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔

**آیت ۲** ﴿وَاتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَآءِيلَ﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اُسے ہدایت بنایا بنی اسرائیل کے لیے“

یہاں تخصیص کر دی گئی کہ تورات تمام بنی نوع انسان کے لیے ہدایت نہیں تھی بلکہ درحقیقت وہ صرف بنی اسرائیل کے لیے ایک ہدایت نامہ تھی۔

﴿الَّا تَتَّخِذُوا مِنْ دُونِي وَكِيلًا ②﴾ ”کہ تم مت بناؤ میرے سوا کسی کو کارساز۔“  
یعنی تورات توحید کا درس دیتی تھی اس کی تعلیمات کا لب لباب یہ تھا کہ اللہ کے سوا کسی بھی دوسری ہستی یا ذات کو اپنا کارساز مت سمجھو اسے چھوڑ کر کسی دوسرے پر بھروسہ یا توکل نہ کرو۔

**آیت ۳** ﴿ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ③﴾ ”اے اُن لوگوں کی اولاد جنہیں ہم نے سوار کرایا تھا نوحؑ کے ساتھ۔ یقیناً وہ ہمارا بہت ہی شکر گزار بندہ تھا۔“

حضرت نوحؑ کے تین بیٹے سام، حام اور یافث تھے جن سے بعد میں نسل انسانی چلی۔ ان میں سے حضرت سام کی نسل میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے جن کی اولاد کو یہاں بنی اسرائیل کے طور پر مخاطب کیا جا رہا ہے۔ انہیں یاد دلایا جا رہا ہے کہ حضرت نوحؑ کے ساتھ جن لوگوں کو ہم نے بچایا تھا انہی میں سے ایک کی اولاد تم ہو اور نوحؑ ہمارا بہت ہی شکر گزار بندہ تھا۔

**آیت ۴** ﴿وَقَصَّيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِيلَ فِي الْكِتَابِ لُتْفُسِدَنَّ فِي الْأَرْضِ مَوْتَينَ وَلَتُعْلَنَ عَلَوتَا كِبِيرًا ④﴾ ”اور ہم نے متنسبہ کر دیا تھا بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم زمین میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے اور بہت بڑی سرکشی کرو گے۔“

یعنی تم پر دو اودار ایسے آئیں گے کہ تم زمین میں سرکشی کر دو گے، فساد برپا کر دو گے، دین سے دور ہو جاؤ گے، لہو و لعب میں مبتلا ہو جاؤ گے اور پھر اس کے نتیجے میں اللہ کی طرف سے تم پر عذاب کے کوڑے برسیں گے۔

یہاں پر بین السطور یہ اشارہ بھی ہے کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل پر ایک بہتر دور بھی آیا تھا جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے نوازا تھا۔ سورۃ البقرۃ میں ان کے اس اچھے دور کی کچھ تفصیلات ہم

پڑھ آئے ہیں۔ یاد دہانی کے طور پر اہم واقعات اختصار کے ساتھ یہاں پھر تازہ کر لیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ۱۴۰۰ قبل مسیح میں بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر نکلے تھے۔ صحرائے سینا میں جبل طور کے پاس پڑاؤ کے زمانے میں آپ کو تورات عطا کی گئی۔ وہاں سے پھر شمال مشرق کی طرف کوچ کرنے اور فلسطین پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا گیا۔ جہاد کے اس حکم سے انکار کی پاداش میں بنی اسرائیل کو صحرا نوردی کی سزا ملی۔ اسی دوران میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام دونوں کا یکے بعد دیگرے انتقال ہو گیا۔ صحرا نوردی کے دوران پروان چڑھنے والی نسل بہادر اور جفاکش تھی۔ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون کی سرکردگی میں جہاد کیا جس کے نتیجے میں فلسطین فتح ہو گیا۔ فلسطین کا جو شہر سب سے پہلے فتح ہوا وہ اریحا (Jericho) تھا۔ فلسطین کی فتح کے بعد ایک بنیادی غلطی یہ ہوئی کہ ایک مضبوط مرکزی حکومت بنانے کے بجائے یہ علاقہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں نے آپس میں بانٹ لیا اور ہر قبیلے نے اپنی حکومت قائم کر لی۔ یہ چھوٹی چھوٹی حکومتیں نہ صرف بیرونی دشمنوں کے مقابلے میں بہت کمزور تھیں بلکہ بہت جلد انہوں نے آپس میں بھی لڑنا جھگڑنا شروع کر دیا جس کے نتیجے میں ان کے زیر تسلط علاقے بہت جلد انتشار اور طوائف الملوکی کا شکار ہو گئے۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے شام اور اردن کے ہمسایہ علاقوں میں بسنے والی مشرک اقوام نے ان پر تسلط حاصل کر کے ان کی پیشتر آبادی کو اس علاقے سے نکال باہر کیا۔ اس حالت کو پہنچنے پر انہوں نے اپنے نبی حضرت سموئیل سے مطالبہ کیا کہ ان کے لیے ایک بادشاہ یا سپہ سالار مقرر کر دیں تاکہ اس کی قیادت میں تمام قبیلے اکٹھے ہو کر جہاد کریں۔ اس مطالبے کے جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر کیا گیا۔ حضرت طالوت نے دشمن افواج کے خلاف لشکر کشی کی جن کا سپہ سالار جالوت تھا۔ اس جنگ میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی شامل تھے۔ آپ نے جالوت کو قتل کر دیا جس کے نتیجے میں دشمن لشکر پر بنی اسرائیل کو فتح نصیب ہوئی اور وہ علاقے میں ایک مضبوط حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ حضرت طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد آپ کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام بادشاہ بنے۔

حضرت یوشع بن نون کی قیادت میں فلسطین کے فتح ہونے سے لے کر طالوت اور جالوت کی جنگ تک تین سو سال کا وقفہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا عہد حکومت اس تین سو سالہ دور کا نقطہ عروج تھا۔ حضرت طالوت حضرت داؤد اور حضرت سلیمان کا دور اقتدار تقریباً ایک سو سال کے عرصے پر محیط تھا۔ سولہ برس تک حضرت طالوت نے حکومت کی اس کے بعد چالیس برس تک حضرت داؤد اور پھر چالیس برس تک ہی حضرت سلیمان برسر اقتدار رہے۔ یہ دور گویا بنی اسرائیل کی خلافت راشدہ کا دور تھا جو ہمارے دور خلافت راشدہ سے مماثلت رکھتا ہے۔ اگرچہ ان کی پہلی تین خلافتیں ایک سو برس کے عرصے پر محیط تھیں اور ہماری امت کی پہلی تین خلافتوں کا عرصہ چوبیس برس تھا، لیکن جس طرح ان کے پہلے خلیفہ کا دور اقتدار مختصر اور بعد کے دونوں خلفاء کا دور نسبتاً طویل تھا اسی طرح ہمارے ہاں بھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت مختصر جبکہ حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا دور نسبتاً طویل تھا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبول نہیں کیا تھا چنانچہ شام اور مصر کے علاقے علیحدہ رہے تھے بالکل اسی طرح بنی اسرائیل کی مملکت بھی حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے

دو بیٹوں کے درمیان تقسیم ہو گئی۔ شمالی مملکت کا نام اسرائیل تھا جس کا دار الخلافہ سامریہ تھا، جبکہ جنوبی مملکت کا نام یہودیہ تھا اور اس کا دار الخلافہ یروشلم تھا۔

اس عظیم سلطنت کی تقسیم کے بعد بھی مادی اعتبار سے ایک عرصے تک بنی اسرائیل کا عروج برقرار رہا، لیکن رفتہ رفتہ عوام میں مشرکانہ عقائد، اوہام پرستی اور ہوس دنیا جیسی نظریاتی و اخلاقی بیماریاں پیدا ہو گئیں، اور احکام شریعت کا استہزاء ان کا اجتماعی وطیرہ بن گیا۔ چنانچہ اخلاق و کردار کا یہ زوال منطقی طور پر ان کے مادی زوال پر منتج ہوا۔ بنی اسرائیل کا یہ عہد زوال بھی تقریباً تین سو سال ہی کے عرصے میں اپنی انتہا کو پہنچا۔ سب سے پہلے آشوریوں کے ہاتھوں ان کی شمالی سلطنت ”اسرائیل“ (سات آٹھ سو قبل مسیح کے لگ بھگ) تباہ ہوئی۔ اس کے بعد ۵۸۷ قبل مسیح میں عراق کے نمرود بخت نصر (Nebukadnezar) نے ان کی جنوبی سلطنت ”یہودیہ“ پر حملہ کیا اور پوری سلطنت کو تہس نہس کر کے رکھ دیا۔ یروشلم کو اس طرح تباہ و برباد کیا گیا کہ کسی عمارت کی دو اینٹیں بھی سلامت نہیں رہنے دی گئیں۔ ہیکل سلیمانی کو مسمار کر کے اس کی بنیادیں تک کھود ڈالی گئیں۔ اس دوران بخت نصر نے چھ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا جبکہ چھ لاکھ مردوں، عورتوں اور بچوں کو جانوروں کی طرح ہانکتا ہوا بابل لے گیا، جہاں یہ لوگ سوا سو سال تک اسیری (Captivity) کی حالت میں رہے۔ ذلت و رسوائی کے اعتبار سے یہ ان کی تاریخ کا بدترین دور تھا۔

بنی اسرائیل کے دوسرے دور عروج کا آغاز حضرت عزیر علیہ السلام کی اصلاحی کوششوں سے ہوا۔ آپ کو بنی اسرائیل کی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کے نقیب کی حیثیت حاصل ہے۔ ۵۳۹ ق م میں ایران کے بادشاہ کجرجس (Cyrus) یا ذوالقرنین نے عراق (بابل) فتح کیا اور اس کے دوسرے ہی سال اس نے بنی اسرائیل کو اپنے وطن واپس جانے اور وہاں دوبارہ آباد ہونے کی عام اجازت دے دی۔ چنانچہ یہودیوں کے قافلے فلسطین جانے شروع ہو گئے اور یہ سلسلہ مدتوں جاری رہا۔ ۲۵۸ ق م میں حضرت عزیر علیہ السلام بھی ایک جلاوطن گروہ کے ساتھ یروشلم پہنچے اور اس شہر کو آباد کرنا شروع کیا اور ہیکل سلیمانی کی از سر نو تعمیر کی۔ اس سے قبل حضرت عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سو برس تک سلائے بھی رکھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سو سال کے لیے موت طاری کر دی تھی اور پھر انہیں زندہ کیا اور انہیں پچھتم سران کے مردہ گدھے کے زندہ ہونے کا مشاہدہ کرایا، جس کے بارے میں ہم سورۃ البقرۃ (آیت ۲۵۹) میں پڑھ آئے ہیں۔ بہر حال حضرت عزیر علیہ السلام نے توبہ کی منادی کے ذریعے ایک زبردست تجدیدی اور اصلاحی تحریک چلائی جس کے نتیجے میں ان کے نظریات و اعمال و اخلاق کی اصلاح ہونا شروع ہوئی۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے تورات کو بھی یادداشتوں کی مدد سے از سر نو مرتب کیا جو بخت نصر کے حملے کے دوران گم ہو گئی تھی۔

ایرانی سلطنت کے زوال، سکندر مقدونی کی فتوحات اور پھر یونانیوں کے عروج سے یہودیوں کو کچھ مدت کے لیے شدید دھچکا لگا۔ یونانی سپہ سالار انٹیوکس ثالث نے ۱۹۸ ق م میں فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ یونانی فاتحین نے پوری جابرانہ طاقت سے کام لے کر یہودی مذہب و تہذیب کی بے رحم کٹی کرنا چاہی، لیکن بنی اسرائیل اس جبر سے مغلوب نہ ہوئے اور ان کے اندر ایک زبردست تحریک ابھی جو تاریخ میں ”مکابی بغاوت“ کے نام سے مشہور

ہے۔ یہ حضرت عزیرؑ کی پھونکی ہوئی روح و بنداری کا اثر تھا کہ انہوں نے بالآخر یونانیوں کو نکال کر اپنی ایک عظیم آزاد ریاست قائم کر لی جو ”مکابی سلطنت“ کہلاتی ہے۔ بنی اسرائیل کے دوسرے دورِ عروج میں قائم ہونے والی یہ سلطنت ۷۰ء ق م سے لے کر ۶۳ ق م تک پوری شان و شوکت کے ساتھ قائم رہی۔ مکابی سلطنت اپنے وقت کی معلوم دنیا کے تمام علاقوں پر محیط تھی۔ چنانچہ رقبے کے اعتبار سے یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت سے بھی وسیع تھی۔ اس زمانہ عروج میں پھر سے ان کی نظریاتی و اخلاقی حالت بگڑنے لگی۔ مشرکانہ عقائد سمیت بہت سی اخلاقی برائیاں پھر سے اُن میں پیدا ہو گئیں جن کے نتیجے میں ایک دفعہ پھر یہ قوم عذاب خداوندی کی زد میں آ گئی۔

مکابی تحریک جس اخلاقی و دینی روح کے ساتھ اٹھی تھی وہ بتدریج فنا ہوتی چلی گئی اور اس کی جگہ خالص دنیا پرستی اور بے روح ظاہرداری نے لے لی۔ آخر کار ان کے درمیان پھوٹ پڑ گئی اور انہوں نے خود رومی فاتح پومپی کو فلسطین آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ پومپی نے ۶۳ ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کر کے یہودیوں کی آزادی کا خاتمہ کر دیا۔ رومیوں نے فلسطین میں اپنے زیر سایہ ایک دیسی ریاست قائم کر دی جو بالآخر ۴۰ ق م میں ہیرود نامی ایک ہوشیار یہودی کے قبضے میں آئی۔ یہ شخص ہیرود اعظم کے نام سے مشہور ہے اور اس کی فرماں روائی پورے فلسطین اور شرق اردن پر ۴۰ء سے ۴ ق م تک رہی۔ اس شخص نے رومی سلطنت کی وفاداری کا زیادہ سے زیادہ مظاہرہ کر کے قبضہ کی خوشنودی حاصل کر لی تھی۔ اس زمانے میں یہودیوں کی دینی و اخلاقی حالت گرتے گرتے زوال کی آخری حد کو پہنچ گئی تھی۔ ہیرود اعظم کے بعد اس کی ریاست اس کے تین بیٹوں کے درمیان تقسیم ہو گئی۔ لیکن ۶ء میں قیصر آگستس نے ہیرود کے بیٹے ارخلاؤس کو معزول کر کے اس کی پوری ریاست اپنے گورنر کے ماتحت کر دی اور ۴۱ء تک یہی انتظام قائم رہا۔ یہی زمانہ تھا جب حضرت مسیح علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے اٹھے تو یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں نے مل کر ان کی مخالفت کی اور انہیں واجب القتل قرار دے کر رومی گورنر پونٹس پیلاطس سے ان کو سزائے موت دلوانے کی کوشش کی اور اپنے خیال کے مطابق تو ان کو سولی پر چڑھا ہی دیا۔

رومیوں نے ۴۱ء میں ہیرود اعظم کے پوتے ”ہیرودا گرپا“ کو ان تمام علاقوں کا حکمران بنا دیا جن پر ہیرود اعظم اپنے زمانے میں حکمران تھا۔ اس شخص نے برسرِ اقتدار آ کر مسیح علیہ السلام کے پیروؤں پر مظالم کی انتہا کر دی۔ کچھ ہی عرصے بعد یہودیوں اور رومیوں کے درمیان سخت کشمکش شروع ہو گئی اور ۶۴ء تا ۶۶ء کے دوران یہودیوں نے رومیوں کے خلاف کھلی بغاوت کر دی جو اُن کے عروج ثانی کے خاتمے پر منتج ہوئی۔ یہودیوں کی بغاوت کا قلع قمع کرنے کے لیے بالآخر رومی سلطنت نے ایک سخت فوجی کارروائی کی اور ۷۰ء میں ٹائٹس (Titus) نے بزدل شمشیر پر و ظلم کو فتح کر لیا۔ ہیکل سلیمانی ایک دفعہ پھر مسمار کر دیا گیا۔ جنرل ٹائٹس کے حکم پر شہر میں قتل عام ہوا۔ ایک دن میں ایک لاکھ ۳۳ ہزار یہودی قتل ہوئے جبکہ ۶۷ ہزار کو غلام بنا لیا گیا۔ اس طرح رومیوں نے پورے شہر میں کوئی تنفس باقی نہ چھوڑا۔ اس کے ساتھ ہی ارضِ فلسطین سے بنی اسرائیل کا عمل دخل مکمل طور پر ختم ہو گیا۔ بیسویں صدی کے شروع تک پورے دو ہزار برس یہ لوگ جلا وطنی اور انتشار (Diaspora) کی حالت میں ہی رہے۔ جنرل ٹائٹس کے ہاتھوں ۷۰ء میں ہیکل سلیمانی مسمار ہوا تو آج تک تعمیر نہ ہو سکا۔ حضور ﷺ کی پیدائش (۵۷۱ء) کے وقت اسے مسمار ہوئے پانچ سو برس گزر چکے تھے۔

یہ خلاصہ ہے اُس قوم کی داستانِ عبرت کا جو اپنے وقت کی اُمتِ مُسلمہ تھی۔ جس کے اندر چودہ سو برس تک مسلسل نبوت رہی۔ جس کو تین الہامی کتابوں سے نوازا گیا اور جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنْتُمْۤ اَفْضَلُنَّكُمْ عَلٰی الْعٰلَمِیْنَ ۝۸﴾ (البقرة) ”اے بنی اسرائیل یا کرو میری وہ نعمت جو میں نے تم لوگوں کو عطا کی اور یہ کہ میں نے تمہیں فضیلت دی تمام جہانوں والوں پر۔“

آخر کار بنی اسرائیل کو اُمتِ مُسلمہ کے منصب سے معزول کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کی اُمت کو اس مندرِ فضیلت پر متمکن کیا گیا۔ حضور ﷺ نے اپنی اُمت کے بارے میں فرمایا کہ تم لوگوں پر بھی عین وہی حالات وارو ہوں گے جو بنی اسرائیل پر ہوئے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسلمانوں کو پہلا عروج عربوں کے زیرِ قیادت نصیب ہوا۔ اس کے بعد جب زوال آیا تو صلیبیوں کی یلغار کی صورت میں ان پر عذاب کے کوڑے برسے۔ پھر تاتاریوں نے ہلاکو خان اور چنگیز خاں کی قیادت میں عالم اسلام کو تاخت و تاراج کیا۔ اس کے بعد قدرت نے عالم اسلام کی قیادت عربوں سے چھین کر انہی تاتاریوں کے ہاتھوں میں دے دی جنہوں نے لاکھوں مسلمانوں کا خون بہایا تھا۔

ہے عیاں فتنہ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے چنانچہ ترکوں کی قیادت میں اس اُمت کو ایک دفعہ پھر عروج نصیب ہوا۔ ترکانِ تیموری، ترکانِ صفوی، ترکانِ سلجوقی اور ترکانِ عثمانی نے دنیا میں عظیم الشان حکومتیں قائم کیں۔ اس کے بعد اُمتِ مسلمہ پر دوسرا دورِ زوال آیا۔ بنی اسرائیل پر دوسرا دورِ عذاب یونانیوں اور رومیوں کے ہاتھوں آیا تھا جبکہ اُمتِ مسلمہ پر دوسرا عذاب اقوامِ یورپ کے تسلط کی صورت میں آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے انگریز، فرانسیسی، اطالوی، ہسپانوی اور ولندیزی (Dutch) پورے عالم اسلام پر قابض ہو گئے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں عظیم عثمانی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔

یہ ان حالات و واقعات کا خلاصہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کرتے ہوئے آیت زیرِ نظر میں فرمایا ہے کہ ہم نے تو پہلے ہی بنی اسرائیل کے بارے میں کہہ دیا تھا کہ تم لوگ اپنی تاریخ میں دو دفعہ فساد مچاؤ گے اور سرکشی دکھاؤ گے۔

**آیت ۵** ﴿فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُولٰٓئِهِمَا بَعَثْنَا عَلَیْكُمْ عِبَادًا لَّنَاۤ اُولٰٓئِیْۤیۤیۡ شَدِیْدِیۡنَ فَبَجَسُوْۤا خِلَآلَ الدِّیَارِ ۙ وَكَانَ وَعْدًا مَّقْعُوْلًا ۝۵﴾ ”پھر جب ان دونوں میں سے پہلے وعدے کا وقت آ گیا تو ہم نے تم پر مسلط کر دیے اپنے سخت جنگجو بندے تو وہ تمہاری آبادیوں میں گھس گئے اور (یوں ہمارا) جو وعدہ تھا وہ پورا ہو کر رہا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تم پر واضح کیا گیا تھا کہ جب تم لوگ وین سے برگشتہ ہو جاؤ گے جب تم اللہ کی کتاب اور اس کے احکام کو کھنی مذاق بنا لو گے تو تم ضرور اللہ کے عذاب کا نشانہ بنو گے۔ چنانچہ ان کے وین سے برگشتہ ہو جانے کے بعد آشوریوں اور عراق کے باوشاہ بخت نصر کے ہاتھوں ان پر عذاب کا کوڑا برسنا جس کے نتیجے میں دونوں اسرائیلی سلطنتیں ختم ہو گئیں، یروشلم مکمل طور پر تباہ ہو گیا، ہیکل سلیمانی مسمار کر دیا گیا، چھ لاکھ



یہودی قتل ہو گئے جبکہ چھ لاکھ کو غلام بنا لیا گیا۔

**آیت ۶ ﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ﴾** ”پھر ہم نے تمہاری باری لوٹائی ان پر“

یعنی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر تمہیں سہارا دیا اور ان پر غلبے کا موقع عطا کر دیا۔ اس سہارے کا باعث ایرانی بادشاہ کینوس (Cyrus) یا ذوالقرنین بنا۔ اس نے عراق (بابل) پر تسلط حاصل کر لینے کے بعد تمہیں آزاد کر کے واپس یروشلم جانے اور اس شہر کو ایک دفعہ پھر سے آباد کرنے کی اجازت دے دی۔ پھر جب تم نے واپس آ کر یروشلم کو آباد کیا تو ہم نے ایک دفعہ پھر تمہاری مدد کی:

**﴿وَأَمَدَدْنَكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا ۝﴾** ”اور ہم نے مدد کی تمہاری مال و دولت اور بیٹوں کے ذریعے سے اور بنا دیا تمہیں کثیر تعداد (والی قوم)۔“

ہم نے تمہیں مال و اولاد میں برکت دی اور تمہاری تعداد پہلے سے بڑھا دی۔ تم لوگ خوب پھلے پھولے اور جلد ہی ایک مضبوط قوم بن کر ابھرے۔

**آیت ۷ ﴿إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ﴾** ”اگر تم نے کوئی بھلائی کی تو خود اپنے ہی لیے کی اور اگر کوئی برائی کمائی تو وہ بھی اپنے ہی لیے کمائی۔“

تمہارے نیک اعمال کا فائدہ بھی تمہیں ہوا اور تمہاری برائیوں اور نافرمانیوں کا وبال دنیا میں بھی تم پر آیا اور اس کا وبال آخرت میں بھی تم پر پڑے گا۔

**﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ﴾** ”پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا“

جب دوبارہ تم نے اللہ کے دین سے سرکشی اختیار کی، تمہارے اعتقادات، نظریات اور اخلاق پھر سے مسخ ہو گئے تو وعدے کے عین مطابق تم پر عذاب کے دوسرے مرحلے کا وقت آپہنچا۔

**﴿لَيْسَؤًا وَجُوهَكُمْ﴾** ”تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں“

اس سلسلے میں آیت ۵ میں یہ الفاظ آئے تھے: ﴿بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ﴾ کہ ہم نے تم پر اپنے بندے مسلط کر دیے جو سخت جنگجو تھے۔ اس فقرے کا مفہوم یہاں بھی پایا جاتا ہے، لیکن یہاں دوبارہ اسے دہرایا نہیں گیا۔ چنانچہ اس فقرے کو یہاں مخدوف سمجھا جائے گا اور آیت کا مفہوم یوں ہوگا کہ ہم نے پھر تم پر اپنے سخت جنگجو بندے مسلط کیے تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں۔

**﴿وَلْيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾** ”اور وہ داخل ہو جائیں مسجد میں جیسے کہ داخل

ہوئے تھے پہلی مرتبہ“

یہاں اشارہ ہے بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کی بارگاہِ حرمتی کی طرف۔ جیسے ۵۸۷ قبل مسیح میں بخت نصر نے بیت المقدس اور ہیکل سلیمانی کو مسمار کیا تھا، ویسے ہی رومی جرنیل ٹائٹس نے ۷۰ء میں ایک دفعہ پھر ان کے تقدس کو پامال کیا۔

**﴿وَلْيَسِيرُوا مَا عَلَوْا تَتَّبِعُوا ۝﴾** ”اور تباہ و برباد کر کے رکھ دیں (ہر اُس شے کو) جس کے اوپر بھی

انہیں قبضہ حاصل ہو جائے۔“

ان آیات میں بنی اسرائیل کی دو ہزار سالہ تاریخ کے نشیب و فراز کی تفصیلات کو سمودیا گیا ہے۔ اس عرصے میں انہوں نے دو مرتبہ عروج دیکھا اور دو دفعہ ہی زوال سے دوچار ہوئے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت کے زمانے میں ان آیات کے نزول کے وقت ان کے دوسرے دور زوال کو شروع ہوئے پانچ سو برس ہونے کو آئے تھے۔ اس سیاق و سباق میں انہیں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ:

**آیت ۸** ﴿عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يَرْحَمَكُمۥ ۖ وَإِنْ عُثِّلْتُمْ عُذُنَا۟﴾ ”ہوسکتا ہے کہ اب تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم نے وہی روش اختیار کی تو ہم بھی وہی کچھ کریں گے۔“

اگر تم نے پہلے کی طرح ہماری نافرمانیوں اور احکام شریعت سے اعراض کی روش اختیار کی تو ہم بھی اسی طرح پھر تمہیں سزا دیں گے۔

﴿وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ حَصِيرًاۙ﴾ ”اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لیے قید خانہ بنا رکھا ہے۔“

نافرمانیوں کی سزا دنیا میں تو ملے گی ہی جبکہ جہنم کا عذاب اس کے علاوہ ہوگا۔ جس طرح جانوروں کو گھیر کر باڑے میں بند کر دیا جاتا ہے اسی طرح آخرت میں اللہ کے نافرمانوں کو اکٹھا کر کے جہنم کے قید خانے میں دھکیل دیا جائے گا۔ (اللَّهُمَّ لَا تَجْعَلْنَا مَعَهُمۥ)

**آیت ۹** ﴿إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُۭ﴾ ”یقیناً یہ قرآن راہنمائی کرتا ہے اس راہ کی طرف جو سب سے سیدھی ہے“

یاد رکھو! اب راہ ہدایت وہی ہوگی جس کی نشان دہی یہ کتاب کرے گی جسے ہم اپنے آخری رسول ﷺ پر نازل کر رہے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کے قصرِ رحمت میں داخل ہونے کا ”شاہدہ“ ایک ہی ہے اور وہ ہے یہ قرآن۔ اب اگر تم اللہ کے دامنِ رحمت میں پناہ لینا چاہتے ہو تو اس قرآن کے راستے سے ہو کر آؤ۔ اگر ایسا کرو گے تو اللہ کی رحمت کے دروازے ایک بار پھر تمہارے لیے کھل جائیں گے اور جو رفعتیں اور برکتیں اس آخری نبی ﷺ کی اُمت کے لیے لکھی گئی ہیں تم بھی ان میں حصہ دار بن جاؤ گے۔

﴿وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا كَبِيرًاۙ﴾ ”اور بشارت دیتا ہے اُن اہل ایمان کو جو نیک عمل بھی کریں کہ اُن کے لیے بہت بڑا اجر ہے۔“

**آیت ۱۰** ﴿وَأَنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًاۙ﴾ ”اور یہ کہ جو لوگ ایمان نہیں رکھتے آخرت پر اُن کے لیے ہم نے تیار کر رکھا ہے ایک دردناک عذاب۔“

یہاں یہ نکتہ قابلِ غور ہے کہ جہاں کہیں بھی اعمال کی خرابی کی بات ہوتی ہے وہاں ایمان بالآخرت کا تذکرہ ضرور ہوتا ہے۔

اس رکوع کے حوالے سے یہ بات بہت اہم ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کے عروج و زوال کے آئینے میں جو تصویر دکھائی گئی ہے اس میں ہمارے لیے ایک دعوتِ فکر ہے۔ الحمد للہ! آج ہم (اُمتِ محمدی ﷺ) اُمتِ مسلمہ ہیں

لیکن ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک زمانے میں بنی اسرائیل بھی اُمتِ مسلمہ ہی تھے۔ وہ بحیثیت نسل آج بھی ایک قوم کے طور پر موجود ہیں مگر انہیں اُمتِ مسلمہ کے منصب سے معزول کر دیا گیا ہے۔ اب ان لوگوں کی حیثیت سابقہ اُمتِ مسلمہ کی ہے اور پچھلے دو ہزار برس سے یہ لوگ بہت زیادہ سختیوں کا شکار رہے ہیں۔ ہمیں ان کی قومی تاریخ کے نشیب و فراز کا جائزہ لے کر یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ کون سے عوامل تھے اور ان کے عقائد و اعمال کی وہ کون سی خرابیاں تھیں جن کے باعث وہ لوگ اللہ کے ہاں مغضوب و معتبوب ٹھہرے۔

یہاں دوسرا نکتہ یہ ذہن نشین کرنے کے لائق ہے کہ سابقہ اور موجودہ اُمتوں کے درمیان مقابلے کے لیے میدان تیزی سے تیار ہو رہا ہے اور یوں سمجھئے کہ دو پتنگیں اوپر چڑھ رہی ہیں جن کے درمیان پیچ پڑنے والا ہے۔ بنی اسرائیل اپنے انتہائی زوال کو پہنچنے کے بعد بحیثیت ایک قوم کے پچھلے ایک سو سال سے مادی لحاظ سے رو بہ ترقی ہیں۔ ان کی پتنگ ۱۹۱۷ء میں بالفور (Balfor) ڈیکلریشن کی منظوری سے اوپر چڑھنا شروع ہوئی اور ۱۹۴۸ء میں اسرائیل کی ریاست معرض وجود میں آگئی۔ ۱۹۶۶ء میں اس کی مزید توسیع عمل میں آئی اور اس کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے غیر معمولی اقدامات کیے گئے۔ عرب دنیا کا واحد ملک عراق تھا جس سے اسرائیل کو خطرہ ہو سکتا تھا، اسے باقاعدہ ایک منصوبے کے تحت تباہ و برباد کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد اس پورے خطے میں اب کوئی ایسا ملک نہیں جو اسرائیل کی طاقت کو چیلنج کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

دوسری طرف دیکھا جائے تو مسلم دنیا بھی اپنے زوال کی آخری حدوں کو چھونے کے بعد اب بیداری کی طرف مائل ہے اور اس اُمت کے اندر نئی زندگی پیدا ہونے کا وقت قریب نظر آتا ہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد ۱۹۲۳ء میں خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ گویا ہمارے زوال کی انتہا تھی۔ اس کے بعد عالم اسلام میں آزادی کی تحریکیں چلیں اور متعدد مسلم ممالک یورپی اقوام کے تسلط سے آزاد ہو گئے۔ مزید برآں اُمتِ مسلمہ میں بہت سی احیائی تحریکیں اٹھیں، مثلاً پاک و ہند میں جماعت اسلامی، مصر میں الاخوان المسلمون\*، ایران میں فدائی تحریک اور انڈونیشیا میں مجوسی پارٹی وغیرہ اور اس طرح اس کی نشاۃ ثانیہ کے عمل کا آغاز ہو گیا۔ چنانچہ پچھلی صدی سے اُمتِ مسلمہ کی صفوں میں زوال اور احیائی عمل پہلو بہ پہلو چل رہے ہیں۔ جیسے سورۃ الرحمن میں متوازی چلنے والے دو دریاؤں کی مثال دی گئی ہے: ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ ۝۱۹ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَا يَبْغِيَانِ ۝۲۰﴾ ”اس نے دو دریا رواں کیے جو آپس میں ملتے ہیں۔ دونوں میں ایک آڑ ہے کہ (اس سے) تجاوز نہیں کر سکتے۔“ اب صورت حال یہ ہے کہ سابقہ اور موجودہ اُمتِ مسلمہ کی صورت میں دو پتنگیں فضا میں تیر رہی ہیں اور ان کا آپس میں کسی وقت بھی پیچ پڑ سکتا ہے۔

یہ تمام تفصیلات ان لوگوں کے علم میں ہونی چاہئیں جو دین کی خدمت میں مصروف ہیں۔ انہیں زمان و مکان کے اعتبار سے درست ادراک ہونا چاہیے کہ وہ کہاں کھڑے ہیں، ان کے دائیں بائیں کیا حالات ہیں؟ ماضی میں کیا ہوتا رہا ہے، ابھی سامنے کیا کچھ ہے اور مستقبل میں کیا امکانات ہیں؟

\* یہاں یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ مصر کے موجودہ انتخابات (۲۰۱۲-۱۳ء) میں الاخوان المسلمون واضح اکثریت کے ساتھ برسرِ اقتدار آ چکی ہے۔ (مرتب)

## آیات ۲۲ تا ۳۱

وَيَذُرُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۝ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَاتٍ لِّمَن فُحِصْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابَ ۖ وَكُلَّ شَيْءٍ فَضَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا ۝ وَكُلَّ إِنْسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا ۝ اقْرَأْ كِتَابَكَ ۖ كَفَىٰ بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۖ مَن اهْتَدَىٰ فَإِنَّمَا يَهْتَدِي لِنَفْسِهِ ۖ وَمَن ضَلَّ فَإِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۖ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۖ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ۝ وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَرْنَاهَا تَدْمِيرًا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِن بَعْدِ نُوحٍ ۖ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبٍ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝ مَن كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَن نُّرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ۝ وَمَن أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُورًا ۝ كُلًّا نَّبْدُ هُوَآءًا وَهُوَآءًا مِّنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۖ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُم عَلَىٰ بَعْضٍ ۖ وَلَآ آخِرَةَ أَكْبَرُ دَرَجَتٍ وَآكْبَرُ تَفْصِيلًا ۖ لَا يَجْعَلُ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقَعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُومًا ۖ

**آیت ۱۱** ﴿وَيَذُرُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ﴾ ”اور انسان شر مانگ بیٹھتا ہے (اپنے نزدیک) بھلائی مانگتے ہوئے۔“

یعنی انسان اللہ سے دعا کر رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! میرے لیے یوں کر دے، یوں کر دے۔ حالانکہ اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ جو کچھ وہ اپنے لیے مانگ رہا ہے وہ اس کے لیے مفید ہے یا مضر۔ اس طرح انسان اپنے لیے اکثر وہ کچھ مانگ لیتا ہے جو اس کے لیے الناقصان وہ ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ میں فرمایا گیا ہے: ﴿عَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝۳۱﴾ ”ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے شر ہو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ چنانچہ بہتر لائحہ عمل یہ ہے کہ اللہ پر توکل کرتے ہوئے انسان اپنے معاملات اس کے حوالے کر دے کہ اے اللہ! میرے معاملات تیرے سپرد ہیں، کیونکہ میرے نفع و نقصان کو تو مجھ سے بہتر جانتا ہے۔

سپر دم بتو مایہ خویش را تو دانی حسابِ کم و بیش را!  
دعائے استخارہ میں بھی ہمیں تفویض امر کا یہی انداز سکھایا گیا ہے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ  
فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوبِ (۱)

”اے اللہ! میں تیرے علم کی بدولت تجھ سے خیر چاہتا ہوں اور تیری قدرت کی برکت سے طاقت مانگتا ہوں اور تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے فضل عظیم کا، بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں، تو سب کچھ جانتا ہے اور میں کچھ بھی نہیں جانتا، اور تو ہر قسم کے غیب کو جاننے والا ہے۔“  
بہر حال انسان کا عمومی رویہ یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر توکل کرنے کے بجائے اپنی عقل اور سوچ پر انحصار کرتا ہے اور اس طرح اپنے لیے خیر کی جگہ شر کی دعائیں کرتا رہتا ہے۔

﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ۝۱۱﴾ ”اور انسان بہت جلد باز ہے۔“

اپنی اس جلد بازی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے وہ شر کو خیر اور خیر کو شر سمجھ بیٹھتا ہے۔

**آیت ۱۲** ﴿وَجَعَلْنَا اللَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیٰتٍ لِّیِّنِ فَمَحَوْنَا اٰیَةَ اللَّیْلِ وَجَعَلْنَا اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ”اور ہم نے بنایا رات اور دن کو دو نشانیاں، تو تاریک کر دیا ہم نے رات کی نشانی کو اور روشن بنا دیا ہم نے دن کی نشانی کو تا کہ تم تلاش کرو اپنے رب کا فضل“

دن کو روشن بنایا تا کہ اس کی روشنی میں تم لوگ آسانی سے کسبِ معاش کے لیے دوڑ دوھوپ کر سکو۔

﴿وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السَّیِّنِّ وَالْحِسَابِ ۚ وَكُلُّ شَیْءٍ فَصْلٰنٌ ۝۱۲﴾ ”اور تا کہ تم جان لو سالوں کی گنتی اور (نظام الاوقات کا) حساب، اور ہر چیز کو ہم نے کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔“

یہ دن اور رات کا الٹ پھیر ہی ہے جو نظام الاوقات کا بنیادی ڈھانچہ فراہم کرتا ہے اور دنوں سے ہفتے، مہینے اور پھر سال بنتے ہیں۔

**آیت ۱۳** ﴿وَکُلُّ اِنْسَانٍ اَلُوْهُ مَلَطٰوْرَةٌ فِیْ عُنُقِهِ ۝۱۳﴾ ”اور ہر انسان کی قسمت چپکا دی ہے ہم نے اس کی گردن میں۔“

”طائر“ کا لفظ عربی میں عام طور پر شگون، نحوست اور بد قسمتی کے لیے بولا جاتا ہے، لیکن یہاں پر خوش بختی اور بد بختی دونوں ہی مراد ہیں۔ یعنی کسی انسان کا جو بھی مقوم و مقدور ہے، زندگی میں اچھا برا جو کچھ بھی اسے ملتا ہے، جیسے بھی اچھے برے حالات اسے پیش آنے ہیں، اس سب کچھ کے بارے میں اس کا جو کھاتہ ”اُمّ الکتاب“ میں موجود ہے اس کا حاصل اس کی گردن میں چپکا دیا گیا ہے۔ گردن میں چپکانے کے الفاظ کا استعمال محاورہ بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی کچھ مادی حقیقت بھی ہو۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی گردن میں کسی gland کی صورت میں واقعی کوئی مائیکرو کمپیوٹر نصب کر رکھا ہو۔ واللہ اعلم!

﴿وَنُخْرِجُ لَهُ یَوْمَ الْقِیَمَةِ کِتٰبًا یَلْقٰهُ مَنۡشُوْرًا ۝۱۴﴾ ”اور ہم نکال لیں گے اس کے لیے قیامت

(۱) صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الاستخارة۔ و سنن الترمذی، ابواب الصلاة، باب ما جاء

کے روز (اسے) ایک کتاب (کی شکل میں) وہ پائے گا اسے کھلی ہوئی۔“

ان الفاظ سے تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ انسانی جسم کے اندر ہی کوئی ایسا سسٹم لگا دیا گیا ہے جس میں اس کے تمام اعمال و افعال ریکارڈ ہو رہے ہیں اور قیامت کے دن ایک chip کی شکل میں اسے اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ اس chip کے اندر اس کی زندگی کی ساری فلم موجود ہوگی، ایک ایک حرکت جو اُس نے کی ہوگی، ایک ایک لفظ جو اس نے منہ سے نکالا ہوگا، ایک ایک خیال جو اس کے ذہن میں پیدا ہوا ہوگا، ایک ایک نیت جو اس کے دل میں پروان چڑھی ہوگی، سب ڈیٹا پوری تفصیل کے ساتھ اس میں محفوظ ہوگا۔ روز قیامت اس chip کو کھول کر کھلی کتاب کی طرح اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا اور کہا جائے گا:

**آیت ۱۲ ﴿اَفَرَأٰ كِتٰبَكَ ۭ ط كُفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلٰیكَ حَسِیْنًا ۝﴾** ”پڑھ لو اپنا اعمال نامہ! آج تم خود ہی اپنا حساب کر لینے کے لیے کافی ہو۔“

تمہاری زندگی کی کتاب کا ایک ایک ورق اس قدر تفصیل سے تمہارے سامنے موجود ہے کہ تم خود ہی اپنا حساب کر سکتے ہو۔ تمہارا سارا debit/credit تمہارے سامنے ہے۔

**آیت ۱۵ ﴿مَنْ اِهْتَدٰی فَاَنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاَنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۭ﴾** ”جس کسی نے ہدایت کی راہ اختیار کی تو اُس نے اپنے ہی (بھلے کے) لیے ہدایت کی راہ اختیار کی، اور جو کوئی گمراہ ہوا تو اُس کی گمراہی کا وبال اُسی پر ہے۔“

**﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی ۭ﴾** ”اور کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ اٹھانے والی نہیں بنے گی۔“  
روز قیامت ہر کسی کو اپنی بد اعمالیوں کا بوجھ ذاتی طور پر خود ہی اٹھانا ہوگا۔ اس سلسلے میں کوئی کسی کی کچھ مدد نہیں کر سکے گا۔ سب اپنے اپنے اعمال کا انبار اپنے اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوں گے۔

**﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝﴾** ”اور ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں جب تک کہ کسی رسول کو نہ بھیج دیں۔“

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت رہی ہے کہ کسی بھی قوم پر عذاب استیصال اُس وقت تک نہیں بھیجا گیا جب تک کہ اس قوم کی ہدایت کے لیے اور حق و باطل کا فرق واضح کر دینے کے لیے کوئی رسول مبعوث نہیں کر دیا گیا۔ البتہ چھوٹے چھوٹے عذاب اس قانون سے مشروط نہیں۔ قرآن میں قوم نوح، قوم ہود، قوم صالح وغیرہ کی مثالیں بار بار بیان کی گئی ہیں جن سے اس اصول کی واضح نشاندہی ہوتی ہے کہ کسی قوم کو عذاب کے ذریعے اس وقت تک مکمل طور پر تباہ و برباد نہیں کیا جاتا جب تک اللہ کا مبعوث کردہ رسول اس قوم کے لیے حق کا حق ہونا بالکل واضح نہ کر دے اور اس سلسلے میں اُس قوم پر اتمام حجت نہ ہو جائے۔ یہی مضمون سورۃ النساء آیت ۱۶۵ میں اس طرح بیان ہوا ہے: **﴿رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِّئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلٰی اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ﴾** ”(اُس نے بھیجے) رسول خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے تاکہ نہ رہے لوگوں کے لیے اللہ کے مقابلے میں کوئی حجت رسولوں کے بعد۔“

**آیت ۱۶** ﴿وَإِذْ أَوْدَيْنَا أَنْ تُهْلِكَ قَرْيَةً قَدَرْنَا مَثْرَفَ بِهَا فَفَسَقُوا فِيهَا﴾ ”اور جب ہم ارادہ کرتے کہ تباہ کر دیں کسی بستی کو تو ہم اس کے خوشحال لوگوں کو حکم دیتے اور وہ اس میں خوب نافرمانیاں کرتے“  
**﴿فَحَقَّقَ عَلَيْهَا الْقَوْلَ فَدَمَّرْنَا تَمَيمًا ۝۱۶﴾** ”پس ثابت ہو جاتی اس پر (عذاب کی) بات پھر ہم اس کو بالکل نیست و نابود کر دیتے۔“

یہاں کسی بستی پر عذاب استیصال کے نازل ہونے کا ایک اصول بتایا جا رہا ہے کہ کسی بھی معاشرے میں اس کا سبب وہاں کے دولت مند اور خوشحال لوگ بنتے ہیں۔ یہ لوگ علی الاعلان اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانیاں کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی دیدہ دلیری کے سبب ان کی رسی مزید دراز کی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی عیاشیوں اور من مانیوں میں تمام حدیں پھیلا تک کر پوری طرح عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں عوام انہیں ان کے کرتوتوں سے باز رکھنے کے لیے کوئی کردار ادا نہیں کرتے بلکہ ایک وقت آتا ہے جب وہ بھی ان کے ساتھ جرائم میں شریک ہو جاتے ہیں اور یوں ایسا معاشرہ اللہ کے عذاب کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ ایسے میں صرف وہی لوگ عذاب سے بچ پاتے ہیں جو نبی عن المکر کا فریضہ ادا کرتے رہے ہوں۔

**آیت ۱۷** ﴿وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا ۝۱۷﴾ ”اور کتنی ہی قوموں کو ہم نے ہلاک کیا نوح کے بعد۔ اور کافی ہے آپ کا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر رہنے اور ان کو دیکھنے کے لیے۔“

**آیت ۱۸** ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ﴾ ”جو کوئی عاجلہ کا طلب گار بنتا ہے ہم اس کو جلدی دے دیتے ہیں اس میں سے جو کچھ ہم چاہتے ہیں جس کے لیے چاہتے ہیں“  
یہاں پر ”دنیا“ کی بجائے ”عاجلہ“ کا لفظ آیا ہے۔ یہ دونوں الفاظ مونث ہیں۔ ”ادنیٰ“ قریب کی چیز کو کہا جاتا ہے اس کی مونث ”دنیا“ ہے جبکہ ”عاجلہ“ کے معنی جلدی والی چیز کے ہیں اور اس کی مونث ”عاجلہ“ ہے۔ یہ دنیا نقد کا سودا ہے یہاں پر راحت بھی فوراً آسودگی دیتی ہے اور اس کی تکلیف بھی فوری طور پر خود کو محسوس کراتی ہے۔ اسی لیے اسے ”عاجلہ“ کہا گیا ہے۔ عاجلہ کے مقابلے میں آیت زیر نظر میں ”آخرت“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ قرآن حکیم میں اکثر ”دنیا“ کے مقابلے میں بھی آتا ہے۔ دنیا یا عاجلہ کے مقابلے میں آخرت کو آخرت اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا ثواب و عذاب بعد میں آنے والی چیز ہے۔

آیت زیر نظر میں جو اصول بیان ہوا ہے اس کی وضاحت یہ ہے کہ جو شخص دنیا کی عیش اور دنیا کی دولت و شہرت حاصل کرنے کا خواہش مند ہو اور صرف اسی کے لیے منصوبہ بندی، محنت اور دوڑ دھوپ کرے اس کی محنت اور دوڑ دھوپ کو اللہ کسی نہ کسی درجہ میں کامیاب کر دیتا ہے مگر ضروری نہیں کہ جس قدر کوئی دنیا سیٹھا چاہے اسی قدر اسے مل بھی جائے۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کوئی بھی اس ”عاجلہ“ کو پانے کی دوڑ میں شامل ہو کامیاب ٹھہرے بلکہ ہر کسی کو وہی کچھ ملے گا جو اللہ چاہے گا اور صرف اسی کو ملے گا جس کے لیے وہ چاہے گا۔ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو حصول دنیا کے لیے ساری عمر اپنے آپ کو ہلکان کر دیتے ہیں مگر دنیا پھر بھی ہاتھ نہیں آتی۔

چنانچہ یہ اللہ کا فیصلہ ہے کہ جس کو وہ چاہتا ہے اور جس قدر چاہتا ہے دنیا میں اس کی محنت کا صلہ دے دیتا ہے۔  
**﴿ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلُهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا﴾ (۱۸)** ”پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس کے لیے جہنم۔ وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ دھنکارا ہوا۔“

اس شخص کی خواہش اور محنت سب دنیا کے لیے کی تھی چنانچہ دنیا کسی نہ کسی قدر اسے دے دی گئی۔ آخرت کے لیے اس نے خواہش کی تھی اور نہ محنت لہذا آخرت میں سوائے جہنم کے اس کے لیے اور کچھ نہیں ہوگا۔

**آیت ۱۹ ﴿وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَىٰ لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾** ”اور جو کوئی آخرت کا طلب گار ہو اور اس کے لیے اس کے شایان شان کوشش کرے اور وہ مؤمن بھی ہو“

یعنی اس کی یہ طلب صرف زبانی دعویٰ تک محدود نہ ہو بلکہ حصول آخرت کے لیے وہ ٹھوس اور حقیقی کوشش بھی کرے جیسا کہ کوشش کرنے کا حق ہے۔ اور پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اہل ایمان میں سے ہو کیونکہ ایمان کے بغیر اللہ کے ہاں بڑی سے بڑی نیکی بھی قابل قبول نہیں ہے۔

**﴿فَاُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُورًا﴾ (۱۹)** ”تو یہی لوگ ہوں گے جن کی کوشش کی قدر افزائی کی جائے گی۔“

اللَّهُمَّ رَبَّنَا اجْعَلْنَا مِنْهُمْ اِیہ آیت ہم میں سے ہر ایک کے لیے ٹیس ٹیسٹ ہے۔ اس ٹیسٹ کی مدد سے ہر شخص ٹھیک سے معلوم کر سکتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے کس موڑ پر کس حیثیت سے کھڑا ہے؟ چنانچہ ہر انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی منصوبہ بندیوں اور شبانہ روز بھاگ دوڑ کی ترجیحات کا تجزیہ کر کے اپنا احتساب کرے کہ وہ کس قدر دنیا کا طالب ہے اور کس حد تک فلاح آخرت کو پانے کا خواہش مند؟ بہر حال دنیا پر آخرت کو ترجیح دینا اور پھر اپنے قول و فعل سے اپنی ترجیحات کو ثابت کرنا ایک کٹھن اور دشوار کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو اس کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

**آیت ۲۰ ﴿كُلًّا نَّمِدُّ هُوَآءٍ وَهُوَآءٍ مِنْ عَطَايَ رَبِّكَ﴾** ”ہم سب کو مدد پہنچائے جا رہے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی آپ کے رب کی عطا سے۔“

یہ دنیا چونکہ دار الامتحان ہے اس لیے جب تک انسان یہاں موجود ہیں ان میں سے کوئی مجرم ہو یا اطاعت گزار ہر ایک کی بنیادی ضروریات پوری ہو رہی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازش ہے جس میں سے وہ اپنے نافرمانوں اور دشمنوں کو بھی نوازا رہا ہے۔

**﴿وَمَا كَانَ عَطَايَ رَبِّكَ مَحْظُورًا﴾ (۲۰)** ”اور آپ کے رب کی عطا کی ہوئی نہیں ہے۔“  
 دنیا میں اللہ تعالیٰ کی یہ عطا اور بخشش عام ہے۔ اس میں دوست اور دشمن کے امتیاز کی بنیاد پر کوئی قدغن یا روک ٹوک نہیں ہے۔

**آیت ۲۱ ﴿انْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ﴾** ”دیکھو کیسے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے!“  
 اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بعض لوگوں کو مال و اسباب و ذہنی و جسمانی صلاحیتوں، شکل و صورت اور مقام و



مرتبے میں بعض دوسروں پر فضیلت دے رکھی ہے۔ یہ اس کی مرضی اور مشیت کا معاملہ ہے۔  
 ﴿وَلَا خَيْرَ أَكْبَرَ دَرَجَةٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا﴾ ”لیکن آخرت کی زندگی درجات اور فضیلت میں اس سے بہت بڑھ کر ہوگی۔“

دنیا میں تو درجات و فضائل جیسے بھی ہوں، جتنے بھی ہوں، محدود ہی ہوں گے، مگر آخرت کی نعمتیں اور نوازشیں ایسی لامحدود اور لاقتناہی ہوں گی کہ ان کا موازنہ و مقابلہ دنیا کی کسی چیز سے ممکن ہی نہیں ہوگا۔ یہاں ایک شخص بیس پچیس سال کنیا میں رہ لے گا اور ایک دوسرا شخص اتنا ہی عرصہ محل میں رہ لے گا تو کیا فرق واقع ہو جائے گا؟ آخر کار تو دونوں کو یہاں سے جانا ہے۔ لیکن آخرت کے آرام و آسائش ابدی ہوں گے۔ وہاں کے نعمتوں کے باغات کی اپنی ہی شان ہوگی: ﴿فَرَوْحٌ وَرَيْحَانٌ وَجَنَّتْ نَعِيمٌ﴾ (الواقعة) ”تو (اس کے لیے) آرام اور خوشبودار پھول اور نعمت کے باغ ہیں۔“

**آیت ۲۲** ﴿لَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُومًا مَّخْذُولًا﴾ ”اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بناؤ“ کہ پھر بیٹھے رہ جاؤ گے مذموم و بے سہارا ہو کر۔“

آئندہ دور کو اس لحاظ سے بہت اہم ہیں کہ ان میں تورات کے احکام عشرہ (Ten Commandments) کو قرآنی اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک ان احکام کے اندر تورات کی تعلیمات کا انچوڑ ہے۔ ان احکام کا خلاصہ ہم سورۃ الانعام کے آخری حصے میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ یہاں پر وہی باتیں ذرا تفصیل سے بیان ہوئی ہیں۔

## آیات ۲۳ تا ۴۰

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۖ إِمَّا يَبْتَغَِنَّ عَنْكَ الْكِبَرُ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيهًا ۖ وَخَفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْتَنِي صَغِيرًا ۖ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۖ إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ۖ وَابْتَغِ الْوَعْدَ الْحَقَّ وَالْمُسْكِينَ ۖ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تَبْذُرْ تَبْذِيرًا ۖ إِنَّ الْمُبْذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا ۖ وَإِمَّا نَعْرِضَنَّ عَنْهُمْ آيَاتِنَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۖ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۖ إِنْ رَبُّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۖ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمَّا يَكُونُوا عِزًّا ۖ نَزَرُوهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۖ إِنْ قَتَلْتُمْ كَانَ خَطَاكُمْ كَبِيرًا ۖ وَلَا تَقْرَبُوا الزَّوْجَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً ۖ

وَسَاءَ سَيِّلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ۖ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيهِ سُلْطَانًا فَلَا يَسْرِفُ فِي الْقَتْلِ ۖ إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ ۚ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۝ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ ۚ إِذَا كَلْتُمْ وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ ۖ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا كَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ۚ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۝ وَلَا تَنْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا ۝ كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا ۚ ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۖ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُنْفِلِي فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَدْحُورًا ۚ أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنْ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ۚ

**آیت ۲۳** ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ ”اور فیصلہ کر دیا ہے آپ کے رب نے کہ مت عبادت کرو کسی کی سوائے اُس کے اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔“  
اللہ کے حقوق کے فوراً بعد والدین کے حقوق ادا کرنے کی تاکید اس سے پہلے ہم سورۃ البقرۃ کی آیت ۸۳ اور سورۃ النساء کی آیت ۳۶ میں بھی پڑھ آئے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ لقمان کی آیت ۱۴ میں یہی حکم چوتھی مرتبہ آئے گا۔

﴿أَمَّا يَنْفُلَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا﴾ ”اگر پہنچ جائیں تمہارے پاس بڑھاپے کو ان میں سے کوئی ایک یا دونوں“  
﴿فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٌ وَلَا تُنْهَرُهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾ ”تو انہیں آف تک مت کہو اور نہ انہیں جھڑکو اور ان سے بات کرو نرمی کے ساتھ۔“  
اگر کبھی والدین کی بات کو ٹالنا بھی پڑ جائے تو حکمت اور نرمی کے ساتھ ایسا کیا جائے۔ عقل اور منطق کے بل پر سیدہ تان کریوں جواب نہ دیا جائے کہ ان کا دل دکھے۔

**آیت ۲۴** ﴿وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ ”اور جھکائے رکھو ان کے سامنے اپنے بازو عاجزی اور نیاز مندی سے“

جب بھی اپنے والدین کے سامنے آؤ تو تمہاری چال ڈھال اور گفتگو کے انداز سے عاجزی و انکساری اور ادب و احترام کا اظہار ہونا چاہیے۔

﴿وَقُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيْنِي صَغِيرًا﴾ ”اور دعا کرتے رہو: اے میرے رب ان

دونوں پر رحم فرما جیسے کہ انہوں نے مجھے بچپن میں پالا۔“

اللہ تعالیٰ کے حضور ہر وقت ان کے لیے دعا گورہنا چاہیے کہ اے اللہ جب میں ضعیف، کمزور اور محتاج تھا تو انہوں نے میری غذا میرے آرام اور میری دوسری ضروریات کا انتظام کیا۔ میری تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھا اور میرے لیے اپنے آرام و آرائش کو قربان کیا۔ اب میں تو ان کے ان احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ اس لیے میں تجھی سے درخواست کرتا ہوں کہ تو ان پر رحم فرما اور اپنی خصوصی شفقت اور مہربانی سے اُن کی خطاؤں کو معاف فرما دے۔

**آیت ۲۵ ﴿رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِنَّ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ۝۲۵﴾**  
 ”تمہارا رب خوب واقف ہے اس سے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اگر تم واقعی نیک ہو گے تو وہ (اپنی طرف) رجوع کرنے والوں کے لیے بڑا بخشنے والا ہے۔“

بوڑھے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے حکم پر کماحقہ عمل کرنا آسان کام نہیں۔ بڑھاپے میں انسان پر ”ارذلِ عمر“ کا مرحلہ بھی آتا ہے جس کے بارے میں ہم پڑھ آئے ہیں: ﴿لِحُجِّي لَا يَغْلَمُ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا﴾ (النحل: ۷۰)۔ ایسی کیفیت میں کبھی بچوں کی سی عادتیں لوٹ آتی ہیں اور ان کی بہت سی باتیں ناقابلِ عمل اور اکثر احکام ناقابلِ تعمیل ہوتے ہیں۔ کہیں انہیں سمجھنا بھی پڑتا ہے اور کبھی روکنے ٹوکنے کی نوبت بھی آ جاتی ہے۔ ان سب مراحل میں کوشش کے باوجود کہیں نہ کہیں کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے اور کبھی نہ کبھی کوئی کوتاہی رہ ہی جاتی ہے۔ یہاں اس سیاق و سباق میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف تمہارے ظاہری عمل اور رویے ہی کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں کی نیّتوں کو بھی جانتا ہے۔ چنانچہ اگر بندے کے دل کا رجوع اللہ کی طرف ہو اور نیت اس کی نافرمانی کی نہ ہو تو چھوٹی موٹی لغزشوں کو وہ معاف فرمانے والا ہے۔

**آیت ۲۶ ﴿وَإِذَا الْقُرْبَىٰ حَقُّهُ وَالْمُسْكِينُ وَابْنُ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ۝۲۶﴾**  
 ”اور حق ادا کرو قربت داروں، مسکینوں اور مسافروں کا اور فضول میں مال مت اڑاؤ۔“

تبذیر کے معنی بلا ضرورت مال اڑانے کے ہیں اور یہ اسراف سے بڑا جرم ہے۔ اسراف تو یہ ہے کہ کسی ضرورت میں ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے۔ مثلاً کھانا کھانا ایک ضرورت ہے اور یہ ضرورت دور و نیوں اور تھوڑے سے سالن سے بخوبی پوری ہو جاتی ہے مگر اسی ضرورت کے لیے اگر کئی کئی کھانوں پر مشتمل دسترخوان سجا دیے جائیں تو یہ اسراف ہے۔ اسی طرح کپڑا انسان کی ضرورت ہے جس کے لیے ایک دو جوڑے کافی ہیں۔ اب اگر الماریوں کی الماریاں طرح طرح کے جوڑوں، سوٹوں اور پوشاکوں سے بھری پڑی رہیں تو یہ اسراف کے زمرے میں آئے گا۔ اسراف کے مقابلے میں تبذیر سے مراد ایسے بے تحاشا اخراجات ہیں جن کی سرے سے ضرورت ہی نہ ہو مثلاً شادی بیاہ کی رسموں پر بے حساب خرچ کرنا اور نام و نمود کے لیے طرح طرح کے مواقع پیدا کر کے ان پر مال و دولت کو ضائع کرنا تبذیر ہے۔

**آیت ۲۷ ﴿إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾**  
 ”یقیناً مال کو فضول اڑانے والے شیاطین کے بھائی ہیں۔“

یہاں پر مبذرین کو جو شیاطین کے بھائی قرار دیا گیا ہے، اس کی منطق اور بنیاد کیا ہے؟ یہ بات جب میری سمجھ میں آئی تو مجھ پر قرآن کے اعجاز کا ایک نیا پہلو منکشف ہوا۔ سورۃ المائدہ کی آیت ۹۱ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَئِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْذِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ.....﴾ ”شیطان تو یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان دشمنی اور بغض پیدا کرے شراب اور جوئے کے ذریعے سے.....“ اس آیت کے مضمون پر غور کرنے سے یہ حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ شراب اور نجوا شیطان کے وہ خطرناک ہتھیار ہیں جن کی مدد سے وہ انسانوں کے درمیان بغض و عداوت کی آگ کو بھڑکا کر اپنے ایجنڈے کی تکمیل چاہتا ہے۔ چنانچہ اگر شیطان کا ہدف انسانوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بغض اور عداوت کے جذبات پیدا کرنا ہے تو اس کا یہ ہدف تہذیر کے عمل سے بھی بخوبی پورا ہو جاتا ہے اور یوں ”مبذرین“ اس مکروہ ایجنڈے کی تکمیل کے لیے شیطان کے کندھے سے کندھا اور اس کے قدم سے قدم ملائے سرگرم عمل نظر آتے ہیں۔ اس تلخ حقیقت کو ایک مثال سے سمجھیں۔ ذرا تصور کریں کہ ایک سیٹھ صاحب کی بیٹی کی شادی کے موقع پر اس کی کوٹھی بقیعہ نور بنی ہوئی ہے، خوب دھوم دھڑکا ہے اور محض نمود و نمائش کے لیے مال و دولت کو بے دریغ لٹایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف اسی سیٹھ صاحب کا ایک ملازم ہے جو صرف اپنی غربت کے سبب اپنی بیٹی کے ہاتھ پیلے نہیں کر پار ہا اور سیٹھ صاحب کے یہ تمام تہذیری چلن اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے لازمی طور پر اس غریب کے دل میں نفرت، بغض اور دشمنی کا لاداجوش مارے گا۔ اب اگر اسے موقع ملے تو یہ آتش فشاں پوری شدت سے پھٹے گا اور وہ غریب ملازم اپنے مالک کا پیٹ پھاڑ کر اس کی دولت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح فضول لٹائی جانے والی دولت کی نمائش سے امراء کے خلاف معاشرے کے محروم لوگوں کے دلوں میں بغض و عداوت اور نفرت کی آگ بھڑکتی ہے اور یوں شیطان کے ایجنڈے کی تکمیل ہوتی ہے۔ اسی شیطانی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے معاہدین کا کردار ادا کرنے کے باعث مبذرین کو یہاں ”اخوان الشیاطین“ قرار دیا گیا ہے۔

﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهِمْ كَفُوْرًا ۝۷۵﴾ ”اور یقیناً شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکر ہے۔“

**آیت ۲۸** ﴿وَاَمَّا تَعْرِضْنَ عَنْهُمْ اِنْتَعَا رَحْمَةً مِّنْ رَبِّكَ تَوْجُوْهَا﴾ ”اور اگر تمہیں اعراض کرنا ہی پڑ جائے ان سے اپنے رب کی رحمت کے انتظار میں جس کی تمہیں امید ہے“

کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی محتاج اپنی کسی حاجت برآری کے لیے ایسے موقع پر آپ کے پاس آتا ہے جب آپ کے پاس بھی اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ سے اچھے دنوں اور فراخ دستی کی امید تو ہے مگر وقتی طور پر آپ سائل کی حاجت سے اعراض کرنے پر مجبور ہیں اور چاہتے ہوئے بھی اس کی مدد نہیں کر سکتے۔ اگر تمہیں کسی وقت ایسی صورت حال کا سامان ہو:

﴿فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝۷۸﴾ ”تو ان سے کہو نرم بات۔“

ایسے موقع پر سائل کو جھڑکوں نہیں، بلکہ متانت اور شرافت سے مناسب الفاظ میں اس سے معذرت کرلو۔

**آیت ۲۹** ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰی عُنُقِكَ﴾ ”اور نہ باندھ لو اپنے ہاتھ کو اپنی گردن کے ساتھ“

یہ استعارہ ہے بخل اور کنجوسی کا۔ یعنی آپ اپنے ہاتھ کو اپنی گرون کے ساتھ باندھ کر کسی کو کچھ دینے سے خود کو معذور نہ کر لیں۔

﴿وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ﴾ ”اور نہ اسے بالکل ہی کھلا چھوڑ دو“

بعض اوقات انسان کے اندر نیکی کا جذبہ اس قدر جوش کھاتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں لٹا دیتا چاہتا ہے۔

﴿فَتَقَعْدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا﴾ ”کہ پھر بیٹھے رہو ملامت زدہ ہارے ہوئے۔“

ایسا نہ ہو کہ ایک وقت میں تو جذبات میں آکر انسان سارا مال قربان کر دے مگر بعد میں پچھتائے کہ یہ میں نے کیا کر دیا؟ اب کیا ہوگا؟ اب میری اپنی ضروریات کہاں سے پوری ہوں گی؟ چنانچہ انسان کو ہر حال میں اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیے۔

آیت ۳۰ ﴿إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ﴾ ”یقیناً تمہارا رب کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)۔“

بعض اوقات اللہ کا کوئی بندہ چاہتا ہے کہ میں کوشش کر کے اپنے فلاں نادار رشتہ دار کے حالات بہتر کر دوں، مگر اس کی پوری کوشش کے باوجود اس کے حالات نہیں سدھرتے۔ ایسی کیفیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ کسی کے رزق کی تنگی اور فراخی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے اس میں تم لوگوں کو کچھ اختیار نہیں۔ لہذا تم لوگ اپنی سی کوشش کرتے رہو اور نتائج اللہ پر چھوڑ دو۔

﴿إِنَّهُ كَانَ يِعْبَادُهُ خَبِيرًا بَصِيرًا﴾ ”یقیناً وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا (اور ان کے حالات کو) دیکھنے والا ہے۔“

آیت ۳۱ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ﴾ ”اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے اندیشے سے۔“

قدیم زمانے میں قتل اولاد کا محرک افلاس کا خوف ہوا کرتا تھا۔ آج کل ہمارے ہاں برتھ کنٹرول اور آبادی کی منصوبہ بندی کے بارے میں جو اجتماعی سوچ پائی جاتی ہے اور اس سوچ کے مطابق انفرادی اور اجتماعی سطح پر جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کی کئی صورتیں بھی اس آیت کے حکم میں آتی ہیں۔ اس سلسلے میں مجموعی طور پر کوئی ایک حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ اس کی تمام صورتیں حرام مطلق نہیں، بلکہ بعض صورتیں جائز بھی ہیں، جبکہ بعض مکروہ اور بعض حرام۔ مگر ایسی سوچ کو ایک اجتماعی تحریک کی صورت میں منظم کرنا بہر حال ایمان اور توکل علی اللہ کی نفی ہے۔ اس کوشش کا سیدھا اور صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ کے رازق ہونے پر ایمان و یقین نہیں اور وہ خود اپنی جمع تفریق سے حساب پورا کرنے کی کوششیں کرتا چاہتا ہے۔ دراصل انسان اللہ کے خزانوں اور وسائل کی وسعتوں کا کچھ اندازہ نہیں کر سکتا اور اسے اپنی اس کوتاہی اور معذوری کا اور اک ہونا چاہیے۔ مثلاً کچھ عرصہ پہلے تک انسان کو اندازہ نہیں تھا کہ سمندر کے اندر انسانی غذا کے کس قدر وسیع خزانے پوشیدہ ہیں اور اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ سمندری گوشت ﴿لَحْمًا طَرِيًّا﴾ (النحل: ۱۴ اور فاطر: ۱۲) کی افادیت انسانی صحت کے لیے red meat کے

مقابلے میں کس قدر زیادہ ہے۔

اس ضمن میں ایک اہم بات یہ جاننے کی ہے کہ مختلف مانع حمل طریقوں اور کوششوں پر ”قتلِ اولاد“ کے حکم کا اطلاق نہیں ہوتا، لیکن باقاعدہ حمل ٹھہر جانے کے بعد اسے ضائع کرنا بہر حال قتل کے زمرے میں ہی آتا ہے۔

﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ﴾ ”ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔“

تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں جو رزق مل رہا ہے وہ تمہاری اپنی محنت اور منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں، تمہارے حقیقی رازق ہم ہیں اور جیسے ہم تمہیں رزق دے رہے ہیں اسی طرح تمہاری اولاد کے رزق کا بندوبست بھی ہمارے ذمہ ہے۔

﴿إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً﴾ ”یقیناً ان کو قتل کرنا بہت بڑی خطا ہے۔“

آیت ۳۲ ﴿وَلَا تَقْرُبُوا الزَّوَٰجَ﴾ ”اور زنا کے قریب بھی مت جاؤ۔“

یہاں ”زنا مت کرو“ کے بجائے وہ حکم دیا جا رہا ہے جس میں انتہائی احتیاط کا مفہوم پایا جاتا ہے کہ زنا کے قریب بھی مت پھلو۔ یعنی ہر اس معاملے سے خود کو محفوظ فاصلے پر رکھو جو تمہیں زنا تک لے جانے یا پہنچانے کا سبب بن سکتا ہو۔

﴿إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ ”یقیناً یہ بہت بے حیائی کا کام ہے اور بہت ہی بُرا

راستہ ہے۔“

آیت ۳۳ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ ”اور مت قتل کرو اُس انسانی جان کو جسے

اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے مگر حق کے ساتھ۔“

یہاں ”حق“ سے مراد چند وہ صورتیں ہیں جن میں انسانی جان کا قتل جائز ہے۔ ان میں خون کا بدلہ خون، اسلامی ریاست میں مُرتد کی سزا موت، شادی شدہ زانی اور زانیہ کا رجم اور حربی کافر کا قتل شامل ہے۔

﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لَوْلِيٍّ سُلْطٰنًا﴾ ”اور جسے قتل کر دیا گیا مظلومی میں تو اس کے

ولی کو، ہم نے اختیار دیا ہے۔“

اسلامی قانون میں مقتول کے ورثاء کو اختیار ہے کہ وہ جان کے بدلے جان کی سزا پر اصرار کریں یا معاف کر دیں یا پھر خون بہا لے لیں۔ یہ تینوں اختیارات مقتول کے ورثاء ہی کو حاصل ہیں۔ کسی عدالت یا سربراہ مملکت کو اس میں کچھ اختیار نہیں۔

﴿فَلَا يُسْرِفُ فِي الْقَتْلِ﴾ ”تو وہ بھی قتل میں حد سے تجاوز نہ کرے۔“

یعنی جان کے بدلے جان کا فیصلہ ہو تو اس میں تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ایک آدمی کے بدلے مخالف فریق کے زیادہ لوگ قتل کر دیے جائیں، طریقہ قتل میں کسی قسم کی زیادتی کی جائے یا کسی بھی انداز میں اپنے اس اختیار کا ناجائز استعمال کیا جائے۔

﴿إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا﴾ ”اُس کی مدد کی جائے گی۔“

قاتل کو پکڑنے، اس پر مقدمہ چلانے اور انصاف دلانے تک کے طویل اور پیچیدہ عمل میں ہر مرحلے پر مقتول کے ورثاء کی مدد کرنا ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس سلسلے میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ قتل کے مقدمات میں ریاست یا حکومت مدعی نہیں بنے گی بلکہ مقتول کے ورثاء ہی مدعی ہوں گے۔ ہمارے ہاں جو ”سرکار بنام فلاں“ کے عنوان سے مقدمہ بنتا ہے وہ معاملہ سر اسر غیر اسلامی ہے۔

**آیت ۳۴ ﴿وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾** ”اور مت قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر احسن طریقے سے“

یہ آیت قبل ازیں ہم سورۃ الانعام (آیت ۱۵۲) میں بھی پڑھ چکے ہیں۔ یعنی یتیم کے مال کو ہڑپ کرنے، اس سے ناجائز فائدہ اٹھانے یا اسے ضائع کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اس کی حفاظت کرو اور اسے ہر طرح سے سنبھال کر رکھو:

**﴿حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ﴾** ”یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے“

**﴿وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا﴾** ”اور عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔“

**آیت ۳۵ ﴿وَأَوْفُوا الْكَيْلَ إِذَا كِلْتُمْ وَزَنُوا بِالْقُسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ﴾** ”اور جب تم ناپو تو پیمانہ پورا بھرو اور وزن کرو سیدھی ترازو کے ساتھ۔“

**﴿ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾** ”یہی بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی خوب تر ہے۔“

اگر تم ناپ تول پورا کرتے ہو اور لین دین کے تمام معاملات و یا ننداری سے سرانجام دیتے ہو تو حضرت شعیب علیہ السلام کے فرمان کے مطابق: **﴿بَقِيَّتُ اللَّهِ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾** (ہود: ۸۶) ”اللہ کا دیا ہوا منافع ہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو۔“ و یا ننداری سے کمایا ہوا منافع تھوڑا بھی ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا کرے گا۔

**آیت ۳۶ ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ﴾** ”اور مت پیچھے پڑو اُس چیز کے جس کے بارے میں تمہیں علم نہیں۔“

بحیثیت اشرف المخلوقات انسان کا طرز عمل خالص علم پر مبنی ہونا چاہیے۔ اسے زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنے کسی عمل یا نظریے کی بنیاد و تہمت پر رکھے یا ایسی معلومات کو لائق اعتناء سمجھے جن کی کوئی علمی سند نہ ہو۔ مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود انسانی علم کی بنیاد اور اس کا منبع کیا ہے؟ اس سلسلے میں ہم جانتے ہیں کہ بنیادی طور پر انسانی علم کی دو اقسام ہیں۔ ایک اکتسابی علم (acquired knowledge) اور دوسرا الہامی علم (revealed knowledge)۔ اکتسابی علم کی بنیاد وہی علم الاسماء ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تھا اور جس کا ذکر ہم سورۃ البقرۃ کے چوتھے رکوع میں پڑھ آئے ہیں۔ اس علم کا تعلق انسانی حواس اور ذہن سے ہے۔ انسان اپنے حواس کی مدد سے یہ علم حاصل کر کے اپنے ذہن میں محفوظ کرتا رہتا ہے۔ جوں جوں انسان کے تجربے اور مشاہدے کا دائرہ پھیلتا ہے

اس علم میں بھی توسیع ہوتی جاتی ہے اور یوں یہ علم کُڑھ ارض پر انسانی زندگی کے روزِ اوّل سے لے کر آج تک مسلسل ارتقا پذیر ہے۔ دوسری طرف الہامی علم ہے جس کا انسان کے حواس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ اس علم کے تمام ذرائع مثلاً وحی (جلی یا خفی)، الہام، کشف اور رؤیائے صادقہ (سچے خواب) کا تعلق انسان کے حیوانی وجود کے بجائے اس کے روحانی وجود سے ہے۔ انسانی روح اس علم کو براہِ راست موصول کرتی ہے اور اس کا مسکن و مرکز انسانی قلب ہے۔ اس سلسلے میں دوسرا اہم نکتہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہونے والی وحی، چاہے جلی ہو یا خفی، نبوت کا حصہ ہے اور علمی لحاظ سے ایک قطعی دلیل یا براہِان قاطع ہے۔ لیکن کسی عام شخص کو وحی خفی، الہام یا کشف کے ذریعے ملنے والا علم دوسروں کے لیے کوئی علمی دلیل فراہم نہیں کرتا۔ ایسا علم صرف متعلقہ شخص کے لیے دلیل ہو سکتا ہے اور وہ بھی صرف اس صورت میں جب وہ خلافِ شریعت نہ ہو۔ اس حوالے سے دیکھا جائے تو آیت زیرِ نظر میں انسان کا کتبانی علم زیرِ بحث ہے۔

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا ۖ﴾ ”یقیناً سماعت، بصارت اور عقل سبھی کے بارے میں بازپرس کی جائے گی۔“

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کے کتب و استعمال کے لیے حواسِ خمسہ (جن میں سے دواہم ترین حواس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے) اور عقل سے نوازا ہے اور اس لحاظ سے اس کی ان صلاحیتوں کا احتساب بھی ہوگا۔ یہاں پر لفظ فؤاد بہت اہم ہے جس کی وضاحت ضروری ہے۔ عام طور پر اس لفظ کا ترجمہ ”دل“ کیا گیا ہے، مگر اس ترجمے کے لیے کوئی لغوی بنیاد موجود نہیں۔ اس لفظ کا مادہ وہی ہے جس سے لفظ ”فائدہ“ مشتق ہے اور لفظ ”فائدہ“ کے معنی کسی چیز کے اس جوہر یا لبِ لباب کے ہیں جو اس چیز میں سے اصل مقصود ہوتا ہے۔ پرانے دور کی کتب میں یہ انداز عام ملتا ہے کہ کوئی حکایت یا روایت بیان کرنے کے بعد اس کا نتیجہ بیان کرنے کے لیے لفظ ”فائدہ“ یا صرف ”فی“ لکھ دیا جاتا تھا۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ کسی تفصیل کے خلاصہ یا کسی کام کے نتیجہ کو فائدہ کہا جاتا ہے۔ لفظ ”فئید“ بھی اسی مادہ سے مشتق ہے۔ عربی میں ”فئید“ کسی سبزی یا گوشت وغیرہ کی بھجیا کو کہا جاتا ہے اور اس لفظ (فئید) میں بھی نتیجہ یا خلاصہ وغیرہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یعنی گوشت وغیرہ کو ابالنے یا بھوننے سے جب اس کا فالتو پانی خشک ہو جاتا ہے تب اس میں سے بہت تھوڑی مقدار میں وہ چیز حاصل ہوتی ہے جس پر لفظ فئید کا اطلاق ہوتا ہے۔

اس لغوی وضاحت کے بعد لفظ ”فؤاد“ کے مفہوم اور انسانی حواس کے ساتھ اس کے تعلق کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ حواسِ انسانی اپنے اپنے ذرائع سے معلومات حاصل کر کے دماغ تک پہنچاتے ہیں۔ دماغ کا کمپیوٹر ان معلومات کو process کرتا ہے، پہلے سے موجود اپنے ذخیرہ معلومات کے ساتھ ان کا تطابق (tally) یا تقابل (compare) کر کے اس سارے عمل سے کوئی نتیجہ اخذ کرتا ہے اور پھر اس نتیجہ کو اپنے ذخیرہ معلومات (memory) میں محفوظ (store) کر لیتا ہے۔ اسی ذخیرہ معلومات کا نام علم ہے اور انسان کی وہ قوت یا صلاحیت جو اس سارے عمل کو ممکن بناتی ہے ”فؤاد“ کہلانے کی مستحق ہے۔ عرفِ عام میں اس قوت یا صلاحیت کو عقل یا شعور کہا جاتا ہے۔ چنانچہ میرے نزدیک ”فؤاد“ کا درست ترجمہ عقل یا شعور ہی ہے۔



اس پورے تناظر میں اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مفید حواس (sense organs) عطا کیے ہیں اور ان حواس سے حاصل ہونے والی معلومات کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت سے اسے نوازا ہے۔ اب اگر انسان اپنے ان حواس سے استفادہ نہ کرے، عقل و شعور کی صلاحیت سے کوئی کام نہ لے اور اپنے نظریات کی بنیاد توہمات پر رکھ لے تو وہ بہت بڑے ظلم کا مرتکب ہوگا۔ مثلاً زلزلے کے بارے میں کبھی لوگوں میں یہ نظریہ مشہور تھا کہ ہماری یہ زمین ایک بیل نے اپنے ایک سینگ پر اٹھا رکھی ہے۔ جب وہ تھک جاتا ہے تو اسے دوسرے سینگ پر منتقل کرتا ہے جس سے زلزلہ آ جاتا ہے۔ اس مضحکہ خیز نظریے کے لیے نہ تو قرآن و حدیث میں کوئی دلیل موجود ہے اور نہ ہی انسان کے اکتسابی اور تجرباتی علوم اس کے لیے کوئی دلیل فراہم کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو اپنی ان صلاحیتوں کے حوالے سے اس ہستی کے سامنے جوابدہ رکھا گیا ہے جس نے اسے یہ سب کچھ عطا کیا ہے۔ چنانچہ انسان کو چاہیے کہ جس چیز یا خبر کی بنیاد میں الہامی یا اکتسابی و تجرباتی علم کی کوئی قطعی دلیل موجود نہ ہو اسے قابل اعتناء نہ سمجھے اور اپنے فکار و نظریات کی بنیاد ایسے ٹھوس علمی حقائق پر رکھے جن کی وہ سائنٹیفک انداز میں توثیق و تصدیق بھی کر سکتا ہو۔ یہ آیت اس لحاظ سے بہت اہم ہے کہ اس نے علمی میدان میں نوع انسانی کی راہنمائی اس راستے کی طرف کی ہے جو انسان کے شایان شان ہے۔

یہاں پر ارسطو کے استخراجی فلسفے کا ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایک مدت تک پوری دنیا میں اس فلسفے کا ڈنکا بجاتا رہا۔ عالم اسلام میں بھی یہ فلسفہ بہت مقبول رہا اور کئی صدیوں کے بعد اب جا کر کہیں اس کی گرفت ڈھیلی ہوئی ہے۔ استخراجی منطق (deductive knowledge) کے مطابق صرف دستیاب معلومات سے ہی نتائج اخذ کیے جاتے تھے۔ چنانچہ کسی موضوع پر جو تھوڑی بہت معلومات دستیاب ہوتی تھیں، وقت کے فلسفی اور حکیم انہی میں سے بال کی کھال اتار کر نتائج اخذ کرتے رہتے تھے۔ اس کے مقابلے میں قرآن نے استقرائی منطق (inductive knowledge) کا فلسفہ متعارف کرایا اور انسان کو مشاہدے اور تجربے کی مدد سے مسلسل علم حاصل کرنے کی راہ دکھائی: ﴿أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۖ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ۚ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۚ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ۚ﴾ (الغاشیہ: ۶۵) ”کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں اونٹ کی طرف کہ کیسے پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے نصب کیے گئے ہیں۔ اور زمین کی طرف کہ کیسے ہموار کی گئی ہے!“ علامہ اقبال نے اس فکر قرآنی کی ترجمانی یوں کی ہے:۔

کھول آکھ، زمیں دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ  
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

فطرت اور مظاہر فطرت کے بارے میں ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ان کے قوانین بہت مضبوط اور مستحکم ہونے کے باوجود اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ اللہ جب چاہے فطرت کے ان قوانین کو معطل کر سکتا ہے یا بدل سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اصل حقیقت یہی ہے کہ اس کائنات کا عمومی نظام بہت مضبوط، محکم اور اٹل طبعی اصول و قوانین پر چل رہا ہے اور ان قوانین کو معطل کرنے کے معجزات روز و روز رونما نہیں ہوتے۔ سمندر حضرت موسیٰ علیہ السلام

کے لیے نوعِ انسانی کی تاریخ میں ایک ہی دفعہ پھٹا تھا اور آگ نے ایک ہی دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلانے سے انکار کیا تھا۔ بہر حال دنیا میں طبعی سائنس (Physical Science) کی مختلف ٹیکنالوجیز کا وجود فطرت کے اہل قوانین کا ہی مہربان منت ہے اور اسی وجہ سے آج طرح طرح کی سائنسی ترقی ممکن ہوئی ہے۔ اسی بنیاد پر قرآن ان مظاہر فطرت کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں قرار دیتا ہے اور انسان کو دعوتِ فکر دیتا ہے کہ وہ اللہ کی ان نشانیوں کو غور سے دیکھے ان کے اندر کارفرما قوانین کا تجزیاتی مطالعہ کر کے نتائج اخذ کرے اور پھر ان نتائج کو کام میں لا کر اپنی زندگی میں ترقی کی نئی منازل تلاش کرے۔

علامہ اقبال نے اسی حوالے سے اپنے خطبات میں فرمایا ہے: "The inner core of the western civilization is Quranic." کہ موجودہ مغربی تہذیب کا اندرونی محور خالص قرآنی ہے کیونکہ اس کی بنیاد سائنس پر ہے اور سائنسی علوم کی طرف انسان کی توجہ قرآن نے مبذول کروائی ہے۔ بہر حال قرآن انسان کو ہر قسم کے توہماتِ ریل، نجوم، پامسٹری وغیرہ سے بیزار کر کے اپنے معاملات اور نظریات کی بنیاد ٹھوس علمی حقائق پر رکھنے کی ہدایت کرتا ہے۔

انسانی زندگی کے سفر میں توازن رکھنے کے لیے مذکورہ دونوں قسم کے علوم (اکتسابی اور الہامی) اپنے اپنے دائرہ عمل میں نہایت اہم ہیں۔ دونوں کی اہمیت اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کے فوراً بعد آپ کو علم الاسماء (یہ وہی علم ہے جس کا تعلق انسانی حواس سے ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ جس کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے) سے بھی نوازا دیا گیا تھا اور آپ کو زمین پر بھیجتے وقت الہامی علم کی اتباع کی ہدایت بھی کر دی گئی تھی: ﴿فَإِمَّا يَنْتَظِرُكُمْ مِّنْهُ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (البقرہ) ”پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت، تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی تو ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔“

یورپی معاشرہ اس سلسلے میں بہت بڑی کوتاہی کا مرتکب ہوا ہے کہ اس معاشرے میں ساری توجہ اکتسابی علم پر مرکوز کر کے الہامی علم سے بالکل ہی صرف نظر کر لیا گیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو آنکھیں دی تھیں، ان میں ایک اکتسابی علم کی آنکھ تھی اور دوسری الہامی علم کی۔ یورپ میں ایک آنکھ کو مکمل طور پر بند کر کے ہر چیز کو دیکھنے اور پرکھنے کے لیے دوسری اکیلی آنکھ پر ہی انحصار کر لیا گیا۔ نتیجتاً نہ تو انسان کی سوچ میں اعتدال رہا نہ عمل میں توازن اور یوں اس پورے معاشرے نے یک چشمی وجاہت کی شکل اختیار کر لی۔

**آیت ۳۷** ﴿وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا﴾ ”اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکو گے اور نہ ہی پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکو گے۔“

تم جس قدر چاہو طاقت ور ہو جاؤ اور ہماری زمین پر جتنا بھی اکڑا کر کرو اور پاؤں مار مار کر چل لو تم اپنی طاقت سے زمین کو پھاڑ نہیں سکتے اور جس قدر چاہو گردن اکڑا لو اور طرہ و دستار سے سر بلند کر لو تم قد میں ہمارے پہاڑوں کے برابر تو نہیں ہو سکتے۔

**آیت ۳۸** ﴿كُلُّ ذَلِكَ كَانَ سَيِّئُهُ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوهًا﴾ ”ان سب باتوں کی برائی (کا پہلو)

تیرے رب کو بہت ناپسند ہے۔“

یعنی یہ جتنے بھی احکام ہیں ان میں اوامر (Do's) بھی ہیں اور نواہی (Don'ts) بھی۔ جہاں کسی کام کے کرنے کا حکم ہے وہاں اسے نہ کرنا برائی ہے اور جہاں کسی کام سے روکا گیا ہے وہاں اس میں ملوث ہونا برائی ہے۔ اور نافرمانی اور برائی اللہ تعالیٰ کو ہر صورت میں ناپسند ہے۔

**آیت ۳۹ ﴿ذَلِكَ مِمَّا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ﴾** ”یہ ہے جو (اے محمد ﷺ!) آپ کے رب نے آپ کی طرف وحی کی ہے حکمت میں سے۔“

یہ احکام نوع انسانی کے لیے خزینہ حکمت ہیں۔ انسانی تہذیب و تمدن، ثقافت اور اجتماعیت کے ان اصولوں پر کاربند ہو کر انسان اسی دنیا میں اپنی اجتماعی زندگی کو جنت بنا سکتا ہے۔

**﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ فَتُلْقَىٰ فِي جَهَنَّمَ مَلُومًا مَّدْحُورًا﴾** ”اور مت ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ورنہ تم جھوٹک دیے جاؤ گے جہنم میں ملامت زدہ دھتکارے ہوئے۔“

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ ان احکام میں اول و آخر تو حید کا حکم دیا گیا ہے۔ آغاز میں ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ کے الفاظ آئے تھے جبکہ آخر میں اسی مضمون کو ﴿وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللَّهِ إِلَهًا آخَرَ﴾ کے الفاظ میں پھر دہرایا گیا ہے۔

**آیت ۴۰ ﴿أَفَأَصْفُكُمْ رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ إِنَاثًا﴾** ”تو کیا تمہیں تو منتخب کر لیا ہے تمہارے رب نے بیٹوں کے ساتھ اور اپنے لیے بنالی ہیں فرشتوں میں سے بیٹیاں؟“

یہ اہل عرب کے اس عقیدے کا جواب ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ لوگ بیٹوں پر فخر کرتے تھے اور بیٹیوں کو اپنے لیے باعث عار سمجھتے تھے۔ ان کی اسی سوچ کی بنیاد پر ان سے سوال کیا گیا ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے عار سمجھتے ہو اسے آخر کس منطق کے مطابق اللہ سے منسوب کرتے ہو؟

**﴿إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا﴾** ”یہ تو تم بہت بڑی (گستاخی کی) بات کہتے ہو!“

## آیات ۴۱ تا ۵۲

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۚ قُلْ لَّوْكَانَ مَعَ آلِهَةٍ كَمَا يَقُولُونَ إِذَا لَابَتَغَوْا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۚ سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ۚ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۚ وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ۚ وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَسْتُورًا ۚ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا ذُكِّرْتُ بِرَبِّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَكُوا عَلَىٰ

أَذْبَاهِمُ نَفُورًا ۝ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْكُمُونَ بِهِ إِذْ يَسْكُمُونَ إِلَيْكَ وَإِذْ هُمْ نَجْوَى إِذْ يَقُولُ  
الظَّالِمُونَ إِنَّ تَكْبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ صَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ فَضَلُّوا فَلَا  
يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۝ وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا إِنْ كُنَّا لَبَعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا ۝ قُلْ  
كُونُوا جِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ۝ أَوْ خَلْقًا مِمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُعِيدُنَا ۖ  
قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُبْغِضُونَ إِلَيْكَ رِغْوَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ ۖ قُلْ  
عَسَى أَنْ يَكُونُ قَرِيبًا ۚ يَوْمَ مَدَّ عُنُقَكُمْ ۖ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ ۖ وَتَنْظُرُونَ أَنْ لَيْسَ لَكُمُ إِلَّا قَلِيلًا ۚ

**آیت ۳۱** ﴿وَلَقَدْ صَرَفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا﴾ ”اور ہم نے پھیر پھیر کر بیان کیا ہے اس قرآن میں (اپنی آیات کو) تاکہ یہ سبق حاصل کریں۔“

ان کی نصیحت کے لیے ہم نے قرآن میں اسلوب بدل بدل کر حق کو واضح کیا ہے۔ اس سورہ مبارکہ کے بارے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں قرآن کا لفظ اور ذکر بار بار آیا ہے۔ گویا اس سورت کے مضامین کا تانا بانا قرآن سے متعلق ہے۔ اس سے پہلے آیت ۹ میں فرمایا گیا: ﴿إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ﴾۔ آیت زیر نظر میں بھی قرآن کا ذکر ہے اور یہ ذکر اس انداز میں آئندہ آیات میں بھی بار بار آئے گا۔

﴿وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ۝﴾ ”مگر یہ نہیں بڑھاتا انہیں مگر نفرت ہی میں۔“

یہ ان لوگوں کی بدبختی ہے کہ قرآن میں گونا گوں اسلوبوں میں حق واضح ہو جانے کے باوجود ان کی بیزاری اور نفرت ہی میں اضافہ ہو رہا ہے اور وہ حق سے اور زیادہ دور بھاگے جا رہے ہیں۔

**آیت ۳۲** ﴿قُلْ لَوْ كَانَ مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَابْتَعُوا إِلَىٰ ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ۝﴾ ”آپ کہیے کہ اگر اُس کے ساتھ کچھ دوسرے معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ کہتے ہیں تب تو وہ ضرور تلاش کرتے صاحب عرش کی طرف کوئی راستہ۔“

اگر واقعی اللہ کے ساتھ ساتھ دوسرے معبودوں کا بھی کوئی وجود ہوتا تو وہ ضرور سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے اس کے مقابلے میں آنے کی کوشش کرتے۔ جس طرح چھوٹے چھوٹے راجوں کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح کوشش کر کے مہاراجہ کی کرسی تک پہنچ جائیں اور اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے وہ بغاوت تک کا خطرہ مول لے لیتے ہیں اسی طرح اگر اللہ کے بھی شریک ہوتے تو وہ بھی اللہ کے مقابلے میں ضرور مہم جوئی کرتے اور اگر ایسا ہوتا تو اس کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

**آیت ۳۳** ﴿سُبْحَنَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يَقُولُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا ۝﴾ ”وہ پاک ہے اور بہت ہی بلند و برتر ہے ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں۔“

**آیت ۳۴** ﴿تَسْبِحُ لَهُ السَّمَوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ۝﴾ ”اُسی کی تسبیح میں لگے ہوئے ہیں

ساتوں آسمان اور زمین اور (وہ تمام مخلوق بھی) جو ان میں ہے۔“

اس کائنات کی ایک ایک چیز چاہے جاندار ہو یا بظاہر بے جان، وہ اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ تسبیح کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز اپنے وجود سے گویا اپنے خالق کی خلاق اور اپنے صانع کی صناعی کا اعلان کر رہی ہے۔ جیسے ایک تصویر اپنے مصور کے معیار فن کا اظہار کرتی ہے، لیکن تمام مخلوقات کا ایک طرز تسبیح تو یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو زبان عطا کر رکھی ہے اور وہ اپنی زبان خاص سے اللہ کی تسبیح میں مصروف ہے۔

﴿وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَكِنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ﴾ ”اور کوئی چیز نہیں مگر یہ کہ وہ تسبیح کرتی ہے اُس کی حمد کے ساتھ، لیکن تم نہیں سمجھ سکتے ان کی تسبیح کو۔“

﴿إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾ ”یقیناً وہ بہت تحمل والا بہت بخشنے والا ہے۔“

ہر چیز کا یہی انداز تسبیح ہے جس کا ادراک انسان نہیں کر سکتے۔ سورہ طہ السجدہ کی آیت ۲۱ میں اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا ذکر ہے کہ اُس نے ہر چیز کو قوتِ ناطقہ عطا کی ہے۔ روزِ محشر جب انسانوں کے اپنے اعضاء ان کے خلاف شہادت دیں گے تو وہ حیران ہو کر اپنی کھالوں سے پوچھیں گے کہ یہ سب کیا ہے؟ ﴿قَالُوا أَنْطَقَنَا اللَّهُ الَّذِي أَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ”ان کے چڑے جواب میں کہیں گے کہ ہمیں اُس اللہ نے قوتِ گویائی عطا کی ہے جس نے ہر چیز کو بولنا سکھایا ہے۔“

**آیت ۲۵** ﴿وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْمِعْ يَنْتَظِرُكَ وَيَنْتَظِرُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حَتَّىٰ تُبَيِّنَ لَهُمْ آيَاتِهِمْ﴾ ”اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، ایک مخفی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔“

اس آیت میں ایک دفعہ پھر قرآن کا ذکر آیا ہے۔ یہاں ایک غیر مرئی پردے کا ذکر ہے جو منکرینِ آخرت اور ہدایت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ایسے لوگوں کے ہر عمل کا معیار و مقصود صرف اور صرف دنیا کی زندگی ہے۔ وہ نہ تو آخرت کی زندگی کے قائل ہیں اور نہ ہی وہاں کے اجر و ثواب کے بارے میں سنجیدہ۔ دنیا میں وہ ”با برہ عیش و کوش“ کہ عالم دوبارہ نیست“ کے نظریے پر زندگی بسر کر رہے ہیں اور قرآن کو یا ہدایت کی کسی بھی بات کو توجہ سے نہیں سنتے۔ ایسے لوگوں کو ان کے اسی رویے کی بنا پر ہدایت سے مستقل محروم کر دیا جاتا ہے۔ اور چونکہ یہ اللہ کا قانون ہے اس لیے آیت زیرِ نظر میں اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ جب آپ ﷺ قرآن پڑھ کر سناتے ہیں تو ان کے غیر سنجیدہ رویے کی بنا پر ہم آپ ﷺ کے اور ان کے درمیان ایک غیر مرئی پردہ حائل کر دیتے ہیں۔

**آیت ۲۶** ﴿وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفَجَّيْنَا أَذْنَهُمْ وَقُرْآنًا﴾ ”اور ان کے دلوں پر بھی ہم پردے ڈال دیتے ہیں کہ وہ اسے سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں قفل (پیدا کر دیتے ہیں)۔“

﴿وَإِذَا ذُكِّرْتُمْ رَبَّكَ فِي الْقُرْآنِ وَحْدَهُ وَلَوْ أَنَّا عَلَيْنَا نَفُورًا﴾ ”اور جب آپ قرآن میں تنہا اپنے رب ہی کا ذکر کرتے ہیں تو یہ اپنی پٹھیں موڑ کر چل دیتے ہیں نفرت کے ساتھ۔“

یہ لوگ اپنے تعصب کی وجہ سے اکیلے اللہ کا ذکر بطور معبود برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے ساتھ ساتھ ان کے معبودوں کا بھی کبھی کبھار ذکر ہوا کرے اور ایسا نہ ہونے کی صورت میں وہ اکیلے اللہ کا ذکر سننے کو تیار نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ بدک کفریت کے ساتھ پیٹھ موڑ کر چلے جاتے ہیں۔

**آیت ۲۷** ﴿نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُونَ بِهِ إِذْ يَسْتَمِعُونَ إِلَيْكَ﴾ ”ہم خوب جانتے ہیں جس غرض سے وہ توجہ سے سنتے ہیں اس (قرآن) کو جب وہ کان لگائے بیٹھے ہوتے ہیں آپ کی طرف“

قریش مکہ کی اس چال کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے۔ اُن کے بعض بڑے سردار اپنے عوام کو دھوکا دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں آتے اور بظاہر بڑے انہماک سے سب کچھ سنتے۔ پھر واپس جا کر کہتے کہ لو جی ہم تو بڑے خلوص اور اشتیاق کے ساتھ گئے تھے محمد (ﷺ) کی محفل میں کہ وہ جو کلام پیش کرتے ہیں اس کو سنیں اور سمجھیں، مگر افسوس کہ ہمیں تو وہاں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ اس طرح وہ کوشش کرتے کہ ان کے عوام بھی ان کے ہم نوا بن جائیں اور ان میں بھی یہ سوچ عام ہو جائے کہ یہ بڑے بڑے سردار آخر سمجھدار ہیں بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں محمد (ﷺ) کی بات سننے اور سمجھنے کے لیے خلص بھی ہیں اور اسی اخلاص میں وہ خصوصی طور پر آپ (ﷺ) کی مجلس میں بھی جاتے ہیں۔ اگر اس نئے کلام میں کوئی خاص بات ہوتی تو وہ ضرور ان کی سمجھ میں آ جاتی۔ اب جب یہ لوگ وہاں جا کر اور اس کلام کو سن کر کہہ رہے ہیں کہ اس میں کچھ بھی خاص بات نہیں ہے تو یقیناً یہ لوگ سچ ہی کہہ رہے ہیں۔

﴿وَأَذِهُمُ نَجْوَى إِذْ يَقُولُ الظَّالِمُونَ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا﴾ ”اور جب وہ علیحدگی میں سرگوشیاں کرتے ہیں جب یہ ظالم (ایک دوسرے سے) کہہ رہے ہوتے ہیں کہ تم نہیں پیروی کر رہے ہو مگر ایک سحر زدہ شخص کی۔“

ان میں سے کسی کے دل پر جب قرآن کی کوئی آیت اثر کرتی ہے اور وہ اس کا اظہار اپنے ساتھیوں کے ساتھ کرتا ہے کہ ہاں بھی محمد (ﷺ) نے آج جو فلاں بات کی ہے اس میں بہت وزن ہے اس پر ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے تو ایسی صورت میں وہ فوراً اس کا توڑ کرنے کے لیے اپنے اس ساتھی کو سمجھانا شروع کر دیتے ہیں کہ جی چھوڑو! تم کہاں ایک سحر زدہ آدمی کے پیچھے چل پڑے۔ اُن (ﷺ) کی باتوں پر کوئی سنجیدہ توجہ دینے کی ضرورت نہیں۔

**آیت ۲۸** ﴿انْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ﴾ ”دیکھئے کیسے بیان کرتے ہیں یہ لوگ آپ کے لیے مثالیں“ کبھی وہ آپ کو سحر زدہ آدمی کہتے ہیں، کبھی کاہن اور کبھی شاعر! دیکھیں کیسی کیسی بیہودہ باتیں کرتے ہیں اور اس میں بھی کسی ایک رائے پر اتفاق نہیں کر سکتے۔

﴿فَصَلُّوا فَلَا يَسْتَمِعُونَ سَبِيلًا﴾ ”چنانچہ وہ بھٹک گئے ہیں اور اب راہ یاب نہیں ہو سکیں گے۔“

**آیت ۲۹** ﴿وَقَالُوا ءَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرَفَاتًا ءَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا﴾ ”اور وہ کہتے ہیں کہ

کیا جب ہم ہو جائیں گے ہڈیاں اور چورا چورا، تو کیا ہم اٹھائے جائیں گے ایک نئی تخلیق میں؟“  
یہ لوگ آپ سے بڑی حیرت سے سوال کرتے ہیں کہ آپ (ﷺ) جو انسانوں کی دوبارہ زندگی کی بات کرتے ہیں یہ کیسے ممکن ہے؟ جب ہماری ہڈیاں ریزہ ریزہ ہو جائیں گی اور گوشت گل سڑ جائے گا تو اس کے بعد ہمیں پھر سے نئی زندگی کیسے مل سکتی ہے؟ گویا ان کی سوچ کے مطابق ایسا ہونا بالکل محال اور ناممکن ہے۔

**آیت ۵۰ ﴿قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا﴾** (ان سے) کہیے کہ خواہ تم پتھر بن جاؤ یا لوہا۔“

**آیت ۵۱ ﴿أَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ﴾** ”یا ایسی مخلوق (بن جاؤ) جو تمہارے دلوں میں ان سے بھی سخت ہو۔“

اے نبی ﷺ! ان سے کہیے کہ آپ تو ہڈیوں کی بات کرتے ہو اور اپنے جسموں کے ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہو جانے کا تصور لیے بیٹھے ہو۔ تم اگر پتھر اور لوہا بھی بن جاؤ یا اپنی سوچ کے مطابق اس سے بھی بڑھ کر کسی عجیب مخلوق کا روپ دھار لو، تب بھی تمہیں از سر نو اٹھالیا جائے گا۔

**﴿فَسَيَقُولُونَ مَنْ يُّعِيدُنَا﴾** ”پھر کہیں گے کہ کون ہمیں دوبارہ لوٹائے گا؟“

**﴿قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾** ”آپ کہیے کہ وہی جس نے پہلی مرتبہ تمہیں پیدا کیا تھا۔“  
**﴿فَسَيُعْصُونَ أَمْرَكَ رُءُوسُهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَى هُوَ﴾** ”پھر وہ آپ کے سامنے اپنے سروں کو مٹکائیں گے اور کہیں گے کہ یہ کب ہوگا؟“

لا جواب ہو کر اپنے سروں کو مٹکاتے ہوئے بولیں گے کہ چلو مان لیا کہ یہ سب کچھ ممکن ہے، مگر یہ تو بتائیے کہ ایسا ہوگا کب؟

**﴿قُلْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَرِيبًا﴾** ”آپ کہیے کہ ہو سکتا ہے (اس کا وقت) قریب ہی ہو۔“

عجب نہیں کہ تمہاری شامت کی وہ گھڑی آیا ہی چاہتی ہو، زیادہ دور نہ ہو۔

**آیت ۵۲ ﴿يَوْمَ يَدْعُوكُمْ فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهِ﴾** ”جس دن وہ تمہیں پکارے گا تو تم (اُس کی پکار پر) لبیک کہو گے اُس کی حمد کرتے ہوئے“

جب وہ گھڑی آئے گی اور تمہارا خالق تمہیں قبروں سے باہر آنے کے لیے بلائے گا تو تمہاری ہڈیاں اور تمہارے جسموں کے بکھرے ذرات سب سمٹ کر پھر سے زندہ انسانوں کا روپ دھار لیں گے اور تم اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی پکار کی تعمیل میں بھاگے چلے جا رہے ہو گے۔

**﴿وَتُطْطَنُونَ فِي الْبُشَمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾** ”اور تم گمان کرو گے کہ تم نہیں رہے مگر بہت تھوڑا (عرصہ)۔“

اُس وقت تمہیں دُنیا اور عالم برزخ (قبر) میں اپنا بیتا ہوا زمانہ ایسے لگے گا جیسے کہ چند گھنٹیاں ہی تم وہاں گزار کر آئے ہو۔

## آیات ۵۳ تا ۶۰

وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا ۚ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ ۖ إِنَّ يَشَأْ يُدْخِلْكُمْ أَوْ يُشَاءُ يُخْرِجْكُمْ ۖ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ۚ وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ۚ قُلْ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلَا يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيلًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَىٰ رَبِّهِمُ الْوَسِيلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ۖ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا ۚ وَإِنْ مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا ۖ كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا ۚ وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ ۖ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ الْثَقَاةَ مُبَصِّرَةً فَظَلَمُوا بِهَا ۖ وَمَا نُرْسِلُ بِالْآيَاتِ إِلَّا تَخْوِيفًا ۚ وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ ۖ وَمَا جَعَلْنَا الرُّعْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُونَةَ فِي الْقُرْآنِ ۖ وَنُخَوِّفُهُمْ ۖ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا ۚ

ع

آیت ۵۳ ﴿وَقُلْ لِّعِبَادِي يَقُولُوا الَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ ”اور آپ میرے بندوں سے کہہ دیجیے کہ وہی بات کہیں جو بہت اچھی ہو۔“

یہاں وہ نکتہ ذہن میں تازہ کر لیجیے جس کی قبل ازیں وضاحت ہو چکی ہے کہ کئی سورتوں میں اہل ایمان کو براہ راست مخاطب نہیں کیا گیا۔ اُن سے براہ راست مخاطب کا سلسلہ (يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا) تحویل قبلہ کے بعد شروع ہوا جب انہیں باقاعدہ امت مسلمہ کے منصب پر فائز کر دیا گیا۔ اس سے پہلے اہل ایمان کو رسول اللہ ﷺ کی وساطت سے ہی مخاطب کیا جاتا رہا۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت یہاں بھی حضور ﷺ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ میرے بندوں (مؤمنین) کو میری طرف سے یہ بتادیں کہ وہ ہر حال میں خوش اخلاقی کا مظاہرہ کریں اور گفتگو میں کبھی ترشی اور تلخی نہ آنے دیں۔ اس طرح آپس میں بھی شیر و شکر بن کر رہیں اور مخالفین کے سامنے بھی بہتر اخلاق کا نمونہ پیش کریں — اقامت دین کے اس مشن کو آگے بڑھانے کے لیے مؤمنین کے سامنے بہت زیادہ رکاوٹیں ہیں۔ ان کے مخاطبین جہالت کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے جاہلانہ اعتقادات نسلوں سے چلے آ رہے ہیں۔ اسی طرح انہیں اپنے رسم و رواج سیاسی و معاشی مفادات اور غیرت و حمیت کے جذبات بہت عزیز ہیں۔ انہیں اس سب کچھ کا دفاع کرنا ہے اور اس کے لیے وہ ہر طرح کی قربانیاں دینے کو تیار ہیں۔ ان حالات میں داعیانِ حق کو تلّٰی بردباری اور برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اشتعال میں آ کر اعلیٰ اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں۔

﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْزِعُ بَيْنَهُمْ ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِينًا﴾ ”یقیناً شیطان ان



کے درمیان جھگڑا ڈالے گا۔ یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔“

**آیت ۵۴** ﴿رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِكُمْ إِنَّ يَسْأَلُ يَرْحَمُكُمْ أَوْ إِنَّ يَسْأَلُ يُعَذِّبُكُمْ﴾ ”تمہارا رب تم سے خوب

واقف ہے۔ اگر وہ چاہے گا تو تم پر رحم فرمائے گا، یا اگر چاہے گا تو تمہیں عذاب دے گا۔“

﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) ہم نے آپ کو ان پر داروغہ بنا کر

نہیں بھیجا۔“

ہدایت کو قبول کرنا یا نہ کرنا ہر شخص کا ذاتی معاملہ اور ذاتی انتخاب ہے۔ آپ ﷺ ان تک پیغام پہنچانے کے ذمہ دار ہیں انہیں ہدایت پر لانے کے مکلف نہیں۔

**آیت ۵۵** ﴿وَرَبُّكَ أَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”اور آپ کا رب خوب جانتا ہے اس کو جو

کوئی ہے آسمانوں اور زمین میں۔“

﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلَى بَعْضٍ﴾ ”اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت بخشی ہے“

یہاں اس فقرے کے سیاق و سباق کو اچھی طرح سمجھنے کی ضرورت ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی دور کے آخری

برسوں میں نازل ہوئی اور اس کا آغاز بھی بنی اسرائیل کی تاریخ سے ہوا۔ اس سورۃ کے نزول سے پہلے نبی

آخر الزماں ﷺ کی بعثت اور قرآن کے بارے میں تمام خبریں مدینہ پہنچ چکی تھیں اور یہود مدینہ ایک ایک بات

اور ایک ایک خبر کا باریک بینی سے جائزہ لے رہے تھے۔ پھر عنقریب حضور ﷺ خود بھی مدینہ تشریف لانے

والے تھے۔ ان حالات میں جب مسلمانوں کا یہودیوں کے ساتھ عقائد و نظریات کے بارے میں تبادلہ

خیالات ہونا تھا تو انبیاء کرامؑ کے فضائل کے بارے میں سوالات کا اٹھنا ناگزیر تھا کہ اگر محمد (ﷺ) نبی ہیں

تو آپ ﷺ اور موسیٰ علیہ السلام میں سے افضل کون ہیں؟ یا یہ مسئلہ کہ محمد ﷺ افضل ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام؟ چنانچہ اس

حوالے سے یہاں ایک بنیادی اور اصولی بات بیان فرمادی گئی کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں موجود اپنی تمام

مخلوق کے احوال و کیفیات سے خوب واقف ہے اور اس نے اپنے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۵۳ میں یہی بات یوں فرمائی گئی ہے: ﴿تِلْكَ الْوَسْطَةُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى

بَعْضٍ﴾ ”یہ رسولؑ ہیں ان میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔“ ایسا نہ ہو کہ اس بحث میں پڑ کر آپ

لوگ اپنے نبی ﷺ کی فضیلت اس طرح بیان کریں کہ مخالفین کے منفی جذبات کو ہوا ملے اور وہ تعصب سے مغلوب

ہو کر آپ کی بات ہی سننے سے انکار کر دیں۔

یہ بہت نازک مسئلہ ہے اور اس کی نزاکت کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ ہمارے

نبی ﷺ تمام انبیاء کرامؑ سے افضل ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ سب سے افضل ہیں، مگر موقع محل

دیکھے بغیر اپنے اس عقیدے کا اس طرح سے چرچا کرنا درست نہیں کہ اس سے دوسرے مشتعل ہوں اور ان کے

مخالفانہ جذبات و خیالات کو انگیزت ملے۔ اس ضمن میں حضور ﷺ کی واضح حدیث ہے کہ ((لَا تَفْضِلُوا بَيْنَ

اَنْبِيَاءَ اللّٰهِ)) (۱) ”اللہ کے نبیوں کے مابین درجہ بندی نہ کیا کرو۔“ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ((لَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ اَنْ يَقُولَ اَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى)) (۲) ”کسی شخص کے لیے روا نہیں ہے کہ وہ یوں کہے کہ میں (محمد ﷺ) یونس بن مٹی سے افضل ہوں۔“ آپ ﷺ نے یہاں حضرت یونس کا ذکر شاید اس لیے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام واحد نبی ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کچھ گرفت ہوئی ہے۔ بہر حال آپ ﷺ نے واضح طور پر اس سے منع فرمایا ہے کہ دوسرے انبیاء پر آپ کی فضیلت کا پرچار کیا جائے۔

﴿وَاَتَيْنَا دَاوُدَ ذُبُوْرًا ۝۵۵﴾ ”اور ہم نے داؤد کو ذبور عطا کی تھی۔“

اسی سیاق و سباق کی مناسبت سے یہاں بنی اسرائیل کے ایک نبی کا تذکرہ فرما دیا اور آپ کی فضیلت بھی بیان فرمادی کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو ہم نے ذبور جیسی جلیل القدر کتاب عطا فرمائی تھی۔ یہاں پر یہ اشارہ ملتا ہے کہ موقع محل کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء و رسل کے فضائل اور اعلیٰ مراتب کے ذکر سے ان کی عزت افزائی کرتا ہے۔

**آیت ۵۶** ﴿قُلْ اَدْعُوا الَّذِيْنَ رَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشَفِ الصُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا ۝۵۶﴾ ”آپ کہیے کہ ان کو پکار دیکھو جن کو تم نے اُس کے سوا (معبود) گمان کر رکھا ہے تو نہ انہیں کچھ اختیار حاصل ہے تم سے کوئی تکلیف دُور کرنے کا اور نہ ہی (تمہاری حالت) بدلنے کا۔“

**آیت ۵۷** ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَتَّبِعُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمْ الْوَسِيْلَةَ اَلَيْهِمْ اَقْرَبُ﴾ ”وہ لوگ جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو خود اپنے رب کے قرب کے متلاشی ہیں کہ ان میں سے کون (اُس کے) زیادہ قریب ہے“ لفظ ”وسیلہ“ بمعنی قرب اس سے پہلے ہم سورۃ المائدہ (آیت ۳۵) میں پڑھ چکے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح اس دنیا میں اللہ کے بندے اللہ کے ہاں اپنے درجات بڑھانے کی فکر میں رہتے ہیں اسی طرح عالم غیب یا عالم امر میں بھی تقرب الی اللہ کی یہ درجہ بندی موجود ہے۔ جیسے فرشتوں میں طبقہ اسفل کے فرشتے، پھر درجہ اعلیٰ کے فرشتے اور پھر ملائکہ مقربین ہیں۔

اللہ کی شریک ٹھہرائی جانے والی شخصیات میں سے کچھ تو ایسی ہیں جو بالکل خیالی ہیں اور حقیقت میں ان کا کوئی وجود نہیں۔ لیکن ان کے علاوہ ہر زمانے میں لوگ انبیاء اولیاء اللہ اور فرشتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کے اختیارات میں شریک سمجھتے رہے ہیں۔ ایسی ہی شخصیات کے بارے میں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ چاہے انبیاء و رسل ہوں یا اولیاء اللہ یا فرشتے، وہ تو عالم امر میں خود اللہ کی رضا جوئی کے لیے کوشاں اور اس کے قرب کے متلاشی

(۱) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ وَاِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ..... وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب من فضائل مومنی علیہ السلام۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ وَاِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ..... وصحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب فی ذکر یونس علیہ السلام وقول النبی ﷺ لَا يَنْبَغِي لِعَبْدٍ اَنْ يَقُولَ اَنَا خَيْرٌ مِنْ يُونُسَ بْنِ مَتَّى۔

ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن حکیم میں متعدد بار ذکر ہوا ہے کہ ایسی تمام شخصیات جنہیں دنیا میں مختلف انداز میں اللہ کے سوا پکارا جاتا تھا قیامت کے دن اپنے عقیدت مندوں کے شرکاء نہ نظریات سے اظہارِ بیزاری کریں گی اور صاف کہہ دیں گی کہ اگر یہ لوگ ہمارے پیچھے ہمیں اللہ کا شریک ٹھہراتے رہے تھے تو ہمیں اس بارے میں کچھ خبر نہیں۔

﴿وَيَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُورًا﴾ اور وہ امیدوار ہیں اُس کی رحمت کے اور ڈرتے رہتے ہیں اُس کے عذاب سے۔ واقعتاً آپ کے رب کا عذاب چیز ہی ڈرنے کی ہے۔“

**آیت ۵۸** ﴿وَأَنَّ مِنْ قُوَّةِ اللَّهِ نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا عَذَابًا شَدِيدًا﴾ اور نہیں ہے کوئی بستی مگر ہم اسے ہلاک کر کے رہیں گے روزِ قیامت سے قبل یا ہم عذاب دیں گے اُسے بہت ہی شدید عذاب۔“

یہ اشارہ ہے اُس بہت بڑی تباہی کی طرف جو قیامت سے پہلے اس دنیا پر آنے والی ہے۔ سورۃ الکہف کی دوسری آیت میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے: ﴿لَيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِمَّنْ لَّدُنْهُ﴾۔ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف کا آپس میں چونکہ زوجیت کا تعلق ہے اس لیے یہ مضمون ان دونوں آیات کو ملا کر پڑھنے سے واضح ہوتا ہے۔ احادیث میں المَلْحَمَةُ الْعُظْمَى کے نام سے ایک بہت بڑی جنگ کی پیشین گوئی کی گئی ہے جو قیامت سے پہلے دنیا میں برپا ہوگی۔ آیت زیرِ نظر میں اسی تباہی کا ذکر ہے جس سے روئے زمین پر موجود کوئی بستی محفوظ نہیں رہے گی۔ سورۃ الکہف میں زیادہ صراحت کے ساتھ اس کا تذکرہ آئے گا۔

اس وقت دنیا میں ایسی جنگ چھڑنے کا امکان ہر وقت موجود ہے۔ اگر خدا نخواستہ کسی وقت ایسا سانحہ رونما ہو جاتا ہے تو ایسی ہتھیاروں کی وجہ سے دنیا پر جو تباہی آئے گی اس کو تصور میں لانا بھی مشکل ہے۔ ان حالات میں المَلْحَمَةُ الْعُظْمَى کے بارے میں پیشین گوئیاں آج مجسم صورت میں سامنے کھڑی نظر آتی ہیں۔

﴿كَانَ ذَلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا﴾ ”یہ (اللہ کی) کتاب میں لکھا ہوا ہے۔“

یعنی یہ طے شدہ امور میں سے ہے۔ ایک وقت معین پر یہ سب کچھ ہو کر رہنا ہے۔

**آیت ۵۹** ﴿وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ بِالْآيَاتِ إِلَّا أَنْ كَذَّبَ بِهَا الْأَوَّلُونَ﴾ ”اور ہمیں نہیں روکا (کسی

اور بات نے) کہ ہم نشانیاں بھیجیں سوائے اس کے کہ ان کو جھٹلادیا تھا پہلے لوگوں نے۔“

اللہ تعالیٰ نے حسی معجزات دکھانے صرف اس لیے بند کر دیے ہیں کہ سابقہ قوموں کے لوگ ایسے معجزات کو دیکھ کر بھی کفر پر ڈٹے رہے اور ایمان نہ لائے۔ یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ الانعام اور اس کے بعد نازل ہونے والی کئی سورتوں میں تسلسل سے دہرایا جا رہا ہے۔

﴿وَأَتَيْنَا ثَمُودَ النَّاقَةَ مُبْصَرَةً فَظَلَمُوا بِهَا﴾ ”اور ہم نے قوم ثمود کو اونٹنی دی آنکھیں کھول دینے والی نشانی (کے طور پر) تو انہوں نے اس کے ساتھ بھی ظلم کیا۔“

قوم ثمود کو ان کے مطالبے پر اونٹنی کا بصیرت افروز معجزہ دکھایا گیا مگر انہوں نے اس واضح معجزے کو دیکھ

لینے کے بعد بھی حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے کے بجائے اس اونٹنی ہی کو مار ڈالا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مٹی سے زندہ پرندے بنانے اور ”قُمْ بِأَذْنِ اللّٰهِ“ کہہ کر مردوں کو زندہ کرنے تک کے معجزات دیے گئے، مگر کیا انہیں دیکھ کر وہ لوگ ایمان لے آئے؟

﴿وَمَا تُرْسِلُ بِالْأَلْيَتِ إِلَّا تَخَوِيفًا﴾ اور ہم نہیں بھیجتے نشانیاں مگر صرف ڈرانے کے لیے۔“  
نشانیاں یا معجزے بھیجنے کا مقصد تو لوگوں کو خبردار کرنا ہوتا ہے، سو یہ مقصد قرآن کی آیات بخوبی پورا کر رہی ہیں۔ اس کے بعد اب اور کون سی نشانیاں کی ضرورت باقی ہے؟ اگلی آیت میں یہی بات تین مثالوں سے مزید واضح کی گئی ہے کہ یہ لوگ کس طرح قرآن کی آیات کے ساتھ بحث برائے بحث اور انکار کا رویہ اپنائے ہوئے ہیں اور یہ کہ اللہ نے حسی معجزات دکھانا کیوں بند کر دیے ہیں۔

**آیت ۶۰** ﴿وَإِذْ قُلْنَا لَكَ إِنَّ رَبَّكَ أَحَاطَ بِالنَّاسِ﴾ اور جب ہم آپ سے کہتے ہیں کہ آپ کے رب نے لوگوں کا احاطہ کیا ہوا ہے۔“

قرآن حکیم کی بہت سی ایسی آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے؛ مثلاً: ﴿وَاللّٰهُ مِنْ وَرَآئِهِمْ مُّحِيطٌ﴾ (البروج) ”اور اللہ ان کا ہر طرف سے احاطہ کیے ہوئے ہے۔“ یہ لوگ جب ایسی آیات سنتے ہیں تو ڈرنے کی بجائے فضول بحث پر اتر آتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ کہاں ہے اللہ؟ ہمارا احاطہ کیوں کر ہوا ہے؟

اگر فلسفیانہ پہلو سے دیکھا جائے تو اس آیت میں ”حقیقت و ماہیت وجود“ کے موضوع سے متعلق اشارہ پایا جاتا ہے جو فلسفے کا مشکل ترین مسئلہ ہے اور آسانی سے سمجھ میں آنے والا نہیں ہے، یعنی ایک وجود خالق کا ہے، وہ ہر جگہ ہر آن موجود ہے، اور ایک وجود مخلوق یعنی اس کائنات کا ہے۔ اب خالق و مخلوق کے مابین ربط کیا ہے؟ اس سلسلے میں کچھ لوگ ”ہمہ اوست“ (Pantheism) کے قائل ہو گئے۔ ان کے خیال کے مطابق یہ کائنات ہی خدا ہے، خدا نے ہی کائنات کا روپ دھار لیا ہے، جیسے خدا خود ہی انسانوں کا روپ دھار کر ”اوتار“ کی صورت میں زمین پر آ جاتا ہے۔ یہ بہت بڑا کفر اور شرک ہے۔ دوسری طرف اگر یہ سمجھیں کہ اللہ کا وجود اس کائنات میں نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اُس کا وجود کہیں الگ ہے اور وہ غور باللہ کہیں محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ بہر حال یہ مسئلہ آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمیں بس اس قدر سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ کا وجود مطلق (Absolute) ہے۔ وہ حدود و قیود زمان و مکان، کسی سمت یا جہت کے تصور سے ماوراء و راء اللوراء، ثم و راء اللوراء ہے۔

﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ﴾ اور نہیں بنایا ہم نے اس مشاہدے کو جو ہم نے آپ کو دکھایا تھا مگر ایک فتنہ لوگوں کے لیے“

یہاں پر لفظ ”رؤیا“ خواب کے معنی میں نہیں آیا بلکہ اس سے رؤیت بصری مراد ہے۔ انسان اپنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھتا ہے اس پر بھی ”رؤیا“ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شب معراج میں حضور ﷺ کو جو مشاہدات کرائے تھے اور جو نشانیاں آپ ﷺ کو دکھائی تھیں اُن کی تفصیل جب کفار مکہ نے سنی تو یہ معاملہ ان کے

لیے ایک فتنہ بن گیا۔ وہ نہ صرف خود اس کے منکر ہوئے، بلکہ اس کی بنیاد پر وہ مسلمانوں کو ان کے دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ اس واقعہ کو بنیاد بنا کر انہوں نے پوری شد و مد سے یہ پرچار شروع کر دیا کہ محمد (ﷺ) پر جنون کے اثرات ہو چکے ہیں (معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ)۔ اس زمانے میں جب مکہ سے بیت المقدس پہنچنے میں پندرہ دن لگتے تھے، یہ دعویٰ انتہائی ناقابل یقین معلوم ہوتا تھا کہ کوئی شخص راتوں رات نہ صرف بیت المقدس سے ہو آیا ہے بلکہ آسمانوں کی سیر بھی کر آیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے موقع غنیمت سمجھ کر اس موضوع کو خوب اچھالا اور مسلمانوں سے بڑھ چڑھ کر بحث مباحثہ کیے۔ اس طرح نہ صرف یہ بات کفار کے لیے فتنہ بن گئی بلکہ مسلمانوں کے لیے بھی ایک آزمائش قرار پائی۔

جب یہی ناقابل یقین بات ان لوگوں نے حضرت ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کی اور آپ سے تہرہ چاہا تو آپ نے بلا توقف جواب دیا کہ اگر واقعی حضور (ﷺ) نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ فرمایا ہے، کیونکہ جب میں یہ مانتا ہوں کہ آپ (ﷺ) کے پاس آسمانوں سے ہر روز فرشتہ آتا ہے تو مجھے آپ (ﷺ) کا یہ دعویٰ تسلیم کرنے میں آخر کیونکر تامل ہوگا کہ آپ (ﷺ) راتوں رات آسمانوں کی سیر کر آئے ہیں! اسی بلا تامل تصدیق کی بنا پر اس دن سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب ”صدیق اکبر (رضی اللہ عنہ)“ قرار پایا۔

﴿وَالشَّجَرَةُ الْمَلْعُونَةُ فِي الْقُرْآنِ﴾ ”اور اُس درخت کو بھی جس پر قرآن میں لعنت وارد ہوئی ہے۔“ اسی طرح جب قرآن میں زقوم کے درخت کا ذکر آیا اور اس کے بارے میں یہ بتایا گیا کہ اس درخت کی جڑیں جہنم کی تہہ میں ہوں گی (الصافات: ۶۴) اور وہاں سے یہ جہنم کی آگ میں پروان چڑھے گا تو یہ بات بھی ان لوگوں کے لیے فتنے کا باعث بن گئی۔ بجائے اس کے کہ وہ لوگ اسے اللہ کی قدرت سمجھ کر تسلیم کر لیتے، لٹے اس بات پر تمسخر اور استہزا کرنے لگے کہ آگ کے اندر بھلا درخت کیسے پیدا ہو سکتے ہیں؟ انہیں کیا معلوم کہ یہ اُس عالم کی بات ہے جس کے طبعی قوانین اس دنیا کے طبعی قوانین سے مختلف ہوں گے اور جہنم کی آگ کی نوعیت اور کیفیت بھی ہماری دنیا کی آگ سے مختلف ہوگی۔

﴿وَنُخَوِّفُهُمْ ۖ فَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا طُغْيَانًا كَبِيرًا﴾ ”اور (ان باتوں سے) ہم تو انہیں تنبیہ کرتے ہیں مگر یہ تنبیہ ان کی سرکشی ہی میں اضافہ کیے جا رہی ہے۔“

قرآن میں یہ سب باتیں انہیں خبردار کرنے کے لیے نازل ہوئی ہیں، مگر یہ ان لوگوں کی بد بختی ہے کہ اللہ کی آیات سن کر ڈرنے اور ایمان لانے کی بجائے وہ مزید سرکش ہوتے جا رہے ہیں اور ان کی سرکشی میں روز بروز مزید اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

## آیات ۶۱ تا ۶۵

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ قَالَ مَا أَكْبَدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ۖ قَالَ أَرَأَيْتَ هَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَنْ يَأْتِيَنَّكَ مِنْ يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۖ لَا حَتَمَكَ زُيْطَةً إِلَّا

قَلِيلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبَعَكَ مِنْهُمْ فَوَاقٍ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءُ مَوْفُورًا ۝ وَاسْتَغْفِرْ  
مَنْ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمُ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ  
وَالْأَوْلَادِ وَعَدْهُمْ ۚ وَمَا يَعْهَدُ الشَّيْطَانُ إِلَّا عُرُورًا ۝ إِنَّ عِبَادِي لَكِ عَلَىٰ  
سُلْطَنٍ ۚ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ وَكِيلًا ۝

**آیت ۶۱** ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ﴾ ”اور یاد کرو جب ہم نے کہا تھا فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو تو ان سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہیں کیا)۔“  
﴿قَالَ ۖ اسْجُدْ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا ۖ﴾ ”اُس نے کہا کہ کیا میں اُسے سجدہ کروں جسے تو نے پیدا کیا ہے مٹی سے؟“

حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا یہ قصہ یہاں چوتھی مرتبہ بیان ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے سورۃ البقرہ رکوع ۴ سورۃ الاعراف رکوع ۱۲ اور سورۃ الحجر رکوع ۳ میں اس قصے کا ذکر ہو چکا ہے۔

**آیت ۶۲** ﴿قَالَ ارْأَيْكَ لَهَذَا الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ۖ﴾ ”اُس نے (مزید) کہا کہ ذرا دیکھ تو اُس کو جس کو تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے اگر تو مجھے مہلت دے دے قیامت کے دن تک تو میں اس کی پوری نسل کو قابو میں کر کے چھوڑوں گا، سوائے بہت تھوڑے سے لوگوں کے۔“

**آیت ۶۳** ﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبَعَكَ مِنْهُمْ فَوَاقٍ جَهَنَّمَ جَزَاؤُكُمْ جَزَاءُ مَوْفُورًا ۖ﴾ ”اللہ نے فرمایا: جاؤ (دفع ہو جاؤ!) ان میں سے جو بھی تیری پیروی کریں گے تو یقیناً تم سب کی سزا جہنم ہوگی، وافر سزا۔“  
**آیت ۶۴** ﴿وَاسْتَغْفِرْ مَنْ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ ۖ﴾ ”اور تو پھسلا لے جس پر تیرا بس چلتا ہے ان میں سے اپنی آواز سے“

عربی میں بکری کے ایسے نوزائیدہ بچے کو فز کہتے ہیں جو ابھی ٹھیک سے چلنے کے قابل نہ ہو اور کھڑا ہونے کی کوشش میں اس کی ٹانگیں لڑکھڑاتی ہوں۔ اس مناسبت سے یہ لفظ محاورۃً اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کی ٹانگیں کسی معاملے میں لڑکھڑائیں، قدم ڈگمگائیں اور ہمت جواب دے دے۔

﴿وَأَجْلِبْ عَلَيْهِمُ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعَدْهُمْ ۖ﴾ ”اور چڑھالان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو اور شریک بن جاؤ ان کا مالوں میں اور اولاد میں، اور ان سے (جو چاہے) وعدے کر!“

﴿وَمَا يَعْهَدُ الشَّيْطَانُ إِلَّا عُرُورًا ۖ﴾ ”اور نہیں وعدہ کرتا اُن سے شیطان مگر دھوکے کا۔“  
**آیت ۶۵** ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ۖ﴾ ”یقیناً میرے بندوں پر تجھے کوئی اختیار نہیں ہوگا۔“

تم انسانوں کو بہکانے اور پھسلانے کے لیے جو کچھ کر سکتے ہو کر لو ان کے دلوں میں دوسو ڈالو ان سے جھوٹے سچے وعدے کرو اور انہیں سبز باغ دکھاؤ۔ یہ تمام حربے تو تم استعمال کر سکتے ہو لیکن تمہیں یہ اختیار ہرگز نہیں ہوگا کہ تم میرے کسی بندے کو اس کی مرضی کے خلاف گمراہی کے راستے پر لے جاؤ۔

﴿وَكَفَىٰ يٰٓاِبْرٰهٖمَ وَكَيْلًا ۝۵۱﴾ ”اور کافی ہے تیرا رب بطور کارساز۔“

وہ بندے جو شیطان سے بچنا چاہیں گے اللہ ان کی مدد کرے گا اور جس کسی کا مددگار اور کارساز اللہ ہو اسے کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں رہتی وہی اس کے لیے کافی ہوتا ہے۔

## آیات ۶۶ تا ۷۲

رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ ۚ إِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝ وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّا اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَجَلَّيْكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ۚ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ۝ اَفَاَمَنْتُمْ اَنْ يَّخْفَ بِكُمْ جَانِبَ الدَّرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ۚ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ۝ اَمْ اَمَنْتُمْ اَنْ يُعَيِّدَ كُمْ فِيْهِ تَارَةً اُخْرٰى ۚ فَيُرْسِلْ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ فَيُغْرِقَكُمْ ۚ بِمَا كَفَرْتُمْ ۚ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيْعًا ۝ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي اٰدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا ۚ فَتَقَبَّلَ يَوْمَ تَدْعُوْنَ كُلُّ اُنٰسٍ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبًا بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ رِجًّا ۚ كِتٰبَهُمْ وَلَا يَظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ۚ وَاضَلَّ سَبِيْلًا ۝

آیت ۶۶ ﴿رَبُّكُمُ الَّذِي يُزْجِي لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”تمہارا رب وہ ہے جو چلاتا ہے تمہارے لیے کشتیوں کو سمندر میں تاکہ تم اُس کا فضل تلاش کر سکو۔“

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ۝۶۶﴾ ”یقیناً وہ تم پر بہت ہی رحیم ہے۔“

آیت ۶۷ ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّا اِيَّاهُ﴾ ”اور جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے سمندر میں“

جب کشتی طوفان میں گھر جاتی ہے اور موت سامنے نظر آنے لگتی ہے تو:

﴿ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّا اِيَّاهُ﴾ ”گم ہو جاتے ہیں وہ سب جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اُس

(ایک اللہ) کے۔“

اس وقت تمہیں اپنے ان معبودوں میں سے کوئی بھی یاد نہیں رہتا جنہیں تم عام حالات میں اپنا مددگار سمجھتے ہو۔ اس آڑے وقت میں تم صرف اللہ ہی کو مدد کے لیے پکارتے ہو۔ یہ مضمون قرآن میں متعدد بار آچکا ہے۔

﴿فَلَمَّا نَجَّيْكُمْ إِلَى الْبَرِّ أَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْإِنْسَانُ كَفُورًا ۝﴾ ”پھر جب وہ تمہیں بچا لاتا ہے خشکی کی طرف تو تم منہ موڑ لیتے ہو۔ اور انسان بڑا ہی ناشکر ہے۔“

آیت ۲۸ ﴿أَفَأَمِنْتُمْ أَنْ يُخْصِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ﴾ ”تو کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ وہ دھنسا دے تمہیں کہیں خشکی میں ہی؟“

جب تم جان بچا کر سمندر سے خشکی پر آتے ہو تو پھر اللہ کی ناشکری کرتے ہوئے اس سے منہ موڑ لیتے۔ کیا تمہیں اس بات سے خوف نہیں آتا کہ اگر اللہ چاہے تو تمہیں خشک زمین ہی کے اندر دھنسا دے؟ کیا خشکی پر لوگوں کو موت نہیں آتی؟

آسودہ ساحل تو ہے مگر شاید یہ تجھے معلوم نہیں  
ساحل سے بھی موجیں اٹھتی ہیں خاموش بھی طوفاں ہوتے ہیں!  
﴿أَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ وَكِيلًا ۝﴾ ”یا وہ تم پر بھیج دے کنکر برسائے والی تیز ہوا، پھر تم نہ پاؤ اپنے لیے کوئی بچانے والا!“

تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ چاہے تو سنگریزوں والی خوفناک آندھی سے بھی تمہیں ہلاک کر سکتا ہے۔  
آیت ۲۹ ﴿أَمْ أَمِنْتُمْ أَنْ يُعِيدَكُمْ فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ﴾ ”یا تم بے خوف ہو گئے ہو اس سے کہ وہ پھر لے جائے تمہیں اسی (سمندر) میں دوسری مرتبہ پھر بھیج دے تم پر ہوا کا زور دار جھکڑ“

﴿فَيَغْرِفْكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ۝﴾ ”سو تمہیں غرق کر دے تمہارے کفر کی پاداش میں، پھر تم نہ پاؤ اپنے لیے ہمارے خلاف اس کی وجہ سے کوئی تعاقب کرنے والا!“  
پھر ایسا نہیں کہ کوئی ہم سے باز پرس کر سکے کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیوں کیا؟  
آیت ۷۰ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ﴾ ”اور ہم نے بڑی عزت بخشی ہے اولادِ آدم کو“

یہ آیت بہت واضح انداز میں اس حقیقت کا اظہار کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی معراج (climax) انسان ہے۔ اس فلسفے کی وضاحت سورۃ النحل کی آیت ۴ کی تشریح کے ضمن میں ہو چکی ہے۔ وہاں میں نے بہت تفصیل سے کائنات اور انسان کی تخلیق کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کائنات کا نقطہ آغاز اللہ تعالیٰ کا امر کن ہے۔ حرفِ کن سے خشک نور کا ظہور ہوا، اس نور سے ملائکہ اور انسانی ارواح کی تخلیق ہوئی، پھر Big Bang کے نتیجے میں حرارت کا گولا وجود میں آیا، جس کے متحرک ذرات سے کہکشائیں، ستارے اور سیارے بنے۔ اسی دور میں اس حرارت سے جنات کی تخلیق ہوئی۔ دوسرے بے شمار ستاروں اور سیاروں کی طرح ہماری زمین بھی ابتدا میں بہت گرم تھی۔ یہ آہستہ آہستہ ٹھنڈی ہوئی۔ پھر اس پر ہزاروں برس مسلسل بارش برتی رہی، جس سے زمین پر ہر طرف پانی پھیل گیا۔ اس کے بعد زمین پر نباتاتی اور



حیوانی حیات کا آغاز ہوا۔ اس کے بعد پھر تمام مخلوق کے بادشاہ ”انسان“ کی تخلیق عمل میں آئی۔ اس پورے فلسفے کو مرزا ابیدل نے اپنے اس شعر میں بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے:-

ہر دو عالم خاک شد تا بست نقش آدمی  
اے بہارِ نیستی از قدرِ خود ہشیار باش!

اس خوبصورت شعر کا مفہوم و مطلب بھی سورۃ النحل کی مذکورہ آیت کی تشریح کے تحت بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَحَمَلْنَهُمْ فِي الْبَرْ وَالْبَحْرِ﴾ ”اور ہم اٹھائے پھرتے ہیں انہیں خشکی اور سمندر میں“

یہاں ”ہم“ سے اللہ تعالیٰ کا نظام قدرت مراد ہے جس کے تحت مجرور میں انسانوں کی مختلف نوعیت کی سرگرمیاں ممکن بنا دی گئیں ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے یہ معاون اور دوستانہ ماحول انسان کو اپنی گود میں اٹھائے ہوئے ہے۔

﴿وَرَزَقْنَاهُمْ مِّنَ النَّاسِ وَالْأَنْعَامِ عَلَىٰ كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلًا﴾ ”اور ہم نے انہیں

پاکیزہ چیزوں سے رزق عطا کیا اور انہیں فضیلت دی اپنی بہت سی مخلوق پر بہت بڑی فضیلت۔“  
**آیت ۱۷** ﴿يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمْهَمِهِمْ﴾ ”جس دن ہم بلائیں گے تمام انسانوں کو ان کے سرداروں کے ساتھ۔“

پھر ذرا اُس دن کا خیال کرو جس دن تمام انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیشی کے لیے اس طرح بلایا جائے گا کہ ہر گروہ اپنے راہنما یا لیڈر کے ساتھ حاضر ہوگا۔ پچھلی آیات میں تمام مخلوق پر انسان کی فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ جب انسان کو اس کائنات میں اس قدر اعلیٰ مقام اور مرتبے سے نوازا گیا ہے تو پھر اس کا محاسبہ بھی ہونا چاہیے: ”جن کے رتبے ہیں سوا ان کی سوا مشکل ہے!“

﴿فَمَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُ وَنَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا﴾ ”تو جس کو دیا جائے گا اُس کا اعمال نامہ اس کے داہنے ہاتھ میں تو ایسے لوگ پڑھیں گے اپنے اعمال نامہ کو (خوشی کے ساتھ) اور ان پر ظلم نہ کیا جائے گا دھاگے کے برابر بھی۔“

**آیت ۲۷** ﴿وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَصْلَبُ سَبِيلًا﴾ ”اور جو کوئی اس دنیا میں اندھا رہا وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا“ اور راہ سے بہت دور بھٹکا ہوا۔“

جس شخص نے اس دنیا میں اپنی پوری زندگی حیوانوں کی طرح گزار دی جس کا دیکھنا اور سننا حیوانوں کا سا دیکھنا اور سننا تھا جس نے تو انفس و آفاق میں بکھری ہوئی اللہ تعالیٰ کی آن گنت نشانیوں کو چشم بصیرت سے دیکھا نہ ان کے ذریعے سے اپنے خالق و مالک کو پہچانا اُس نے اپنی زندگی گویا اندھے پن میں گزار دی۔ ایسے شخص کو قیامت کے دن ایسی حالت میں اٹھایا جائے گا کہ وہ اندھا ہوگا۔ اسی اندھے پن سے بچنے کے لیے علامہ اقبال نے کیا خوب نصیحت کی ہے: ”ویدن دگر آموز شنیدن دگر آموز!“

## آیات ۳ تا ۸۴

وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أُوحِيتَ إِلَيْكَ لَيَفْتَرِي عَلَيْكَ غَيْرُهُ ۖ وَإِذَا لَا تَأْخُذُوكَ  
 خَلِيلًا ۖ وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ لَقَدْ كِدْتُمْ تَرْكُنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا ۖ إِذَا لَدَقْنَاكَ ضَعْفَ  
 الْحَيَاةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْكَ نَصِيرًا ۖ وَإِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ  
 الْأَرْضِ لَيَخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبَثُونَ خَلْفَكَ إِلَّا قَلِيلًا ۖ سُبْحَةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ  
 مِنْ رُسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۖ أَقِمِ الصَّلَاةَ لِذُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى عَسَقِ اللَّيْلِ  
 وَقُرْآنَ الْفَجْرِ ۖ إِنَّ الْقُرْآنَ الْفَجْرُ كَانَ مَشْهُودًا ۖ وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَكَ ۖ عَلَى  
 أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَكْمُودًا ۖ وَقُلْ رَبِّ أَدْخِلْنِي مُدْخَلَ صِدْقٍ وَأَخْرِجْنِي مُخْرَجَ  
 صِدْقٍ ۖ وَاجْعَلْ لِي مِنْ لَدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِيرًا ۖ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۖ إِنَّ  
 الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۖ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۖ وَلَا يَزِيدُ  
 الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا ۖ وَإِذَا آتَيْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأْبِئُ بِنَبِيهِ ۖ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ  
 كَانَ يَئُوسًا ۖ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَى شَاكِلَتِهِ ۖ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا ۖ

**آیت ۳** ﴿وَإِنْ كَادُوا لَيَفْتِنُونَكَ عَنِ الَّذِي أُوحِيتَ إِلَيْكَ لَيَفْتَرِي عَلَيْكَ غَيْرُهُ﴾ ”اور (اے  
 نبی ﷺ!) یہ لوگ تو اس بات پر ٹٹے ہوئے تھے کہ آپ کو فتنے میں ڈال کر اس چیز سے ہٹا دیں جو ہم نے  
 آپ کی طرف وحی کی ہے تاکہ آپ اس کے علاوہ کوئی اور چیز گھڑ کر ہم سے منسوب کر دیں“  
 یہ آیت اس بے پناہ دباؤ کی طرف اشارہ کر رہی ہے جس کا سامنا رسول اللہ ﷺ کو قریش کی طرف سے مکہ  
 میں تھا۔ ایک طرف تو قریش مکہ آپ ﷺ پر مسلسل دباؤ ڈال رہے تھے کہ آپ ﷺ قرآن کے غیر یک دار احکام  
 میں کچھ نرمی پیدا کریں، اس کلام میں کچھ ترمیم کر لیں، کچھ اپنی بات منوائیں اور کچھ ہماری مانیں۔ یہ مضمون اس  
 سے پہلے سورہ یونس (آیت ۱۵) میں بھی آچکا ہے: ﴿أَنْتَ بِقُرْآنٍ غَيْرِ هَذَا أَوْ بَدِّلْهُ﴾ ”(اے محمد ﷺ!) آپ  
 اس کے علاوہ کوئی دوسرا قرآن پیش کریں یا پھر اس میں کچھ رد و بدل کر لیں۔“

دوسری طرف وہ مسلسل یہ مطالبہ بھی کیے جاتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو نشانی کے طور پر ہمیں  
 کوئی معجزہ دکھائیں۔ ان کا یہ مطالبہ ان کے عوام تک میں بہت مقبول ہو چکا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ حضور ﷺ کی اپنی  
 خواہش بھی یہی تھی کہ انہیں کوئی معجزہ دکھا دیا جائے، مگر اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ انہیں کوئی حسی معجزہ  
 نہیں دکھایا جائے گا۔ اس سے پہلے سورہ الانعام (آیت ۳۵) میں ہم اللہ تعالیٰ کا دو ٹوک فیصلہ بایں الفاظ پڑھ

آئے ہیں: ﴿وَأَنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنْ امْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ﴾ ”اور اگر آپ پر ان کی یہ بے اعتنائی گراں گزرتی ہے تو اگر آپ استطاعت رکھتے ہیں تو زمین میں کوئی سرنگ کھودیں یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگائیں اور لے آئیں ان کے لیے کوئی معجزہ!“ چنانچہ ان دونوں پہلوؤں سے حضور ﷺ کو شدید دباؤ کا سامنا تھا اور اسی دباؤ کا اظہار اس آیت میں نظر آ رہا ہے۔

﴿وَإِذَا لَا تَأْخُذُوكَ خِلَالًا﴾ ”اور اگر آپ ایسا کرتے تب تو یہ لوگ آپ کو اپنا گاڑھا دوست بنا لیتے۔“ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ اس نوعیت کی مداخلت (compromise) کے عوض وہ لوگ آپ کو اپنا بادشاہ بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار تھے۔

**آیت ۷۲** ﴿وَلَوْلَا أَنْ بَشَنَّاكَ لَقَدْ كِدْتُمْ تَرْكَنُ إِلَيْهِمْ شَيْئًا قَلِيلًا﴾ ”اور اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو عین ممکن تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ نہ کچھ جھک ہی جاتے۔“

یہ بہت نازک اور اہم مضمون ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں سورۃ یوسف آیت ۲۴ میں اسی طرح فرمایا گیا تھا: ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ یعنی عزیز مصر کی بیوی نے تو قصد کر ہی لیا تھا اور یوسف بھی قصد کر لیتے اگر وہ اللہ کی برہان نہ دیکھ لیتے۔ یعنی یہ امکان تھا کہ برہانے طبع بشری وہ بھی ارادہ کر بیٹھتے، مگر اللہ نے انہیں اس سے محفوظ رکھنے کا اہتمام فرمایا۔ حضور ﷺ کے لیے بھی یہاں اسی طرح فرمایا کہ اگر ہم نے آپ کے پاؤں جما کر آپ ﷺ کے دل کو اچھی طرح سے مضبوط نہ کر دیا ہوتا تو قریب تھا کہ آپ کسی نہ کسی حد تک ان کی طرف مائل ہو جاتے۔ بہر حال ان الفاظ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر اس دور میں قریش مکہ کی طرف سے کس قدر شدید دباؤ تھا۔

**آیت ۷۵** ﴿إِذَا لَا ذَنْفَكَ ضَعْفَ الْحِيلَةِ وَضَعْفَ الْمَمَاتِ﴾ ”(اگر ایسا ہو جاتا) تب ہم آپ کو دگنی سزا دیتے زندگی میں اور دگنی سزا دیتے موت پر“

اَلْوَبُّ رَبِّ وَاِنْ تَنَزَّلَ وَالْعَبْدُ عَبْدٌ وَاِنْ تَرَفَّى

”رب تو آخر رب ہے جتنا بھی تنزل فرمائے اور بندہ بہر حال بندہ ہی ہے جس قدر بھی ترقی پالے!“

﴿ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا﴾ ”پھر نہ پاتے آپ اپنے لیے ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔“ آیت کا مضمون بہت نازک ہے۔ بہر حال میں نے الفاظ کے مطابق ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن موقع محل اور سیاق و سباق کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے اصل مفہوم کو وقت نظری سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اگرچہ یہ خطاب نبی اکرم ﷺ سے ہے مگر سختی کا رخ ان لوگوں کی طرف ہے جنہوں نے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی سے آپ کے مقابلے میں ایسے حالات پیدا کر رکھے تھے۔ ان الفاظ میں ان لوگوں کو سنایا جا رہا ہے کہ بد بختو! تم جو چاہو کرو، ہمارے نبی (ﷺ) تمہارے اس دباؤ میں آکر تمہارے مطالبات ماننے والے نہیں ہیں۔

**آیت ۷۶** ﴿وَأِنْ كَادُوا لَيَسْتَفِزُّوكَ مِنَ الْأَرْضِ لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذَا لَا يَلْبِثُونَ خِلْقَكَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”اور یہ تلے ہوئے ہیں کہ آپ کے قدم اکھاڑ دیں اس زمین سے، تاکہ آپ کو یہاں سے

نکال باہر کریں اور (اگر ایسا ہوا تو) تب وہ خود بھی نہیں ٹھہریں گے آپ کے بعد مگر تھوڑا عرصہ۔“ یہ مکی دور کے آخری ایام کے اُن حالات کی جھلک ہے جب اس کش مکش کی شدت انتہا کو پہنچ چکی تھی اور حالات بے حد نازک رخ اختیار کر چکے تھے۔ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کو (معاذ اللہ) مکہ سے نکالنے کے لیے قریش کی منصوبہ بندی کا صرف ذکر کیا گیا ہے مگر اس کی نفی کرنے کے بجائے یہ پیشین گوئی کی گئی ہے کہ اگر ایسا ہوا تو آپ کے بعد وہ خود بھی یہاں پر زیادہ عرصہ نہیں رہ سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ قریش کے اکثر سردار تو ہجرت کے دوسرے برس ہی جنگ بدر میں قتل ہو گئے جبکہ صرف آٹھ سال بعد مکہ شہر پر آپ ﷺ کا باقاعدہ تسلط بھی قائم ہو گیا۔

**آیت ۷۷** ﴿سُئِلَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا﴾ ”یہی (ہمارا) طریقہ رہا اُن کے باب میں جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا اپنے رسولوں میں سے“

یعنی آپ ﷺ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے ان کے بارے میں ہمارا قاعدہ اور قانون یہی رہا ہے کہ رسول کی ہجرت کے بعد متعلقہ قوم پر سے اللہ کی امان اٹھالی جاتی ہے اور اس کے بعد وہ قوم بہت جلد عذاب کی گرفت میں آ جاتی ہے۔

﴿وَلَا تَجِدُ لُسَيْنًا تَحُولًا﴾ ”اور آپ ہمارے طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔“  
**آیت ۷۸** ﴿اقِمِ الصَّلَاةَ لِدُلُوكِ الشَّمْسِ إِلَى غَسَقِ اللَّيْلِ وَقُرْآنَ الْفَجْرِ﴾ ”نماز قائم رکھیے سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کے تاریک ہونے تک اور قرآن کا پڑھا جانا فجر کے وقت۔“

یہ حکم شیخ گاندہ نماز کے نظام کے بارے میں ہے۔ سورج کے ڈھلنے کے ساتھ ہی ظہر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ پھر عصر، مغرب اور عشاء کی نمازوں کا ایک سلسلہ ہے جو رات گئے تک جاری رہتا ہے۔ پانچویں نماز یعنی فجر کو یہاں پر ”قرآن الفجر“ سے تعبیر کیا گیا ہے کیونکہ اس میں طویل قراءت کی جاتی ہے۔ واضح رہے کہ نماز منجگانہ کے اوقات کے بارے میں یہ حکم عمومی نوعیت کا ہے جبکہ ہر نماز کے وقت کی خصوصیت کے ساتھ نشاندہی بعد میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کی جس کی تفصیل کتب احادیث میں ملتی ہے۔

﴿إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾ ”یقیناً فجر کے وقت قرآن کا پڑھا جانا مشہود ہے۔“  
گویا فجر کا وقت نماز اور قراءت کے اعتبار سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ رات بھر جسمانی اور فنی آرام کے بعد فجر کے وقت انسان تازہ دم ہوتا ہے۔ اس وجہ سے نماز میں اس کی حضوری قلب کی کیفیت بھی بہتر ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ فجر کا وقت فرشتوں کی حاضری کے اعتبار سے بھی اہم ہے۔ دنیا کے معاملات کی نگرانی کرنے والے فرشتوں کی ڈیوٹیاں صبح اور عصر کے اوقات میں تبدیل ہوتی ہیں۔ چنانچہ ان دونوں نمازوں میں دونوں جماعتوں کے فرشتے موجود ہوتے ہیں۔ ڈیوٹی سے فارغ ہو کر جانے والے فرشتے بھی اور آئندہ ڈیوٹی کا چارج لینے والے بھی۔ لہذا فرشتوں کی اس حاضری کی وجہ سے بھی نماز فجر خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔

**آیت ۷۹** ﴿وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ﴾ ”اور رات کے ایک حصے میں آپ جاگیے اس (قرآن) کے ساتھ“

یہاں لفظ ”یہ“ میں وہی انداز ہے جس کی تکرار اس سے پہلے ہم سورۃ الانعام میں دیکھ چکے ہیں۔ (اَنْذِرْ بِمِ ذِکْرِہِ) یعنی انداز تذکرہ تبشیر، تبلیغ سب قرآن کے ذریعے سے ہو۔ چنانچہ یہاں پر رسول اللہ ﷺ کو تہجد کا حکم دیا گیا تو فرمایا گیا کہ رات کا ایک حصہ آپ قرآن کے ساتھ جاگیے۔ تہجد کی نماز آپ قرآن کے ساتھ پڑھیں۔ گویا تہجد کا مقصد اور اس کی اصل روح یہی ہے کہ اس میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھا جائے۔ چھوٹی چھوٹی سورتوں کے ساتھ رکعتوں کی مخصوص تعداد پوری کر لینے سے یہ مقصد پورا نہیں ہوتا۔

﴿نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ اَنْ يَّعْنَفَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝۴۹﴾ ”یہ اضافی چیز ہے آپ کے لیے“

امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز فرمائے گا۔“

”مقام محمود“ بہت ہی اعلیٰ اور ارفع مقام ہے جس پر آنحضور ﷺ کو میدانِ حشر میں اور جنت میں فائز کیا جائے گا۔ ہم اس مقام کی عظمت اور کیفیت کا اندازہ اپنے تصور سے نہیں کر سکتے۔

آیت ۸۰ ﴿وَقُلْ رَبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ﴾ ”اور دعا کیجیے کہ اے میرے رب مجھے داخل کر عزت کا داخل کرنا اور مجھے نکال عزت کا نکالنا“

یہ ہجرت کی دعا ہے۔ جب ہجرت کا اذن آیا تو ساتھ ہی یہ دعا بھی تعلیم فرمادی گئی کہ اے اللہ! تو مجھے جہاں بھی داخل فرمائے یعنی یثرب (مدینہ) میں عزت و تکریم کے ساتھ داخل فرما، وہاں پر میرا داخلہ سچا داخلہ ہو اور یہاں مکہ سے مجھے نکالنا ہے تو باعزت طریقے سے نکال۔ یاد کیجیے کہ سورہ یونس کی آیت ۹۳ میں بنی اسرائیل کو اچھا ٹھکانہ عطا کیے جانے کا ذکر بھی ”مَبْوَا صِدْقٍ“ کے الفاظ سے ہوا ہے۔

﴿وَاَجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝۵۰﴾ ”اور مجھے خاص اپنے پاس سے مددگار قوت عطا فرما۔“

یعنی مدینہ میں جس نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے اس میں اپنے دین کے غلبے کے اسباب پیدا فرما، اور مجھے وہ طاقت، قوت اور اقتدار عطا فرما جس سے دین کی عملی تنفیذ کا کام آسان ہو جائے۔ اس دعا میں رسول اللہ ﷺ کو بالکل وہی کچھ مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے جو عنقریب آپ کو ملنے والا تھا۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے کہ مدینہ میں آپ کا استقبال ایک بادشاہ کی طرح ہوا۔ اوس اور خزرج کے قبائل نے آپ کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ یہودیوں کے تینوں قبائل ایک معاہدے کے ذریعے آپ ﷺ کی مرضی کے تابع ہو گئے اور یوں آپ ﷺ مدینہ میں داخل ہوتے ہی وہاں کے بے تاج بادشاہ بن گئے۔

آیت ۸۱ ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۝۵۱﴾ ”اور آپ کہہ دیجیے کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔“

نظاہر تو ابھی اس انقلاب کے آثار نمودار نہیں ہوئے تھے، ابھی آٹھ سال بعد جا کر کہیں مکہ فتح ہونے والا تھا، لیکن عالم امر میں چونکہ اس کا فیصلہ ہو چکا تھا لہذا ابھی سے آپ ﷺ کی زبان مبارک سے حق کی آمد اور باطل کے فرار کا اعلان کرایا جا رہا ہے۔

﴿اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝۵۲﴾ ”یقیناً باطل ہے ہی بھاگ جانے والا۔“

باطل کو ثبات نہیں۔ جب بھی اس کا حق کے ساتھ معرکہ ہوگا تو حق کے مقابلے میں باطل ہمیشہ پسپائی اختیار

کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔

**آیت ۸۲** ﴿وَنَزَّلْنَا مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور ہم قرآن سے وہ کچھ نازل کرتے ہیں جو شفا اور رحمت ہے اہل ایمان کے حق میں۔“

یہاں پر پھر قرآن کا لفظ ملاحظہ ہو۔ نوٹ کیجیے کہ خود قرآن کا ذکر اس سورت میں جتنی مرتبہ آیا ہے کسی اور سورت میں نہیں آیا۔ اس آیت میں قرآن کے احکام کو اہل ایمان کے لیے شفا اور رحمت قرار دیا گیا ہے۔ اس سے قبل یہی مضمون سورہ یونس میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ ۚ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اے لوگو! آگئی ہے تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اور تمہارے سینوں (کے امراض) کی شفا اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت۔“ یعنی قرآن ایک مومن کے سینے کو تمام آلائشوں اور بیماریوں (مثلاً کفر، شرک، تکبر، حسد، حُب مال، حُب جاہ، حُب اولاد وغیرہ) سے صاف اور پاک کر دیتا ہے۔

﴿وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا خَسَارًا﴾ ”لیکن یہ ظالموں کو نہیں بڑھاتا مگر خسارے ہی میں۔“ جیسا کہ سورہ البقرہ میں فرمایا گیا ہے: ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾۔  
**آیت ۸۳** ﴿وَإِذَا آتَيْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ اِعْرَاضًا وَنَا بَجَانِبِهِ﴾ ”اور جب ہم انسان کو نعمتوں سے نوازتے ہیں تو وہ اعراض کرتا ہے اور (ہم سے) کئی کترانے لگتا ہے۔“

﴿وَإِذَا مَسَّهُ الشُّرُّ كَانَ يَتُوسَّسًا﴾ ”اور جب اس پر کوئی تکلیف آپڑتی ہے تو مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔“  
**آیت ۸۴** ﴿قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ شَاكِلَتِهِ﴾ ”آپ کہہ دیجئے کہ ہر شخص کام کرتا ہے اپنے شاکلہ کے مطابق۔“ ”شاکلہ“ سے مراد ہر انسان کی شخصیت کا مخصوص سانچہ ہے، جیسے آپ کو کسی دھات سے کوئی شے بنانی ہے تو پہلے اس کا ایک سانچہ (pattern) بناتے ہیں اور اس دھات کو پکھلا کر اس میں ڈال دیتے ہیں تو وہ دھات وہی مخصوص شکل اختیار کر لیتی ہے۔ انسانی شخصیت کے مخصوص سانچے کی تشکیل میں انسان کے موروثی genes اور اس کا خارجی ماحول بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ گویا موروثی عوامل اور ماحولیاتی عوامل کے حاصل ضرب سے انسان کی شخصیت کا جو ہیولی بنتا ہے وہی اس کا شاکلہ ہے۔ کسی شخص نے نیکی اور برائی کے لیے جو بھی محنت اور کوشش کرنی ہے وہ اپنے اس شاکلہ کے اندر رہ کر ہی کرتی ہے۔ گویا کسی انسان کا شاکلہ اس کے دائرہ عمل کی حدود کا تعین کرتا ہے۔ وہ نہ تو ان حدود سے تجاوز کر سکتا ہے اور نہ ہی ان سے بڑھ کر عمل کرنے کا وہ مکلف ہے۔ جیسے انگریزی میں کہا جاتا ہے: One cannot grow out of his skin یعنی کسی نے موٹا ہونے کی جتنی بھی کوشش کرنی ہے اپنی کھال کے اندر رہ کر ہی کرتی ہے۔ وہ اپنی کھال سے باہر بہر حال نہیں نکل سکتا۔ چنانچہ ہر شخص اپنے شاکلہ کے مطابق عمل کرتا ہے اور اللہ کو خوب علم ہے کہ اس نے کس کو کس طرح کا شاکلہ دے رکھا ہے۔ اور وہ ہر شخص سے اس کے شاکلہ کی مناسبت سے ہی حساب لے گا۔ (اس مضمون کی مزید وضاحت کے لیے ملاحظہ ہو بیان القرآن، جلد اول، سورہ البقرہ، تشریح آیت ۲۸۶۔)

﴿قَرَّبُكُمْ عَلِمَ بِمَنْ هُوَ أَهْدَى سَبِيلًا﴾ ”پس آپ کا رب خوب جانتا ہے اُسے جو زیادہ

سیدھے راستے پر ہے۔“

اس مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((الْكَافِرُ مَعَادِنٌ))<sup>(۱)</sup> کہ انسان معدنیات کی طرح ہیں۔ معدنیات میں سے ہر ایک کی اپنی اپنی خصوصیات (properties) ہوتی ہیں۔ سونے کی ore چاندی کی ore سے بالکل مختلف خصوصیات کی حامل ہے۔ اسی طرح ہر انسان کی اپنی اپنی خصوصیات ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کی خصوصیات سے خوب واقف ہے۔

## آیات ۸۵ تا ۹۳

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۚ  
وَكَلِمَةٌ مِمَّا كَانَتْ هَيْبَةً بِالذِّمَىٰ أَوْ حِينًا إِلَيْكَ تُمْ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عِلْمًا ۚ وَلَا كَلِمَةٌ  
مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَهِيرًا ۚ قُلْ لِّمَنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَنْ  
يَأْتُوا بِشَيْءٍ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِشَيْءٍ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۚ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا  
لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ فَأَبَى أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۚ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ  
لَكَ حَتَّىٰ تَنْفَجَرَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَجْعُوًّا ۚ أَوْ تَكُونُ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ تَخِيلٍ وَعَنَبٍ فَتَنْفَخِرَ  
الْأَنْهَارُ خِلَالَهَا تَغْيِيرًا ۚ أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتْ عَلَيْكَ إِسْقَافًا أَوْ تَأْتِي بِاللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ  
قَبِيلًا ۚ أَوْ يَكُونُ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرِفٍ أَوْ تَرْفَىٰ فِي السَّمَاءِ ۚ وَلَنْ نُؤْمِنَ بِرُؤْيَاكَ حَتَّىٰ  
تُنْزِلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَقْرُؤُا ۚ قُلْ سُبْحَنَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ۚ

آیت ۸۵ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) یہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں روح کے بارے میں۔“

﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”آپ فرما دیجیے کہ روح میرے رب کے امر میں سے ہے اور تمہیں نہیں دیا گیا علم مگر تھوڑا سا۔“

روح کے بارے میں یہ سوال ان تین سوالات میں سے تھا جو ایک مرتبہ مدینہ کے یہودیوں نے قریش مکہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ سے پوچھ بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک سوال اصحابِ کہف کے بارے میں تھا اور دوسرا

(۱) صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء و کتاب المناقب۔ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب الارواح جنود مجنودة۔

ذوالقرنین کے بارے میں۔ ان دونوں سوالات کے تفصیلی جوابات سورۃ الکہف میں دیے گئے ہیں، مگر روح کے متعلق سوال کا انتہائی مختصر جواب اس سورت میں دیا گیا ہے۔

اس بارے میں یہاں صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ روح کا تعلق عالم امر سے ہے اور عالم امر چونکہ عالم غیب ہے اس لیے اس کے بارے میں تم لوگ کچھ نہیں جان سکتے۔ انسان کے علم کا ذریعہ اس کے حواس ہیں اور اپنے ان حواس کے ذریعے وہ صرف عالم خلق کی چیزوں کے بارے میں جان سکتا ہے، عالم غیب (عالم امر) تک اس کا علم رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ چنانچہ عالم غیب کی باتوں کو اسے ویسے ہی ماننا ہوگا جیسے قرآن اور رسولؐ کے ذریعے سے بتائی گئی ہوں۔ اسی کا نام ایمان بالغیب ہے، جس کا ذکر قرآن مجید کے آغاز میں ہی کر دیا گیا ہے: ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ (البقرہ)۔ قبل ازیں سورۃ الاعراف کی آیت ۵۴ اور سورۃ النحل کی آیت ۴۰ کی تشریح کے ضمن میں عالم خلق اور عالم امر کے بارے میں تفصیلی بحث کی جا چکی ہے۔ وہاں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ فرشتوں، انسانی ارواح اور وحی کا تعلق عالم امر سے ہے۔

**آیت ۸۶** ﴿وَلَكِنْ شَئْنَا لَنُذْهِبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس (قرآن) کو جو ہم نے وحی کیا ہے آپ کی طرف، پھر آپ نہ پائیں گے اپنے لیے اس پر ہمارے مقابلے میں کوئی مددگار۔“

**آیت ۸۷** ﴿إِلَّا رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ إِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا﴾ ”مگر یہ تو رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اُس کا فضل آپ پر بہت بڑا ہے۔“

یہ قرآن کا خاص اسلوب ہے جس کے مطابق بظاہر خطاب تو حضور ﷺ سے ہے مگر اصل میں لوگوں کو یہ باور کرانا مقصود ہے کہ آپ کا اصل مقام و مرتبہ کیا ہے۔ اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ سے بار بار اَنَا بَشَرٌ مِمَّنْ لَكُمْ کا اعلان کرایا گیا کہ اے لوگو! میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں، مجھ پر اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ یہاں اسی بات کی تاکید کے لیے یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ یہ ہماری عطا اور مہربانی ہے کہ ہم نے بذریعہ وحی آپ پر یہ عظیم الشان کلام نازل کیا ہے۔ اگرچہ اس کا ہرگز ہرگز کوئی امکان نہیں تھا، مگر محض ایک اصولی بات سمجھانے کے لیے فرمایا گیا کہ جس طرح ہم نے یہ کلام نازل کیا ہے اسی طرح ہم اسے واپس بھی لے سکتے ہیں، اسے سلب بھی کر سکتے ہیں۔ یہ کلام نہ تو آپ ﷺ کا خود ساختہ ہے اور نہ ہی آپ ﷺ اسے اپنے پاس رکھنے پر قادر ہیں۔ یہ تو سر اسر اللہ کی مہربانی اور اُس کی رحمت کا مظہر ہے اور وہی اسے آپ ﷺ کے سینے میں جمع کر کے محفوظ فرما رہا ہے۔

**آیت ۸۸** ﴿قُلْ لَّيْنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ اگر جمع ہو جائیں تمام انسان اور تمام جن اس بات پر کہ وہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو وہ نہیں لاسکیں گے اس کی مانند، اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔“



اس موضوع پر قرآن کا اپنے مخاطبین سے یہ سب سے پہلا مطالبہ ہے جس میں ان سے پورے قرآن کا جواب دینے کو کہا گیا ہے۔

**آیت ۸۹** ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِي هَذَا الْقُرْآنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ”اور ہم نے پھر پھر کر بیان کی ہیں لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر طرح کی مثالیں“  
 ﴿فَأَبَى أَكْفَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا ۝۸۹﴾ ”لیکن اکثر لوگ انکار (اور کفرانِ نعمت) ہی پر اڑے ہوئے ہیں۔“

**آیت ۹۰** ﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ﴾ ”اور انہوں نے کہا کہ ہم ہرگز آپ کی بات نہیں مانیں گے“  
 ﴿حَتَّىٰ تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا ۝۹۰﴾ ”یہاں تک کہ آپ جاری کر دیں ہمارے لیے زمین سے ایک چشمہ۔“

مشرکین مکہ کی طرف سے اس طرح کے مطالبات بار بار کیے جاتے تھے کہ جب تک آپ ﷺ ہمیں کوئی معجزہ نہیں دکھائیں گے ہم آپ کو رسول نہیں مانیں گے۔

**آیت ۹۱** ﴿أَوْ تَكُونَ لَكَ بَنَاتٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَرَعِبَ النَّهْرُ إِذْ رَأَىٰ سَحَابًا مَّهِمًّا ۝۹۱﴾ ”یا آپ کے لیے بن جائے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ“ پھر آپ جاری کر دیں اس کے اندر نہریں۔“  
**آیت ۹۲** ﴿أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسْفًا﴾ ”یا آپ گرا دیں آسمان ہم پر ٹکڑے ٹکڑے کر کے جیسا کہ آپ دعویٰ کرتے ہیں“

یعنی آپ ﷺ ہمیں قیامت کے حوالے سے خبریں سنا سنا کر جوڑا رہتے رہتے ہیں کہ اُس وقت آسمان پھٹ جائے گا اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو آپ ﷺ آسمان کا کوئی ٹکڑا بھی ہم پر گرا کر دکھا دیں۔

﴿أَوْ تَأْتِيَّ بِاللَّهِ وَالْمَلِكَةِ قَبِيلًا ۝۹۲﴾ ”یا آپ لے آئیں اللہ کو اور فرشتوں کو (ہمارے) سامنے۔“  
**آیت ۹۳** ﴿أَوْ يَكُونُ لَكَ يَبْتُ مِّنْ زُخْرِفٍ أَوْ تَزْفَىٰ فِي السَّمَاءِ ۝۹۳﴾ ”یا آپ کے لیے سونے کا ایک محل (تعمیر) ہو جائے یا آپ آسمان میں چڑھ جائیں“

﴿وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُؤْيَاكَ حَتَّىٰ تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرُؤُهُ ۝۹۴﴾ ”اور ہم آپ کے (آسمان میں) چڑھنے کو بھی نہیں مانیں گے یہاں تک کہ آپ اتار لائیں ایک کتاب جسے ہم خود پڑھیں۔“

ان لوگوں کے ان تمام مطالبات کے جواب میں صرف ایک بات فرمائی گئی:  
 ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلُكُمْ ۝۹۵﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ میرا رب پاک ہے میں نہیں ہوں مگر ایک بشر رسول۔“

یعنی میں بھی تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں۔ میں بھی اسی طرح پیدا ہوا ہوں جس طرح تم سب لوگ

پیدا ہوئے ہو۔ میں تمہاری ہی طرح کھاتا پیتا ہوں، دنیا کے کام کاج کرتا ہوں، بازاروں میں چلتا پھرتا ہوں اور میں نے ہر سطح پر کاروبار بھی کیا ہے۔ میں تمہارے درمیان ایک عمر گزار چکا ہوں اور میری سیرت اور اخلاق و کردار روزِ روشن کی طرح تمہارے سامنے ہے۔ مجھ میں اور تم میں بنیادی فرق یہ ہے کہ میرے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہے، اور اللہ کا وہ پیغام جو بذریعہ وحی مجھ تک پہنچتا ہے وہ میں تم لوگوں تک پہنچانے پر مامور ہوں۔

اگرچہ سیرت و کردار اور مرتبہ رسالت و نبوت کے اعتبار سے عام انسانوں سے نبی اکرم ﷺ کی کوئی مناسبت نہیں، مگر عام بشری تقاضوں کے حوالے سے انہیں یہ جواب دیا گیا کہ میں بھی ایک انسان ہی ہوں۔

### آیات ۹۴ تا ۱۰۰

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا ﴿٩٤﴾ قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُمَشُّونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمُ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ﴿٩٥﴾ قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ﴿٩٦﴾ وَمَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِهِ ۚ يُحْشَرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلَىٰ وَجُوهِهِمْ عُمِيًّا ۖ ذُقُوا مَّا أُوتِيتُمْ بِهِمْ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا ﴿٩٧﴾ ذَلِكَ جَزَاءُ هُمُ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا إِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَوَلَا نَكْبَعُوهُنَّ خَلْقًا جَدِيدًا ۚ أَوَلَمْ يَدْرُوا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ أَجَلًا لَّارْتِيَابٍ فِيهِ ۚ فَآبَى الظَّالِمُونَ إِلَّا الْكُفُورَ ﴿٩٨﴾ قُلْ لَوْ أَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٩٩﴾ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّي إِذْ لَا أَمْسُكُمْ خَشْيَةَ الْإِنْفَاقِ ۖ وَكَانَ الْإِنْسَانُ قَتُورًا ﴿١٠٠﴾

**آیت ۹۴** ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا﴾ ”اور نہیں روکا لوگوں کو ایمان لانے سے جب کہ ان کے پاس ہدایت آگئی، مگر اس بات نے کہ انہوں نے کہا: کیا اللہ نے بھیجا ہے ایک بشر کو رسول بنا کر!“

اُن کا کہنا تھا کہ اس کام کے لیے ان کی طرف کوئی فرشتہ بھیجا جاتا تو بھی کوئی بات تھی۔ اب وہ اپنی ہی طرح کے ایک انسان کو آخر کیونکر اللہ کا رسول مان لیں؟ ان کے اس اعتراض کے جواب میں جو دلیل دی جا رہی ہے وہ بہت اہم ہے:

**آیت ۹۵** ﴿قُلْ لَوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُمَشُّونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمُ مِنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا﴾ ”آپ فرمائیں کہ اگر زمین میں فرشتے (آباد ہوتے اور وہ) اطمینان سے چلتے پھرتے

ہوتے تو ہم ضرور ان پر آسمان سے کسی فرشتے ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔“

رسول کا کام ہے اللہ کے پیغام کو انسانوں تک پہنچانا اس کی ایک ایک بات کو سمجھانا اور پھر اللہ کے احکام کے مطابق عمل کر کے اپنی زندگی کو ان کے سامنے بطور نمونہ پیش کرنا۔ اب ظاہر ہے انسانوں کے لیے نمونہ تو ایک انسان ہی ہو سکتا ہے، فرشتہ تو ان کے لیے نمونہ نہیں بن سکتا۔ چنانچہ اگر ان کے پاس ایک فرشتہ رسول بن کر آ جاتا تو یہی لوگ کہتے کہ یہ تو فرشتہ ہے اس کی کوئی خواہش ہے نہ ضرورت نہ رشتہ ہے نہ ناتا نہ جذبات ہیں نہ احساسات ہماری اس سے کیا نسبت؟ ہماری تو گھر گریستی ہے اہل و عیال ہیں مجبوریاں ہیں ضرورتیں ہیں طرح طرح کے جنجال ہیں ہم اس کی سیرت اور اس کے کردار کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں؟ البتہ اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے اور ان کی طرف رسول بھیجنا ہوتا تو ضرور کسی فرشتے ہی کو اس کام پر مامور کیا جاتا مگر اب معاملہ چونکہ انسانوں کا ہے لہذا ان پر حجت قائم کرنے کے لیے لازماً کسی انسان ہی کو بطور رسول بھیجا جانا چاہیے تھا سو ایسا ہی ہوا۔

**آیت ۹۶ ﴿قُلْ كَفَىٰ بِاللّٰهِ شَهِيدًاۙ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾** ”آپؐ کہہ دیجیے کہ اللہ کافی ہے گواہ میرے اور تمہارے درمیان۔“

رد و قدح بہت ہو چکی۔ اب میں یہ معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں جو میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔ اب وہی فیصلہ کرے گا۔

**﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۙ بَصِيْرًاۙ﴾** ”یقیناً وہ اپنے بندوں سے باخبر اور ان پر نظر رکھنے والا ہے۔“  
**آیت ۹۷ ﴿وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِۙ﴾** ”اور جسے اللہ ہدایت دیتا ہے بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے“  
**﴿وَمَنْ يُّضِلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَۙ مِنْ دُوْنِهٖ﴾** ”اور جسے وہ گمراہ کر دے تو ہرگز نہیں پائیں گے آپ ایسے لوگوں کے لیے کوئی مددگار اُس کے سوا۔“

**﴿وَنَحْشُرْهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمِيًّاۙ وَبُكْمًاۙ وَصُمًّاۙ﴾** ”اور ہم انہیں جمع کریں گے قیامت کے دن ان کے منہوں کے بل (چلاتے ہوئے) اندھے، گونگے اور بہرے۔“  
**﴿مَّاۤوِيْهُمۡ جَهَنَّمَۙ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْۙ سَعِيْرًاۙ﴾** ”ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ جب بھی اس کی آگ دھیمی ہونے لگے گی ہم اسے ان کے لیے مزید بھڑکا دیا کریں گے۔“

**آیت ۹۸ ﴿ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْۙ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْۤا بِالْاِيْنٰتِ﴾** ”یہ سزا ہے ان کی اس بنا پر کہ انہوں نے ہماری آیات کے ساتھ کفر کیا“

**﴿وَقَالُوْۤا اِذَا كُنَّا عِظَامًاۙ وَرُفَاتًاۙ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خُلُقًاۙ جَدِيْدًاۙ﴾** ”اور انہوں نے کہا کہ کیا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں اور چورا چورا تو کیا ہم دوبارہ اٹھا لیے جائیں گے ایک نئی مخلوق کی صورت میں؟“

**آیت ۹۹** ﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللَّهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ﴾ ”کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس پر قادر ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کر دے“

جب تمہیں اُس نے ایک دفعہ پیدا کیا ہے تو اب تمہاری طرح کے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے کیونکر مشکل ہوگا؟

﴿وَجَعَلْ لَهُمْ اَجَلًا رَّيْبٌ فِيْهِ ۚ فَاَنبٰى الظَّالِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًاۙ﴾ ”اور اُس نے مقرر کیا ہے ان کے لیے ایک وقتِ معین جس میں کوئی شک نہیں، مگر ان ظالموں نے انکار ہی کیا سوائے کفر (اور کفرانِ نعمت) کے۔“

انہوں نے اللہ کے حکم اور اس کی ہر آیت سے کفر اور انکار کی روش اپنائے رکھی۔

**آیت ۱۰۰** ﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَاۤئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْ﴾ ”آپ کہیے کہ اگر تمہیں اختیار ہوتا میرے رب کی رحمت کے خزانوں پر“

﴿اِذَا لَمْ تَسْكُنْمْ خَشِیۡةُ الْاِنْفَاقِۙ﴾ ”تب بھی تم ضرور روک رکھتے (انہیں) خرچ ہو جانے کے ڈر سے۔“

اگر اللہ کی رحمت کے بے حساب خزانے تمہارے اختیار میں ہوتے تو تم لوگ اپنے فطری بخل کے سبب اُن کے دروازے بھی بند کر دیتے کہ کہیں خرچ ہو کر ختم نہ ہو جائیں۔

﴿وَكَانَ الْاِنْسَانُ فَتُوْرًاۙ﴾ ”اور انسان بہت ہی تنگ دل ہے۔“

## آیات ۱۰۱ تا ۱۱۱

وَلَقَدْ اَتَيْنَا مُوْسٰی بِسَمِیۡۤىِۡۤٔۨۤ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ فَمَسَّۤیِۡۤٔۨۤ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ اِنِّیۡۤٓ اَظُنُّكَ یٰۤمُوْسٰی مَسْحُوْرًاۙ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُ مَا اَنْزَلَ هٰۤؤُلَآءِ اِلَّا رُبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بِصَآٓئِرٍ وَّاِنِّیۡۤٓ اَظُنُّكَ لِیَفِرْعَوْنُ مَجْنُوْرًاۙ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِیْزَهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاعْرِضْهُ وَمَنْ مَّعَهُ جَمِیْعًاۙ وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لَیْسَۤیِۡۤٔۨۤ اِسْرَآءِیْلَ اَسْكُنُوْا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْقًاۙ وَّیَاۤلِٰحَقِّۙ اَنْزَلْنٰهُ وَاِلٰحَقِّۙ نَزَلَۙ وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا مَبْشِرًا وَنَذِیْرًاۙ وَفَرَاۤنَا فَرَقْنٰهُ یَسْقُرَاۤهٗ عَلٰی النَّاسِ عَلٰی مَلِكٍ وَنَزَلْنٰهُ تَنْزِیْلًاۙ قُلْ اٰمَنُوْا بِهٖۤ اَوَّلًا ثُمَّ مَنُوْاۤ اِنَّ الَّذِیۡنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا بُعْثَ عَلَیْهِمْ یَحْزَنُوْنَۙ لِاِلَّاۤذْقَانَ سُجَّدًاۙ وَیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًاۙ وَیَحْزَنُوْنَۙ لِاِلَّاۤذْقَانَ

يَكُونُ وَيَزِيدُ هُمْ خُشُوعًا ۚ قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَدْعُوا الرَّحْمَنَ ۖ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ  
الْحُسْنَىٰ ۚ وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۚ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ  
الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُن لَّهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُن لَّهُ وَلِيٌّ مِنَ الدُّنْيَا وَكَرِهَ  
تُكْبِيرًا ۚ

**آیت ۱۰۱** ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کو نو واضح نشانیاں عطا کی تھیں“  
ان میں سے دو نشانیاں تو وہ تھیں جو آپ کو ابتدا میں عطا ہوئی تھیں، یعنی عصا کا اڑدھابن جانا اور ید بیضا۔  
ان کے علاوہ سات نشانیاں وہ تھیں جن کا ذکر سورۃ الاعراف کی آیات ۱۳۰ اور ۱۳۳ میں ہوا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف  
سے مختلف قسم کے عذاب تھے (قطر سالی، پھلوں اور فصلوں کا نقصان، طوفان، مڑی دل، پتھریاں، مینڈک اور خون) جو  
مصر میں قوم فرعون پر مختلف اوقات میں آتے رہے۔ جب وہ لوگ عذاب کی تکالیف سے تنگ آتے تو اسے ٹالنے  
کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ عذاب ٹل جاتا۔

یہاں یہ نکتہ لائق توجہ ہے کہ سورت کے آغاز میں بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا ورا ب آخر میں بھی  
آپ کا ذکر ہونے جا رہا ہے۔ یہ اسلوب ہمیں قرآن حکیم کی ان سورتوں میں ملتا ہے جو ایک خطبے کے طور پر ایک  
ہی تنزیل میں نازل ہوئی ہیں۔ ایسی سورتوں کی ابتدائی اور آخری آیات خصوصی اہمیت اور فضیلت کی حامل ہوتی  
ہیں اور ان کے مضامین میں ایک خاص ربط پایا جاتا ہے۔ سورت کے آغاز میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات مبارکہ  
کے اُس دور کا ذکر کیا گیا ہے جب آپ مصر سے نکل کر صحرائے سینا میں آچکے تھے اور وہاں سے آپ کو کوہ طور پر  
بلا کر تورات عطا کی گئی تھی: ﴿وَآتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَجَعَلْنَاهُ هُدًى لِّبَنِي إِسْرَآءَ ۖ قُلْ أَلَّا تَتَذَكَّرُ ۖ أَمْ مِنْ دُونِ  
وَكَيْلٍ ۖ﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (تورات) دی اور ہم نے اُسے بنایا ہدایت بنی اسرائیل کے لیے کہ تم  
مت بناؤ میرے سوا کسی کو کاساز“ اب آخر میں بنی اسرائیل کے زمانہ مصر کے حالات کے حوالے سے پھر  
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا جا رہا ہے:

﴿فَسُئِلَ بَنِي إِسْرَآءَ أَنِ ادْجَاءَ هُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يَمُوسَىٰ مَسْحُورًا ۝﴾  
”تو ذرا پوچھیں بنی اسرائیل سے (اس زمانے کا حال) جب کہ موسیٰ ان کے پاس آئے تو فرعون نے ان  
سے کہا کہ اے موسیٰ میں تو تمہیں ایک سحر زدہ آدمی سمجھتا ہوں۔“

دیکھئے جو الفاظ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہے تھے عین وہی الفاظ حضور ﷺ کے لیے آپ کے  
مخالفین کی طرف سے استعمال کیے گئے ہیں۔ اسی سورت میں ہم پڑھ آئے ہیں کہ قریش مکہ آپ ﷺ کے بارے  
میں کہتے تھے: ﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَّسْحُورًا ۝﴾ ”تم نہیں پیروی کر رہے مگر ایک سحر زدہ شخص کی۔“

**آیت ۱۰۲** ﴿قَالَ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا أَنْزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ بِصَآئِرٍ﴾ ”موسیٰ نے  
کہا: تجھے خوب معلوم ہے کہ نہیں نازل کیا ان (نشانوں) کو مگر آسمانوں اور زمین کے رب نے آنکھیں

کھول دینے کے لیے۔“

﴿وَإِنِّي لَأَظُنُّكَ يَا فِرْعَوْنُ مَثْبُورًا ۝۱۰۱﴾ ”اور اے فرعون! میں تو تمہیں ہلاکت زدہ سمجھتا ہوں۔“ ایک تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مزاج جلالی تھا دوسرے آپ بچپن سے اس فرعون کے ساتھ پلے بڑھے تھے اس طرح اس کی حیثیت آپ کے چھوٹے بھائی کی سی تھی۔ چنانچہ آپ نے بڑے بارعب انداز میں بلا جھک جواب دیا کہ تمہیں تو مجھ پر جادو کے اثر کا گمان ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ تورب کائنات کی بصیرت افروز واضح نشانیوں کو جھٹلا کر اپنی ہلاکت اور بربادی کو یقینی بنا چکا ہے۔

آیت ۱۰۳ ﴿فَإِذَا أَنْ يَسْتَفِزُّهُمْ مِنَ الْأَرْضِ﴾ ”تو اُس نے ارادہ کیا کہ انہیں اکھاڑ پھینکے زمین سے“ فرعون باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت بنی اسرائیل کی نسل کشی کر رہا تھا۔ وہ ان کے لڑکوں کو قتل کروا دیتا اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا تھا۔ اور کسی بھی قوم کے مکمل استیصال کا اس سے زیادہ مؤثر طریقہ بھلا اور کیا ہو سکتا ہے! ﴿فَاعْرِقْنَاهُ وَمَنْ مَعَهُ جَمِيعًا ۝۱۰۴﴾ ”لیکن ہم نے غرق کر دیا اس کو اور جو اس کے ساتھ تھے سب کو۔“ آیت ۱۰۴ ﴿وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهِ لِنَبْنِيَ إِسْرَآءِيلَ اَسْكُنُوا الْأَرْضِ﴾ ”اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ تم لوگ زمین میں آباد ہو جاؤ“

﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ جُنَّا بِكُمْ لَفِيفًا ۝۱۰۵﴾ ”پھر جب آئے گا پچھلے وعدے کا وقت تو ہم لے آئیں گے تم سب کو سمیٹ کر۔“

اکثر و بیشتر مفسرین نے وَعْدُ الْآخِرَةِ سے آخرت یعنی قیامت مراد لی ہے۔ یعنی جب قیامت آئے گی تو تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو گے سب کو اکٹھا کر کے ہم میدان حشر میں لے آئیں گے۔ لیکن میرے خیال میں ان الفاظ میں یہ اشارہ بھی موجود ہے کہ جب آخرت کا وقت قریب آئے گا تو بنی اسرائیل کو ہر کہیں سے اکٹھا کر کے ایک جگہ جمع کر لیا جائے گا۔ یہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے بہت بڑے جرم کے مرتکب ہو چکے تھے۔ اس کے بعد نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو جھٹلا کر انہوں نے اپنے اس جرم کی مزید توثیق بھی کر دی۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس قوم کی حیثیت اس قیدی کی سی ہے جس کو اس کے جرم کی سزا سنائی جا چکی ہو مگر اس سزا کی تعمیل (execution) ابھی باقی ہو۔

اس سورت کے نزول کے وقت بنی اسرائیل کے دور انتشار (Diaspora) یعنی فلسطین سے بے دخل ہوئے ساڑھے پانچ سو سال ہو چکے تھے۔ پچھلی صدی تک بھی ان کی کیفیت یہ تھی کہ یہ لوگ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے تھے۔ چونکہ کسی اجتماعی سزا یا عذاب کے لیے ان کا ایک جگہ اکٹھے ہونا ضروری تھا اس لیے قدرت کی طرف سے اسرائیل کی ریاست کا قیام عمل میں لایا گیا اور آیت زیر نظر کے الفاظ کے عین مطابق دنیا کے کونے کونے سے تمام یہودیوں کو اکٹھا کر کے یہاں آباد کیا گیا۔ اب اپنے زعم میں تو ان لوگوں نے عظیم تر اسرائیل (Greater Israel) کا منصوبہ اور نقشہ تیار کر رکھا ہے اور عین ممکن ہے ان کا یہ منصوبہ پورا بھی ہو جائے مگر بالآخر یہ عظیم تر اسرائیل ان کے لیے عظیم تر قبرستان ثابت ہوگا (واللہ اعلم!) آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام

دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور آپ ہی کے ہاتھوں اس قوم کی ہلاکت ہوگی۔

اب آخری آیات میں پھر سے قرآن مجید کا ذکر بڑے عظیم الشان انداز میں آرہا ہے:

**آیت ۱۰۵ ﴿وَبِالْحَقِّ أَنْزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ﴾** ”اور اس (قرآن) کو ہم نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور یہ حق کے ساتھ نازل ہوا ہے۔“

یہاں ”حق“ کا لفظ خصوصی اہمیت کا حامل ہے اور اس لفظ کی معنوی تاثیر کو واضح کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اسے دونوں دفعہ خاص طور پر زور دے کر اور واضح کر کے پڑھا جائے۔ اس آیت کا انداز بالکل وہی ہے جو سورۃ الطارق کی ان آیات میں پایا جاتا ہے: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ فَضْلٍ ۝۳۱ وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝۳۲﴾ ”یقیناً یہ (قرآن) قولِ فیصل ہے اور یہ کوئی ہنسی مذاق نہیں ہے۔“ اس مفہوم کی وضاحت ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی اس حدیث نبویؐ میں ملتی ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ﴾<sup>(۱)</sup> ”یقیناً اللہ اس کتاب کی بدولت کئی قوموں کو اٹھائے گا اور کئی دوسری قوموں کو گرائے گا۔“ چنانچہ قرآن کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عروج بخشا اور جب ہم اس کے تارک ہوئے تو اسی جرم کی پاداش میں ہمیں زمین پر ٹپچ دیا گیا:

خوار از مجبورۃ قرآن شدی شکوہ سنج گردش دوراں شدی  
اے چوں شبنم بر زمیں افتدہ در بغل داری کتاب زندہ (اقبال)  
﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر بشارت دینے والا اور خبردار کرنے والا۔“

**آیت ۱۰۶ ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ﴾** ”اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نازل کیا ہے تاکہ آپ اسے لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر سنائیں۔“  
﴿وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا﴾ ”اور ہم نے اس کو اتارنا ہے تھوڑا تھوڑا کر کے!“

قرآن کے مختلف احکام حالات کے عین مطابق مختلف مواقع پر نازل کیے جاتے رہے تاکہ جن آیات یا احکام کی جس وقت ضرورت ہو وہی لوگوں کو پڑھ کر سنائے جائیں۔ جیسے جیسے رسول اللہ ﷺ کی تحریک اور دعوت آگے بڑھتی گئی ویسے ویسے قرآن کے احکام کے ذریعے اس کے لیے فکری رہنمائی مہیا کی جاتی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ پورا قرآن یکبارگی نازل نہیں کیا گیا۔

**آیت ۱۰۷ ﴿قُلْ آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا﴾** ”آپ کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ!“  
﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا﴾ ”یقیناً وہ لوگ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا جب یہ (قرآن) ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے

(۱) صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه ..... وسنن ابن ماجہ، المقدمة، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه۔ وسنن الدارمی، کتاب فضائل القرآن، باب ان الله يرفع بهذا القرآن اقواما ويضع آخرين۔

بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔“

اس آیت میں یہود کے بعض علماء کی طرف اشارہ ہے۔

**آیت ۱۰۸ ﴿وَيَقُولُونَ سُبْحَنَ رَبِّنَا إِن كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا﴾** ”اور وہ کہتے ہیں کہ پاک ہے ہمارا رب یقیناً ہمارے رب کا وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا۔“

جب قرآن کہہ رہا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ علمائے یہود میں لازماً کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اس طرح کے خیالات کے حامل ہوں گے۔ ہجرت سے قبل رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے بارے میں اطلاعات تو یہود مدینہ کو ملتی رہتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی قرآن کی کچھ آیات بھی ان تک ضرور پہنچ چکی ہوں گی۔ اس پس منظر میں ہو سکتا ہے کہ ان کے بعض اہل علم نہ صرف قرآن کو پہچان کر اللہ کے حضور سجدوں میں گرے ہوں بلکہ اُن کی زبانوں پر بے اختیار یہ الفاظ بھی آگئے ہوں کہ اللہ نے جو آخری نبی بھیجے گا وعدہ کر رکھا تھا وہ تو آخر پورا ہونا ہی تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کی طرف اشارہ ہے جو بائبل کی کتاب استثناء کے اٹھارہویں باب کی آیت ۱۸ اور ۱۹ میں ان الفاظ میں آج بھی موجود ہے کہ اے مولیٰ میں ان کے بھائیوں (بنی اسرائیل کے بھائی یعنی بنو اسماعیل) میں تیری مانند ایک نبی اٹھاؤں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا اور وہ لوگوں سے وہی کچھ کہے گا جو میں اسے بتاؤں گا۔

**آیت ۱۰۹ ﴿وَيَخْشَوْنَ لِلْكَذَّابِينَ يَكُونُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا﴾** ”اور وہ گر پڑتے ہیں اپنی ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے اور یہ (قرآن) اضافہ کرتا ہے ان کے خشوع میں۔“

اب وہ دو آخری آیات آرہی ہیں جن کے متعلق آغاز میں بتایا گیا تھا کہ وہ معرفت خداوندی اور توحید ربانی کے عظیم خزانے ہیں۔ اس کے بعد سورۃ الکہف کے آخر میں بھی دو آیات آئیں گی جو ان آیات کی طرح بہت عظیم ہیں۔

**آیت ۱۱۰ ﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ﴾** ”آپ کہہ دیجیے کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر۔“  
**﴿أَيَّامًا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾** ”جس نام سے بھی تم پکارو سب اچھے نام اسی کے ہیں۔“  
 ہر خیر، ہر خوبی، ہر بھلائی، ہر حسن، ہر کمال، ہر جمال جس کا تم تصور کر سکتے ہو وہ بہ تمام و کمال اللہ تعالیٰ کی ذات میں موجود ہے۔

**﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾** ”اور مت بلند کرو آواز اپنی نماز میں اور نہ ہی بہت پست رکھو اس میں بلکہ اس کے بین بین روش اختیار کرو۔“

تمہاری نمازیں اور دعائیں نہ تو بہت زیادہ جہری ہوں نہ بالکل ہی سہی بلکہ ان کے بین بین کی راہ اختیار کرو۔  
**آیت ۱۱۱ ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ﴾** ”اور کہہ دیجیے کہ کل حمد اور کل شکر اللہ ہی کے لیے ہے“

یہ آیت اپنے مضمون کے اعتبار سے سورۃ الاخلاص کی ہم وزن ہے۔ اس میں پانچ مختلف انداز میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور توحید کا بیان ہے۔ اس ضمن میں یہ پہلی بات ہے، یعنی حضور ﷺ کی زبان مبارک سے یہ اعلان



کہ تمام تعریفیں اور ہر قسم کا شکر اللہ ہی کے لیے ہے۔

﴿الَّذِي لَمْ يَخْذْ وَلَدًا﴾ ”جس نے نہیں بنائی کوئی اولاد“

یہ دوسری بات ہے جسے سورۃ الاخلاص میں ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ﴾ کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ ”اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک بادشاہی میں“

تیسری بات اقتدار و اختیار سے متعلق ہے۔ اللہ تعالیٰ تنہا ہر چیز کا مالک و مختار اور مالک الملک ہے۔

اس کے علاوہ کسی کے پاس کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں۔

﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِيلِ﴾ ”اور نہ ہی اس کا کوئی دوست ہے کمزوری کی وجہ سے“

یہ چوتھی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کو اپنی دوستیوں پر قیاس مت کرو۔ تم تو دوستیاں اس لیے پالتے ہو کہ

تم اپنے دوستوں کے محتاج ہوتے ہو۔ انسان دوست اس لیے بناتا ہے کہ وہ ضرورت کے وقت کام آئے گا۔

بعض دفعہ انسان اپنے کسی دوست کی انتہائی ناجائز بات صرف اس لیے ماننے پر مجبور ہوتا ہے کہ کل وہ میری بھی

کوئی ضرورت پوری کرے گا۔ انسان کی یہی کمزوری اسے دوست بنانے اور دوستانہ تعلق نبھانے پر مجبور کرتی ہے

مگر اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی تمام کمزوریوں سے پاک ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ سب اس کے محتاج ہیں۔

چنانچہ اللہ کی دوستی کسی ضرورت کی بنیاد پر نہیں ہوتی اور نہ ہی اللہ کا کوئی دوست اس سے اپنی کوئی بات زبردستی منوا

سکتا ہے۔ پانچویں اور آخری بات بہت اہم ہے:

﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُوا ۖ﴾ ”اُس کی تکبیر کرو جیسے کہ تکبیر کرنے کا حق ہے۔“

یہ ترجمہ (تکبیر کرو) بہت اہم اور توجہ طلب ہے۔ صرف زبان سے ”اللہ اکبر“ کہہ دینے سے اللہ کی تکبیر

نہیں ہو جاتی، اس کے لیے عملی طور پر بھی بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے۔ زبان سے اللہ اکبر کہنا تو تکبیر کا پہلا

درجہ ہے کہ کسی نے زبان سے اقرار کر لیا کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس کے بعد اہم اور کٹھن مرحلہ اپنے تمام

انفرادی اور اجتماعی معاملات میں اللہ کو عملی طور پر بڑا کرنے کا ہے۔ یہ مرحلہ تب طے ہوگا جب ہمارے گھر میں بھی

اللہ کو بڑا تسلیم کیا جائے گا اور گھر کے تمام معاملات میں اسی کی بات مانی جائے گی جب ہماری پارلیمنٹ میں بھی

اس کی بڑائی کو تسلیم کیا جائے گا اور کوئی قانون اس کی شریعت کے خلاف نہیں بن سکے گا جب ہماری عدالتوں میں

بھی اس کی بڑائی کا ڈکھا بجے گا اور تمام فیصلے اسی کے احکامات کی روشنی میں کیے جائیں گے۔ غرض جب تک ہر

چھوٹے بڑے معاملے میں اور ہر کہیں اس کا حکم آخری حکم کے طور پر تسلیم نہیں کیا جائے گا اللہ کی تکبیر کا حق ادا نہیں

ہوگا۔ اللہ کے احکام کو عملی طور پر نافذ نہ کرنے والوں کے لیے سورۃ المائدہ کا یہ حکم بہت واضح ہے: ﴿وَمَنْ لَّمْ

يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۝۳۳ ..... فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝۳۴ ..... فَأُولَٰئِكَ هُمُ

الْفَاسِقُونَ ۝۳۵﴾۔ آج ہم نے اللہ کو (نعوذ باللہ) اپنے تئیں مسجدوں میں بند کر دیا ہے کہ اے اللہ آپ یہیں

رہیں، ہم یہیں پر آکر آپ کی تکبیر کے ترانے گائیں گے آپ کی تسبیح و تحمید کریں گے۔ لیکن مسجد سے باہر ہماری

مجبوریاں ہیں۔ کیا کریں مارکیٹ میں مالی مفادات کے ہاتھوں مجبور ہیں، گھر میں بیوی بڑی ہے، کسی اور جگہ کوئی اور بڑا ہے۔ ایسے حالات میں ہمارے ہاں اللہ کی تکبیر کا مفہوم ہی بدل کر رہ گیا ہے اور اب تکبیر فقط دو الفاظ (اللہ اکبر) پر مشتمل ایک کلمہ ہے، جسے زبان سے ادا کر دیں تو گویا اللہ کی بڑائی کا حق ادا ہو جاتا ہے۔

بَارِكِ اللَّهُ لِي وَلَكُمْ فِي الْقُرْآنِ الْعَظِيمِ ۖ وَنَفَعْنِي وَإِيَّاكُمْ بِالْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ ۝۰

# سُورَةُ الْكَهْفِ

## تمہیدی کلمات

سورۃ الکھف اور سورۃ بنی اسرائیل کا آپس میں جوڑے اور زوجیت کا تعلق ہے۔ دونوں سورتوں کے بارہ بارہ رکوع ہیں اور آیات کی تعداد بھی تقریباً برابر ہے۔ دونوں کے عین وسط میں حضرت آدمؑ اور ابلیس کا واقعہ بیان ہوا ہے اور اس ضمن میں اس حد تک مشابہت ہے کہ نہ صرف دونوں سورتوں کے ساتویں رکوع کا آغاز اس واقعہ سے ہوتا ہے بلکہ دونوں جگہوں پر واقعہ کی ابتدا بھی ایک ہی آیت سے ہو رہی ہے۔ ان کی نسبت زوجیت سے متعلق اہم نکات کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل کے آغاز میں بھی ہو چکا ہے جبکہ میری کتاب ”قرآن حکیم کی سورتوں کے مضامین کا اجمالی تجزیہ“ میں اس مضمون کو مزید جامعیت کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیت اور سورۃ الکھف کی ابتدائی آیت میں ایک خاص ربط و تعلق ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دونوں سورتیں ایک ساتھ قرآن میں وارد ہوئی ہیں اور ریل کے ڈبوں کی طرح باہم inter locked ہیں۔ سورۃ بنی اسرائیل کی آخری آیت کا آغاز ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي.....﴾ کے الفاظ سے ہو رہا ہے یعنی اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد کا حکم دیا جا رہا ہے جبکہ سورۃ الکھف کا آغاز ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي.....﴾ کے الفاظ سے ہو رہا ہے۔ گویا یہاں اس حکم کی تعمیل ہو رہی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

## آیات ۱ تا ۸

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيۤ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهٖ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًاۙ ۚ قَيِّمًا لِّيُنذِرَ بَاسًا شَدِيْدًاۙ ۚ مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنْ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًاۙ ۚ مَا كُنْیَنَ فِيْهِ اَبَدًاۙ ۚ وَيُنذِرُ الَّذِيْنَ قَالُوْا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًاۙ ۚ مَا لَهُمْ بِهِۦ مِنْ عِلْمٍۭ ۚ وَّلَا لِاٰبَائِهِمْۭ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْۭ ۚ اِنْ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًاۙ ۚ فَلَعَلَّكَ بِاَخْعِ نَفْسِكَ عَلٰۤی اٰنَاۙ ۚ لَهُمْ اَنْۢ اِيْهِمْ اَنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِۙ اَسْفَاۙ ۚ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلٰی الْاَرْضِ زِينَةً۬ لِّهَا لِنَبْلُوْهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًاۙ ۚ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْهَا صَعِيْدًاۙ ۚ اَجْرًاۙ ۚ

**آیت ۱** ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَى عَبْدِهِ الْكِتَابَ﴾ ”کل حمد و ثنا اور کل شکر اللہ ہی کے لیے ہے جس نے نازل کی اپنے بندے پر کتاب“

رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو تعلق اور نسبت ہے اسے یہاں لفظ ”عبد“ سے نمایاں فرمایا گیا ہے۔

﴿وَلَمْ يَجْعَلْ لَهُ عِوَجًا ۝۱﴾ ”اور اس میں اُس نے کوئی کجی نہیں رکھی۔“

**آیت ۲** ﴿ثِيَمًا زَيْنَدًا بِأَسَا شَدِيدًا مِّنْ لَّدُنْهُ﴾ ”(یہ کتاب) بالکل سیدھی ہے تاکہ وہ خبردار کرے ایک بہت بڑی آفت سے اُس کی طرف سے“

یعنی نبی اکرم ﷺ پر نزول قرآن کے مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ آپ لوگوں کو ایک بہت بڑی آفت کے بارے میں خبردار کر دیں۔ یہاں لفظ بِأَسَا بہت اہم ہے۔ یہ لفظ واحد ہو تو اس کا مطلب جنگ ہوتا ہے اور جب بطور جمع آئے تو اس کے معنی سختی، مصیبت، بھوک، تکلیف وغیرہ کے ہوتے ہیں۔ جیسے سورۃ البقرۃ کی آیت ۷۷ (آیت البر) میں یہ لفظ بطور واحد بھی آیا ہے اور بطور جمع بھی: ﴿وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ الْبَأْسِ﴾۔ چنانچہ وہاں دونوں صورتوں میں اس لفظ کے معنی مختلف ہیں: ”الْبَأْسَاءِ“ کے معنی فقر و تنگدستی اور مصائب و تکالیف کے ہیں جبکہ ”وَحِينَ الْبَأْسِ“ سے مراد جنگ کا وقت ہے۔

بہر حال آیت زیر نظر میں ”بَأْسًا شَدِيدًا“ سے ایک بڑی آفت بھی مراد ہو سکتی ہے اور بہت شدید قسم کی جنگ بھی۔ آفت کے معنی میں اس لفظ کا اشارہ اس دجالی فتنہ کی طرف ہے جو قیامت سے پہلے ظاہر ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ کوئی نبی اور رسول ایسا نہیں گزرا جس نے اپنی قوم کو دجال کے فتنے سے خبردار نہ کیا ہو، کیونکہ یہ فتنہ ایک مومن کے لیے سخت ترین امتحان ہوگا اور پوری انسانی تاریخ میں اس فتنے سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے۔

دوسری طرف اس لفظ (بَأْسًا شَدِيدًا) کو اگر خاص طور پر جنگ کے معنی میں لیا جائے تو اس سے ”الْمَلْحَمَةُ الْعُظْمَى“ مراد ہے اور اس کا تعلق بھی فتنہ دجال ہی سے ہے۔ کتب احادیث (کتاب الفتن، کتاب آثار القيامة، کتاب الملاحم وغیرہ) میں اس خوفناک جنگ کا ذکر بہت تفصیل سے ملتا ہے۔ عیسائی روایات میں اس جنگ کو ”ہرمجدون“ (Armageddon) کا نام دیا گیا ہے۔ بہر حال حضرت مسیح علیہ السلام کے تشریف لانے اور ان کے ہاتھوں دجال کے قتل کے بعد اس فتنہ یا جنگ کا خاتمہ ہوگا۔

بہت سی احادیث میں ہمیں یہ وضاحت بھی ملتی ہے کہ دجالی فتنہ کے ساتھ سورۃ الکھف کی ایک خاص مناسبت ہے اور اس فتنہ کے اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے اس سورۃ کے ساتھ ذہنی اور قلبی تعلق قائم کرنا بہت مفید ہے۔ اس مقصد کے لیے احادیث میں جمعہ کے روز سورۃ الکھف کی تلاوت کرنے کی تلقین فرمائی گئی ہے اور اگر پوری سورت کی تلاوت نہ کی جاسکے تو کم از کم اس کی ابتدائی اور آخری آیات کی تلاوت کرنا بھی مفید بتایا گیا ہے۔

یہاں پر دجالی فتنہ کی حقیقت کے بارے میں کچھ وضاحت بھی ضروری ہے۔ ”دجل“ کے لفظی معنی دھوکہ

اور فریب کے ہیں۔ اس مفہوم کے مطابق ”دجال“ ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بہت بڑا دھوکے باز ہو جس نے دوسروں کو دھوکا دینے کے لیے جھوٹ اور فریب کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔ اس لیے نبوت کے جھوٹے دعوے داروں کو بھی دجال کہا گیا ہے۔ چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے جن میں دجالوں کی پیدائش کی خبر دی ہے ان سے جھوٹے نبی ہی مراد ہیں۔

دجالیت کے اس عمومی مفہوم کو مد نظر رکھا جائے تو آج کے دور میں مادہ پرستی بھی ایک بہت بڑا دجالی فتنہ ہے۔ آج لوگوں کے اذہان و قلوب، نظریات و افکار اور اخلاق و اقدار پر مادیت کا اس قدر غلبہ ہو گیا ہے کہ انسان اللہ کو بھول چکا ہے۔ آج وہ مسبب الاسباب کو بھول کر مادی اسباب پر توکل کرتا ہے۔ وہ قرآن کے اس فرمان کو یکسر فراموش کر چکا ہے کہ: ﴿وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعٌ الْغٰوِرُۙۤۤۛ﴾ (آل عمران) یعنی دنیوی زندگی محض دھوکے کا سامان ہے جبکہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔ آخرت کی زندگی پر پڑے ہوئے دنیا اور اس کی مادیت کے پردے سے دھوکا کھا کر انسان نے دنیوی زندگی ہی کو اصل سمجھ لیا ہے لہذا اس کی تمام دوز دھوپ اسی زندگی کے لیے ہے۔ اسی زندگی کے مستقبل کو سنوارنے کی اس کو فکر ہے اور یوں وہ مادہ پرستی کے دجالی فتنے میں گرفتار ہو چکا ہے۔

اس کے علاوہ دجال اور دجالی فتنے کا ایک خصوصی مفہوم بھی ہے۔ اس مفہوم میں اس سے مراد ایک مخصوص فتنہ ہے جو قرب قیامت کے زمانے میں ایک خاص شخصیت کی وجہ سے ظہور پذیر ہوگا۔ اس بارے میں کتب احادیث میں بڑی تفصیلات موجود ہیں، لیکن بعض روایات میں کچھ پیچیدگیاں بھی ہیں اور تضادات بھی۔ ان کو سمجھنے کے لیے اعلیٰ علمی سطح پر غور و فکر کی ضرورت ہے کیونکہ ظاہری طور پر نظر آنے والے تضادات میں مطابقت کے پہلوؤں کو تلاش کرنا اہل علم کا کام ہے۔ بہر حال یہاں ان تفصیلات کا ذکر اور ان پر تبصرہ کرنا ممکن نہیں۔ اس موضوع کے بارے میں یہاں صرف اس قدر جان لینا ہی کافی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرب قیامت کے زمانے میں دجال کے ظاہر ہونے اور ایک بہت بڑا فتنہ اٹھانے کے بارے میں خبریں دی ہیں۔ جو حضرات اس حوالے سے تفصیلی معلومات چاہتے ہوں وہ مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب ”تفسیر سورۃ الکھف“ کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ اس موضوع پر ”دنیا کی حقیقت“ کے عنوان سے میری ایک تقریر کی ریکارڈنگ بھی دستیاب ہے جس میں میں نے سورۃ الکھف کے مضامین کا خلاصہ بیان کیا ہے۔

﴿وَيَسِّرْهُ لِمُؤْمِنِيۢنَ الَّذِيۡنَ يَعْمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اِنَّ لَهُمۡ اَجْرًا حَسَنًاۙ﴾ ”اور (تاکہ) وہ بشارت دے اُن اہل ایمان کو جو نیک عمل کرتے ہوں کہ ان کے لیے ہوگا بہت اچھا بدلہ۔“

**آیت ۳ ﴿مَا كَيْفِيۡنَ فِيْهِ اَبَدًاۙ﴾** ”وہ اس میں رہیں گے ہمیشہ ہمیش۔“

**آیت ۴ ﴿وَيُنۡذِرُ الَّذِيۡنَ قَالُوۡۤا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًاۙ﴾** ”اور خبردار کر دے اُن لوگوں کو جنہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے۔“

دورِ حاضر کی دجالیت کی اصل جڑ موجودہ مسیحیت ہے جس کی بنیاد تثلیث پر رکھی گئی ہے اور اب اسے

مسیحیت کے بجائے Paulism کہنا زیادہ درست ہے۔ اس میں سب سے پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا گیا۔ پھر اس میں کفارے کا عقیدہ شامل کیا گیا کہ جو کوئی بھی حضرت مسیحؑ پر ایمان لائے گا اسے تمام گناہوں سے بیگنی معافی مل جائے گی۔ اس کے بعد شریعت کو ساقط کر کے اس سلسلے میں تمام اختیارات پوپ کو دے دیے گئے، کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال قرار دے اور جس کو چاہے حرام۔ ان تحریفات کی وجہ سے یورپ میں عام لوگوں کو لفظ ”مذہب“ سے ہی شدید نفرت ہو گئی۔ پھر جب ہسپانیہ میں مسلمانوں کے زیر اثر جدید علوم کو فروغ ملا تو فرانس، اٹلی، جرمنی وغیرہ کے بے شمار نوجوانوں نے قرطبہ، غرناطہ اور طلیطلہ کی یونیورسٹیوں میں داخلہ لیا۔ یہ نوجوان حصول تعلیم کے بعد جب اپنے اپنے ممالک میں واپس گئے تو یورپ میں ان کی نئی فکر کی وجہ سے اصلاح مذہب (Reformation) اور احیائے علوم (Renaissance) کی تحریکات شروع ہوئیں۔ ان کی وجہ سے یورپ کے عام لوگ جدید علوم کی طرف راغب تو ہوئے مگر معاشرے میں پہلے سے موجود مذہب مخالف جذبات کی وجہ سے مذہب دشمنی خود بخود اس تحریک میں شامل ہو گئی۔ نتیجتاً جدید علوم کے ساتھ مذہب سے بیزاری، روحانیت سے لاتعلقی، آخرت سے انکار اور خدا کے تصور سے بیگانگی جیسے خیالات بھی یورپی معاشرے میں مستقلاً جڑ پکڑ گئے اور یہ سب کچھ عیسائیت میں کی جانے والی مذکورہ تحریفات کا رد عمل تھا۔ آیت زیر نظر میں انہی لوگوں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے یہ عقیدہ ایجاد کیا تھا کہ مسیحؑ (نعوذ باللہ) اللہ کا بیٹا ہے۔

**آیت ۵ ﴿مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِابَائِهِمْ﴾** ”انہیں اس کے بارے میں کچھ بھی علم نہیں اور نہ ہی ان کے آباء و اجداد کو تھا۔“

انہوں نے یہ جو عقیدہ ایجاد کیا ہے اس کی نہ تو ان کے پاس کوئی علمی سند ہے اور نہ ہی ان کے آباء و اجداد کے پاس تھی۔

**﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ﴾** ”بہت بڑی بات ہے جو ان کے منہوں سے نکل رہی ہے۔“  
یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اولاد منسوب کر کے اس کی شان میں بہت بڑی گستاخی کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

**﴿إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا﴾** ”وہ نہیں کہتے مگر سراسر جھوٹ۔“

**آیت ۶ ﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا﴾** ”تو (اے نبی ﷺ!) آپ شاید اپنے آپ کو غم سے ہلاک کر لیں گے ان کے پیچھے، اگر وہ ایمان نہ لائے اس بات (قرآن) پر۔“

تثلیث جیسے غلط عقائد کے جو بھیا تک نتائج مستقبل میں نسل انسانی کے لیے متوقع تھے ان کے تصور اور ادراک سے رسول اللہ ﷺ پر شدید دباؤ تھا۔ آپؐ خوب سمجھتے تھے کہ اگر یہ لوگ قرآن پر ایمان نہ لائے اور اپنے موجودہ مذہب پر ہی قائم رہے تو ان کے غلط عقائد کے سبب دنیا میں دجالیت کا فتنہ جنم لے گا جس کے اثرات نسل انسانی کے لیے تباہ کن ہوں گے۔ یہی غم تھا جو آپؐ کی جان کو گھلائے جا رہا تھا۔

**آیت ۷ ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا﴾** ”یقیناً ہم نے بنا دیا ہے جو کچھ زمین پر ہے اسے اس کا

بناؤ سنگھار“

یہاں یہ نکتہ ذہن نشین کر لیجئے کہ لفظ ”زینت“ اور دُنیوی آرائش و زیبائش کا موضوع اس سورت کے مضامین کا عمود ہے۔ یعنی دنیا کی رونق، چمک دمک اور زیب و زینت میں انسان اس قدر کھوجاتا ہے کہ آخرت کا اسے بالکل خیال ہی نہیں رہتا۔ دنیا کی یہ رنگینیاں امریکہ اور یورپ میں اس حد تک بڑھ چکی ہیں کہ انہیں دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور انسان اس سب کچھ سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہم امریکی اور یورپی اقوام کی علمی ترقی سے متاثر اور ان کے مادی اسباب و وسائل سے مرعوب ہیں۔ اپنی اسی مرعوبیت کے باعث ہم ان کی لادینی تہذیب و ثقافت کے بھی دلدادہ ہیں اور ان کے طرز معاشرت کو اپنانے کے بھی درپے ہیں۔

﴿لَبَلُّوْهُمْ اَيْهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ ”تا کہ انہیں ہم آزمائیں کہ ان میں کون بہتر ہے عمل میں۔“ دُنیا کے یہ ظاہری ٹھاٹھ باٹھ دراصل انسان کی آزمائش کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ ایک طرف دنیا کی یہ سب دلچسپیاں اور رنگینیاں ہیں اور دوسری طرف اللہ اور اس کے احکام ہیں۔ انسان کے سامنے یہ دونوں راستے کھلے چھوڑ کر دراصل یہ دیکھنا مقصود ہے کہ وہ ان میں سے کس کا انتخاب کرتا ہے۔ دنیا کی رنگینیوں میں کھوجاتا ہے یا اپنے خالق و مالک کو پہچانتے ہوئے اس کے احکام کی تعمیل کو اپنی زندگی کا اصل مقصود سمجھتا ہے۔ اس سلسلے میں کسی شاعر کا یہ شعر اگرچہ شانِ باری تعالیٰ کے لائق تو نہیں مگر اس مضمون کی وضاحت کے لیے بہت خوب ہے:

زُبح روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں

ادھر آتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ جاتا ہے!

اب جس پروانے (انسان) کو اس شمع کی ظاہری روشنی اور چمک اپنی طرف کھینچ لے گئی تو وہ ﴿فَقَدْ خَسِرَ خُسْرًا مُّبِينًا﴾ (النساء) کے مصداق تباہ و برباد ہو گیا اور جو اس کی ظاہری اور وقتی چمک چونکہ کو نظر انداز کر کے حسن ازلی اور اللہ کے جلال و کمال کی طرف متوجہ ہو گیا وہ حقیقی کامیابی اور دائمی نعمتوں کا مستحق ٹھہرا۔

آیت ۸ ﴿وَإِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْنَهَا صٰعِبًا جُورًا﴾ ”اور یقیناً ہم بنا کر رکھ دیں گے جو کچھ اس (زمین) پر ہے اسے ایک چٹیل میدان۔“

قیامت برپا ہونے کے بعد اس زمین کی تمام آرائش و زیبائش ختم کر کے اسے ایک صاف ہموار میدان میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ نہ پہاڑ اور سمندر باقی رہیں گے اور نہ یہ حسین و دلکش عمارات۔ اس وقت زمین کی سطح ایک ایسے کھیت کا منظر پیش کر رہی ہوگی جس کی فصل کٹ چکی ہو اور اس میں صرف بچا کھچا سوکھا چورا ادھر ادھر بکھرا پڑا ہو۔

## آیات ۹ تا ۱۶

أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيِّمَ ۖ كَانُوا مِن آيَاتِنَا عَجَبًا ۚ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ۚ فَضَرَبْنَا عَلَى

أَذَانُهُمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ۖ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِيَاسِنُهُوَ  
 أَمَدًا ۖ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۖ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَرَدُّنَاهُمْ وَهُدًى  
 وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنُذْعَرُّهُ مِنْ دُونِهِ  
 إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذَا شَطَطًا ۖ هَؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً لَّوَلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمُ  
 بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ۖ وَإِذْ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا  
 يُعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ فَأَوْا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ  
 مَرْفَقًا ۝

**آیت ۹** ﴿اَمْ حَسِبْتَ اَنْ اَصْحَبُ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝﴾ ”کیا تم سمجھتے ہو کہ

غار اور رقیم (مختی) والے اصحاب ہماری بہت عجیب نشانیوں میں سے تھے؟“

اب اصحاب کھف کے متعلق اس سوال کے جواب کا آغاز ہو رہا ہے جو یہ مدینہ نے قرآن مجید کے ذریعے  
 حضور ﷺ سے پوچھا تھا۔ کھف کے معنی غار کے ہیں اور رقیم سے مراد وہ مختی ہے جس پر اصحاب کھف کے حالات  
 لکھ کر اسے غار کے دہانے پر لگا دیا گیا تھا۔ اس نسبت سے انہیں اصحاب کھف بھی کہا جاتا ہے اور اصحاب الرقیم  
 بھی۔ مراد یہ ہے کہ تم لوگ شاید اصحاب کھف کے واقعہ کو ایک بہت غیر معمولی واقعہ اور ہماری ایک بڑی عجیب نشانی  
 سمجھتے ہو، مگر تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ہماری تخلیق اور صنایع میں تو اس سے بھی بڑے بڑے عجائبات موجود ہیں۔

اس قصے کے بارے میں اب تک جو ٹھوس حقائق ہمارے سامنے آئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے: حضرت  
 مسیح علیہ السلام کی فلسطین میں بعثت کے وقت بظاہر یہاں ایک یہودی بادشاہ کی حکمرانی تھی مگر اس بادشاہ کی حیثیت ایک  
 کٹھ پتلی سے زیادہ نہ تھی اور عملی طور پر یہ پورا علاقہ رومن ایمپائر ہی کا حصہ تھا۔ رومی حکمران مذہب پرست تھے  
 جبکہ فلسطین کے مقامی باشندے اہل کتاب (یہودی) تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے ہجرت سماوی کا واقعہ ۳۰ اور ۳۳  
 عیسوی کے لگ بھگ پیش آیا۔ اس کے بعد یہودیوں کی ایک بغاوت کے جواب میں رومی جنرل ٹائیٹس نے  
 ۷۰ عیسوی میں یروشلم پر حملہ کر کے اس شہر کو بالکل تباہ و برباد کر دیا، یہی سلیمانی مسمار کر دیا گیا، یہودیوں کا قتل عام  
 ہوا اور جو یہودی قتل ہونے سے بچ گئے انہیں ملک بدر کر دیا گیا۔ مقامی عیسائیوں کو اگرچہ علاقے سے بے دخل  
 تو نہ کیا گیا مگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار اور موحد ہونے کی وجہ سے انہیں رومیوں کی طرف سے اکثر ظلم و ستم کا  
 نشانہ بنایا جاتا رہا۔ اسی حوالے سے رومی بادشاہ دقیا نوس (Decius) کے دربار میں چند راسخ العقیدہ موحد  
 نوجوانوں کی پیشی ہوئی۔ بادشاہ کی طرف سے ان نوجوانوں پر واضح کیا گیا کہ وہ اپنے عقائد کو چھوڑ دے ورنہ  
 اختیار کر لیں ورنہ انہیں سولی پر چڑھا دیا جائے گا۔ بادشاہ کی طرف سے انہیں اس فیصلے کے لیے مناسب مہلت  
 دی گئی۔ اسی مہلت کے دوران انہوں نے شہر سے نکل کر کسی غار میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا۔ جب یہ لوگ غار میں پناہ  
 گزین ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ان پر ایسی نیند طاری کر دی کہ وہ تقریباً تین سو سال تک سوتے



رہے۔ (سورۃ البقرۃ آیت ۲۵۹ میں بھی اسی نوعیت کے ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو ان کی موت کے سوسال بعد زندہ کر دیا گیا) اور ان کی نیند کے دوران ان کی کروٹیں بدلنے کا بھی باقاعدہ اہتمام رہا۔ جس غار میں اصحاب کھف سو رہے تھے وہ ایسی جگہ پر واقع تھی جہاں لوگوں کا آنا جانا بالکل نہیں تھا۔ اس غار کا دہانہ شمال کی جانب تھا جس کی وجہ سے اس کے اندر روشنی منعکس ہو کر تو آتی تھی، لیکن براہ راست روشنی یا دھوپ نہیں آتی تھی۔ اس طرح کے غاروں کا ایک سلسلہ افسس شہر (موجودہ ترکی) کے علاقے میں پایا جاتا ہے جبکہ ہندوستان (اسکچٹا) میں بھی ایسے غار موجود ہیں۔

بعد ازاں قسطنطین (Constantine) نامی فرمانروا نے عیسائیت قبول کر لی اور اس کی وجہ سے پوری رومن ایمپائر بھی عیسائی ہو گئی۔ پھر ۳۰۰ عیسوی کے لگ بھگ Theodosius کے عہد حکومت میں اللہ تعالیٰ نے اصحاب کھف کو جگایا۔ جاگنے کے بعد انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو چاندی کا ایک سکہ دے کر کھانا لینے کے لیے شہر بھیجا اور ساتھ ہدایت کی کہ وہ محتاط رہے ایسا نہ ہو ان کے غار میں چھپنے کی خبر بادشاہ تک پہنچ جائے۔ (وہ اپنی نیند کو معمول کی نیند سمجھ رہے تھے اور ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ تین سوسال تک سوئے رہے تھے۔) بہر حال کھانا لانے کے لیے جانے والا ان کا ساتھی اپنی تین سوسال پرانی وضع قطع اور کرنسی کی وجہ سے پکڑا گیا اور یوں ان کے بارے میں تمام معلومات لوگوں تک پہنچ گئیں۔ جب لوگوں کو حقیقت حال کا علم ہوا تو ہم مذہب ہونے کی وجہ سے عیسائی آبادی کی طرف سے ان کی بہت عزت افزائی کی گئی۔ اس کے بعد وہ لوگ غار میں پھر سے سو گئے یا اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔ ان لوگوں کی طبعی موت کے بعد غار کے دہانے کو بند کر دیا گیا اور ایک تختی پر ان لوگوں کا احوال لکھ کر اسے اس جگہ پر نصب کر دیا گیا۔ اصحاب کھف کا یہ قصہ گبن کی کتاب The Decline and fall of Roman Empire میں بھی Seven Sleepers کے عنوان سے موجود ہے۔ اس قصے کا ذکر چونکہ رومن لٹریچر میں تھا اور یہودی ان تمام تفصیلات سے آگاہ تھے اس لیے انہوں نے یہ سوال حضور ﷺ سے امتحاناً پوچھ بھیجا تھا۔

**آیت ۱۰ ﴿اِذْ اٰوٰی الْفِتْيَةُ اِلَى الْكُهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا﴾** ”جبکہ ان نوجوانوں نے غار میں پناہ لی اور انہوں نے کہا: اے ہمارے رب! تو ہمیں عطا فرما اپنے پاس سے رحمت اور آسان فرما دے ہمارے لیے ہمارے معاملات میں عافیت کا راستہ۔“

**آیت ۱۱ ﴿فَضَرَبْنَا عَلٰی اٰذَانِهِمْ فِی الْكُهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا﴾** ”تو ہم نے تھکی دے دی ان کے کانوں پر غار میں کئی سال کے لیے۔“

یعنی ہم نے غار کے اندر متعدد سال تک انہیں سلائے رکھا۔ یہاں پر یہ بحث نہیں چھیڑی گئی کہ کتنے سال تک انہیں نیند کی حالت میں رکھا گیا۔

**آیت ۱۲ ﴿ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ اَنۡیَ الْحَزْبِیۡنِ اَحْطٰیۤ لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا﴾** ”پھر ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ

ہم دیکھیں کہ دو گروہوں میں سے کس کو بہتر معلوم ہے کہ کتنا عرصہ وہ وہاں رہے تھے۔“  
ان دو گروہوں سے کون لوگ مراد ہیں اس کا ذکر آگے آئے گا۔

**آیت ۱۳** ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ﴾ ”ہم سنا رہے ہیں آپ کو ان کا قصہ حق کے ساتھ۔“

یہ واقعہ جیسے وقوع پذیر ہوا تھا بالکل ویسے ہی ہم آپ کو بلا کم و کاست سنانے جا رہے ہیں۔

﴿إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى﴾ ”وہ چند نوجوان تھے جو ایمان لائے اپنے رب پر

اور ہم نے خوب بڑھایا تھا انہیں ہدایت میں۔“

**آیت ۱۴** ﴿وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا﴾ ”اور ہم نے مضبوط کر دیا ان کے دلوں کو جب وہ (بادشاہ

کے سامنے) کھڑے ہوئے“

﴿فَقَالُوا رَبَّنَا رَبِّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَنْ نَدْعُوَا مِنْ دُونِهَا لَقَدْ قُلْنَا إِذْ شَطَطًا﴾ ”تو

انہوں نے کہا کہ ہمارا رب تو وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اُس کے سوا کسی اور کو معبود (اگر ایسا ہوا) تب تو ہم بہت غلط بات کہیں گے۔“

جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے دربار میں ڈٹ کر حق بات کہی تھی ویسے ہی ان نوجوانوں نے بھی علی الاعلان کہا کہ ہم رب کا نجات کو چھوڑ کر کسی دیوی یا دیوتا کو اپنا رب ماننے کو تیار نہیں ہیں۔

**آیت ۱۵** ﴿هُؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”ہماری اس قوم نے بنا لیے ہیں اُس کے سوا

دوسرے معبود۔“

﴿لَوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍ بَيِّنٍ﴾ ”تو کیوں نہیں پیش کرتے وہ ان کے بارے میں کوئی

واضح دلیل؟“

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کوئی دلیل یا سند وہ اپنے اس دعوے کے ساتھ کیوں پیش نہیں کرتے؟

﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا﴾ ”تو اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے

اللہ پر جھوٹ باندھا!“

شاہی دربار میں اس تند و تیز مکالمے کے بعد جب انہیں چند دن کی مہلت کے ساتھ اپنا دین چھوڑنے یا موت کا سامنا کرنے کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دے دیا گیا تو وہ آپس میں یوں مشورہ کرنے لگے:

**آیت ۱۶** ﴿وَإِذْ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يُعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهُ فَأَوَّا إِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرُ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِنْ رَحْمَتِهِ

وَيَهَيِّئْ لَكُمْ مِنْ أَمْرِكُمْ مَرْفَقًا﴾ ”اور اب جبکہ تم نے خود کو ان لوگوں سے اور جن کی وہ اللہ کے سوا

پرستش کرتے ہیں ان سے علیحدہ کر لیا ہے تو اب کسی غار میں پناہ لے لو تمہارا رب پھیلا دے گا تمہارے

لیے اپنی رحمت اور تمہارے معاملے میں تمہارے لیے سہولت کا سامان پیدا فرما دے گا۔“

## آیات ۲۶ تا ۷۶

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزُورُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۚ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُضِلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا ۖ وَتَحْسَبُهُمْ آيَاتًا ۖ وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقِلَهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ ۚ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۚ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَآ لَكُنْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۖ وَكَذَٰلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لِيَتَسَاءَلُوا بَيْنَهُمْ ۚ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۚ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضُ يَوْمٍ ۚ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۚ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْبَدْيَةِ ۚ فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ ۚ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ۖ إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلَحُوا إِذَا أُنْذِرْتُمْ ۚ وَكَذَٰلِكَ أَعِزَّنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرُهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ بُيُوتًا ۚ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَسْجِدًا ۖ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجُبًا بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ قُلْ رَبِّي أَعْلَمُ بِعَدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ فَلَا تَبَارِكُ فِيهِمُ الْآمِرَاءُ ظَاهِرًا ۖ وَلَا يَسْتَفِيدُ فِيهِمْ مَنَّهُمْ أَحَدٌ ۚ وَلَا تَقُولَنَّ لَشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ۖ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۚ وَادْكُرْ رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِّي رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَٰذَا رَشْدًا ۖ وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ۖ قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوا ۚ لَهُ غَيْبُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ ۚ مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ ۚ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدٌ ۖ

آیت ۷۶ ﴿وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزُورُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ﴾ ”اور تم سورج کو دیکھتے

کہ جب وہ طلوع ہوتا تو اُن کی غار سے دائیں طرف ہٹ جاتا“

﴿وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ﴾ ”اور جب وہ غروب ہوتا تو بائیں جانب ان سے

کٹی کتر جاتا“

یعنی اس غار کا شمال کی طرف تھا جس کی وجہ سے سورج کی براہ راست روشنی یا دھوپ اس میں دن کے کسی وقت بھی نہیں پڑتی تھی۔ ہمارے ہاں بھی دھوپ اور سائے کا یہی اصول کارفرما ہے۔ سورج کسی بھی موسم میں شمال

کی طرف نہیں جاتا۔ اسی اصول کے تحت کارخانوں وغیرہ کی بڑی بڑی عمارات میں یہاں north light shells کا اہتمام کیا جاتا ہے تاکہ ایسے shells سے روشنی تو بلندنگ میں آئے مگر دھوپ براہ راست نہ آئے۔

﴿وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ﴾ ”اور وہ اس کی کھلی جگہ میں (لیٹے ہوئے) تھے۔“

یعنی غار اندر سے کافی کشادہ تھی اور اصحاب کھف اس کے اندر کھلی جگہ میں سوئے ہوئے تھے۔

﴿ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ﴾ ”یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے۔“

﴿مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضِلِّ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا﴾ ”جسے اللہ ہدایت دیتا

ہے وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے اور جسے وہ گمراہ کر دے تو اُس کے لیے تم نہیں پاؤ گے کوئی مددگار راہ پر لانے والا۔“

**آیت ۱۸** ﴿وَنَحْسَبُهُمْ آيِقَاطًا وَهُمْ رُقُودٌ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ﴾ ”اور (اگر تم

انہیں دیکھتے تو) تم سمجھتے کہ وہ جاگ رہے ہیں حالانکہ وہ سو رہے تھے اور ہم ان کی کروٹیں بھی بدلتے

رہے دائیں اور بائیں“

گویا اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ان کی دیکھ بھال کے لیے زسنگ ڈیوٹی پر مامور کر رکھا تھا جو وقفے وقفے سے

ان کی کروٹیں بدلتے رہے تاکہ سالہا سال تک ایک ہی پہلو پر لیٹے رہنے سے وہ bed sores جیسی کسی تکلیف

سے محفوظ رہیں۔

﴿وَكَلْبُهُمْ بِاسِطٍ ذِرَاعِيهِ بِالْوَصِيدِ﴾ ”اور اُن کا کُتّا اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے ہوئے

(بیٹھا) تھا دہلیز پر“

اس دوران ان کا کُتّا اپنی اگلی دونوں ٹانگیں سامنے پھیلا کر کُتوں کے بیٹھنے کے مخصوص انداز میں غار کے

دہانے پر بیٹھا رہا۔

﴿لَوْ اَظْلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلَمْتَ مِنْهُمْ رُفْعًا﴾ ”اگر تم ان پر جھانکتے تو ان

سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے اور تم پر ان کی طرف سے ہیبت طاری ہو جاتی۔“

ایک دیرانے میں اندھیری غار اور اُس کے سامنے اپنے بازو پھیلائے بیٹھا ہوا ایک خوفناک کُت! یہ ایک

ایسا منظر تھا جسے جو بھی دیکھتا ڈر کے مارے وہاں سے بھاگنے میں ہی عافیت سمجھتا۔

**آیت ۱۹** ﴿وَكَذَلِكَ بَعَثْنَاهُمْ لَيَتَسَاءَلُوْا بَيْنَهُمْ﴾ ”اور اسی طرح ہم نے انہیں اٹھایا تاکہ وہ آپس میں

ایک دوسرے سے پوچھیں۔“

﴿قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ﴾ ”ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا کہ تم کتنا عرصہ یہاں رہے

ہو گے؟“

﴿قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ﴾ ”کچھ بولے کہ ہم رہے ہیں

ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔ کچھ (دوسرے) بولے کہ تمہارا رب خوب جانتا ہے تم کتنا عرصہ رہے ہو!“

جب کچھ ساتھیوں نے اپنی رائے کا اظہار کیا کہ انہوں نے ایک دن یا اس سے کچھ کم وقت نیند میں گزارا ہے تو ان کے جواب پر کچھ دوسرے ساتھی بول پڑے کہ اس بحث کو چھوڑ دو! اللہ کو سب پتا ہے کہ تم لوگ یہاں کتنا عرصہ تک سوئے رہے ہو۔

﴿فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هَذِهِ إِلَى الْمَدِينَةِ﴾ ”اب تم بھیجو اپنے میں سے ایک (ساتھی) کو اپنے اس چاندی کے ٹکے کے ساتھ شہر کی طرف“

﴿فَلْيَنْظُرْ أَيُّهَا أَزْكَى طَعَامًا فَلْيَأْكُلْهُ بِرِزْقٍ مِنْهُ﴾ ”تو وہ دیکھے کہ شہر کے کس حصے سے زیادہ پاکیزہ کھانا ملتا ہے اور وہ وہاں سے تمہارے لیے کچھ کھانا لے آئے۔“

ظاہر ہے کہ اپنے اعتقاد اور نظریے کے مطابق انہیں پاکیزہ کھانا ہی چاہیے تھا۔

﴿وَلْيَتَلَطَّفْ﴾ ”اور وہ نرمی کا معاملہ کرے“

یعنی جو ساتھی کھانا لینے کے لیے جائے وہ لوگوں سے بات چیت اور لین دین کرتے ہوئے خصوصی طور پر اپنا رویہ نرم رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کسی سے جھگڑ پڑے اور اس طرح ہم سب کے لیے کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے۔ یہاں پر نوٹ کر لیجیے کہ قرآن کے حروف کی گنتی کے اعتبار سے لفظ وَلْيَتَلَطَّفْ کی ”ت“ پر قرآن کا نصف اوّل پورا ہو گیا ہے اور اس کے بعد لفظ ”ل“ سے نصف ثانی شروع ہو رہا ہے۔

﴿وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا﴾ ”اور وہ آگاہ نہ کر دے تمہارے بارے میں کسی کو۔“

**آیت ۲۰** ﴿إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعَذِّبُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذَا ابْتَدَأُوا﴾ ”کیونکہ اگر انہوں نے تم پر قابو پا لیا تو وہ تمہیں سنگسار کر دیں گے یا تمہیں واپس لے جائیں گے اپنے دین میں اور تب تو تم کبھی بھی فلاح نہیں پاسکو گے۔“

اگر انہوں نے تمہیں مجبور کر دیا کہ تم پھر سے ان کا دین قبول کر لو تو ایسی صورت میں تم ہمیشہ کے لیے ہدایت سے دور ہو جاؤ گے۔

**آیت ۲۱** ﴿وَكَذَلِكَ أَعْتَرْنَا عَلَيْهِمْ﴾ ”اور اس طرح ہم نے مطلع کر دیا (لوگوں کو) ان پر“

چنانچہ اصحاب کہف کا ایک ساتھی جب کھانا لینے کے لیے شہر گیا تو اپنے لباس، حلیے اور کرسی وغیرہ کے باعث فوری طور پر اسے پہچان لیا گیا کہ وہ موجودہ زمانے کا انسان نہیں ہے۔ پھر جب اس سے تفتیش کی گئی تو سارا راز کھل گیا۔ اس وقت اگرچہ اس واقعہ کو تین سو سال سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا مگر اس کے باوجود یہ بات ابھی تک لوگوں کے علم میں تھی کہ فلاں بادشاہ کے ڈر سے اس شہر سے سات آدمی کہیں روپوش ہو گئے تھے اور پوری مملکت میں تلاشِ بے سار کے باوجود کہیں ان کا سراغ نہ مل سکا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی لوگوں کے علم میں تھی کہ اس پورے واقعے کو ایک سختی پر لکھ کر ریکارڈ کے طور پر شاہی خزانے میں محفوظ کر لیا گیا تھا۔ لہذا اصحاب کہف کے ساتھی سے ملنے والی معلومات کی تصدیق کے لیے جب مذکورہ سختی ریکارڈ سے نکلوا کی گئی تو اس پر اس واقعہ کی تمام تفصیلات لکھی ہوئی مل گئیں اور یوں یہ واقعہ پوری وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے آ گیا۔

﴿لَيَعْلَمُوْا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا﴾ ”تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور یہ کہ قیامت کے بارے میں ہرگز کوئی شک نہیں۔“

یہ واقعہ گویا بعث بعد الموت کے بارے میں ایک واضح دلیل تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے تین سو سال تک ان لوگوں کو سلائے رکھا اور پھر اٹھا کھڑا کیا تو اُس کے لیے مردوں کا دوبارہ زندہ کرنا کیونکر ممکن نہیں ہوگا؟

﴿اِذْ يَتَنَزَّلُ عَلٰی بَنِيْٓاٰدَمَ رَبُّهُمْ اَمْرُهُمْ﴾ ”جب وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے ان کے معاملے میں“ اس کے بعد اصحاب کھف تو اپنی غار میں پہلے کی طرح سو گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر حقیقی موت وارد کر دی لیکن لوگوں کے درمیان اس بارے میں اختلاف پیدا ہو گیا کہ ان کے بارے میں حتمی طور پر کیا معاملہ کیا جائے۔  
﴿فَقَالُوْا ابْنُوْا عَلٰیہُمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِہُمْ﴾ ”چنانچہ کچھ لوگوں نے کہا کہ تعمیر کر دو ان پر ایک عمارت (بطور یادگار) ان کا رب ان سے بہتر واقف ہے۔“

کچھ لوگوں نے رائے دی کہ اس معاملہ کی اہمیت کے پیش نظر یہاں ایک شاندار یادگار تعمیر کی جانی چاہیے۔  
﴿قَالَ الَّذِیْنَ عَلَبُوْا عَلٰی اٰمْرِہُمْ لَنَنصَحَنَّ عَلٰیہُمْ مِّنْجِدًا﴾ ”جو لوگ غالب آئے اپنی رائے کے اعتبار سے انہوں نے کہا کہ ہم بنائیں گے ان (کی غار) پر ایک مسجد۔“

**آیت ۲۲** ﴿سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ ”اب یہ لوگ کہیں گے کہ وہ تین تھے اُن کا چوتھا اُن کا کُتّا تھا اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ پانچ تھے اُن کا چھٹا اُن کا کُتّا تھا یہ سب تیر تھے چار رہے ہیں اندھیرے میں اور کچھ لوگ کہیں گے کہ وہ سات تھے اور ان کا آٹھواں اُن کا کُتّا تھا۔“

﴿قُلْ رَبِّیْ اَعْلَمُ بِعَدَّتِہُمْ مَا یَعْلَمُہُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ﴾ ”آپ کہیے: میرا رب بہتر جانتا ہے ان کی تعداد کو نہیں جانتے ان (کے معاملے) کو مگر بہت تھوڑے لوگ۔“

قرآن مجید میں ان کی تعداد کے بارے میں صراحت تو نہیں کی گئی مگر اکثر مفسرین کے مطابق بین السطور میں آخری رائے کے درست ہونے کے شواہد موجود ہیں۔ اس میں ایک نکتہ تو یہ ہے کہ پہلے فقرے ﴿ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ اور دوسرے فقرے ﴿خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ کے درمیان میں ”و“ نہیں ہے جبکہ تیسرے فقرے میں ﴿سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ﴾ کے درمیان میں ”و“ موجود ہے۔ چنانچہ پہلے دونوں کلمات کے مقابلے میں تیسرے کلمہ کے بیان میں ”و“ کی وجہ سے زیادہ زور ہے۔

اس ضمن میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ جب وہ لوگ جاگے تھے تو اُن میں سے ایک نے سوال کیا تھا: ﴿کَمْ لَیْسَمُ﴾ کہ تم یہاں کتنی دیر سوئے رہے ہو؟ اس سوال کا جواب قرآن حکیم میں بایں الفاظ نقل ہوا ہے: ﴿قَالُوْا لَیْسَ اَیُّوْمًا اَوْ بَعْضُ یَوْمٍ﴾ انہوں نے کہا کہ ہم ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم عرصہ تک سوئے رہے ہیں۔ یہاں پر قَالُوْا چونکہ جمع کا صیغہ ہے اس لیے یہ جواب دینے والے کم از کم تین لوگ تھے جبکہ اس سوال کے جواب

میں ان کے جن ساتھیوں نے دوسری رائے دی تھی وہ بھی کم از کم تین ہی تھے، کیونکہ ان کے لیے بھی قَالُوا جَمْع کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے: ﴿قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا لَيْسَ لَكُمْ﴾۔ اس طرح ان کی تعداد سات ہی درست معلوم ہوتی ہے۔ یعنی ایک پوچھنے والا تین لوگ ایک رائے دینے والے اور ان کے جواب میں تین لوگ دوسری رائے کا اظہار کرنے والے۔

اس کے علاوہ قدیم رومن لٹریچر میں بھی جہاں ان کا ذکر ملتا ہے وہاں ان کی تعداد سات ہی بتائی گئی ہے۔ قبل ازیں گن کی کتاب کا حوالہ بھی دیا جا چکا ہے جس میں Seven Sleepers کا ذکر ہے۔ لیکن یہاں جس بات کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اس معاملے میں بحث کرنے اور جھگڑنے کی ضرورت ہی نہیں ہے: ﴿فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِنْهُمْ أَحَدًا﴾ (تو (اے نبی ﷺ) آپ ان کے بارے میں جھگڑا مت کریں سوائے سرسری بحث کے اور نہ ہی آپ پوچھئے ان کے بارے میں ان میں سے کسی سے۔“

یعنی جو بات دعوتِ دین اور اقامتِ دین کے حوالے سے اہم نہ ہو اس میں بے مقصد چھان بین کرنا اور بحث و نزاع میں پڑنا، گویا وقت ضائع کرنے اور اپنی ~~مذہب کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔~~  
**آیت ۲۳** ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِّشَايِئٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا﴾ ”اور کسی چیز کے بارے میں کبھی یہ نہ کہا کریں کہ میں یہ کام کل ضرور کر دوں گا۔“

اس آیت میں ایک بہت اہم واقعہ کا حوالہ ہے۔ جب اللہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوالات کیے تو آپ نے فرمایا کہ میں آپ لوگوں کو ان سوالات کے جوابات کل دے دوں گا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے سہواً ”ان شاء اللہ“ نہیں فرمایا۔ اس کے بعد کئی روز تک وحی نہ آئی۔ یہ صورت حال آپ کے لیے انتہائی پریشان کن تھی۔ مخالفین خوشی میں تالیاں پیٹ رہے ہوں گے، آپ کو ناکامی کے طعنے دے رہے ہوں گے اور آپ کو یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہوگا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو کیسی کیسی سخت آزمائشوں سے دوچار کرتا ہے: ”جن کے رتبے ہیں سو ان کی سوا مشکل ہے!“

عام لوگ اپنی روزمرہ کی گفتگو میں کیسی کیسی باتیں کرتے رہتے ہیں لیکن اللہ کے ہاں ان کی پکڑ نہیں ہوتی، اس لیے کہ وہ اللہ کے ہاں اہم نہیں ہوتے، مگر یہاں ایک انتہائی مقرب ہستی سے سہواً ایک کلمہ ادا ہونے سے رہ گیا تو باوجود اس کے کہ معاملہ بے حد حساس تھا، وحی روک لی گئی۔ بالآخر کئی روز کے بعد جب اللہ کو منظور ہوا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام سوالات کے جوابات بھی لے کر آئے اور ساتھ یہ ہدایت بھی کہ کبھی کسی چیز کے بارے میں یوں نہ کہیں کہ میں کل یہ کروں گا:

**آیت ۲۴** ﴿إِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ﴾ ”مگر یہ کہ اللہ چاہے!“

یعنی مستقبل کے بارے میں جب بھی کوئی بات کریں تو ”ان شاء اللہ“ ضرور کہیں کہ اگر اللہ نے چاہا تو میں یوں کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر یہ خصوصی فضل ہے کہ انہیں اپنی معاشرتی زندگی میں روزمرہ کے

معمولات کے لیے ایسے کلمات سکھائے گئے جن میں تو ~~تو~~ ٹوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ آپ نے کوئی خوبصورت چیز دیکھی جس سے آپ کا دل خوش ہوا؟ آپ نے کہا: سبحان اللہ! گویا آپ نے اقرار کیا کہ یہ اس چیز کا کمال نہیں اور نہ ہی یہ چیز بذاتِ خود لائقِ تعریف ہے بلکہ تعریف تو اللہ کی ہے جس نے یہ خوبصورت چیز بنائی۔ آپ کی کوئی تکلیف دور ہوئی؟ ~~نہ~~ سے نکلا: الْحَمْدُ لِلَّهِ! یعنی جو بھی مشکل آسان ہوئی اللہ کی مدد اُس کی مہربانی اور اُس کے حکم سے ہوئی، لہذا شکر بھی اُسی کا ادا کیا جائے گا۔ آپ اپنے گھر میں داخل ہوئے اہلِ دعیال کو خوش و خرم پایا؟ آپ نے کہا: مَا شَاءَ اللَّهُ! کہ اس میں میرا کسی اور کا کوئی کمال نہیں یہ سب اللہ کی مرضی اور مشیت سے ہے۔ اسی طرح مستقبل میں کسی کام کے کرنے کے بارے میں اظہار کیا تو ساتھ ان شاء اللہ کہا۔ یعنی میرا ارادہ تو یوں ہے مگر صرف میرے ارادے سے کیا ہوتا ہے، حقیقت میں یہ کام بھی ہوگا اور میں اسے سنبھال کر پاؤں گا جب اللہ کو منظور ہوگا، کیونکہ اللہ کی مشیت اور مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ گویا ان کلمات کے ذریعے قدم قدم پر ادب بات بات میں ہمیں توحید کا سبق یاد دلایا جاتا ہے۔ اللہ کے علم اُس کے حکم اُس کے اختیار و اقتدار اُس کی قدرت اُس کی مشیت کے مطلق اور فائق ہونے کے اقرار کی ترغیب دی جاتی ہے۔ ان میں سے زیادہ تر کلمات (الْحَمْدُ لِلَّهِ، اِنْ شَاءَ اللَّهُ، مَا شَاءَ اللَّهُ) اس سورت میں موجود ہیں۔

﴿وَإِذْ كُنَّا رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ﴾ ”اور اپنے رب کو یاد کر لیا کیجئے جب آپ بھول جائیں“

اگر کسی وقت بھول جائیں تو یاد آنے پر دوبارہ اللہ کی طرف اپنا دھیان لگا لیجئے۔

﴿وَقُلْ عَسَىٰ أَنْ يَهْدِيَنِي رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَذَا رَشَدًا﴾ ”اور کہیے: ہو سکتا ہے کہ میرا رب

میری راہنمائی کر دے اس سے بہتر بھلائی کی طرف۔“

یعنی کسی بھی کام کے لیے کوشش کرتے ہوئے انسان کو ”تفویض الامرالِی اللہ“ کی کیفیت میں رہنا چاہیے کہ اگر اللہ کو منظور ہوا تو میں اس کوشش میں کامیاب ہو جاؤں گا، ورنہ ہو سکتا ہے میرا رب میرے لیے اس سے بھی بہتر کسی کام کے لیے اسباب پیدا فرمادے۔ گویا انسان اپنے تمام معاملات ہر وقت اللہ تعالیٰ کے سپرد کیے رکھے: سپردِ مہتما یہ خویش را تو دانی حساب کم دبیش را!

**آیت ۲۵** ﴿وَلْيَسِّرُوا فِي كُفْرِهِمْ ثَلَاثَ مِائَةِ سِنِينَ وَأَزْدَادُوا تِسْعًا﴾ ”اور وہ رہے اپنی غار میں تین

سو برس اور اس کے اوپر نو برس۔“

یعنی غار میں ان کے سونے کی مدت شمسی کیلنڈر میں تین سو سال جبکہ قمری کیلنڈر کے مطابق تین سو نو سال بنتی ہے۔

**آیت ۲۶** ﴿قُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا لِيُؤْتُوا﴾ ”آپ کہیے کہ اللہ بہتر جانتا ہے اس میں جتنا (عرصہ) وہ رہے“

یعنی اس بحث میں بھی پڑنے کی ضرورت نہیں کہ وہ غار میں کتنا عرصہ سوتے رہے۔ اس کا جواب بھی آپ ان کو یہی دیں کہ اس مدت کے بارے میں بھی اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

﴿لَهُ غَيْبُ السَّمُوتِ وَالْأَرْضِ أَبْصَرُ بِهِ وَاسْمِعُ﴾ ”اُسی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کا



غیب۔ کیا ہی خوب ہے وہ اس کو دیکھنے والا اور کیا ہی خوب ہے وہ سننے والا!“  
﴿مَا لَهُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا﴾ ﴿۳۸﴾ ”اُس کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں، اور وہ شریک نہیں کرتا اپنے حکم میں کسی کو بھی۔“  
اُس کے سوا ان کا کوئی ساتھی، کارساز، مددگار، حمایتی اور پھشت پناہ نہیں ہے۔ لفظ ”ولی“ ان سب معانی کا احاطہ کرتا ہے۔

وہ اپنے اختیار اور اپنی حاکمیت کے حق میں کسی دوسرے کو شریک نہیں کرتا۔ یہ توحیدِ حاکمیت ہے۔ اس بارے میں سورہ یوسف (آیت ۲۰ تا ۶۷) میں اس طرح ارشاد ہوا: ﴿إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ﴾ ”اختیارِ مطلق تو صرف اللہ ہی کا ہے۔“ جبکہ سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں یوں فرمایا گیا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ ”اور اُس کا کوئی شریک نہیں ہے بادشاہت میں۔“

### آیات ۲۷ تا ۳۱

وَأَنذِرْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَكَانَ تَجَدُّ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۚ وَأَصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدْوَةِ وَالْعَشيِّ يَرِيدُونَ وَجْهَهُ ۚ وَلَا تَعْدُ عَيْنُكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرْطًا ۚ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۚ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمَرْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ ۚ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا ۚ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۚ وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ ۚ بِئْسَ الشَّرَابُ ۚ وَسَاءَتْ مُرْتَقَقًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَدَّتْ عَدْنٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ ۚ يَمْشُونَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ ۚ وَأَسْتَبْرَقٍ مُتَّكِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ ۚ وَحَسَنَتْ مُرْتَقَقًا ۚ

آیت ۲۷ ﴿وَأَنذِرْ مَا أَوْحَىٰ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ﴾ ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ تلاوت کیجیے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپ کے رب کی کتاب میں سے۔“

یعنی اس وقت آپ بہت مشکل صورتِ حال کا سامنا کر رہے ہیں۔ اس کیفیت میں آپ کو صبر و استقامت کی سخت ضرورت ہے: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾ (النحل: ۱۲۷) ”اور (اے نبی ﷺ!) آپ صبر کیجیے اور آپ کا صبر تو اللہ کے سہارے پر ہی ہے۔“ یہ سہارا آپ کو اللہ کے ساتھ اپنا قلبی تعلق اور ذہنی رشتہ استوار کرنے سے میسر ہوگا اور یہ تعلق مضبوط کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ قرآن مجید کی تلاوت ہے۔ تمسک بالقرآن کا یہ مضمون سورہ العنکبوت میں (اکیسویں پارے کے آغاز میں) دوبارہ آئے گا۔ حق و باطل کی کشمکش میں جب

بھی کوئی مشکل وقت آیا تو رسول اللہ ﷺ کو خصوصی طور پر تمسک بالقرآن کی ہدایت کی گئی اور آپ کی وساطت سے تمام مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ قرآن کی تلاوت کو اپنا معمول بنائیں، قرآن کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط بنانے کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت اس کے ساتھ صرف کریں۔ اسی طرح وہ مشکلات و شدائد کو برداشت کرنے اور اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَتِهِ ۖ وَلَٰكِنْ تَجِدَ مِنْ دُونِهِ مُلْتَحَدًا ۝۲۸﴾ ”اُس کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے، اور آپ نہیں پائیں گے اُس کے سوا کوئی جائے پناہ۔“

یقیناً یہ راستہ بہت کٹھن ہے اور اس راستہ کے مسافروں نے سختیوں کو بہر حال برداشت کرنا ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے جو کسی کے لیے تبدیل نہیں کیا جاتا۔ اس مہم میں واحد سہارا اللہ کی مدد اور نصرت ہے۔ چنانچہ اگر آپ کو کہیں پناہ ملے گی تو اللہ ہی کے دامن میں ملے گی، اُس در کے علاوہ کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ علامہ اقبال نے اسی مضمون کی ترجمانی اپنے اس شعر میں کی ہے:۔

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی جو اماں ملی تو کہاں ملی  
میر عظیم خانہ خراب کو تیرے عے بندہ نواز میں!

**آیت ۲۸** ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیۡنَ یَدْعُوۡنَ رَبَّہُمۡ بِالْعَدُوۡۃِ وَالْعِشَیۡۃِ﴾ ”اور اپنے آپ کو روک رکھیے اُن لوگوں کے ساتھ جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح و شام“

یہ بلال حبشیؓ عبد اللہ بن اُمّ مکتومؓ، عمار بن یاسرؓ اور خبابؓ جیسے لوگ اگرچہ مفلس اور نادار ہیں مگر اللہ کی نظر میں بہت اہم ہیں۔ آپ ان لوگوں کی رفاقت کو غنیمت سمجھتے اور اپنے دل کو ان لوگوں کی معیت پر مطمئن کیجیے۔ ﴿یُرِیۡدُوۡنَ وَجْہَہٗ ۚ وَلَا تَعۡدُ عِیۡنُکَ عَنْہُمۡ ۚ تُرِیۡدُ زِیۡنَۃَ الْحَیٰوِۃِ الدُّنْیَا ۚ﴾ ”وہ اللہ کی رضا کے طالب ہیں اور آپ کی نگاہیں ان سے ہٹنے نہ پائیں“ (جس سے لوگوں کو یہ گمان ہونے لگے کہ) آپ دُنیوی زندگی کی آرائش و زیبائش چاہتے ہیں!“

ان غلاموں اور بے آسرا لوگوں سے آپ کی توجہ ہٹ کر کہیں مکہ کے سرداروں اور امراء کی طرف نہ ہونے پائے، جس سے لوگوں کو یہ گمان ہو کہ آپ بھی دنیا کی زیب و زینت ہی کو اہمیت دیتے ہیں۔ لہذا ولید بن مغیرہ بظاہر کتنا ہی با اثر اور صاحب ثروت سہی آپ عبد اللہ بن اُمّ مکتوم کو نظر انداز کر کے اُسے ہرگز اہمیت نہ دیں۔ ترجمہ کے اعتبار سے یہ آیت مشکل آیات میں سے ہے۔ یہاں الفاظ کے عین مطابق ترجمہ ممکن نہیں۔ حضور ﷺ کی یہ شان ہرگز نہ تھی کہ آپ ﷺ کی نظریں غرباء سے ہٹ کر امراء کی طرف اٹھتیں۔ چنانچہ ان الفاظ سے یہی مفہوم سمجھ میں آتا ہے کہ دراصل آپ کو یہ بتانا مقصود ہے کہ آپ دعوت و تبلیغ کی غرض سے بھی ان امراء کی طرف اس انداز میں التفات نہ فرمائیں جس سے کسی کو مغالطہ ہو کہ آپ ﷺ کی نگاہ میں دُنیوی مال و اسباب کی بھی کچھ وقعت اور اہمیت ہے۔ سورۃ الحجر میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿لَا تَمُدَّنَّ عِیۡنُکَ اِلٰی مَا مَتَّعَآ بِہٖ اَزۡوَاجًا مِنْہُمۡ وَلَا تَحْزَنۡ عَلَیْہِمۡ وَاحْصِصۡ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیۡنَ ۝۲۹﴾ ”آپ آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں اس

مال و متاع کی طرف جو ہم نے ان کے مختلف گروہوں کو دے رکھا ہے اور آپ ان (امراء) کے بارے میں فکر مند نہ ہوں اور اہل ایمان کے لیے اپنے بازو جھکا کر رکھیں!“

کسی بھی داعی حق کے لیے یہ معاملہ بہت نازک ہوتا ہے۔ معاشرے کے اونچے طبقے کے لوگوں کا بہر حال اپنا ایک حلقہ اثر ہوتا ہے۔ ان میں سے اگر کوئی اہل حق کی صف میں شامل ہوتا ہے تو وہ اکیلا بہت سے افراد کے برابر شمار ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے کئی دوسرے لوگ خود بخود کھینچ آتے ہیں اور پہلے سے موجود لوگوں کے لیے بھی ایسے شخص کی شمولیت تقویت اور اطمینان کا باعث ہوتی ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ عمر بن الخطاب یا عمرو بن ہشام (ابو جہل) میں سے کسی ایک کو ضرور میری جھولی میں ڈال دے! ان دونوں میں سے کوئی ایک ایمان لے آئے۔ ظاہر ہے کہ ان جیسی بااثر شخصیات میں سے کسی کا ایمان لانا اسلام کے لیے باعث تقویت ہوگا اور اس کی رفاقت سے ان کمزور مسلمانوں کو سہارا ملے گا جن پر قافیہ حیات تنگ ہوا جا رہا ہے۔ اور پھر واقعاً ایسا ہوا بھی کہ حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہما کے ایمان لانے کے بعد مکہ میں کمزور مسلمانوں پر قریش کے ظلم و تعدی میں کافی حد تک کمی آگئی۔

بہر حال اس سلسلے میں معروضی حقائق کسی بھی داعی کو اس طرف راغب کرتے ہیں کہ معاشرے کے متحمل طبقوں اور ارباب اختیار و اقتدار تک پیغام حق ترجیحی بنیادوں پر پہنچایا جائے اور انہیں اپنی تحریک میں شامل کرنے کے لیے تمام ممکنہ وسائل بروئے کار لائے جائیں۔ مگر دوسری طرف اس حکمت عملی سے تحریک کے ناچار اور عام ارکان کو یہ تاثر ملنے کا اندیشہ ہوتا ہے کہ انہیں کم حیثیت سمجھ کر نظر انداز کیا جا رہا ہے اور اس طرح ان کی حوصلہ شکنی ہونے کا امکان پیدا ہوتا ہے۔ اس معاملے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جب کوئی داعی حق اثر و رسوخ کے حامل افراد کی طرف ترجیحی انداز میں متوجہ ہوگا تو عوام میں اُس کی ذات اور اُس کی تحریک کے بارے میں یہ تاثر ابھرنے کا اندیشہ ہوگا کہ یہ لوگ بھی امراء اور ارباب اختیار سے مرعوب ہیں اور ان کے ہاں بھی دُنیوی ٹھانڈے باڈھ ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ چنانچہ دولت مند اور اثر و رسوخ کے حامل افراد تک دین کی دعوت کو پھیلانے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس سلسلے میں مذکورہ بالا دو عوامل کے منفی اثرات سے بچنا بھی نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کو اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ اس سلسلے میں احتیاط کریں، کہیں لوگ یہ تاثر نہ لے لیں کہ محمد (ﷺ) کے ہاں بھی دولت مند لوگوں ہی کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔

﴿وَلَا تَطْغَوْا مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا ۝۸﴾ ”اور مت کہنا مایہ ایسے شخص کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور جو اپنی خواہشات کے پیچھے پڑا ہے اور اس کا معاملہ حد سے متجاوز ہو چکا ہے۔“

یہ بات متعدد بار بیان ہو چکی ہے کہ کفار مکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مداحیت سے صبر نہ کرتے اور وہ آپ کے ساتھ کچھ دو اور کچھ لوگ بنیاد پر مذاکرات کرنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں سردارانِ قریش کی طرف سے آپ پر شدید باؤ تھا۔ اس پس منظر میں یہاں پھر متنبہ کیا جا رہا ہے کہ جن لوگوں کے دلوں کو ہم نے اپنی یاد سے غافل اور

محروم کر دیا ہے آپ ایسے لوگوں کی باتوں کی طرف دھیان بھی مت دیجیے!

**آیت ۲۹ ﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ ۖ مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾** ”اور آپ کہہ دیجیے کہ

یہی حق ہے تمہارے رب کی طرف سے، تو اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔“

فقار مکہ کی طرف سے کوئی درمیانی راستہ نکالنے کی کوششوں کے جواب میں یہاں حضور ﷺ کی زبان مبارک سے واضح اور دو ٹوک انداز میں اعلان کرایا جا رہا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے جو حق میسر ہو پاس آیا ہے وہ میں نے تم لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں، اسے من و عن قبول کر لو یا اسے رد کر دو۔ لیکن یاد رکھو اس میں کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر تم سے کوئی سودے بازی ممکن نہیں۔ یہ وہی مضمون ہے جو سورۃ الدھر میں اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ ۖ إِنَّمَا شَاكَوْا وَآمَنَّا كَفُورًا ۝۳﴾ یعنی ہم نے انسان کے لیے ہدایت کا راستہ واضح کر دیا ہے اور اس کو اختیار دے دیا ہے کہ اب چاہے وہ شکر گزار بنے اور چاہے ناشکرا۔

﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا ۖ أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا﴾ ”ہم نے ظالموں کے لیے آگ تیار کر رکھی ہے، اُس کی قاتیں ان کا احاطہ کر لیں گی۔“

جہنم کی آگ قاتوں کی شکل میں ہوگی اور وہ اللہ کے منکرین اور مشرکین کو گھیرے میں لے لے گی۔

﴿وَإِنْ يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ﴾ ”اور اگر وہ پانی کے لیے فریاد کریں گے تو ان کی فریادری ایسے پانی سے کی جائے گی جو (کھولتے ہوئے) تیل کی تلچھٹ جیسا ہوگا، جو چہروں کو بھون ڈالے گا۔“

﴿بِئْسَ الشَّرَابُ ۖ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا ۝۱۶﴾ ”بہت ہی بری چیز ہوگی پینے کی، اور وہ (جہنم) بہت ہی بری جگہ ہے آرام کی!“

”مُہْل“ کا ترجمہ تیل کی تلچھٹ کے علاوہ لاوا بھی کیا گیا ہے اور پکھلا ہوا تانبا بھی۔ سورۃ ابراہیم کی آیت ۱۶ میں جہنمیوں کو پلائے جانے والے پانی کو ”مَاءٍ صَدِيدٍ“ کہا گیا ہے جس کے معنی زخموں سے رسنے والی پیپ کے ہیں۔ بہر حال یہ خیال مادہ جو انہیں پانی کے طور پر دیا جائے گا اس قدر گرم ہوگا کہ ان کے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ اب آئندہ آیات میں فوری تقابل کے لیے اللہ جنت کا ذکر آ رہا ہے۔

**آیت ۳۰ ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝۳۰﴾** ”یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کیے تو ہم نہیں ضائع کریں گے اجر اُس شخص کا جس نے اچھا عمل کیا۔“

**آیت ۳۱ ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾** ”ان ہی لوگوں کے لیے ہیں رہنے کے ایسے باغات جن کے دامن میں ندیاں بہتی ہوں گی۔“

﴿يُحَلِّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُندُسٍ وَاسْتَبْرَقٍ﴾  
 ”انہیں پہنائے جائیں گے اس میں سونے کے کنگن اور وہ پہنیں گے سبز رنگ کے کپڑے باریک ریشم کے  
 اور موٹے ریشم کے“

یعنی ان کا اوپر کا لباس باریک ریشم کا ہوگا جبکہ نیچے کا لباس موٹے ریشم کا ہوگا۔  
 ﴿مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ﴾ ”ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے تختوں پر۔“  
 ﴿نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا﴾ ”کیا ہی اچھا بدلہ ہوگا (ان کے لیے) اور کیا ہی خوب  
 آرام گاہ ہوگی!“

### آیات ۳۲ تا ۴۴

وَاصْرِبْ لَهُم مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ  
 وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا ۖ كِلَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْهُمَا أَكْلُهُمَا وَلَهُمْ فِيهَا مَنَاقِبُ ۖ وَلَهُمَا فِيهَا  
 نَهَارٌ ۚ وَكَانَ لَهُ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۖ  
 وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ ۖ قَالَ مَا أَظُنُّ أَن تَبِيدَ هَذِهِ أَبَدًا ۖ وَمَا أَظُنُّ  
 السَّاعَةَ قَالِمَةً ۖ وَلَئِن رُّدِدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِنْهَا مُنْقَلَبًا ۚ قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ  
 وَهُوَ يُحَاوِرُهُ أَكَفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّكَ رَجُلًا ۚ لَكِنَّكَ أَهْوَىٰ  
 إِلَهًا رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا ۚ وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا  
 بِاللَّهِ ۚ إِنَّ تَرَبَّنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۚ فَعَلَىٰ رَبِّي أَن يُؤْتِيَنِي خَيْرًا مِنْ جَنَّتِكَ  
 وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِنَ السَّمَاءِ فَيَنْصِفَ صَعِيدًا زَلَقًا ۚ أَوْ يُصْبِحَ مَاؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ  
 تَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۚ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفِّهِ عَلَىٰ مَا انْفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ  
 عَلَىٰ عُرُوشِهَا وَيَقُولُ لِيَلَيْتَنِي كُنْتُ بِرَبِّي أَحَدًا ۚ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُونَهُ مِنْ  
 دُونِ اللَّهِ وَمَا كَانَ مُنتَصِرًا ۚ هَٰذَا لِكُلِّ أَلْوَاكِيَةٍ لِلَّهِ الْحَقُّ ۖ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَخَيْرٌ عُقْبًا ۚ

ع ۱۲

اس رکوع میں دو اشخاص کے باہمی مکالمے کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔ ان میں سے ایک شخص کو اللہ تعالیٰ  
 نے مال و دولت اور بہت سی دوسری دنیوی نعمتوں سے نوازا رکھا تھا۔ وہ شخص اپنی خوشحالی میں اس قدر مگن ہوا کہ  
 اس کی نگاہ اللہ سے ہٹ کر مادی وسائل پر ہی جم کر رہ گئی اور انہی اسباب و وسائل کو وہ اپنے توکل اور بھروسے کا  
 مرکز بنا بیٹھا۔ اس کے ساتھ ایک دوسرا شخص تھا جو دنیوی لحاظ سے خوشحال تو نہیں تھا مگر اُسے اللہ کی معرفت حاصل

تھی۔ اُس نے اُس دولت مند شخص کو نصیحت کی کہ اللہ نے تمہیں بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے مگر تم اُسے بالکل ہی بھولے ہوئے ہو۔ تمہیں چاہیے کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ دولت مند شخص نے گھمنڈ میں آکر اس کی نصیحت کا بہت تلخ جواب دیا اور کہا کہ مجھے تو یہ ساری نعمتیں اس لیے ملی ہیں کہ میں اللہ کا چہیتا ہوں جبکہ میرے مقابلے میں تمہاری کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ کے اس بندے نے اسے پھر سمجھایا کہ دیکھو اپنے دُنیوی مال و اسباب پر مت اتراؤ، کیونکہ اللہ اگر چاہے تو تمہارے یہ سارے ٹھاٹھ بانٹھ پل بھر میں ختم کر کے رکھ دے۔ وہ چاہے تو تمہاری ساری دولت اور مال و اسباب کو ضائع کر سکتا ہے۔ اس نے جواباً کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ میں نے اپنے مال و اسباب کی حفاظت کا خوب بندوبست کر رکھا ہے۔ الغرض ان تمام نصیحتوں کا اُس شخص پر کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ دُنیوی اسباب کے نشے نے اس کو اس قدر اندھا کر رکھا تھا کہ اسے حقیقی مسبب الاسباب کی قدرت کا کچھ اندازہ ہی نہ رہا۔ بالآخر اُس کے اس رویے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا سب کچھ برباد کر کے رکھ دیا اور وہ اپنے رویے پر کف افسوس ملتا رہ گیا۔ اپنی بربادی کے بعد جب اس شخص کی آنکھیں کھلیں تو تب بہت دیر ہو چکی تھی۔

یہاں اس دولت مند شخص کا وہ فقرہ خاص طور پر قابل غور ہے جو اپنی بربادی کے بعد پچھتاتے ہوئے اس کی زبان سے نکلا تھا کہ ”کاش میں نے اپنے رب کے ساتھ شرک نہ کیا ہوتا!“ دیکھا جائے تو اس سارے واقعے میں کسی ظاہری شرک کا ارتکاب نظر نہیں آتا۔ کسی دیوی یا دیوتا کا چاٹ کا بھی کوئی حوالہ یہاں نہیں آیا اللہ کے سوا کسی دوسرے معبود کا بھی ذکر نہیں ہوا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سا اقدام تھا جس پر وہ شخص پچھتا رہا تھا کہ کاش میں نے اپنے رب سے شرک نہ کیا ہوتا! اس پہلو سے اگر اس سارے واقعے کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو یہ نکتہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں جس شرک کا ذکر ہوا ہے وہ ”مادہ پرستی“ کا شرک ہے۔ اس شخص نے اپنے مادی اسباب و وسائل کو ہی اپنا سب کچھ سمجھ لیا تھا۔ جو بھروسا اور توکل اُسے حقیقی مسبب الاسباب پر کرنا چاہیے تھا وہ بھروسا اور توکل اُس نے اپنے مادی وسائل پر کر لیا تھا اور اس طرح ان مادی وسائل کو معبود کا درجہ دے دیا تھا۔ یہی رویہ اور یہی سوچ مادہ پرستی ہے اور یہی موجودہ دور کا سب سے بڑا شرک ہے۔

موجودہ دور ستارہ پرستی کا دور نہیں۔ آج کا انسان ستاروں کی اصل حقیقت جان لینے اور چاند پر قدم رکھ لینے کے بعد ان کا چچا کیونکر کرے گا؟ چنانچہ آج کے دور میں اللہ کو چھوڑ کر انسان نے جو معبود بنائے ہیں ان میں مادہ پرستی اور وطن پرستی سب سے اہم ہیں۔ آج دولت کو معبود کا درجہ دے دیا گیا ہے اور مادی وسائل اور ذرائع کو مسبب الاسباب سمجھ لیا گیا ہے۔ یہ موجودہ دور کا بہت خطرناک شرک ہے اور اس سے محفوظ رہنے کے لیے اسے بہت باریک بینی سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

**آیت ۳۲ ﴿وَاصْزُبْ لَهُمْ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ﴾** ”(اے نبی ﷺ!) آپ بیان کیجیے ان کے لیے دو اشخاص کی مثال“

﴿جَعَلْنَا لَاحِدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ﴾ ”اُن میں سے ایک کو ہم نے دیے تھے دو باغ انگوروں کے اور اُن دونوں کا گھیر دیا تھا ہم نے کھجوروں کے درختوں کے ساتھ“

انگوروں کی بیلوں کے گرد اگر کھجوروں کے درختوں کی باڑھی تاک نازک بلیں آندھی طوفان وغیرہ سے

محفوظ رہیں۔

﴿وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زُرْعًا﴾ ”اور ہم نے ان دونوں (باغوں) کے درمیان کھیتی کا انتظام بھی کر رکھا تھا۔“

بنیادی طور پر وہ انگوروں کے باغات تھے۔ ان کے اطراف میں کھجوروں کے درخت تھے جن کی دوہری افادیت تھی۔ ان درختوں سے کھجوریں بھی حاصل ہوتی تھیں اور وہ حفاظتی باڑ کا کام بھی دیتے تھے۔ درمیان میں کچھ زمین کاشت کاری کے لیے بھی تھی جس سے اناج وغیرہ حاصل ہوتا تھا۔ گویا ہر لحاظ سے مثالی باغات تھے۔

**آیت ۳۳** ﴿كَلِمَاتٍ الْجَنَّتَيْنِ اِنَّتِ اُكْلِهِنَّ وَلَكِنَّ تَطْلِمُنَّ مِنْهُ شَيْئًا﴾ ”دونوں باغات اپنا پھل خوب دیتے اور اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرتے تھے“

وہ دونوں باغات ہر سال موسم کے مطابق خوب پھلتے تھے اور ان کی پیداوار میں کبھی کوئی کمی نہیں آتی تھی۔ ان باغوں کا مالک شخص سالہا سال سے ان کی پیداوار سے مسلسل فائدہ اٹھاتے اٹھاتے انہیں دائمی سمجھ بیٹھا اور وہ بالکل ہی بھول گیا کہ یہ سب کچھ اللہ کی مشیت اور اجازت ہی سے ممکن ہے۔

﴿وَفَجَّرْنَا خِلْفَهُمَا نَهْرًا﴾ ”اور ہم نے جاری کر دی تھی ان کے درمیان ایک نہر۔“

ان دونوں باغوں کے بیچوں بیچ ایک نہر بہتی تھی۔ گویا ان کی آب پاشی کا نظام بھی مثالی تھا۔

**آیت ۳۴** ﴿وَكَانَ لَهُ ثَمْرٌ﴾ ”اور اُس کے لیے پھل بھی تھا۔“

اس کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ جب ان دونوں کا آپس میں مکالمہ ہو رہا تھا اُس وقت وہ دونوں باغات پھلوں سے خوب لدے ہوئے تھے جبکہ دوسرا مفہوم جو میرے نزدیک رائج ہے یہ ہے کہ اُس شخص کو اللہ نے اولاد بھی خوب دے رکھی تھی۔ اس لیے کہ انسان کے لیے اس کی اولاد کی وہی حیثیت ہے جو کسی درخت کے لیے اس کے پھل کی ہوتی ہے۔

﴿فَقَالَ لِصَاحِبِهِ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ اَنَا اَسْكَنْتُ مِنْكَ مَالًا وَاَعَزُّ نَفَرًا﴾ ”تو کہا اُس نے اپنے ساتھی سے — اور وہ آپس میں گفتگو کر رہے تھے — کہ میں تم سے بہت زیادہ ہوں مال میں اور بہت بڑھا ہوا ہوں نفری میں۔“

یہاں جس نفر سے اُس شخص نے اپنی نفری کا ذکر کیا ہے اس کے اس انداز سے تو ﴿وَكَانَ لَهُ ثَمْرٌ﴾ کا یہی ترجمہ بہتر محسوس ہوتا ہے کہ اُس شخص کو اولاد خصوصاً بیٹوں سے بھی نوازا گیا تھا۔

**آیت ۳۵** ﴿وَدَخَلَ جَنَّتَهُ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ﴾ ”اور وہ داخل ہوا اپنے باغ میں اس حال میں کہ وہ اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا۔“

﴿قَالَ مَا أَظُنُّ اَنْ تَبِيدَ هَذِهِ اَبَدًا﴾ ”اُس نے کہا: میں نہیں سمجھتا کہ یہ (باغ) کبھی بھی برباد

ہو سکتا ہے۔“

یعنی میرا یہ باغ ہر لحاظ سے مثالی ہے۔ اسے میں نے باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت ہر قسم کے خطرات سے محفوظ بنا رکھا ہے۔ انگوروں کی نازک بیلوں کے گرد اگر دکھجوروں کے بلند وبالا درخت سنتریوں کی طرح کھڑے ہر قسم کے طوفان اور بادِ صرصر کے پھیرٹھوں سے اس کی حفاظت کر رہے ہیں۔ آبِ پاشی کے لیے نہر کا وافر پانی ہر وقت موجود ہے۔ لہذا میں نہیں سمجھتا کہ اسے کبھی کسی قسم کا کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

**آیت ۳۶ ﴿وَمَا أَظُنُّ السَّاعَةَ قَائِمَةً﴾** ”اور میں یہ گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہونے والی ہے“ یہ قیامت وغیرہ کی باتیں سب دھکوسلے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ ایسا کوئی واقعہ حقیقت میں رونما ہونے والا ہے۔ **﴿وَلَكِنْ رُّدِدْتُ إِلَىٰ رَبِّي لَأَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا﴾** ”اور اگر مجھے لوٹا ہی دیا گیا اپنے رب کی طرف تو میں لازماً پاؤں گا اس سے بھی بہتر پلٹنے کی جگہ۔“

قیامت و آخرت کا اول تو میں قائل ہی نہیں، لیکن قیامت اگر ہوئی بھی تو میں بہر حال وہاں اس سے بھی بہتر زندگی پاؤں گا۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ شخص اللہ کا منکر نہیں تھا مگر دنیوی مال و دولت اور مادی اسباب و ذرائع پر بھروسہ کر کے شرک کا ارتکاب کر رہا تھا۔ یہ شخص یہاں پر جو فلسفہ بیان کر رہا ہے وہ اکثر مادہ پرست لوگوں کے ہاں بہت مقبول ہے۔ یعنی اگر مجھے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے خوشحالی و فارغ البالی سے نوازا رکھا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھ سے خوش ہے۔ اسی لیے اس نے مجھے خصوصی صلاحیتیں عطا کی ہیں جن کی وجہ سے میں نے یہ اسباب و وسائل اکٹھے کیے ہیں۔ چنانچہ وہ آخرت میں بھی ضرور اپنی نعمتوں سے مجھے نوازے گا۔ اور جو لوگ یہاں دنیا میں جوتیاں چمکاتے پھر رہے ہیں وہ آخرت میں بھی اسی طرح بے یار و مددگار ہوں گے۔

**آیت ۳۷ ﴿قَالَ لَهُ صَاحِبُهُ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ﴾** ”اس کے ساتھی نے اس سے کہا اور وہ اس سے گفتگو کر رہا تھا“ **﴿اَكْفَرْتَ بِالَّذِي خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوَّاهُ رَجُلًا﴾** ”کیا تو نے کفر کیا اُس ہستی کا جس نے پیدا کیا تجھے مٹی سے، پھر گندے پانی کی بوند سے، پھر تجھے صحیح سلامت انسان بنا دیا؟“ یہاں یہ نکتہ بہت اہم ہے کہ وہ شخص بظاہر اللہ کا منکر نہیں تھا مگر پھر بھی اسے اللہ سے کفر کا مرتکب بتایا گیا ہے۔ وہ اس لیے کہ اس سے پہلے وہ آخرت کا انکار کر چکا تھا اور آخرت کا انکار دراصل اللہ کا انکار ہے۔ گویا جو شخص آخرت کا منکر ہو اس کا ایمان باللہ کا دعویٰ بھی قابل قبول نہیں۔

**آیت ۳۸ ﴿لَكِنَّهُ هُوَ اللَّهُ رَبِّي وَلَا أُشْرِكُ بِرَبِّي أَحَدًا﴾** ”لیکن (میں تو مانتا ہوں کہ) وہ اللہ میرا رب ہے اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔“

**آیت ۳۹ ﴿وَلَوْلَا إِذْ دَخَلْتَ جَنَّتِكَ قُلْتُ مَا شَاءَ اللَّهُ لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ﴾** ”اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے یوں کیوں نہ کہا: ماشاء اللہ! (یعنی یہ سب اللہ کے فضل و کرم سے ہے۔) اللہ کے بدون کسی کو کوئی طاقت حاصل نہیں۔“

تجھے جب باغ میں ہر طرف خوش کن مناظر دیکھنے کو ملے اور پورا باغ پھلوں سے لدا ہوا نظر آیا تو تیری



زبان سے ”ماشاء اللہ“ کیوں نہ نکلا اور تو نے یہ کیوں نہ کہا کہ یہ میرا کمال نہیں بلکہ اللہ کی دین ہے جو اصل طاقت اور اختیار کا مالک ہے اُس کی اجازت اور مرضی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ ”ماشاء اللہ“ وہ کلمہ ہے جس میں توحید کوٹ کوٹ کر بھری ہے کہ جو اللہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے کسی اور کے چاہنے سے یا اسباب و وسائل کے ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ﴿إِنْ تَرَنِ أَنَا أَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَوَلَدًا ۖ﴾ ”اگر تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں تم سے مال اور اولاد میں کم ہوں۔“

**آیت ۲۰** ﴿فَعَسَىٰ رَبِّي أَن يُّؤَيِّنَ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ﴾ ”تو امید ہے کہ میرا رب تیرے باغ سے بہتر باغ مجھے دے دے“

مجھے یقین ہے کہ میرا رب اگر چاہے تو تمہارے ان باغوں سے بہتر نعمتوں سے مجھے نواز دے۔ ﴿وَيُؤَسِّلْ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاءِ فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا ۝﴾ ”اور وہ بھیج دے اس (تیرے باغ) پر کوئی آفت آسمان سے تو وہ صاف چٹیل میدان ہو کر رہ جائے۔“ یہ بھی ممکن ہے کہ تمہارے اس کفر و تکبر کے باعث اللہ تعالیٰ تمہارے باغوں پر کوئی ایسی آفت نازل کر دے کہ اس قطعہ زمین پر کسی درخت یا کسی بیل وغیرہ کا نام و نشان تک نہ رہے۔

**آیت ۲۱** ﴿أَوْ يُصْبِحَ مَأْوَهَا غُورًا فَلَنْ نَسْتَطِيعَ لَهُ طَلَبًا ۝﴾ ”یا اس کا پانی گہرائی میں اتر جائے پھر تم اس (پانی) کو کسی طرح حاصل نہ کر سکو۔“

اللہ تمہارے باغ پر کوئی آسانی آفت نہ بھی بھیجے تو یوں بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے حکم سے اس کا زیر زمین پانی غیر معمولی گہرائی میں چلا جائے۔ اس کے نتیجے میں تمہارا بنایا ہوا نظام آب پاشی ختم ہو کر رہ جائے اور اس طرح پانی کے بغیر یہ باغ خود بخود ہی اجڑ جائے۔ یعنی حقیقی مسبب الاسباب تو اللہ ہی ہے۔ اسی نے مختلف اسباب مہیا کر رکھے ہیں جس سے یہ کاروبار دنیا چل رہا ہے۔ وہ جب چاہے کسی سبب کو سلب کر لے یا اس کی ہیئت کو بدل دے اور اس کی وجہ سے یہ سارا نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ یہ معاملہ تو گویا شیش محل کی طرح کا ہے کہ ایک ہی پتھر اس کو چکنا چور کر کے رکھ دے گا۔

**آیت ۲۲** ﴿وَاجْبِظْ بِمَمْرِهِ﴾ ”اور اُس کا سارا اثر سمیٹ لیا گیا“ اس شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نعمتیں دی گئی تھیں وہ سب اس سے سلب کر لی گئیں۔ باغ بھی اجڑ گیا اور اولاد بھی چھن گئی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دوسرا شخص اللہ کا خاص مقرب بندہ تھا۔ مال دار شخص نے اسے اس کی ناداری کا طعنہ دیا تھا: ﴿أَنَا أَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَأَعَزُّ نَفَرًا ۝﴾ کہ مال و دولت میں بھی مجھے تم پر فوقیت حاصل ہے اور نفری میں بھی میں تم سے بڑھ کر ہوں۔ اس طعنے سے اللہ کے اس نیک بندے کا دل دکھا ہوگا جس کی سزا سے فوری طور پر ملی اور اللہ نے اس سے سب کچھ چھین لیا۔ اس سلسلے میں ایک حدیث قدسی ہے: ((مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ))<sup>(۱)</sup> ”جو شخص میرے کسی ولی کے ساتھ دشمنی کرے تو میری طرف سے اُس

کے خلاف اعلانِ جنگ ہے۔“ کسی شاعر نے اس مضمون کو اس طرح ادا کیا ہے:

تادل صاحب دلے نالذہ درد  
بیچ قومے عہد ارسوانہ کرد!

یعنی کسی صاحب دل ولی اللہ کے دل کو جب ٹھیس لگتی ہے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری قوم گرفت میں آجاتی ہے۔

﴿فَاصْبِرْ يَقْلَبْ كَفَيْهِ عَلَى مَا أَنْفَقَ فِيهَا﴾ ”تو وہ ہاتھ ملتا رہ گیا اس پر جو کچھ اس نے اس میں خرچ کیا تھا“

یقیناً ان باغوں کی منصوبہ بندی کرنے، پودے لگانے اور ان کی نشوونما کرنے میں اس نے زکیر خرچ کیا تھا، مسلسل محنت کی تھی اور اپنا قیمتی وقت اس میں کھایا تھا۔ اس کا یہ تمام سرمایہ آن کی آن میں نیست و نابود ہو گیا اور وہ اس کی بربادی پر کف افسوس ملنے کے علاوہ کچھ نہ کر سکا۔

﴿وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا﴾ ”اور وہ (باغ) گرا پڑا تھا اپنی چھتریوں پر“

انگوروں کی بلیں جن چھتریوں پر چڑھائی گئی تھیں وہ سب کی سب اوندھی پڑی تھیں۔

﴿وَيَقُولُ لَيْسَ بِيْ اُشْرُكٌ بِرَبِّيْ اَحَدًا ۝۳۳﴾ ”اور وہ کہہ رہا تھا: ہائے میری شامت، کاش میں

نے اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہوتا۔“

اس مال دار شخص کے مکالے سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اُس شخص نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے اختیار کو بھلا کر ظاہری اسباب اور مادی وسائل پر توکل کر لیا تھا، اور یہی وہ شرک تھا جس کا خود اس نے یہاں اعتراف کیا ہے۔ آج کی مادہ پرستانہ ذہنیت کا مکمل نقشہ اس رکوع میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ شرک کی جدید قسم ہے جس کو پہچاننے اور جس سے محتاط رہنے کی آج ہمیں اشد ضرورت ہے۔ (اس حوالے سے میری کتاب ”حقیقت و اقسام شرک“ کا مطالعہ مفید رہے گا جس میں شرک اور اس کی اقسام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔)

**آیت ۳۳** ﴿وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ يَنْصُرُوْنَهُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝۳۳﴾ ”اور نہ ہوئی اُس کے

لیے کوئی جماعت جو اللہ کے مقابلے میں اُس کی مدد کو آتی اور نہ وہ خود ہی انتقام لینے والا بن سکا۔“

اللہ کے مقابلے میں بھلا کون اس کی مدد کر سکتا تھا اور اس صورت حال میں وہ کس سے انتقام لے سکتا تھا؟

**آیت ۳۴** ﴿هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۝﴾ ”یہاں تو تمام اختیار اللہ ہی کا ہے جو الحق ہے۔“

دلائل کے معنی یہاں حکومت اور اقتدار کے ہیں۔ ”دالی“ کسی ملک یا علاقے کے مالک یا حکمران کو کہتے ہیں اور اسی سے یہ لفظ دلائل (داد کی زبر کے ساتھ) بنا ہے۔ اس لحاظ سے آیت کے الفاظ کا مفہوم یہ ہے کہ کُل کا کُل اقتدار اختیار اللہ کے لیے ہے جو ”الحق“ ہے۔ اسی مادہ سے لفظ ”دلی“ بھی ہے جس کے معنی دوست اور پشت پناہ کے ہیں۔ اسی مادے سے دلائل (داد کی زبر کے ساتھ) بنا ہے اور یہ دوستی اور محبت کے معنی دیتا ہے۔ درج ذیل آیات میں اسی ولایت کا ذکر ہے: ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلٰى

النُّورِ ﴿البقرة: ۲۵۷﴾ اور ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ (یونس)۔  
 ﴿هُوَ خَيْرٌ قَوَابِلًا وَخَيْرٌ عُقْبًا﴾ ”وہی بہتر ہے انعام دینے میں اور وہی بہتر ہے عاقبت کے اعتبار سے۔“

انعام وہی بہتر ہے جو وہ بخشے اور انجام وہی بخیر ہے جو وہ دکھائے۔

## آیات ۲۵ تا ۲۹

وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا كَمَا أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيحُ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۚ الْأَمْثَالُ وَالْبُنُوتُ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبَاقِيَةُ الصَّالِحَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ قَوَابِلًا وَخَيْرٌ أَمْثَلًا ۚ وَيَوْمَ نَسْفُكُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً ۚ وَحَشَرْنَاهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۚ وَعُرِضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا ۚ لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَجْعَلَ لَكُمْ مَوْعِدًا ۚ وَوَضَعَ الْكِتَابَ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ ۚ فَمَتَا فِيهِ يَقُولُونَ ۚ لِيُؤْتِيَنَا مَا لَ هَذَا الْكِتَابُ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا ۚ وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا ۚ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ۚ

آیت ۲۵ ﴿وَاضْرِبْ لَهُم مَّثَلًا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا﴾ ”اور بیان کیجیے ان کے لیے مثال دنیا کی زندگی کی“  
 ﴿كَمَا أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ نَبَاتُ الْأَرْضِ﴾ ”جیسے پانی کہ ہم نے اسے اتارا آسمان سے، پھر اس کے ساتھ مل جل کر نکل آیا زمین کا سبزہ“

﴿فَأَصْبَحَ هَشِيمًا تَذْرُوهُ الرِّيحُ﴾ ”پھر وہ ہو گیا چورا چورا اڑائے پھرتی ہیں اسے ہوائیں۔“  
 ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔“  
 سبزے کے اُگنے، اس کے نشوونما پانے اور پھر خشک ہو کر خس و خاشاک کی شکل اختیار کر لینے کے عمل کو انسانی زندگی کی مشابہت کی بنا پر یہاں بیان کیا گیا ہے۔ بارش کے برستے ہی زمین سے طرح طرح کے نباتات نکل آتے ہیں۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے زمین سرسبز و شاداب ہو جاتی ہے۔ جب یہ سبزہ اپنے جو بن پر ہوتا ہے تو بڑا خوش کن منظر پیش کرتا ہے۔ مگر پھر جلد ہی اس پر زردی چھانے لگتی ہے اور چند ہی دنوں میں لہلہاتا ہوا سبزہ خس و خاشاک کا ڈھیر بن جاتا ہے اور زمین پھر سے چٹیل میدان کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ سبزے یا کسی فصل کے اُگنے، بڑھنے اور خشک ہونے کا یہ دورانیہ چند ہفتوں پر محیط ہو یا چند مہینوں پر اس کی اصل حقیقت اور کیفیت بس یہی ہے۔

اس مثال کا نظر رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو بالکل یہی کیفیت انسانی زندگی کی بھی ہے۔ جس طرح نباتاتی

زندگی کا آغاز آسمان سے باطن کے برسنے سے ہوتا ہے اسی طرح روح کے نزول سے انسانی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ انسانی روح کا تعلق ہم امر سے ہے: ﴿قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي﴾ (بنی اسرائیل: ۸۵)۔ شمع مادر میں جنم لے کر روح بھوکے گئی، بچہ پیدا ہوا، خوشیاں منائی گئیں، جوان اور طاقت ور ہوا، تمام صلاحیتوں کو عروج ملا، پھر ادھیڑ عمر کو پہنچا، جسم اور اس کی صلاحیتیں روز بروز زوال پذیر ہونے لگیں، بالوں میں سفیدی آگئی، چہرے پر جھریاں پڑ گئیں، موت وارد ہوئی، قبر میں اتارا گیا اور مٹی میں مل کر مٹی ہو گیا۔ اس cycle کا دورانیہ مختلف افراد کے ساتھ مختلف ہے مگر انسانی زندگی کے آغاز و انجام کی حقیقت بس یہی کچھ ہے۔ چنانچہ انسان کو یہ بات کسی وقت نہیں بھولنی چاہیے کہ دنیا کا عرصہ حیات ایک وقفہ امتحان ہے جسے ہر انسان اپنے اپنے انداز میں گزار رہا ہے۔

**آیت ۲۶ ﴿لَمَّا وَالْبُنُوتُ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾** ”مال اور بیٹے دُنیوی زندگی کی زینت ہیں۔“

اس سورت میں دُنیوی زندگی کی زیب و زینت کا ذکر یہاں تیسری مرتبہ آیا ہے۔ اس سے پہلے ہم آیت ۷ میں پڑھ آئے ہیں کہ روئے زمین کی آرائش و زیبائش اور تمام رفیق انسانوں کے امتحان کے لیے بنائی گئی ہیں: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِيَبْلُوَهُمُ اللَّهُمَّ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾۔ پھر آیت ۲۸ میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا: ﴿تَرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ کہ اے نبی (ﷺ) کہیں ان لوگوں کو یہ گمان نہ ہو کہ آپ کا مطلوب و مقصود بھی دُنیوی زندگی کی آرائش و زیبائش ہی ہے (معاذ اللہ!)۔ گویا یہ موضوع اس سورت کے مضامین کا عمود ہے۔ لہذا یہ حقیقت ہر وقت ہمارے ذہن میں متحضر رہنی چاہیے کہ یہ زندگی اور دُنیوی مال و متاع سب عارضی ہیں۔ یہاں کے رشتے ناطے اور تمام تعلقات بھی اسی چار روزہ زندگی تک محدود ہیں۔ انسان کی آنکھ بند ہوتے ہی تمام رشتے اور تعلقات منقطع ہو جائیں گے اور اللہ کی عدالت میں ہر انسان کو تنہا پیش ہونا ہوگا: ﴿وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا﴾ (مریم) وہاں نہ باپ اور لڑکی مدد کرے گا، نہ بیٹا والدین کو سہارا دے گا، اور نہ بیوی شوہر کا ساتھ دے گی۔ اس دن کے محاسبہ کا سامنا ہر شخص کو اکیلے ہی کرنا ہوگا۔

**﴿وَالْبَلَقِيتُ الصَّلٰحٰتِ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَخَيْرٌ أَمَلًا﴾** ”اور باقی رہنے والی نیکیاں بہت بہتر ہیں تیرے رب کے نزدیک، ثواب کے لحاظ سے بھی اور امید کے اعتبار سے بھی۔“

اس مختصر زندگی کی کمائی میں اگر کسی چیز کو بقا حاصل ہے تو وہ نیک اعمال ہیں۔ آخرت میں صرف وہی کام آئیں گے۔ چنانچہ دُنیوی مال و اسباب سے امیدیں نہ لگاؤ، اولاد سے توقعات مت وابستہ کرو۔ یہ سب عارضی چیزیں ہیں جو تمہاری موت کے ساتھ ہی تمہارے لیے بے وقعت ہو جائیں گی۔ آخرت کا سہارا چاہیے تو نیک اعمال کا توشہ جمع کرو اور اسی پونجی سے اپنی امیدیں وابستہ کرو۔

**آیت ۲۷ ﴿وَيَوْمَ نُصَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً﴾** ”اور جس دن ہم چلائیں گے پہاڑوں کو اور تم دیکھو گے زمین کو صاف چٹیل“

اب قیامت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ اُس دن پہاڑ اپنی جگہ چھوڑ دیں گے، زمین کے تمام نشیب و فراز ختم ہو جائیں گے اور پورا کرۂ ارض ایک صاف چٹیل میدان کی شکل اختیار کر لے گا۔

﴿وَحَسْرَتُهُمْ فَاَلَمْ نُعَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا﴾ اور ہم سب کو جمع کر لیں گے اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔“

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری انسان تک پیدا ہونے والے نوع انسانی کے تمام افراد کو اُس دن اکٹھا کر لیا جائے گا۔

**آیت ۲۸** ﴿وَعَرِّضُوا عَلَىٰ رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُونَا كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ اور وہ پیش کیے جائیں گے آپ کے رب کے سامنے صفیں باندھے ہوئے۔ (تب انہیں کہا جائے گا) آگے ہونا ہمارے پاس جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا!“

یہاں ”پہلی مرتبہ“ پیدا کرنے سے مراد عالم ارواح میں انسانی ارواح کی تخلیق ہے جبکہ اس زمین پر جسم اور روح کے ملاپ سے کی جانے والی انسانی تخلیق دراصل تخلیقِ ثانی ہے۔ فرض کریں اس دنیا کی عمر پندرہ ہزار برس ہے تو ان پندرہ ہزار برسوں میں وہ تمام انسان اس دنیا میں آچکے ہیں جن کی ارواح اللہ تعالیٰ نے پیدا کی تھیں۔ لیکن تمام انسانوں کو قیامت کے دن پھر سے اکٹھا کر لیا جائے گا۔ چنانچہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ تمام انسان جیسے عالم ارواح میں بیک وقت ایک جگہ اکٹھے تھے اسی طرح قیامت کے دن بھی میدانِ حشر میں سب کے سب بیک وقت موجود ہوں گے۔

﴿بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَنَّا نَجْعَلَ لَكُم مَّوْعِدًا﴾ بلکہ تم نے تو سمجھ رکھا تھا کہ ہم تمہارے لیے وعدے کا کوئی وقت مقرر ہی نہیں کریں گے۔“

یہ ان لوگوں کا ذکر ہے جو قرآن کے الفاظ میں ﴿الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا﴾ (وہ لوگ جنہیں ہماری ملاقات کی امید نہیں) کے زمرے میں آتے ہیں۔ ایسے لوگ جب اللہ کے حضور پیش ہوں گے تو انہیں ان کا وعدہ الست ﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ﴾ (الاعراف: ۱۷۲) بھی یاد دلایا جائے گا کہ تم لوگوں نے مجھے اپنا رب تسلیم کیا تھا، پھر تم دنیا کی زندگی میں اس حقیقت کو بالکل ہی بھول گئے کہ تم نے واپس ہمارے پاس بھی آنا ہے۔ تمہیں گمان تک نہیں تھا کہ ہم تمہارے لیے اپنے سامنے پیشی کا کوئی وقت مقرر کریں گے۔

**آیت ۲۹** ﴿وَوُضِعَ الْكِتَابُ﴾ اور رکھ دیا جائے گا اعمال نامہ“

یہ پوری نوع انسانی کے ایک ایک فرد کی زندگی کے ایک ایک لمحے اور ایک ایک عمل کی تفصیل پر مشتمل ریکارڈ ہوگا۔ گویا یہ ایک بہت بڑا کمپیوٹر سسٹم ہے جو کسی جگہ پر نصب کیا گیا ہے اور وہاں سے لا کر میدانِ حشر میں رکھ دیا جائے گا۔ آج سے سو برس پہلے تو ایسی تفصیلات کو تسلیم کرنے کے لیے صرف ایمان بالغیب کا ہی سہارا لینا پڑتا تھا مگر آج کے دور میں اس سب کچھ پر یقین کرنا بہت آسان ہو گیا ہے۔ آج ہم انسان کے بنائے ہوئے کمپیوٹر کے کمالات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور اپنے معمولاتِ زندگی میں ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ آج جب ہم ایک بٹن جتنی جسامت کی chip میں مفصل معلومات پر مشتمل ریکارڈ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی وضع کردہ ڈیٹا بیس (الکتاب) کے بارے میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ اس میں کس طرح ایک

ایک فرد کی ایک ایک حرکت کی ریکارڈنگ محفوظ ہوگی اور پلک جھپکنے کی دیر بھی نہیں لگے گی کہ اس کا پرنٹ متعلقہ فرد کے ہاتھ میں تھما دیا جائے گا۔

﴿فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ﴾ ”چنانچہ تم دیکھو گے مجرموں کو کہ ڈر رہے ہوں گے اس سے جو کچھ اس میں ہوگا“

مجرم لوگ اپنی کتاب زندگی کے اندراجات سے لرزاں و ترساں ہوں گے۔  
﴿وَيَقُولُونَ يَوْمَئِذٍ إِنَّ هَذَا الْكِتَابَ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا﴾ ”اور کہیں گے: ہائے ہماری شامت! یہ کیسا اعمال نامہ ہے؟ اس نے تو نہ کسی چھوٹی چیز کو چھوڑا ہے اور نہ کسی بڑی کو“ مگر اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔“

﴿وَوَجَدُوا مَا عَمِلُوا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ ”اور وہ پائیں گے جو عمل بھی انہوں نے کیا ہوگا اُسے موجود۔ اور آپ کا رب ظلم نہیں کرے گا کسی پر بھی۔“

## آیات ۵۰ تا ۵۳

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ ۖ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي ۚ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ۚ مَا أَشْهَدُ لَهُمْ خَلْقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلَا خَلْقَ أَنْفُسِهِمْ ۚ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّينَ عَصَدًا ۚ وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَوْبِقًا ۚ وَرَأَى الْمُجْرِمُونَ النَّارَ فَظَنُّوا أَنَّهُمْ مُوَاقِعُوهَا وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا ۚ

آیت ۵۰ ﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ﴾ ”اور یاد کرو جبکہ ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ سجدہ کرو آدم کو تو انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے (نہ کیا)۔“

یہاں سورہ بنی اسرائیل اور سورہ الکہف کی مشابہت کے سلسلے میں یہ اہم بات نوٹ کیجئے کہ سورہ الکہف کے ساتویں رکوع کی پہلی آیت کے الفاظ بعینہ وہی ہیں جو سورہ بنی اسرائیل کے ساتویں رکوع کی پہلی آیت کے ہیں۔ حضرت آدم اور ابلیس کا یہ قصہ قرآن میں سات مقامات پر بیان ہوا ہے۔ باقی چھ مقامات پر تو اس کا ذکر نہیں مگر یہاں یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ابلیس جنات میں سے تھا:

﴿كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾ ”وہ جنات میں سے تھا چنانچہ اُس نے نافرمانی کی اپنے رب کے حکم کی۔“

یہاں پر ”ف“ علت کو ظاہر کر رہا ہے کہ چونکہ وہ جنات میں سے تھا اس لیے نافرمانی کا مرتکب ہوا۔ ورنہ فرشتے کبھی اپنے رب کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے: ﴿لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ (التحریم) ”وہ (فرشتے) اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے وہ جو بھی حکم انہیں دے اور وہ وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔“

﴿اَفْتَسَخَدُوْهُ وَذُرِّيَّتَهُ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ﴾ ”تو کیا تم بناتے ہو اُسے اور اُس کی اولاد کو دوست میرے سوا، در آنحالیکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟“

اے اولاد آدم! ذرا سوچو، تم مجھے چھوڑ کر اس ابلیس کو اپنا ولی اور کارساز بناتے ہو جس نے یوں میری نافرمانی کی تھی۔ تمہارا خالق اور مالک میں ہوں، میں نے تمہیں اشرف المخلوقات کے مرتبے پر فائز کیا، میں نے فرشتوں کو تمہارے سامنے سرنگوں کیا، تمہیں خلافت ارضی سے نوازا، اور تم ہو کہ میرے مقابلے میں ابلیس اور اس کے جلی و معنوی اولاد سے دوستیاں گانٹتے پھرتے ہو، جبکہ فی الواقع وہ تمہارے دشمن ہیں۔

﴿بَشِّرْ لِلظَّالِمِيْنَ بَدَلًاۙ﴾ ”کیا اللہ ابدل ہے ان ظالموں کے لیے!“

اللہ کو چھوڑ کر اپنے دشمن شیطان اور اس کے چیلوں کی رفاقت اختیار کر کے ان ظالموں نے اپنے لیے کس نعم ابدل اختیار کر رکھا ہے۔

**آیت ۵۱** ﴿مَاۤ اَشْهَدُوْهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ﴾ ”میں نے انہیں گواہ نہیں بنایا تھا آسمانوں اور زمین کی تخلیق کا اور نہ ہی ان کی اپنی تخلیق کا“

﴿وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَصَدًاۙ﴾ ”اور میں بہکانے والوں کو اپنا مددگار بنانے والا نہ تھا۔“

یہ جو تم شیطان اور اس کے گروہ کو میرے برابر لا رہے ہو اور مجھے چھوڑ کر انہیں اپنا دوست بنا رہے ہو تو تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ زمین و آسمان کی تخلیق اور خود اپنی تخلیق کے موقع کے گواہ نہیں ہیں۔

**آیت ۵۲** ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءَی الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ﴾ ”اور جس دن وہ کہے گا کہ پکارو میرے ان شریکوں کو جن کا تمہیں زعم تھا“

﴿فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِیْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَیْنَهُمْ مَّوْبِقًاۙ﴾ ”تو وہ انہیں پکاریں گے مگر وہ انہیں کوئی جواب نہیں دیں گے اور ہم ان کے درمیان ہلاکت (کی گھاٹی) حائل کر دیں گے۔“

یہ شریک ٹھہرائی جانے والی شخصیات چاہے انبیاء ہوں اولیاء اللہ ہوں یا فرشتے، روز قیامت ان کے اور انہیں شریک ماننے والوں کے درمیان ہلاکت خیز خلیج حائل کر دی جائے گی تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ان کی مددگوئیں آسکتے۔

**آیت ۵۳** ﴿وَرَاۤءَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارُ فَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَكَمْ یَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًاۙ﴾ ”اور مجرم لوگ آگ کو دیکھیں گے اور جان جائیں گے کہ وہ اس میں ڈالے جانے والے ہیں اور وہ نہیں پائیں گے اس سے بچنے کی کوئی جگہ۔“

## آیات ۵۴ تا ۵۹

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۚ وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۚ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۚ وَمَا تُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ ۚ وَيَجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَمَا أُنذِرُوا هُزُوًا ۚ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدْ مَتَّ يَدَاهُ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۚ وَإِنَّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ لَوْ يُؤَاخِذُ هُمْ بِمَا كَسَبُوا الْعَجَلُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْيلًا ۚ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِيَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ۚ

**آیت ۵۴** ﴿وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَذَا الْقُرْآنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ﴾ ”اور ہم نے پھر پھر کر بیان کر دی ہیں اس قرآن میں لوگوں (کی ہدایت) کے لیے ہر قسم کی مثالیں۔“

الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ یہ آیت سورہ بنی اسرائیل میں بھی (آیت ۸۹) موجود ہے۔

﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ ”لیکن انسان تمام مخلوق سے بڑھ کر جھگڑالو ہے۔“ سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۹ کے پہلے حصے کے الفاظ جوں کے توں وہی ہیں جو اس آیت کے پہلے حصے کے ہیں، صرف لفظوں کی ترتیب میں معمولی سا فرق ہے۔ البتہ دونوں آیات کے آخری حصوں کے الفاظ مختلف ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کی مذکورہ آیت کا آخری حصہ یوں ہے: ﴿فَأَبَىٰ أَكْثَرُ النَّاسِ إِلَّا كُفُورًا﴾ ”مگر اکثر لوگ کفرانِ نعمت پر ہی اڑے رہتے ہیں۔“

**آیت ۵۵** ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ وَيَسْتَغْفِرُوا رَبَّهُمْ﴾ ”اور نہیں روکا لوگوں کو (کسی چیز نے) جب ان کے پاس ہدایت آگئی کہ وہ ایمان لائیں اور اپنے رب سے مغفرت مانگیں“ اس آیت کی مشابہت سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۹۴ کے ساتھ ہے۔ دونوں آیات کے پہلے حصوں کے الفاظ ہو بہو ایک جیسے ہیں۔

﴿إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ﴾ ”مگر یہ کہ ان سے پہلوں کا طریق برتا جائے“ یہ لوگ جو ہدایت آ جانے کے بعد بھی ایمان نہیں لا رہے اور اللہ کے حضور استغفار نہیں کر رہے ہیں تو اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ ان کے لیے بھی پہلی قوموں کا سا انجام لکھا جا چکا ہے۔



﴿أَوْ يَذِيبُهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًاۙ﴾ ”یا عذاب اُن کے سامنے آ موجود ہو۔“

**آیت ۵۶** ﴿وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ﴾ ”اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے (بنا کر)۔“

یہ مضمون جو یہاں سب رسولوں کے متعلق جمع کے صیغے میں آیا ہے سورہ بنی اسرائیل میں حضور ﷺ کے لیے صیغہ واحد میں یوں آیا ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا إِلَّا مُبَشِّرًا وَنَذِيرًا﴾ ”اور (اے محمد ﷺ!) ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر مبشر اور نذیر بنا کر۔“

﴿وَيُجَادِلُ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوا بِهِ الْحَقَّ﴾ ”اور یہ کافر لوگ جھگڑتے ہیں جھوٹ کی طرف سے تاکہ بچلا دیں اس کے ساتھ حق کو“

یہ لوگ باطل کے ساتھ کھڑے ہو کر حق کو شکست دینے کے لیے مناظرے اور کٹ چٹیاں کر رہے ہیں۔  
﴿وَاتَّخَذُوا إِلَٰهًا مِمَّنْ ذُكِّرُوا بِهَا فَاغْرَضُوا عَنْهَا وَنَسُوا مَا قُلَّمَتْ يَدُهُۥ﴾ ”اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے نصیحت کی گئی ہو اُس کے رب کی آیات کے ذریعے تو اس نے اعراض کیا اُن سے اور وہ بھول گیا کہ کیا آگے بھیجا ہے اس کے دونوں ہاتھوں نے۔“

**آیت ۵۷** ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَاغْرَضَ عَنْهَا وَنَسَىٰ مَا قُلَّمَتْ يَدُهُۥ﴾ ”اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جسے نصیحت کی گئی ہو اُس کے رب کی آیات کے ذریعے تو اس نے اعراض کیا اُن سے اور وہ بھول گیا کہ کیا آگے بھیجا ہے اس کے دونوں ہاتھوں نے۔“  
بجائے ایمان لانے کے اور اپنے سابقہ گناہوں سے توبہ کرنے کے اس نے اللہ کی آیات سے روگردانی کی روش اپنائے رکھی۔ اس ضد اور ہٹ دھرمی میں وہ اپنے اعمال کے اس جھاڑ جھنکاڑ کو بھی بھول گیا جو اُس نے اپنی آخرت کے لیے تیار کر رکھا تھا۔

﴿إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِجَۃً أَذَانِهِمْ وَقُرْآنًا﴾ ”یقیناً ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں کہ وہ اس (قرآن) کو سمجھ نہ پائیں اور ان کے کانوں میں بوجھ (ڈال دیا ہے)۔“  
یہ مضمون سورہ بنی اسرائیل میں اس طرح آچکا ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُورًا﴾ ”اور جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے لوگوں کے درمیان پردہ حائل کر دیتے ہیں۔“

﴿وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِلَّا أَلْبَدًا﴾ ”اور اگرچہ آپ بلائیں انہیں ہدایت کی طرف تب بھی وہ کبھی ہدایت نہیں پائیں گے۔“

کیونکہ حق واضح ہو جانے بعد ان کی مسلسل ہٹ دھرمی کے سبب ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہیں اور اس طرح وہ اللہ کے قانونِ ہدایت و ضلالت کی آخری دفعہ کی زد میں آچکے ہیں جس کے تحت جان بوجھ کر حق سے اعراض کرنے والے کو ہمیشہ کے لیے ہدایت سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

**آیت ۵۸** ﴿وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَلْتُمْ لَهُمُ الْعَذَابَ﴾ ”اور آپ کا رب بہت بخشنے والا بہت رحمت والا ہے۔ اگر وہ مواخذہ کرتا ان کا بسبب ان کے اعمال کے تو بہت جلدی بھیج دیتا ان پر عذاب۔“

یہ مضمون سورۃ النحل آیت ۶۱ اور سورۃ فاطر آیت ۴۵ میں بھی بڑی وضاحت سے بیان ہوا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کے ظلم اور برے اعمال کے سبب ان کا مواخذہ کرتا تو روئے زمین پر کوئی تنفس زندہ نہ چلتا۔ ﴿بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا﴾ ”بلکہ ان کے لیے وعدے کا ایک وقت معین ہے اور وہ ہرگز نہیں پائیں گے اس کے سوا بچنے کی کوئی جگہ۔“

جب کسی کے وعدے کی مقررہ گھڑی (اجل) آ پہنچے گی تو اسے کوئی جائے پناہ نہیں ملے گی اور اس کے لیے اس سے سرک کر ادھر ادھر ہونے کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی: ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْذِنُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (النحل) ”پھر جب آجاتا ہے اُن کا وہ معین تو نہ وہ پیچھے رہ سکتے ہیں ایک لمحہ اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔“

**آیت ۵۹** ﴿وَتِلْكَ الْقُرَىٰ أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا﴾ ”اور یہ ہیں وہ بستیاں جن (کے باسیوں) کو ہم نے ہلاک کر دیا جب انہوں نے ظلم اختیار کیا“

أخفاف میں آباد قوم عاد کے افراد ہوں یا علاقہ حجر کے باشندے اصحاب الایکہ ہوں یا عامورہ اور سدوم کے باسی سب اسی قانون الہی کے مطابق ہلاکت سے دوچار ہوئے۔

﴿وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا﴾ ”اور ہم نے مقرر کر دیا تھا ان کی ہلاکت کے لیے وعدے کا ایک وقت۔“

وعدے کے اس طے شدہ وقت سے پہلے کسی قوم یا بستی پر کبھی کوئی عذاب نہیں آیا۔

## آیات ۶۰ تا ۸۲

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَتْلِهِ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا وَالْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۖ فَلَمَّا بَلَغَا جَمْعَ بَيْنَهُمَا نِسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۖ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِقَتْلِهِ إِنِّيَا غَدَاةْنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۖ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسِيئُهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۖ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۖ قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَمُحُّ ۖ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ۖ فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ۖ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَيْكَ عَلَىٰ

أَنْ تُعَلِّمَن مِمَّا عَلَّمْتُ رُشْدًا ۖ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ وَكَيْفَ تُصِيرُ عَلَيَّ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۖ قَالَ سَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَائِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۖ قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْأَلْنِي عَنْ شَيْءٍ حَتَّى أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۖ فَانْطَلَقَا ۖ حَتَّى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۖ قَالَ أَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ أَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِي بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِي مِنْ أَمْرِي عُسْرًا ۖ فَانْطَلَقَا ۖ حَتَّى إِذَا الْفِئَاةُ غُلَبًا فَفَقَتْهُ ۖ قَالَ أَفَتَكُلْتُمْ نَفْسَ زَكِيَّةٍ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۖ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا ذُكْرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۖ قَالَ إِنْ سَأَلْتَكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَ هَذَا فَلَا تُصِخِّرْنِي ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۖ فَانْطَلَقَا ۖ حَتَّى إِذَا آتَىٰ أَهْلَ قَرْيَةٍ ۖ اسْتَطَعَا أَهْلُهَا فَاكْبُؤا أَنْ يُصَيِّفُوهُمَا فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ أَنْ يَنْقَضَ فَأَقَامَهُ ۖ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۖ أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْكِينٍ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ ۖ فَأَكْرَدْتُمْ أَنْ آعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۖ وَأَمَّا الْغُلَمُ فَكَانَ أَبُوهُم مُّؤْمِنِينَ ۖ فَخَسَيْنَا أَنْ يُؤْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۖ فَأَكْرَدْنَا أَنْ يُبَيِّدَهُمَا رَحْمَةً خَيْرًا مِنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رَحْمًا ۖ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزٌ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ۖ فَأَرَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۖ ذَلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا ۖ

ان دو رکوعوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک سفر کا ذکر ہے۔ اس واقعہ کا ذکر احادیث میں بھی ملتا ہے اور قدیم اسرائیلی روایات میں بھی جن میں سے بہت سی روایات قرآن کے بیان سے مطابقت بھی رکھتی ہیں۔ بہر حال ان روایات سے جو معلومات حاصل ہوتی ہیں ان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ فلاں جگہ جائیں وہاں پر آپ کو ہمارا ایک صاحب علم بندہ ملے گا، آپ کچھ عرصہ اس کے ساتھ رہ کر اس کے علم سے استفادہ کریں۔ ممکن ہے یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا ابتدائی زمانہ ہو اور اس طریقے سے آپ کی تربیت مقصود ہو جس طرح بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کی تربیت کے لیے ایک فرشتہ تین سال تک مسلسل آپ کے ساتھ رہا۔

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے جس بندے کا ذکر کیا ہے ان کے بارے میں قطعی معلومات دستیاب نہیں۔ اس ضمن میں ایک رائے تو یہ ہے کہ وہ ایک فرشتہ تھے جبکہ ایک دوسری رائے کے مطابق وہ انسان ہی تھے

جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہت لمبی عمر دے رکھی ہے۔ یعنی جیسے جنوں میں سے ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا کر رکھی ہے ایسے ہی اُس نے انسانوں میں سے اپنے ایک نیک اور برگزیدہ بندے کو بھی بہت طویل عمر سے نوازا ہے اور ان کا نام حضرت خضر ہے۔ (واللہ اعلم!)

روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کسی وقت یہ خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے شاید مجھے روئے زمین کے تمام انسانوں سے بڑھ کر علم عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ ﴿وَلَوْ قُلَّ كُلٌّ ذِي عِلْمٍ عَلَيْنَا﴾ آپ کو ہدایت فرمائی کہ آپ فلاں جگہ ہمارے ایک بندہ خاص سے ملاقات کریں اور کچھ عرصہ اُس کے ساتھ رہ کر اُس سے علم و حکمت سیکھیں۔ اس حکم کی تعمیل میں آپ اپنے نوجوان ساتھی حضرت یوشع بن نون کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو گئے۔

**آیت ۶۰** ﴿وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا﴾ ”اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے نوجوان (ساتھی) سے کہا کہ میں (چلنا) نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر پہنچ جاؤں یا میں برسوں چلتا ہی رہوں گا۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بتایا گیا تھا کہ وہ شخص مجمع البحرین (دو دریاؤں کے سنگم) پر ملے گا۔ مجمع البحرین کے اس مقام کے بارے میں بھی مفسرین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک رائے تو یہ ہے کہ بحیرہ احمر (Red Sea) کے شمالی کونے سے نکلنے والی دو کھاڑیوں (خلیج سویز اور خلیج عقبہ) کے مقام اتصال کو مجمع البحرین کہا گیا ہے جبکہ ایک دوسری رائے کے مطابق (اور یہ رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے) یہ مقام دریائے نیل پر واقع ہے۔ دریائے نیل دو دریاؤں یعنی النيل الازرق اور النيل الابيض سے مل کر بنتا ہے۔ یہ دونوں دریا سوڈان کی طرف سے مصر میں داخل ہوتے ہیں۔ ایک دریا کے پانی کا رنگ نیلا ہے جبکہ دوسرے کا سفید ہے (پاکستان میں بھی انک کے مقام پر دریائے سندھ کے صاف پانی اور دریائے کابل کے گدے پانی کا ملاپ ایسا ہی منظر پیش کرتا ہے)۔ چنانچہ اس رائے کے مطابق جس مقام پر یہ دونوں دریا مل کر ایک دریا (مصر کے دریائے نیل) کی شکل اختیار کرتے ہیں اس مقام کو مجمع البحرین کہا گیا ہے اور یہ مقام خرطوم کی سرحد کے آس پاس ہے۔

**آیت ۶۱** ﴿فَالَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنَهُمَا﴾ ”پھر جب وہ دونوں پہنچ گئے دو دریاؤں کے ملنے کے مقام پر“  
﴿نَسِيَا حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا﴾ ”تو وہ اپنی مچھلی کو بھول گئے اور اس (مچھلی) نے اپنا راستہ بنا لیا تھا دریا میں سرنگ کی طرح۔“

یہ بھی ہوئی مچھلی تھی جس کو وہ کھانے کی غرض سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ اس مچھلی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی بنایا گیا تھا اور انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ جس مقام پر یہ مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی جائے گی اسی جگہ مطلوبہ شخصیت سے ان کی ملاقات ہوگی۔ چنانچہ مجمع البحرین کے قریب پہنچ کر وہ مچھلی زندہ ہو کر ان کے توشہ دان سے باہر آئی اور اُس نے سرنگ سی بنا کر دریا میں اپنی راہ لی۔ اس منظر کو حضرت یوشع بن نون نے دیکھا

بھی مگر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس کا تذکرہ کرنا بھول گئے۔

**آیت ۶۲** ﴿فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ إِنَّا جَدَّاءٌ نَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَذَا نَصَبًا ۝﴾ ”پھر جب وہ دونوں (وہاں سے) آگے نکل گئے تو موسیٰ نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اب ہمارا ناشتہ لے آؤ“ اپنے اس سفر سے تو ہمیں بہت تکان ہوگئی ہے۔“

یہاں مفسرین نے ایک بہت اہم نکتہ بیان کیا ہے کہ آپ کو تھکاوٹ اس وجہ سے محسوس ہوئی کہ آپ مطلوبہ مقام سے آگے نکل گئے تھے۔ ورنہ اس مقام تک پہنچنے میں آپ کو کسی قسم کی تھکاوٹ کا احساس نہیں ہوا تھا۔

**آیت ۶۳** ﴿قَالَ ارْجِعْ اِذْ اَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ ۚ﴾ ”اُس (نوجوان) نے کہا: دیکھئے، جب ہم ٹھہرے تھے چٹان کے پاس تو میں بھول گیا مچھلی کو (نگاہ میں رکھنا)“

﴿وَمَا أَنْسَيْنَاهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ إِنَّهُ أَذْكُرٌ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝﴾ ”اور نہیں مجھے بھلائے رکھا مگر شیطان نے کہ میں (آپ سے) اس کا ذکر کروں اور اُس نے تو بنالیا تھا اپنا راستہ دریا میں عجیب طرح سے۔“

یعنی اس جگہ وہ مچھلی زندہ ہو کر عجیب طریقے سے دریا میں چلی گئی تھی۔

**آیت ۶۴** ﴿قَالَ ذَلِكَ مَا كُنَّا نَبْعَثُ﴾ ”موسیٰ نے کہا: یہی تو تھا جس کی ہمیں تلاش تھی!“

یہی تو ہمیں نشانی بتائی گئی تھی کہ جس جگہ مچھلی زندہ ہو کر دریا میں چلی جائے گی اس جگہ پر اللہ کے اس بندے سے ہماری ملاقات ہوگی۔ چنانچہ چلو اب واپس اسی جگہ پر پہنچیں۔

﴿فَارْتَدَّآ عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ۝﴾ ”پس وہ دونوں واپس لوٹے اپنے نقوش پا کو دیکھتے ہوئے۔“ واپس اپنے قدموں کے نشانات پر چلتے ہوئے وہ عین اسی جگہ پر آگئے جہاں چٹان کے پاس مچھلی زندہ ہو کر دریا میں کود گئی تھی۔

**آیت ۶۵** ﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ۝﴾ ”تو پایا انہوں نے (وہاں) ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو جسے ہم نے رحمت عطا کی تھی اپنی طرف سے اور اسے سکھایا تھا ایک علم خاص اپنے پاس سے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس سے اپنے خاص خزانہ فیض سے اسے خصوصی علم عطا کر رکھا تھا۔ ”عِلْمًا“ کی اصطلاح یہیں سے اخذ کی گئی ہے۔ لَدُنْ کے معنی قریب یا نزدیک کے ہیں۔ چنانچہ عِلْمًا ہی سے مراد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت سے کسی کو عطا کر دے۔ یعنی ایک علم تو وہ ہے جو انسان اپنے حواس خمسہ کے ذریعے سے باقاعدہ محنت و مشقت کے عمل سے گزر کر حاصل کرتا ہے، جیسے مدارس عربیہ میں صرف و نحو، تفسیر و حدیث اور فقہ وغیرہ علوم حاصل کیے جاتے ہیں یا سکول و کالج میں متداول عمرانی و سائنسی علوم سیکھے جاتے ہیں لیکن علم کی ایک قسم وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ براہ راست کسی انسان کے دل میں ڈال دیتا ہے اور اُس کو اُس کی

تحصیل کے لیے کوئی مشقت وغیرہ بھی نہیں اٹھانی پڑتی۔

**آیت ۶۶** ﴿قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَيْتُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِي مِمَّا عَلَّمْتَ رُشْدًا ۖ﴾ ”موسیٰ نے اُس سے کہا: کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط پر کہ آپ مجھے سکھائیں اُس میں سے جو بھلائی آپ کو سکھائی گئی ہے؟“

مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس نے آپ کو خاص حکمت اور دانائی عطا کر رکھی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں کچھ عرصہ آپ کے ساتھ رہوں اور آپ مجھے بھی اس علم خاص میں سے کچھ سکھادیں۔

**آیت ۶۷** ﴿قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۚ﴾ ”اُس نے کہا: میرے ساتھ (رہ کر) آپ ہرگز صبر نہیں کر سکیں گے۔“

**آیت ۶۸** ﴿وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۚ﴾ ”اور آپ کیسے صبر کریں گے اُس چیز پر جس کی آپ کو پوری پوری خبر نہیں!“

میرے ساتھ رہ کر آپ کو میرے کام بڑے عجیب لگیں گے اور آپ صبر نہیں کر پائیں گے، کیونکہ اُن کاموں کی حقیقی غرض و غایت کے بارے میں آپ کو پوری طرح آگاہی حاصل نہیں ہوگی۔ جو باتیں آپ کے دائرہ علم سے باہر ہوں گی ان پر آپ کیسے صبر کر پائیں گے!

**آیت ۶۹** ﴿قَالَ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا ۖ﴾ ”موسیٰ نے کہا: آپ مجھے ان شاء اللہ صابر پائیں گے، اور میں خلاف ورزی نہیں کروں گا آپ کے کسی حکم کی۔“

یہاں پر ایک اہم نکتہ الٰہی توجہ ہے کہ جب صبر کرنے کی بات ہوئی تو اس کے ساتھ حضرت موسیٰ نے ان شاء اللہ کہا، لیکن نافرمانی نہ کرنے کے وعدے کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہا۔ چنانچہ بعد میں ہم دیکھیں گے کہ اسی وعدے کی خلاف ورزی آپ سے ہوئی جس کے ساتھ ان شاء اللہ نہیں کہا گیا تھا۔ اس حوالے سے اسی سورت کا وہ حکم بھی ذہن میں رکھیے جس میں حضور ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے: ﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِّشَآئِئِیْ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِکَ عَدَا ۙ اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَادْکُورُ رَبَّکَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰی اَنْ یَّهْدِیْنِ رَبِّیْ لَا قُرْبَ مِنْ هٰذَا رُشْدًا ۚ﴾ ”اور کسی چیز کے بارے میں یہ بھی نہ کہا کریں کہ میں کل یہ کرنے والا ہوں مگر یہ کہ اللہ چاہے“ اور اپنے رب کو یاد کر لیا کیجیے جب آپ بھول جائیں اور کہیے کہ ممکن ہے میرا رب میری راہنمائی کروے اس سے زیادہ بھلائی کی راہ کی طرف۔“

**آیت ۷۰** ﴿قَالَ فَإِنِ اتَّبَعْتَنِي فَلَا تَسْتَلْنِي عَنْ شَیْءٍ حَتَّىٰ أُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۚ﴾ ”اُس نے کہا: اگر آپ میرے ساتھ چلنا چاہتے ہیں تو کسی چیز کے بارے میں مجھ سے خود نہ پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی آپ کو اس کے بارے میں بتا دوں۔“

بس آپ میرے ساتھ ساتھ رہیں اور میں جو کچھ کروں یا میرے ساتھ جو کچھ ہو آپ خاموشی سے اس کا

مشاہدہ کرتے رہیں، مگر کسی چیز کے بارے میں مجھ سے سوال نہ کریں۔ میں جب مناسب سمجھوں گا اُن تمام چیزوں کی حقیقت اور تفصیل آپ کو بتا دوں گا جو آپ کے مشاہدے میں آئی ہوں گی۔

**آیت ۱۷** ﴿فَانْطَلَقَا ۖ حَتَّىٰ اِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ خَرَقَهَا ۚ﴾ ”پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب وہ دونوں سوار ہوئے ایک کشتی میں تو اُس نے اس (کشتی) میں شگاف ڈال دیا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی سوال نہ کرنے والی شرط تسلیم کر لی اور یوں وہ دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔ جب وہ دریا پار کرنے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوئے تو انہوں (اُن کو صاحبِ موسیٰ کہیں یا حضرت خضر کہیں) نے بیٹھتے ہی کشتی کا ایک تختہ اکھاڑ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو آپ کہاں خاموش رہنے والے تھے فوراً اُن کو ٹوک دیا۔

﴿قَالَ اَخَرَقْتُهَا لِغُرُقِ اَهْلِهَا ۚ لَقَدْ جِئْتُ شَيْئًا اِمْرًا ۙ﴾ ”موسیٰ نے کہا: کیا آپ نے اسے پھاڑ ڈالا ہے تاکہ غرق کر دیں اس کے تمام سواروں کو؟ یہ تو آپ نے بہت ہی غلط کام کیا ہے۔“

**آیت ۲۰** ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۙ﴾ ”اس نے کہا: میں نے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟“

اس قصہ میں مذکور تین واقعات کے حوالے سے ایک اہم بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ کے جن احکام کے مطابق اس کائنات کا نظام چل رہا ہے ان کی حیثیت تشریعی (شریعت سے متعلق) نہیں بلکہ تکوینی (کائنات کے انتظامی امور سے متعلق) ہے۔ ان احکام کی تعمید کے لیے فرشتے مقرر ہیں۔ اس سلسلے میں شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے یہ بھی ہے کہ اس مقصد کے لیے اولیاء اللہ کی ارواح کو بھی ملائکہ کے طبقہ اسفل میں شامل کر دیا جاتا ہے اور وہ بھی فرشتوں کے ساتھ مل کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمید میں حصہ لیتے ہیں۔ بہر حال ان تکوینی احکام کی تعمیل کے نتیجے میں جو واقعات رونما ہوتے ہیں ہم ان کے صرف ظاہری پہلوؤں کو ہی دیکھ سکتے ہیں۔ کسی واقعہ کے پیچھے اللہ کی مشیت کیا ہے؟ اس کا ادراک ہم نہیں کر سکتے۔ ضروری نہیں کہ کوئی واقعہ یا کوئی چیز بظاہر جیسے دکھائی دے اس کی حقیقت بھی ویسی ہی ہو۔ ممکن ہے ہم کسی چیز کو اپنے لیے برا سمجھ رہے ہوں مگر اس کے اندر ہمارے لیے خیر ہو اور جس چیز کو اچھا سمجھ رہے ہوں وہ حقیقت میں اچھی نہ ہو۔ سورۃ البقرہ میں ہم یہ آیت پڑھ چکے ہیں: ﴿وَعَسَىٰ اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسَىٰ اَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ ۚ وَانْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ﴾ ”ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو برا سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“ چنانچہ ایک بندہ مؤمن کو تفویض الامر کا رویہ اپنانا چاہیے کہ اے اللہ! میرا معاملہ تیرے سپرد ہے، میرے لیے جو تو پسند کرے گا میں اسی پر راضی رہوں گا، کیونکہ تیرے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے: ﴿بِيَدِكَ الْخَيْرُ﴾ (آل عمران ۲۶)۔

**آیت ۳۰** ﴿قَالَ لَا تَاْخِذْنِيْ بِمَا نَسِيتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ۙ﴾ ”موسیٰ نے کہا: آپ میرا مواخذہ نہ کیجیے میرے بھول جانے پر اور نہ ہی میرے معاملے میں زیادہ سختی کیجیے۔“

میں بھول گیا تھا کہ آپ سے میں نے سوال نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے، لہذا آپ میری اس بھول کی وجہ سے میرا مواخذہ نہ کریں اور درگزر سے کام لیں۔

**آیت ۴۷** ﴿فَانْطَلَقَا ۖ حَتَّىٰ اِذَا لَقِيَا غُلَامًا فَقَتَلَهُ ۖ﴾ ”پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ ان کی ملاقات ہوئی ایک لڑکے سے تو اُس (خضر) نے اس کو قتل کر دیا“

﴿قَالَ اَتَلَّتْ نَفْسًا زَكِيَّةً بِغَيْرِ نَفْسٍ ۚ﴾ ”موئیٰ نے کہا: کیا آپ نے قتل کر دیا ایک معصوم جان کو بغیر کسی جان کے (بدلے کے)؟“

اُس نے کوئی گناہ نہیں کیا تھا، کسی کا خون نہیں بہایا تھا، پھر بھی آپ نے اسے قتل کر دیا۔

﴿لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُكْرًا ۝﴾ ”یہ تو آپ نے بہت ہی نامعقول حرکت کی ہے۔“

**آیت ۴۸** ﴿قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝﴾ ”اس (خضر) نے کہا: کیا میں نے آپ سے کہا نہیں تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کر سکیں گے؟“

**آیت ۴۹** ﴿قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَحِّحْنِي ۚ﴾ ”موئیٰ نے کہا: اگر میں آپ سے سوال کروں کسی چیز کے بارے میں اس کے بعد تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے گا۔“

ایک دفعہ پھر آپ میری اس بھول کو نظر انداز کر دیں، لیکن اگر تیسری مرتبہ ایسا ہوا تب بے شک آپ مجھے اپنے ساتھ رکھنے سے انکار کر دیں۔

﴿قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَدُنِّي عُذْرًا ۝﴾ ”آپ پہنچ چکے ہیں میری طرف سے حدِ عذر کو۔“

یعنی آپ کی طرف سے مجھ پر جت قائم ہو چکی ہے۔ لہذا اس کے بعد آپ مجھے ساتھ نہ رکھنے کے بارے میں عذر کر سکتے ہیں۔

**آیت ۵۰** ﴿فَانْطَلَقَا ۖ حَتَّىٰ اِذَا آتٰیَا اَهْلًا قَرْيَةٍ اسْتَطْعَمَا اَهْلَهَا ۖ﴾ ”پھر وہ دونوں چل پڑے یہاں تک کہ جب پہنچے ایک بستی کے لوگوں کے پاس تو انہوں نے کھانا مانگا بستی والوں سے“

کہ ہم مسافر ہیں، بھوکے ہیں، ہمیں کھانا چاہیے۔

﴿فَاَبَوُا اَنْ يُصَيِّفُوهُمَا ۖ﴾ ”تو انہوں نے انکار کر دیا ان دونوں کی مہمان نوازی سے“

اس بستی کے باشندے کچھ ایسے کھنور دل تھے کہ پوری بستی میں سے کسی ایک شخص نے بھی انہیں کھانا کھلانے کی حامی نہ بھری۔

﴿فَوَجَدَا فِيهَا جِدَارًا يُرِيدُ اَنْ يَنْقَضَ ۖ فَاقَامَهُ ۖ﴾ ”تو ان دونوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو

گرا چاہتی تھی تو اُس (خضر) نے اسے سیدھا کر دیا۔“

﴿قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۝﴾ ”موئیٰ نے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس پر کچھ اجرت

لے لیتے۔“



یہ ایسے ناخجار لوگ ہیں کہ انہوں نے ہمیں کھانا تک کھلانے سے انکار کر دیا تھا اور آپ نے بغیر کسی معاوضے کے ان کی دیوار مرمت کر دی ہے۔ بہتر ہوتا اگر آپ اس کام کی کچھ اجرت طلب کرتے اور اس کے عوض ہم کھانا ہی کھا لیتے۔

**آیت ۷۸** ﴿قَالَ هَذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ ۚ سَأُنَبِّئُكَ بِمَا وُضِعَ الْمَالُكَ تَسْتَطِيعَ عَلَيْهِ صَبْرًا ۝۷۸﴾ ”اُس (خضر) نے کہا: بس اب یہ جدائی (کا وقت) ہے میرے اور آپ کے درمیان اب میں آپ کو بتائے دیتا ہوں اصل حقیقت ان چیزوں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔“

**آیت ۷۹** ﴿أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْلُكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ﴾ ”جہاں تک اُس کشتی کا معاملہ ہے تو وہ غریب لوگوں کی (ملکیت) تھی جو محنت کرتے تھے دریا میں“

وہ بہت غریب اور نادار لوگ تھے صرف وہ کشتی ہی ان کے معاش کا سہارا تھی۔ اس کے ذریعے وہ لوگوں کو دریا کے آر پار لے جاتے اور اس مزدوری سے اپنا پیٹ پالتے تھے۔

﴿فَارَدْتُ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝۷۹﴾ ”تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے آگے ایک بادشاہ تھا جو پکڑ رہا تھا ہر کشتی کو زبردستی۔“

بادشاہ ہر اُس کشتی کو اپنے قبضے میں لے لیتا تھا جو صحیح و سالم ہوتی تھی۔ ان نادار لوگوں کی کشتی بھی اگر بے عیب ہوتی تو بادشاہ ان سے زبردستی چھین لیتا۔ چنانچہ میں نے اس کا ایک تختہ توڑ کر اسے عیب دار کر دیا۔ اب جب بادشاہ اس عیب دار کشتی کو دیکھے گا تو اسے چھوڑ دے گا اور اس طرح ان کی روزی کا واحد سہارا ان سے نہیں چھنے گا۔ پوری کشتی چھن جانے کے مقابلے میں ایک تختہ کا ٹوٹ جانا تو معمولی بات ہے۔ اس تختے کی وہ لوگ آسانی سے مرمت کر لیں گے اور یوں وہ کشتی ان کی روزی کا ذریعہ بنی رہے گی۔ لہذا وہ تختہ ان لوگوں کی بھلائی کے لیے توڑا گیا تھا نہ کہ کسی کو نقصان پہنچانے کے لیے۔

**آیت ۸۰** ﴿وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝۸۰﴾ ”رہا وہ لڑکا! تو اس کے والدین دونوں مومن تھے تو ہمیں خدشہ ہوا کہ وہ سرکشی اور ناشکری سے ان پر تعدی کرے گا۔“

حضرت خضر کو اپنے خاص علم کی بنا پر معلوم ہوا ہوگا کہ اس بچے کے genes اچھے نہیں ہیں اور بڑا ہو کر اپنے والدین کے لیے سوہان روح ثابت ہوگا اور سرکشی اور ناشکری کی روش اختیار کر کے ان کو عاجز کر دے گا۔

**آیت ۸۱** ﴿فَارَدْنَا أَنْ يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ۝۸۱﴾ ”پس ہم نے چاہا کہ ان دونوں کو بدلے میں دے ان کا رب اس سے بہتر (اولاد) پاکیزگی میں اور قریب تر شفقت میں۔“

بچے کے والدین چونکہ نیک اور صالح لوگ تھے اس لیے ان کے رب نے چاہا کہ اس بچے کی جگہ انہیں ایک ایسا فرزند عطا فرمائے جو پاکیزہ نفسی و پرہیزگاری میں اس سے بہتر اور مروّت و دردمندی میں اس سے بڑھ کر ہو۔ چنانچہ وقتی طور پر تو بچے کے فوت ہونے سے والدین پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہوگا لیکن حقیقت میں یہ سب

کچھ ان کی بہتری کے لیے ہی کیا گیا تھا۔

**آیت ۸۲** ﴿وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنْزُ لَهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا﴾ ”اور رہی وہ دیوار! تو وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی تھی، اور اس کے نیچے خزانہ تھا ان دونوں کے لیے اور ان کا باپ نیک آدمی تھا۔“

باپ نے جب دیکھا ہوگا کہ میرا آخری وقت قریب آگاہ ہے اور میرے بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں تو اس نے اپنی ساری پونجی اکٹھی کر کے دیوار کی بنیاد میں دفن کر دی ہوگی اس امید پر کہ جب وہ بڑے ہوں گے تو نکال لیں گے۔ لیکن اگر وہ دیوار وقت سے پہلے ہی گر جاتی تو اس بستی کے ناہنجار لوگ جو کسی مسافر کو کھانا کھلانے کے بھی روادار نہیں، ان یتیموں کا دفینہ لوٹ کر لے جاتے۔

﴿فَارَادَ رَبُّكَ أَنْ يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا﴾ ”لہذا آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچ جائیں اور نکال لیں اپنا خزانہ“

باپ چونکہ نیک آدمی تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیوار کی مرمت کا اہتمام کر کے اس کے کمن یتیم بچوں کی بھلائی کا سامان کیا گیا۔

﴿رَحْمَةً مِنْ رَبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي﴾ ”(یہ سب امور) آپ کے رب کی رحمت سے (طے ہوئے) تھے اور میں نے اپنی رائے سے انہیں سرانجام نہیں دیا۔“

یعنی یہ تمام امور اللہ کی رحمت کا مظہر تھے۔ یہ اللہ ہی کے فیصلے تھے اور اسی کے حکم سے ان کی تنفیذ و تعمیل کی گئی۔ میں نے اپنی مرضی سے ان میں سے کچھ بھی نہیں کیا۔ ان امور کے سلسلے میں اللہ کے احکام کی تنفیذ کرنے والے اللہ کے وہ بندے حضرت خضرؑ تھے کوئی اور ولی اللہ تھے یا کوئی فرشتہ تھے اس سے فرق نہیں پڑتا۔ اس سارے واقعہ میں اصل بات جو سمجھنے کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ کے ایسے تمام بندے کارکنانِ قضا و قدر کی فوج کے سپاہی ہیں اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے جن احکام کی تنفیذ کر رہے ہیں ان کا تعلق شریعت سے نہیں بلکہ تکوینی امور سے ہے۔ دنیا میں جو واقعات و حادثات رونما ہوتے ہیں ہم صرف ان کے ظاہری پہلو کو دیکھ کر ہی ان پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں یا دل گرفتہ ہوتے ہیں۔ بہر حال ہمیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کچھ ہوتا ہے اس میں خیر اور بھلائی ہی ہوتی ہے۔ لہذا ہمیں اپنے تمام معاملات میں ”تفویض الامر“ کا رویہ اپناتے ہوئے راضی برضائے رب رہنا چاہیے کہ: ”ہر چہ ساقی ماریخت عین الطاف است!“

﴿ذَلِكَ نَوْدِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا﴾ ”یہ ہے اصل حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔“

## آیات ۸۳ تا ۱۰۱

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقُرْنَيْنِ ط قُلْ سَأَتْلُوا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۚ إِنَّا مَكِّنَّا لَهُ فِي الْأَرْضِ

وَاتَيْنَهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۚ فَاتَّبَعِ سَبَبًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ۖ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا يَا الْقَوْمِینَ إِنَّمَا أَنْتُمْ مُعَذِّبٌ وَإِنَّمَا أَنْتُمْ تُنْجِدُ فِيهِمْ حُسْنًا ۚ قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا ثَقِيلًا ۚ وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءُ الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ۚ ثُمَّ أَتَبَعَ سَبَبًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَمْ يَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا ۚ كَذٰلِكَ ۖ وَقَدْ أَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۚ ثُمَّ أَتَبَعَ سَبَبًا ۚ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۚ قَالُوا يَا الْقَوْمِینَ إِنَّا یَأْجُوجٌ وَمَأْجُوجٌ مُّفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ فَهَلْ یَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۚ قَالَ مَا مَلَكَنِي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۚ أَتُوتُنِي زَيْرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا ۚ قَالَ أَتُوتُنِي أُفْرِغَ عَلَيْهِ قِطْرًا ۚ فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا ۚ قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي ۚ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۚ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ ۚ وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَمَجَعْنَاهُمْ مَجْعًا ۚ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرْضًا ۚ الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِنَا وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۚ

۱۹

اس رکوع میں ذوالقرنین کے بارے میں یہودیہ کے سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز تک اکثر مفسرین ذوالقرنین سے ناواقف تھے۔ چنانچہ تیرہ سو سال تک عام طور پر سنہ اعظم ہی کو ذوالقرنین سمجھا جاتا رہا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن میں ذوالقرنین کی فتوحات کا ذکر جس انداز میں ہوا ہے یہ انداز سنہ اعظم کی فتوحات سے ملتا جلتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ذوالقرنین کی سیرت کا وہ نقشہ جو قرآن نے پیش کیا ہے اس کی سنہ اعظم کی سیرت کے ساتھ سرے سے کوئی مناسبت ہی نہیں۔

بہر حال جدید تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ ذوالقرنین قدیم ایران کے باوشاہ کینج رس یا سائرس کا لقب تھا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب ایران کے علاقے میں دوالگ الگ خود مختار مملکتیں قائم تھیں۔ ایک کا نام پارس تھا جس سے ”فارس“ کا لفظ بنا ہے اور دوسرے کا نام ”ماوا“ تھا۔ کینج رس یا سائرس نے ان دونوں مملکتوں کو ملا کر ایک ملک بنا دیا اور یوں سلطنت ایران کے سنہرے دور کا آغاز ہوا۔ دو مملکتوں کے فرمانروا ہونے کی علامت کے طور پر اس نے اپنے تاج میں دو سینگ لگا رکھے تھے اور اس طرح اس کا لقب ذوالقرنین (دو سینگ والا) پڑ گیا۔

آیت ۸۳ ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ ذِي الْقُرْنَيْنِ ۖ قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا ۝﴾ ”اور یہ لوگ آپ

سے ذوالقرنین کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ کہیے کہ ابھی میں آپ لوگوں کو اس کا حال بتاتا ہوں۔“  
 ذوالقرنین کے بارے میں جدید تحقیق کو اہل علم کے حلقے میں متعارف کرانے کا سہرا مولانا ابوالکلام آزادؒ  
 کے سر ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر ”ترجمان القرآن“ میں اس موضوع پر بہت تفصیل سے بحث کی ہے اور ثابت کیا  
 ہے کہ قدیم ایران کا بادشاہ کچھ رس یا سارس ہی ذوالقرنین تھا۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی تحقیق کی بنیاد ان  
 معلومات پر ہے جو شہنشاہ ایران رضا شاہ پہلوی کے دور میں ایک کھدائی کے دوران دستیاب ہوئی تھیں۔ اس  
 کھدائی کے دوران اس عظیم فاتح بادشاہ کا ایک مجسمہ بھی دریافت ہوا تھا اور مقبرہ بھی۔ اس کھدائی سے ملنے والی  
 معلومات کی بنیاد پر رضا شاہ پہلوی نے اُس کی ڈھائی ہزار سالہ برسی منانے کا خصوصی اہتمام کیا تھا۔ دریافت  
 شدہ مجسمے کے سر پر جو تاج تھا اس میں دو سینگ بھی موجود تھے جس سے یہ ثابت ہو گیا کہ ایران کا یہی بادشاہ  
 (کچھ رس یا سارس) تھا جو تاریخ میں ذوالقرنین کے لقب سے مشہور ہے۔

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہودیوں نے خصوصی طور پر یہ سوال کیوں پوچھا تھا اور ذوالقرنین کی شخصیت  
 میں ان کی اس دلچسپی کا سبب کیا تھا؟ اس سوال کا جواب ہمیں بنی اسرائیل کی تاریخ سے ملتا ہے۔ جب ۸۷۷ قبل مسیح  
 کے لگ بھگ عراق کے بادشاہ بخت نصر نے فلسطین پر حملہ کر کے یروشلم کو تباہ کیا تو اس شہر کی اکثریت کو تہ تیغ کر دیا  
 گیا اور زندہ بچ جانے والوں کو وہ اپنی فوج کے ساتھ بابل (Bablonia) لے گیا، جہاں یہ لوگ ڈیڑھ سو سال  
 تک اسیری کی حالت میں رہے۔

جب ایران کے بادشاہ کچھ رس یا سارس (آئندہ سطور میں انہیں ”ذوالقرنین“ ہی لکھا جائے گا) نے  
 ایران کو متحد کرنے کے بعد اپنی فتوحات کا دائرہ وسیع کیا تو سب سے پہلے عراق کو فتح کیا۔ مشرق وسطیٰ کے موجودہ  
 نقشے کو ذہن میں رکھا جائے تو فلسطین، اسرائیل، شرق اردن، مغربی کنارہ اور لبنان کے ممالک پر مشتمل پورے  
 علاقے کو اُس زمانے میں شام عرب یا شام اور اس سے مشرق میں واقع علاقے کو عراق عرب یا عراق کہا جاتا تھا،  
 جبکہ عراق کے مزید مشرق میں ایران واقع تھا۔ عراق پر قبضہ کرنے کے بعد ذوالقرنین نے بابل میں اسیر  
 یہودیوں کو آزاد کر دیا اور انہیں اجازت دے دی کہ وہ اپنے ملک واپس جا کر اپنا تباہ شدہ شہر یروشلم دوبارہ آباد  
 کر لیں۔ چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام کی قیادت میں یہودیوں کا قافلہ بابل سے واپس یروشلم آیا۔ انہوں نے اپنے  
 اس شہر کو پھر سے آباد کیا اور ہیکل سلیمانی کو بھی از سر نو تعمیر کیا۔ اس پس منظر میں یہودی ذوالقرنین کو اپنا محسن سمجھتے  
 ہیں اور اسی سبب سے ان کے بارے میں انہوں نے حضور ﷺ سے یہ سوال پوچھا تھا۔

ذوالقرنین کی فتوحات کے سلسلے میں تین مہمات کا ذکر تاریخ میں بھی ملتا ہے۔ ان مہمات میں ایران سے  
 مغرب میں بحیرہ روم (Mediterranean) تک پورے علاقے کی تسخیر، مشرق میں بلوچستان اور مکران تک  
 لشکر کشی اور شمال میں بحیرہ خزر (Caspian Sea) اور بحیرہ اسود (Black Sea) کے درمیانی پہاڑی  
 علاقے کی فتوحات شامل ہیں۔ ذوالقرنین کا یہ سلسلہ فتوحات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کی فتوحات کے سلسلے  
 سے مشابہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں بھی جزیرہ نمائے عرب سے مختلف سمتوں میں تین لشکروں نے پیش  
 قدمی کی تھی، ایک لشکر شام اور پھر مصر گیا تھا، دوسرے لشکر نے عراق کے بعد ایران کو فتح کیا تھا، جبکہ تیسرا لشکر شمال میں

کوہ قاف (Caucasus) تک جا پہنچا تھا۔

قدیم روایات میں ذوالقرنین کے بارے میں کچھ ایسی معلومات بھی ملتی ہیں کہ ابتدائی عمر میں وہ ایک چھوٹی سی مملکت کے شہزادے تھے۔ ان کے اپنے ملک میں کچھ ایسے حالات ہوئے کہ کچھ لوگ ان کی جان کے درپے ہو گئے۔ وہ کسی نہ کسی طرح وہاں سے بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے اور کچھ عرصہ صحرا میں روپوش رہے۔ اسی عرصے کے دوران ان تک کسی نبی کی تعلیمات پہنچیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ زرتشت ہی اللہ کے نبی ہوں اور انہی کی تعلیمات سے انہوں نے استفادہ کیا ہو۔ بہر حال قرآن نے ذوالقرنین کا جو کردار پیش کیا ہے وہ ایک نیک اور صالح بندہ مومن کا کردار ہے اور اس کردار کی خصوصیات تاریخی اعتبار سے اس زمانے کے کسی اور فاتح حکمران پر منطبق نہیں ہوتیں۔

**آیت ۸۴** ﴿إِنَّا مَكِّنَّا لَكَ فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝﴾ ”ہم نے اسے زمین میں تمکین عطا کیا تھا اور اُسے ہر طرح کے اسباب و وسائل مہیا کیے تھے۔“

**آیت ۸۵** ﴿فَاتَّبَعَ سَبَبًا ۝﴾ ”تو اُس نے ایک (مہم) کا سر و سامان کیا۔“

**آیت ۸۶** ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ ۝﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ سورج کے غروب ہونے کی جگہ تک پہنچا“

یہ ذوالقرنین کی مغربی علاقوں پر لشکر کشی کا ذکر ہے جب وہ پیش قدمی کرتے ہوئے بحیرہ روم (Mediterranean Sea) کے ساحل تک جا پہنچے۔ چونکہ اُس زمانے میں ان لوگوں کو پوری دنیا کا نقشہ معلوم نہیں تھا اس لیے وہ یہی سمجھ رہے ہوں گے کہ ہم اس سمت میں دنیا زمین کی آخری سرحدوں تک پہنچ گئے ہیں اور اس سے آگے بس سمندر ہی سمندر ہے۔ وہاں ساحل پر کھڑے ہو کر انہیں سورج بظاہر سمندر میں غروب ہوتا ہوا نظر آیا اور اس طرح وہ اس جگہ کو مَغْرِبُ الشَّمْسِ (سورج کے غروب ہونے کی جگہ) سمجھے۔

﴿وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ ۝﴾ ”اُس نے اسے غروب ہوتے ہوئے پایا ایک گدے لے چشمے میں“ اس سے Aegean Sea مراد ہے جس کا پانی بہت گدلا ہے۔

﴿وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ۝﴾ ”اور اُس نے پایا وہاں ایک قوم کو۔“

یعنی اس علاقے کو جب انہوں نے فتح کر لیا تو وہاں بسنے والی قوم ان کی رعایا بن گئی۔

﴿قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّمَا اَنْ تَعْلَبَ وَرَآمًا اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا ۝﴾ ”ہم نے کہا: اے

ذوالقرنین! تم چاہو تو انہیں سزا دو اور چاہو تو ان (کے بارے) میں حسن سلوک کا معاملہ کرو۔“

یعنی آپ نے اس علاقے کو بزور بازو فتح کیا ہے اب یہاں کے باشندے آپ کے رحم و کرم پر ہیں آپ کو ان پر مکمل اختیار ہے۔ آپ چاہیں تو ان پر سختی کریں اور آپ چاہیں تو ان کے درمیان حسن سلوک کی روایت قائم کریں۔ آیت کے الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نے براہ راست ذوالقرنین کو مخاطب کر کے فرمائی، لیکن ضروری نہیں کہ حقیقت میں ایسا ہی ہوا ہو۔ اگر تو وہ نبی تھے (واللہ اعلم) تو یہ ممکن بھی ہے

ورنہ اس سے مراد القاء یا الہام بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے سورۃ النحل (آیت ۶۸) میں شہد کی مکھی کی طرف وحی کے جانے کا ذکر ہے۔

**آیت ۸۷** ﴿قَالَ أَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهُ ثُمَّ يُرَدُّ إِلَىٰ رَبِّهِ فَيُعَذِّبُهُ عَذَابًا نُكَرًا ۝﴾ ”اُس نے کہا: جس نے ظلم کیا ہم اسے سزا دیں گے پھر وہ لوٹایا جائے گا اپنے رب کی طرف اور وہ اسے بہت سخت عذاب دے گا۔“

یہاں ظلم سے مراد کفر اور شرک بھی ہو سکتا ہے۔

**آیت ۸۸** ﴿وَأَمَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُ جَزَاءُ الْحُسْنَىٰ ۖ وَسَنَقُولُ لَهُ مِنْ أَمْرِنَا يُسْرًا ۝﴾ ”اور جو کوئی ایمان لایا اور اُس نے نیک اعمال کیے تو اُس کے لیے ہے اچھی جزا اور اُس سے ہم بات کریں گے اپنے معاملے میں نرمی سے۔“

یعنی اس مفتوحہ علاقہ میں اپنی رعایا کے اہل ایمان نیک لوگوں سے ہم تمام معاملات میں نرمی سے کام لیں گے اور خراج وغیرہ کی وصولی کے سلسلے میں ان پر سختی نہیں کریں گے۔

**آیت ۸۹** ﴿ثُمَّ اتَّبَعَ سَبَبًا ۝﴾ ”پھر اُس نے ایک (اور ہم) کا (سرو سامان کیا۔“

مغربی ہم سے فارغ ہونے کے بعد ذوالقرنین نے مشرقی علاقوں کی طرف پیش قدمی کا منصوبہ بنایا۔

**آیت ۹۰** ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ﴾ ”یہاں تک کہ وہ سورج کے طلوع ہونے کی جگہ پر پہنچ گیا“ اس ہم کے سلسلے میں تاریخی طور پر مکران کے علاقے تک ذوالقرنین کی پیش قدمی ثابت ہے۔ (واللہ اعلم!) ممکن ہے ساحل مکران پر کھڑے ہو کر بھی انہوں نے محسوس کیا ہو کہ وہ اس سمت میں بھی زمین کی آخری حد تک پہنچ گئے ہیں۔

﴿وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِّنْ دُونِهَا سَبْتًا ۝﴾ ”اُس نے اس کو طلوع ہوتے پایا ایک ایسی قوم پر جس کے لیے ہم نے اس (سورج) کے مقابل کوئی اوٹ نہیں رکھی تھی۔“

اس زمانے میں یہ علاقہ Gedrosia کہلاتا تھا۔ یہاں ایسے وحشی قبائل آباد تھے جو زمین پر صرف دیواریں کھڑی کر کے اپنے گھر بناتے تھے اور اس زمانے تک ان کے تمدن میں گھروں پر چھتیں ڈالنے کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔

**آیت ۹۱** ﴿كَذَٰلِكَ ۖ﴾ ”(پھر) ایسا ہی ہوا۔“

پھر یہاں بھی ویسا ہی معاملہ ہوا جیسا کہ پہلی ہم کے سلسلے میں ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مکمل فتح عطا فرمائی اور علاقے میں آباد قبائل کے معاملات میں نرمی یا سختی کرنے کا پورا اختیار دیا۔ یہاں بھی ذوالقرنین نے ظالم اور شریر لوگوں کے ساتھ سختی جبکہ نیک اور شریف لوگوں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار کرنے کے عزم کا اظہار کیا۔

﴿وَقَدْ أَحْطَيْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ۝﴾ ”اور ہم پوری طرح باخبر تھے اُس کے احوال سے۔“

جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا اور جن حالات سے اس کو سابقہ پیش آیا ہم اس سے پوری طرح باخبر تھے۔

**آیت ۹۲ ﴿ثُمَّ اتَّخَذَ صَبَابًا ۙ﴾** ”پھر اُس نے ایک (اور مہم کا) سرو سامان کیا۔“

**آیت ۹۳ ﴿حَتَّىٰ إِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ﴾** ”یہاں تک کہ جب وہ دود یواروں کے درمیان پہنچا“

”سَد“ دیوار کو کہتے ہیں۔ دود یواروں سے مراد یہاں دو پہاڑی سلسلے ہیں۔ داہنی طرف مشرق میں بحیرہ کیسپین تھا اور دوسری طرف بحیرہ اسود۔ ان دونوں سمندروں کے ساحلوں کے ساتھ ساتھ دو پہاڑی سلسلے متوازی چلتے ہیں۔ اور ان پہاڑی سلسلوں کی درمیانی گزرگاہ سے شمالی علاقوں کے وحشی قبائل (یا جوج ماجوج) اس علاقے پر حملہ آور ہوتے تھے۔

**﴿وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا ۙ﴾** ”اُس نے پایا اُن دونوں سے

ورے ایک قوم (کے افراد) کو جو کوئی بات سمجھ نہیں سکتے تھے۔“

گویا یہ بھی ایک غیر تمدن قوم تھی۔ اس قوم کے افراد ذوالقرنین اور ان کے ساتھیوں کی زبان سے قطعاً نا آشنا تھے اور حملہ آور لشکر کے لوگ بھی اس مفتوحہ قوم کی زبان نہیں سمجھ سکتے تھے۔ مگر پھر بھی انہوں نے کسی نہ کسی طرح سے ذوالقرنین کے سامنے اپنا مدعا بیان کر ہی دیا:

**آیت ۹۴ ﴿قَالُوا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّا يٰجُوجَ وَمَاجُوجَ مُفْسِدُونَ فِى الْاَرْضِ﴾** ”انہوں نے کہا: اے

ذوالقرنین! یا جوج اور ماجوج زمین میں بہت فساد مچانے والے لوگ ہیں“

**﴿فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلَىٰ اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۙ﴾** ”تو کیا ہم آپ کو کچھ خراج

ادا کریں کہ اس کے عوض آپ ہمارے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا دیں؟“

یعنی آپ ان پہاڑوں کے درمیان واقع اس واحد قدرتی گزرگاہ کو بند کر دیں تاکہ یا جوج و ماجوج ہم پر حملہ آور نہ ہو سکیں۔ یہ وہی تصور یا اصول تھا جس کے تحت آج کل دریاؤں پر ڈیم تعمیر کیے جاتے ہیں۔ یعنی دو متوازی پہاڑی سلسلوں کے درمیان اگر دریا کی گزرگاہ ہے تو کسی کو مناسب مقام پر مضبوط دیوار بنا کر پانی کا راستہ روک دیا جائے تاکہ دریا ایک بہت بڑی جھیل کی شکل اختیار کر لے۔

یہ یا جوج ماجوج کون ہیں؟ ان کے بارے میں جاننے کے لیے نسل انسانی کی قدیم تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے۔ قدیم روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے بعد نسل انسانی آپ کے تین بیٹوں سام، حام اور یافث سے چلی تھی۔ ان میں سے سامی نسل تو بہت معروف ہے۔ قوم عاد، قوم ثمود اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سب سامی نسل میں سے تھے۔ حضرت یافث کی اولاد کے لوگ وسطی ایشیا کے پہاڑی سلسلے کو عبور کر کے شمال کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے ان کی نسل بڑھتے بڑھتے شمالی ایشیا اور یورپ کے علاقوں میں پھیل گئی۔ چنانچہ مشرق میں چین اور ہندوستانی کی yellow races، مغرب میں روس اور سکندریہ نیوین ممالک کی اقوام مغربی یورپ کے Anglo Saxons، مشرقی یورپ میں خصوصی طور پر شمالی علاقوں اور صحرائے گوبی کے علاقوں کی تمام آبادی حضرت یافث کی نسل سے تعلق رکھتی ہے۔ تو رات میں حضرت یافث کے بہت سے بیٹوں کے نام ملتے ہیں۔ ان

میں Mosc, Tobal, Gog & Magog وغیرہ قابل ذکر ہیں (ممکن ہے روس کا شہر ماسکو حضرت یافث کے بیٹے ماسک نے آباد کیا ہو)۔ اسی طرح Baltic Sea اور Baltic States کا نام غالباً Tobal کے نام پر ہے۔ بہر حال یورپ کی اینگلو سیکسن اقوام اور تمام Nordic Races یا جوج ماجوج ہی کی نسل سے ہیں۔ بنیادی طور پر یہ غیر متمدن اور وحشی لوگ تھے جن کا پیشہ لوٹ مار اور قتل و غارت گری تھا۔ وہ اپنے ملحقہ علاقوں پر حملہ آور ہوتے، قتل و غارت کا بازار گرم کرتے اور لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے۔ ان کی اس غارت گری کی جھلک موجودہ دنیا نے بھی دیکھی جب Anglo Saxons نے ایک سیلاب کی طرح یورپ سے نکل کر دیکھتے ہی دیکھتے پورے ایشیا اور افریقہ کو نوآبادیاتی نظام کے شکنجے میں جکڑ لیا۔ بعد ازاں مختلف عوامل کی بنا پر انہیں ان علاقوں سے بظاہر پسپا تو ہونا پڑا مگر حقیقت میں دنیا کے بہت سے ممالک پر بالواسطہ اب بھی ان کا قبضہ ہے۔ آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک جیسے ادارے ان کی اسی بالواسطہ حکمرانی کو مضبوط کرنے میں ان کی مدد کرتے ہیں۔

قرب قیامت میں ان قوموں کی ایک اور یلغار ہونے والی ہے۔ اس کی تفصیلات احادیث اور روایات میں اس طرح آئی ہیں کہ قیامت سے قبل دنیا ایک بہت ہولناک جنگ کی لپیٹ میں آجائے گی۔ اس جنگ کو احادیث میں ”الملحمة العظمیٰ“ جبکہ بائبل میں Armageddon کا نام دیا گیا ہے۔ مشرق وسطیٰ کا علاقہ اس جنگ کا مرکزی میدان بنے گا۔ اس جنگ میں ایک طرف عیسائی دنیا اور تمام یورپی اقوام ہوں گی اور دوسری طرف مسلمان ہوں گے۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایک عظیم لیڈر امام مہدی کی صورت میں عطا کرے گا۔ امام مہدی عرب میں پیدا ہوں گے اور وہ مجدد ہوں گے۔ پھر کسی مرحلے پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔ خراسان کے علاقے سے مسلمان افواج ان کی مدد کو جائیں گی۔ پھر اس جنگ کا خاتمہ اس طرح ہوگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کر دیں گے، یہودیوں کا خاتمہ ہو جائے گا اور تمام عیسائی مسلمان ہو جائیں گے۔ یوں اسلام کو عروج ملے گا اور دنیا میں اسلامی حکومت قائم ہو جائے گی۔ (اللہ تعالیٰ مسلمانان پاکستان کو توفیق دے کہ اس سے پہلے وہ یہاں نظام خلافت قائم کر لیں اور ہمسایہ علاقہ خراسان سے جو فوجیں امام مہدی کی مدد کے لیے روانہ ہوں ان میں ہمارے لوگ بھی شامل ہوں۔)

جب ہولناک جنگ اپنے انجام کو پہنچ جائے گی تو اس کے بعد یا جوج ماجوج کی بہت بڑی یلغار ہوگی۔ میرے خیال میں یہ لوگ چین اور ہندوستانی وغیرہ علاقوں کی طرف سے حملہ آور ہوں گے۔ یہ لوگ Armageddon میں حصہ نہیں لیں گے بلکہ اس کے بعد اس علاقے پر یلغار کر کے تباہی مچائیں گے۔ سورۃ الانبیاء کی آیات ۹۲، ۹۷ اور ۹۸ میں اُن کی اس یلغار کا ذکر قرب قیامت کے واقعات کے حوالے سے کیا گیا ہے۔

**آیت ۹۵** ﴿قَالَ مَا مَكْنِي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ﴾ ”اُس نے کہا: جو کچھ مجھے دے رکھا ہے اس میں میرے رب نے وہ بہت بہتر ہے“

کہ مجھے تمہارے خراج وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس سے بہتر مال تو میرے رب نے مجھے پہلے ہی عطا کر رکھا ہے۔ بہر حال تمہارے اس مسئلے کو میں حل کیے دیتا ہوں۔ اس جملے سے ذوالقرنین کے کردار کی عکاسی ہوتی ہے۔



﴿فَاعْيَنُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا﴾ ”البتہ تم لوگ میری مدد کرو قوت (محنت) کے ذریعے سے میں تمہارے اور ان کے درمیان ایک مضبوط دیوار بنا دوں گا۔“

دیوار بنانے کے لیے جو مادی اسباب و وسائل درکار ہیں وہ میں مہیا کر لوں گا۔ آپ لوگ اس سلسلے میں محنت و مشقت اور افرادی قوت (man power) کے ذریعے میرا ہاتھ بٹاؤ۔

آیت ۹۶ ﴿اتُوبُنِي رَبِّيَ الْحَدِيدَ﴾ ”لاؤ میرے پاس تختے لوہے کے۔“  
﴿حَتَّىٰ إِذَا سَاوَى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ﴾ ”یہاں تک کہ جب اُس نے برابر کر دیا دونوں اونچائیوں کے درمیان (کی جگہ) کو“

جب لوہے کے تختوں کو جوڑ کر انہوں نے دونوں پہاڑوں کے درمیانی وڑے میں دیوار کھڑی کر دی تو:

﴿قَالَ انْفُخُوا﴾ ”اُس نے کہا: اب آگ دھکاؤ!“  
اس نے بڑے پیمانے پر آگ جلا کر ان تختوں کو گرم کرنے کا حکم دیا۔  
﴿حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا﴾ ”یہاں تک کہ جب بنا دیا اس نے اس کو آگ (کی مانند)“  
جب لوہے کے وہ تختے گرم ہو کر سرخ ہو گئے تو:

﴿قَالَ اتُوبُنِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾ ”اُس نے کہا: لاءو میرے پاس میں ڈال دوں اس پر پگھلا ہوا تانبہ۔“

اور یوں ذوالقرنین نے لوہے کے تختوں اور پگھلے ہوئے تانبے کے ذریعے سے ایک انتہائی مضبوط دیوار بنا دی۔ اس دیوار کے آثار بحیرہ کیسپین کے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ دار یال اور در بند کے درمیان اب بھی موجود ہیں۔ یہ دیوار پچاس میل لمبی اُتیس فٹ اونچی اور دس فٹ چوڑی تھی۔ آج سے سینکڑوں سال پہلے لوہے اور تانبے کی اتنی بڑی (مصر کے اسوان ڈیم سے بھی بڑی جسے اُسڈ الاعلیٰ کہا جاتا ہے) دیوار تعمیر کرنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ تھا۔

آیت ۹۷ ﴿فَمَا اسْطَاعُوا أَنْ يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا﴾ ”اب نہ تو وہ (یا جوج ماجوج) اس کے اوپر چڑھ سکیں گے اور نہ ہی اس میں نقب لگا سکیں گے۔“

آیت ۹۸ ﴿قَالَ هَذَا رَحْمَةٌ مِنْ رَبِّي﴾ ”اس نے کہا کہ یہ رحمت ہے میرے رب کی“  
اتنا بڑا کارنامہ سرانجام دینے کے بعد بھی ذوالقرنین کوئی کلمہ فخر زبان پر نہیں لائے، بلکہ یہی کہا کہ اس میں میرا کوئی کمال نہیں، یہ سب اللہ کی مہربانی سے ہی ممکن ہوا ہے۔

﴿فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ﴾ ”اور جب آجائے گا وعدہ میرے رب کا تو وہ کر دے گا اس کو ریزہ ریزہ۔“

چنانچہ امتداد زمانہ کے سبب یہ دیوار اب ختم ہو چکی ہے، صرف اس کے آثار موجود ہیں جن سے اس کے

مقام اور ساز و غیرہ کا پتا چلتا ہے۔

﴿وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا ۙ﴾ ”اور میرے رب کا وعدہ سچا ہے۔“

آیت ۹۹ ﴿وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ﴾ ”اور ہم چھوڑ دیں گے ان کو اس دن وہ ایک دوسرے میں گتھم گتھا ہو جائیں گے“

یہ قیامت سے پہلے رونما ہونے والے جنگی واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ قرب قیامت کے واقعات میں سے ایک اہم واقعہ یا جوج و ما جوج کا ظہور بھی ہے۔ احادیث میں ان کے بارے میں ایسی خبریں ہیں کہ وہ دریاؤں اور سمندروں کا پانی پی جائیں گے اور ہر چیز کو ہڑپ کر جائیں گے۔ عین ممکن ہے وہ آدم خور بھی ہوں اور ضرورت پڑنے پر انسانوں کو بھی کھا جائیں۔ جیسے آج ہم چینی قوم کو دیکھتے ہیں کہ وہ سانپ، بچہ، تباہی، ہر چیز کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔ کثرت آبادی کے لحاظ سے بھی یا جوج و ما جوج کی بیشتر علامات کا تطابق چینی قوم پر ہوتا نظر آتا ہے۔

یا جوج و ما جوج کی یلغار کا نقشہ سورۃ الانبیاء میں اس طرح کھینچا گیا ہے: ﴿وَهُمْ مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ﴾ ”اور وہ ہر پہاڑ کی ڈھلوان سے اترتے ہوئے نظر آئیں گے۔“ ۱۹۶۲ء میں چین بھارت جنگ کے دوران اخباروں نے چینی افواج کے حملوں کی تفصیلات بتاتے ہوئے بھی کچھ ایسی ہی تصویر کشی کی تھی: "Waves after waves of Chinese soldiers were coming down the slopes." جس طرح یا جوج و ما جوج آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے اپنے ملحقہ علاقوں کی مہذب آبادیوں کو تاخت و تاراج کرتے تھے اسی طرح قیامت سے پہلے ایک دفعہ پھر وہ دنیا میں تباہی مچائیں گے اور ان کا ظہور اپنی نوعیت کا ایک بہت اہم واقعہ ہوگا۔

﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنَاهُمْ جَمْعًا ۙ﴾ ”اور صور میں پھونکا جائے گا، پس ہم ان سب کو جمع کر لیں گے۔“

آیت ۱۰۰ ﴿وَعَرَّضْنَاهُمْ يَوْمَئِذٍ لِلْكَافِرِينَ عَرَضًا ۙ﴾ ”اور اُس روز ہم جہنم کو کافروں کے سامنے لے آئیں گے۔“

کہ دیکھ لو اپنی آنکھوں سے، اسے ہم نے تمہارے انجام کے لیے تیار کر رکھا ہے۔

آیت ۱۰۱ ﴿الَّذِينَ كَانَتْ أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا ۙ﴾ ”وہ لوگ جن کی نگاہیں پردے میں تھیں میرے ذکر سے اور وہ سن بھی نہیں سکتے تھے۔“

وہ لوگ جو اندھے اور بہرے ہو کر دنیا سمیٹنے میں لگے ہوئے تھے، حقیقی مسبب الاسباب کو بالکل فراموش کر چکے تھے، صرف دُنیوی اسباب و وسائل پر بھروسہ کرتے تھے اور دنیا میں ان کی ساری تگ و دو مادی منفعت کے حصول کے لیے تھی۔ یہی مضمون اگلے (آخری) رکوع میں بہت تیکھے انداز میں آ رہا ہے۔

## آیات ۱۰۲ تا ۱۱۰

أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ  
 لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا ۚ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۚ الَّذِينَ ضَلَّ سَعِيَهُمْ فِي الْحَيَاةِ  
 الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا ۚ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِمْ  
 فَحِطَّتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا تُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا ۚ ذَلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمَ بِمَا كَفَرُوا  
 وَتَتَّخِذُوا الْبَقِيَّةَ وَرُسُلِي هُزُوًا ۚ إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ  
 الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۚ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ عَنْهَا حِوَلًا ۚ قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَكَلِمَتٍ  
 رَبِّي لَنَفِذَ الْبَحْرَ قَبْلَ أَنْ تَنْفَذَ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِبِخْلِهِ مَدَدًا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ  
 مُثَلِّمٌ يُؤْتِي إِلَى الْكِتَابِ إِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا  
 صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ ۚ أَحَدًا ۚ

ع

اس آخری رکوع میں بہت واضح الفاظ میں بتا دیا گیا ہے کہ اللہ کی نظر میں کون لوگ حقیقی گمراہی اور کفر و  
 دجل میں مبتلا ہیں۔ اگرچہ قرب قیامت کے زمانے میں ایک شخص معین ”دجال اکبر“ کا قتلہ اور اس کا ظہور اپنی  
 جگہ ایک حقیقت ہے (یہ اس کی تفصیل کا موقع نہیں) مگر عمومی طور پر وجاہت کا قتلہ یہی ہے کہ انسان حصول دنیا  
 میں مشغول ہو کر اس حد تک غافل ہو جائے کہ اُسے نہ تو اپنے ویرا آخرت کی کوئی فکر رہے اور نہ ہی اپنے خالق و  
 مالک کی مرضی و منشا کا کچھ ہوش رہے۔ وہ اس ”عروس ہزار واماؤ“ کی زلف گرہ گیر کا ایسا اسیر ہو کہ اس کی ظاہری  
 دل فریبیوں اور چمک دمک ہی میں کھو کر رہ جائے۔

**آیت ۱۰۲** ﴿أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ﴾ ”کیا کافروں نے یہ  
 سمجھ رکھا ہے کہ وہ میرے ہی بندوں کو میرے مقابلے میں اپنے حمایتی بنالیں گے؟“

یہ لوگ جن انبیاء و رسل ملائکہ اور صلحاء کو میرے شریک ٹھہراتے ہیں اور اپنا کارساز سمجھتے ہیں وہ سب  
 میرے بندے ہیں۔ کیا ان کا خیال ہے کہ میرے ہی بندے میرے مقابلے میں ان کی مدد اور حمایت کریں گے؟  
 خواہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ، میرے ہی بندے میرے مقابلے میں ان کے حامی و مددگار  
 اور حاجت روا ثابت ہوں گے؟

﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا﴾ ”یقیناً ہم نے تیار کر رکھا ہے جہنم کو ایسے کافروں کی  
 مہمانی کے لیے۔“

**آیت ۱۰۳** ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا﴾ ”آپ کہیے: کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اپنے اعمال  
 کے اعتبار سے سب سے زیادہ خسارے میں کون ہیں؟“

یہ ہے وہ مضمون جسے ابتدا میں اس سورت کا عمود قرار دیا گیا تھا، یعنی دنیا اور اس کی زیب و زینت! اس مضمون کے سائبان کا ایک کھونٹا سورت کے آغاز میں نصب ہے جبکہ دوسرا کھونٹا یہاں ان آیات کی صورت میں۔ ابتدائی آیات میں واضح طور پر بتایا گیا تھا کہ دنیا کی زیب و زینت اور رونقوں پر مشتمل یہ خوبصورت محفل سجائی ہی انسانوں کی آزمائش کے لیے گئی ہے۔ اس کے ذریعے سے انسانوں کے رویوں کی پرکھ پڑتا ل کرنا اور ان کی جدوجہد کی غرض و غایت کا تعین کرنا مقصود ہے: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا لِنَبْلُوهُمْ أَيُّهُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ٥﴾۔ اب یہاں آیت زیر نظر میں اُن لوگوں کی نشاندہی کی جا رہی ہے جو اپنے اعمال اپنی محنت و مشقت بھاگ دوڑ اور سعی و جہد میں سب سے زیادہ گھانا کھانے والے ہیں۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جو اس آزمائش میں ناکام ہو کر دنیا کی زیب و زینت ہی میں کھو گئے ہیں۔

جہاں تک محنت اور مشقت کا تعلق ہے وہ تو ہر شخص کرتا ہے۔ جیسے حضور ﷺ نے فرمایا: ((كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو فَبَايَعُ نَفْسَهُ، فَمُعْتَقُهَا أَوْ مُوْبِقُهَا)) (۱) ”ہر انسان جب صبح کرتا ہے تو خود کو بیچنا شروع کرتا ہے، پھر یا تو وہ اسے آزاد کرالیتا ہے یا (گناہوں سے) ہلاک کر دیتا ہے۔“ چنانچہ ہر کوئی اپنے آپ کو بیچتا ہے۔ کوئی اپنی طاقت اور قوت بیچتا ہے، کوئی اپنی ذہانت اور صلاحیت بیچتا ہے اور کوئی اپنا وقت اور ہنر بیچتا ہے۔ گویا یہ دنیا محنت، عمل اور کوشش کی دوڑ کا میدان ہے اور ہر انسان اپنے مفاد کے لیے بقدر ہمت اس دوڑ میں شامل ہے۔ مگر بد قسمتی سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی پوری کوشش اور محنت کے باوجود گھانٹے میں رہتے ہیں۔ ان کے لیے خود کو بیچنے کے اس عمل میں کچھ بھی نفع نہیں بلکہ نقصان ہی نقصان ہے، خسار ہی خسار ہے۔ تو اللہ کی نظر میں سب سے زیادہ خسارے میں رہنے والے یہ کون لوگ ہیں؟

**آیت ۱۰۴ ﴿الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾** ”وہ لوگ جن کی سعی و جہد دنیا ہی کی زندگی میں گم ہو کر رہ گئی“

ایسے لوگ جنہیں آخرت مطلوب ہی نہیں، ان کی ساری تنگ و دو اور سوچ بچار دنیا کمانے کے لیے ہے۔ آخرت کے لیے انہوں نے نہ تو کبھی کوئی منصوبہ بندی کی اور نہ ہی کوئی محنت۔ بس برائے نام اور موروثی مسلمانی کا بھرم رکھنے کے لیے کبھی کوئی نیک کام کر لیا، کبھی نماز بھی پڑھ لی اور کبھی روزہ بھی رکھ لیا۔ مگر اللہ کو اصل میں اُن سے مقصود و مطلوب کیا ہے؟ اس بارے میں انہوں نے کبھی سنجیدگی سے سوچنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔ ایسے لوگوں کو ان کی محنت کا صلہ حسبِ مشیتِ الہی دنیا ہی میں مل جاتا ہے، جبکہ آخرت میں ان کے لیے سوائے جہنم کے اور کچھ نہیں۔ اس مضمون کا ذرۂ سنا م سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیات ہیں: ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُرِيدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلَاهَا مَذْمُومًا مَّدْحُورًا ١٨ وَمَنْ أَرَادَ الْآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَشْكُورًا ١٩﴾ ”جو کوئی طلب گار بننا ہے جلدی والی (دنیا) کا تو ہم اس کو جلدی دے دیتے ہیں اس میں جو کچھ ہم چاہتے ہیں، جس کے لیے چاہتے ہیں، پھر ہم مقرر کر دیتے ہیں اس

کے لیے جہنم وہ داخل ہوگا اس میں ملامت زدہ دھتکارا ہوا۔ اور جو کوئی آخرت کا طلبگار ہو اور کوشش کرے اس کے لیے اس کی سی کوشش اور وہ مؤمن بھی ہو تو وہی لوگ ہوں گے جن کی کوشش کی قدر کی جائے گی۔ چنانچہ نجاتِ اخروی کا امیدوار بننے کے لیے ہر بندہ مسلمان کو واضح طور پر اپنا راستہ متعین کرنا ہوگا کہ وہ طالب دنیا ہے یا طالب آخرت؟ جہاں تک دنیا میں رہتے ہوئے ضروریاتِ زندگی کا تعلق ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک و بد سب کی پوری ہو رہی ہیں: ﴿كُلًّا تُمِدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا﴾ (بنی اسرائیل) ”ہم سب کو مدد پہنچائے جارہے ہیں ان کو بھی اور ان کو بھی آپ کے رب کی عطا سے اور آپ کے رب کی عطا کی ہوئی نہیں ہے۔“ لہذا انسان کو اپنی ضروریاتِ زندگی کے حصول کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر توکل رکھنا چاہیے۔ اُس نے انسان کو دنیا میں زندہ رکھنا ہے تو وہ اس کے کھانے پینے کا بندوبست بھی کرے گا: ﴿وَيُزِقُّهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: ۳) ”وہ اس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے اسے گمان بھی نہ ہوگا۔“ چنانچہ ایک بندہ مؤمن کو چاہیے کہ فکرِ دنیا سے بے نیاز ہو کر آخرت کو اپنا مطلوب و مقصود بنائے اور ان لوگوں کے راستے پر نہ چلے جنہوں نے سراسر گھائٹے کا سودا کیا ہے جن کی ساری محنت اور تنگ و دو دنیا کی زندگی ہی میں گم ہو کر رہ گئی ہے:

﴿وَهُمْ يَحْسِبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ ”اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔“ ایسے لوگ اپنے کاروبار کی ترقی، جائیدادوں میں اضافے اور دیگر مادی کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ ان کی محنتیں روز بروز نتیجہ خیز اور کوششیں بار آور ہو رہی ہیں۔

**آیت ۱۰۵** ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ﴾ ”یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا اپنے رب کی آیات اور اُس کی ملاقات کا“

ایسے لوگ بے شک اقرار کرتے ہیں کہ وہ اللہ کو اور قرآن کو مانتے ہیں، لیکن اگر حقیقتاً وہ آخرت کو بھلا کر دن رات دنیا سمیٹنے ہی میں مصروف ہیں تو اپنے عمل سے گویا وہ اللہ کی آیات اور آخرت میں اس سے ہونے والی ملاقات کا انکار کر رہے ہیں۔ اللہ کا فیصلہ تو یہ ہے: ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِیَ الْحَيَوَانُ﴾ (العنکبوت: ۶۴) ”یقیناً آخرت کی زندگی ہی اصل زندگی ہے۔“ لیکن طالبانِ دنیا کا عمل اللہ کی اس بات کی تصدیق کرنے کے بجائے اس کو جھٹلاتا ہے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ کی آیات کو اور اس کے سامنے روزِ محشر کی حاضری کو عملی طور پر جھٹلا دیا ہے۔

﴿فَحِطَّتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَزْنًا﴾ ”تو برباد ہو گئے ان کے اعمال اور ہم قائم نہیں کریں گے ان کے لیے قیامت کے دن کوئی وزن۔“

قیامت کے دن ایسے لوگوں کے اعمال کا وزن نہیں کیا جائے گا۔ اگر انہوں نے اپنے دل کی تسلی اور ضمیر کی خوشی کے لیے بھلائی کے کچھ کام کیے بھی ہوں گے تو ایسی نیکیاں جو ایمان اور یقین سے خالی ہوں گی ان کی اللہ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں ہوگی۔ چنانچہ ان کی ایسی تمام نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی اور میزان میں ان کا

وزن کرنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ اس بھیا یک انجام کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ دنیا کی آرائش و زیبائش میں گم ہو کر انسان کو نہ اللہ کا خیال رہتا ہے اور نہ آخرت کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ دنیا کی زیب و زینت کے حوالے سے یہ مضمون اس سورت میں بار بار دہرایا گیا ہے (ملاحظہ ہو: آیت ۷۷ اور ۴۶)۔

**آیت ۱۰۶** ﴿ذَلِكَ جَزَاءُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا﴾ ”ان کا بدلہ جہنم ہے بسبب اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔“

اللہ کی آیات اور رسولوں کے فرمودات کے مطابق تو اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور دُنوی زندگی کی کچھ اہمیت نہیں، مگر ان طالبانِ دنیا نے سمجھ رکھا تھا کہ اصل کامیابی اسی دُنوی زندگی کی ہی کامیابی ہے۔ چنانچہ اسی کامیابی کے حصول کے لیے انہوں نے محنت اور کوشش کی اور اسی زندگی کو سنوارنے کے لیے وہ خود کو ہلکان کرتے رہے۔ آخرت کو لائقِ اعتناء سمجھا اور نہ ہی اس کے لیے انہوں نے کوئی سنجیدہ تنگ و دو کی۔ آخرت کا خیال کبھی آیا بھی تو یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لی کہ ہم نے فلاں فلاں بھلائی کے کام بھی تو کیے ہیں اور پھر ہم حضور ﷺ کی امتی بھی تو ہیں۔ آپ ہماری شفاعت فرمائیں گے اور ہم کامیاب و کامران ہو کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ یہ عقیدہ یہودیوں کے عقیدے سے ملتا جلتا ہے۔ وہ بھی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹوں کی مانند ہیں اُس کے لاڈلے اور چہیتے ہیں۔ ان آیات کے حوالے سے ایک اہم نکتہ یہ بھی توجہ طلب ہے کہ یہاں کفار سے مراد اصطلاحی کفار نہیں، بلکہ ایسے لوگ ہیں جو قانونی طور پر تو مسلمان ہی ہیں، مگر اللہ اور اُس کے رسول کے احکام کو پس پشت ڈال کر سرِ ستاپا دنیا کے طالب بنے بیٹھے ہیں۔ اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ مذکورہ مفہوم میں جو شخص بھی آخرت کے مقابلے میں دنیا کا طالب ہے وہی ان آیات کا مصداق ہے بظاہر چاہے وہ مسلمان ہو، مسلمانوں کا لیڈر ہو، مذہبی پیشوا ہو یا کوئی بہت بڑا عالم ہو۔ اسی مضمون کو کسی بزرگ نے ”جو دم غافل سو دم کافر“ کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ آخرت کی نجات کے سلسلے میں یہ بات طے کرنا انتہائی ضروری ہے کہ بنیادی طور پر انسان طالبِ دنیا ہے یا طالبِ آخرت!

آخری رکوع کی ان آیات کا سورت کی ابتدائی آیات کے ساتھ ایک خاص تعلق ہے اور دجالی فتنے سے حفاظت کے لیے ان کی خصوصی اہمیت ہے، چنانچہ حدیث میں ان کو فتنہ دجال سے حفاظت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ابتدائی دس آیات اور ان آخری آیات کو حفظ کر لیا جائے اور کثرت سے ان کی تلاوت کی جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو جمعہ کے روز پوری سورۃ الکہف کی تلاوت کو بھی معمول بنایا جائے۔

**آیت ۷۷** ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنَّاتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا﴾ ”(اس کے برعکس) وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال کیے ان کی مہمانی کے لیے فردوس کے باغات ہوں گے۔“

جن لوگوں نے ایمان کے تقاضے بھر پور طور پر پورے کیے اور وہ نیک اعمال کرتے رہے ان کے لیے ٹھنڈی چھاؤں والے باغات ہوں گے۔ آج ہم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ باغات کیسے ہوں گے اور کہاں ہوں گے۔ اس کائنات کی وسعت بے حد و حساب ہے اور جنت کی وسعت بھی ہمارے احاطہ خیال میں نہیں سما سکتی۔

اس کائنات میں اُن گنت کہکشائیں ہیں اور نہ معلوم اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کہاں کہاں جنتیں بنا رکھی ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ نچلے درجے والا جنتی اوپر والے جنتی کو ایسے دیکھے گا جیسے آج ہم زمین سے ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ بہر حال معلوم ہوتا ہے کہ اہل جنت کی ابتدائی مہمان نوازی (نُزُل) یہیں اسی زمین پر ہوگی۔ یعنی ’’مِنَ زَمِينٍ مِّنْ دُونِهَا‘‘ ہی طے کیا جائے گا۔

**آیت ۱۰۸ ﴿خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَتَغَوَّنَ عَنْهَا حَوْلًا﴾** ”وہ اس میں ہمیشہ ہمیش رہیں گے وہاں سے وہ جگہ بدلنا نہیں چاہیں گے۔“

یعنی جنت ایسی جگہ نہیں ہے کہ جہاں رہتے رہتے کسی کا جی اُکتا جائے۔ دنیا میں انسان ہر وقت تغیر و تبدیلی کا خواہاں ہے۔ تبدیلی کی اسی خواہش کے تحت بری سے بری جگہ پر بھی کچھ دیر کے لیے انسان کا دل بہل جاتا ہے جبکہ اچھی سے اچھی جگہ پر بھی مستقل طور پر رہنا پڑے تو بہت جلد اسے اکتاہٹ محسوس ہونے لگتی ہے۔ ہم کشمیر اور سوئزر لینڈ کو ”فردوسِ برروئے زمین“ گمان کرتے ہیں، لیکن وہاں کے رہنے والے وہاں کی زمینی و آسمانی آفات سے تنگ ہیں۔ اہل جنت مستقل طور پر ایک ہی جگہ رہنے کے باعث اکتائیں گے نہیں اور وہاں سے جگہ بدلنے کی ضرورت محسوس نہیں کریں گے۔

اب اس سورت کی آخری دو آیات آرہی ہیں جو گویا توحید کے دو بہت بڑے خزانے ہیں۔

**آیت ۱۰۹ ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مَدَادًا لَّكَلِمَتِ رَبِّي لَنَفَعْتُ الْبَحْرَ قَبْلَ أَنْ تَنْفَعَهُ كَلِمَتُ رَبِّي وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِ مَدَدًا﴾** ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہیے کہ اگر سمندر روشنائی بن جائے میرے رب (کے) کلمات کو لکھنے کے لیے تو یقیناً سمندر ختم ہو جائے گا اس سے پہلے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں اگرچہ اسی کی طرح اور (سمندر) بھی ہم (اس کی) مدد کے لیے آئیں۔“

یہاں پر سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت سے پہلے کی آیت کو دوبارہ ذہن میں لائیں: ﴿قُلْ ادْعُوا اللَّهَ أَوْ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾ ”آپ کہہ دیجیے کہ تم پکارو اللہ (کہہ کر) یا پکارو رحمن (کہہ کر) جس (نام) سے بھی تم پکارو اسی کے ہیں تمام نام اچھے۔“ سورہ بنی اسرائیل کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کے اسماء کا ذکر ہے، جبکہ یہاں آیت زیرِ نظر میں اللہ تعالیٰ کے کلمات کا ذکر ہے۔ اللہ کے کلمات سے مراد اس کی مختلف النوع مخلوقات ہیں اور اُس کی ہر مخلوق اُس کے ایک ~~مذہب~~ کا ظہور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی جملہ مخلوقات کا احاطہ کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ سورہ لقمان میں یہی مضمون اس طرح بیان ہوا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ مَا فِي الْأَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمْدُ مِنْ بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَا نَفَعْتُ كَلِمَتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ”اور اگر زمین کے تمام درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی ہو، اس کے بعد سات سمندر اور ہوں تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔ یقیناً اللہ غالب، حکمت والا ہے۔“

**آیت ۱۱۰ ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَهُكُمُ اللَّهُ وَاحِدٌ﴾** ”(اے نبی ﷺ!) آپ کہہ دیجیے کہ میں تو بس تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں، مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود بس ایک

ہی معبود ہے۔“

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ ۱۸﴾ ”پس جو کوئی بھی اُمید رکھتا ہو اپنے رب سے ملاقات کی تو اسے چاہیے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے۔“

یعنی عبادت خالص اللہ کی ہو۔ یہ تو **عجلی** ہے۔ اس بارے میں سورہ بنی اسرائیل آیت ۲۳ میں یوں فرمایا گیا ہے: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ ”اور فیصلہ کر دیا ہے آپ کے رب نے کہ تم لوگ نہیں عبادت کرو گے کسی کی سوائے اُس کے۔“ سورہ الکھف کی اس آخری آیت اور سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت کا بھی آپس میں معنوی ربط و تعلق ہے۔ موازنہ کے لیے سورہ بنی اسرائیل کی آیت ملاحظہ کیجیے: ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ وَلِيٌّ مِنَ الذَّلِيلِ وَكَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْإِيمَانِ﴾ ”اور کہہ دیجیے کہ کل حمد اور کل شکر اللہ کے لیے ہے جس نے نہیں بنائی کوئی اولاد اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک بادشاہی میں اور نہ ہی اس کا کوئی دوست ہے کمزوری کی وجہ سے اور اُس کی تکبیر کرو جیسے کہ تکبیر کرنے کا حق ہے۔“ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کا بلند مقام اور اُس کی شان بیان کر کے شرک کی نفی کی گئی ہے۔ دراصل اللہ کے ساتھ شرک کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اللہ کو مرتبہ الوہیت سے نیچے اتار کر مخلوقات کے ساتھ کھڑا کر دیا جاتا ہے یا پھر مخلوقات کی صف میں سے کسی کو اٹھا کر اللہ کے برابر بٹھا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ سورہ بنی اسرائیل کی آخری آیت میں اللہ کی کبریائی کا اعلان کرنے کا حکم دے کر شرک کی پہلی صورت کا ابطال کیا گیا ہے جبکہ سورہ الکھف کی آخری آیت میں شرک کی دوسری صورت یعنی مخلوقات میں سے کسی کو اللہ کے برابر کرنے کی نفی کی گئی ہے۔

دیکھا جائے تو اللہ کی مخلوق میں سے اس کے شریک بنانے کی روایت ہر زمانے میں رہی ہے۔ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا درجہ دے دیا اور اہل عرب نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دے دیا۔ ہمارے ہاں بھی بعض لوگوں نے حضور ﷺ کو (نعوذ باللہ) خدا بنا دیا۔

وہی جو مستویٰ عرش **تھہہ** ہوا کر اُتر پڑا وہ مدینے میں مصطفیٰ ہو کر! اور کسی نے حضرت علی **علیہ السلام** کی ذات سے ملا دیا:

ہر چند علیؑ کی ذات نہیں **تھہہ** کی ذات لیکن نہیں ہے ذات **تھہہ** **عبد** علیؑ اور مرزا غالب تو اس سلسلے میں یہاں تک کہہ گئے:

غالب ندیم دوست سے آتی **تھہہ** دوست مشغولِ حق ہوں بندگی **تھہہ** تراب میں یعنی جب میں ابو تراب (حضرت علی **علیہ السلام**) کی بندگی کرتا ہوں تو درحقیقت اللہ ہی کی بندگی کر رہا ہوتا ہوں۔ اسی طرح آغا خانوں کے ہاں حضرت علی **علیہ السلام** کو ”دشم اوتار“ قرار دیا گیا۔ ہندوؤں کے ہاں نو (۹) اوتار تسلیم کیے جاتے تھے انہوں نے حضرت علیؑ کو ”دسواں اوتار“ مان لیا۔ اعاذنا اللہ من ذلک!!

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفغنى وياتكم بالآيات والذكر الحكيم oo